ایقاظ الہِمَم

فی

شرح الحِکَم

جلد اول

مصنف

احمد بن محمد عجیبۃ الحسنی رحمہ اللہ

مترجم

حضرت مولانا محی الدین نظامی رحمہ اللہ

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ
کندیاں ضلع میانوالی

المیزان

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سن اشاعت ۲۰۱۰ء
محمد شاہد عادل نے
ندیم یونس پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اُردو بازار' لاہور سے شائع کی۔

ملنے کے پتے

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ
کندیاں ضلع میانوالی
فون: 0300-6092045

مکتبہ سراجیہ
بالمقابل جامعہ مفتاح العلوم چوک سیٹلائٹ ٹاؤن' سرگودھا

مدرسہ تعلیم القرآن حسینیہ سرگودھا
0300-9601939

فہرست

اظہار تشکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سال 2009ء میں ڈھاکہ کا سفر ہوا وہاں پر برادر محترم حضرت مولانا سید مراد اللہ شاہ صاحب زیدہ مجدہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کتاب کا ذکر فرمایا الحمد للہ ثم الحمد للہ ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا ہو گیا۔

حضرت مخدومی محترمی حضرت سید نذر امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل صاحب کشف اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، انہی کی خواہش پر الحکم کی شرح ایقاظ الہمم جو کہ عربی میں ہے، اردو کے قالب میں منتقل ہوئی اور پھر ان کی یہ خواہش کہ یہ ضخیم کتاب چھپ کر ذریعہ اصلاح احوال بنے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب فرمائی، اسپر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے اس بابرکت کام میں میرے ساتھ جن جن احباب نے بھی بھرپور تعاون فرمایا انکا بھی شکر گذار ہوں خاص کر مفتی محمد طاہر مسعود صاحب، مولانا اللہ وسایا صاحب، عزیزی خلیل احمد صاحب، مولانا نگین احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں کہ ان دوستوں نے قدم قدم پر تعاون فرمایا اور مفید مشوروں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش اور محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

عزیز احمد
خانقاہ سراجیہ۔
۰۲-۰3-۱۰

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم! اما بعد

خداوند کریم بزرگ و برتر کے دربار لایزال میں سجدہ تشکر بجا لاتا ہوں کہ اس حقیر پر تقصیر بے سرو برگ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس عظیم کتاب کا پیش لفظ رقم کروں۔

الحمد للہ رب العالمین یہ اس مقدس دربار کا فیض و کرم ہے جہاں سے میرے جد امجد حضرت شاہ سید عبد السلام احمد قبلہؒ کو اللہ تعالیٰ کا قرب و عرفان حاصل ہوا۔ نانا حضرت کے وصال کے بعد میرے پیر و مرشد والد محترم حضرت شاہ سید نذر امام محمد صاحب قبلہؒ کو اس دربار سے کچھ ایسی وابستگی اور محبت تھی جس کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ ہر سال حج بیت اللہ سے واپسی پر پاکستان تشریف لے جاتے، حاجی مشتاق الٰہی اور محمود الٰہی صاحب کے دولت خانے پر قیام ہوتا۔ چند مرحوم رفقاء کار کے ہمراہ اسلام آباد میں حاجی چاند خان صاحب کے مکان تشریف لے جاتے۔ (چاند خان صاحب پیر و مرشد کے خلیفہ بھی ہیں) درویشوں کی یہ جماعت کندیاں شریف اور موسیٰ زئی شریف حاضر ہوتی، آقا حضور قبلہ خان محمد صاحب دامت فیوضہ و برکاتہ کی صحبت سے مشرف ہوتی۔ میں نے حضرت ابا جی سے حضرت آقا حضور کے اخلاق اور محبت کی باتیں سنی تھیں اور دل میں ان سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر حضرت ڈھاکہ تشریف لائے تو اس گناہگار کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

گزشتہ سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم تھا۔ ایک شب خواب میں آقا حضور کی زیارت حاصل ہوئی۔ اسی وقت حضرت پیر و مرشد بھی تشریف لائے۔ پھر ایک مجلس دیکھی جس میں علماء اور درویش تشریف فرما تھے کسی کتاب کی طباعت کی بات ہو رہی تھی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ اس

کتاب کے ترجمہ کے بعد اور وصال سے کچھ عرصہ قبل مجھے پیر و مرشد نے وصیت فرمائی تھی کہ اس کو کندیاں شریف میں پیش کر دینا تا کہ وہاں اسکی طباعت کا اہتمام ہو۔ بنگلہ دیش میں اردو کا چرچہ پہلے جیسا نہیں رہا اور اس کی طباعت کا کام بھی کافی دشوار تھا۔ حضرت قبلہ محترم المقام عزیز صاحب زیدہ مجدہ و کرامتہ جب ڈھاکہ تشریف لائے تو میں نے اپنے خواب کا ذکر کیا اور کتاب کے بارے میں حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت نے بڑی شفقت فرمائی اور کتاب کی فوٹو کاپیاں اپنے ساتھ لے گئے اور طباعت کا انتظام فرمایا، جس کے لئے میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

یہ کتاب مشہور صوفی بزرگ عطاء اللہ اسکندری کی تصنیف ''الحکم'' کی شرح ہے جو ''ایقاظ الہمم'' کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کے مترجم مولانا محی الدین نظامی ہیں، جو عربی زبان کے ماہرین میں تھے۔ پستہ قد، نحیف بدن، سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ پان سے خاص شغف تھا، آنکھوں میں مخصوص چمک تھی، جو انکی ذہانے اور فطانت کا پتا دیتی تھی۔ جس محفل میں جاتے اپنی منطقی اور مدلل جوابات سے لوگوں کو خاموش کر دیتے۔ اس ناچیز کو چند روز انکی تلمذ کا شرف حاصل رہا اور عربی زبان کے قواعد صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام والد صاحب قبلہ نے انکے سپرد کیا۔ بہت کم گو تھے اور کوئی بھی معاملہ ہوتا اسکے تہہ میں اتر جاتے تھے، اس کتاب کے ترجمہ نے ان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ حضرت مولانا یونس خان صاحب مصنف سبل السلام سے انکی بڑی دوستی تھی۔ میں انکی خدمت میں ''تحفہ سعدیہ'' پڑھا کرتا تھا، مولانا بعض اوقات وہاں حاضر ہوتے اور ہمہ تن گوش ہو کر تحفہ سعدیہ کے واقعات سنتے۔ پھر مولانا نظامی گویا ہوتے، فرماتے واقعی کیا کتاب ہے۔ الغرض اس کتاب نے انکو درویش بنا دیا۔

کتاب کے ترجمے کے بعد مولانا وطن مالوف یعنی بہار تشریف لے گئے۔ انکی حالت زندگی کے بارے بہت کم معلومات ہیں اور وہ اسکا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ بہار میں ہی انہوں نے انتقال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انکو غریق رحمت کرے۔ آمین۔

علامہ عطاء اللہ اسکندری کی یہ کتاب کی شرح ایک آئینہ ہے،۔ قاری اس آئینہ میں اپنی کوتاہیوں اور نفسانی بیماریوں کا مشاہدہ کرسکتا ہے اور پھر اس میں بتائے گئے طریقوں سے نفس کی اصلاح کرسکتا ہے۔

اس ناچیز اور عاصی کی یہ التجا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسکے نفس کی اصلاح ہو، اولیائے کرام اور پیران کرام کی توجہات وروحانی فیض حاصل ہو۔

احب الصالحین و لست منھم

لعل اللہ یرزقنی منہ صلاحا

نیازمند

خاکپائے بزرگاں ودرویشاں

غلام غلامان سرہند وموسیٰ زئی وکندیاں

سعید مراد رحمہ احمد سعیدی مبرکتی نقشبندیہ مجددی

تعارف از مصنفؒ

(یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا)

''اے اللہ جس کو چاہتا ہے حکومت عطا فرماتا ہے اور جس شخص کو حکومت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر (بہت بھلائی) عطا''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے مولا و رب کا محتاج اور اس کے ماسوا سے بے نیاز بندہ حقیر احمد بن محمد عجیبۃ الحسنی (اللہ تعالیٰ اس پر اپنا لطف و کرم فرمائے اور اس کو محبت عطا کرے) عرض کرتا ہے۔ کہ در حقیقت وہ بہترین بات جس پر دل مضبوطی سے قائم ہوا، اور فصاحت اور بیان کی زبانوں ل ےاس کو بیان کیا، اور قلموں نے اس کو لکھا، وہ اللہ فتاح و علیم و کریم و منان کی حمد ہے۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے اپنے اولیائے کرام کے قلوب کو اپنی محبت سے بھر دیا۔ اور ان کی مقدس روحوں کو اپنی عظمت کے مشاہدے سے ممتاز فرمایا۔ اور اپنی معرفت کا بوجھ اٹھانے کے لئے ان کے اسرار کو آمادہ کیا۔ پس ان کے قلوب اس کی معرفت کے باغیچوں میں تفریح کررہے ہیں۔ اور ان کی ارواح اس کے ملکوت کے باغوں میں ٹہل رہی ہیں۔ اور ان کے اسرار اس کے جبروت کے دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ لہذا ان کی فکروں نے علوم کی موتیوں کو نکالا۔ اور ان کی زبانوں نے حکمت اور سمجھ کے جواہرات بیان کئے۔ لہذا پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو اپنی حضوری کے لئے منتخب کیا۔ اور اپنی محبت سے ان کو امتیاز بخشا۔ پس وہ حضرات سالک و مجذوب اور محب و محبوب ہیں۔ اپنی ذات کی محبت میں ان کو فنا کیا۔ اور اپنی صفات کی نشانیوں کے مشاہدے میں ان کو بقاء عطا فرمایا۔

اور درود و سلام ہے علوم و انوار کے سرچشمہ معارف و اسرار کے مخزن سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ تعالیٰ ان کے اصحاب اور اہل بیت اطہار سے راضی ہوا

(ہر شئی کے بعد اور قبل اور ساتھ) واضح ہو کہ علم تصوف مرتبہ کے لحاظ سے اور مقام و بزرگی کے اعتبار سے اہم اور بزرگ علوم میں سے ہے اور آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن ہے اور کیوں نہ ہو۔ وہ شریعت کا مغز اور طریقت کا سیدھا راستہ ہے اور اس سے حقیقت کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور کتاب ''اَلْحِکَمُ الْعَطَائِیّہ'' علم تصوف میں بہت بڑے درجے کی کتاب ہے۔ کیونکہ غیبی عطیہ اور ربانی اسرار ہے۔ اس میں افکار قدسیہ اور اسرار جبروتیہ بیان کئے گئے ہیں؟

ہمارے شیخ واصل محقق کامل سیدی محمد البوزیدی الحسنی نے مجھ سے فرمایا کہ میں اس کتاب کی اوسط درجے کی شرح لکھوں۔ جس میں معنی کی تشریح اور اصولوں کی تحقیق ہو۔ اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوت پر بھروسہ کر کے، اور اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے خزانوں سے جو کشادگی عطا فرماتا ہے۔ اس پر اعتماد کر کے، اور حضرات صوفیائے کرام نے علم تصوف میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے جو مناسب ہو منتخب کر کے اس کام کو انجام دوں۔ لہذا میں نے حضرت شیخ کی فرمائش کو قبول کیا اور ان کی خواہش کے موافق مین نے اس کام کو انجام دیا۔ امید ہے کہ طالبان حق کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

''وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ''

اور مجھ کو توفیق دینی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا۔ اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

اور اس کتاب کا نام میں نے ''ایقاظ الھمم فی شرح الحکم'' رکھا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے لیے خالص بنائے اور حضرت نبی کریم ﷺ کے طفیل اس کو قبول فرمائے۔

کتاب شروع کرنے سے پہلے میں نے دو مقدمہ مرتب کیا ہے:۔

پہلا مقدمہ:۔ تصوف کی تعریف، اس کا موضوع، اس کے وضع کرنے والے، اس کی وجہ تسمیہ، اس کے لئے مدد حاصل کرنی، اس کے متعلق شارع علیہ السلام کا حکم، اس کے مسائل کا تصور، اس کی فضیلت، اس کی نسبت اور اس کے نتیجے کے بیان میں ہے۔

دوسرا مقدمہ:۔ حضرت مصنفؒ کے تعارف اور ان کی صفات اور خوبیوں کے بیان میں ہے۔

پہلا مقدمہ

تصوف کی تعریف

سید الطائفہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تصوف، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری ذات سے فنا کر دے۔ اور تجھ کو اپنی ذات سے متعلق کر کے زندہ رکھے۔ نیز یہ بھی فرمایا:۔ ماسوی اللہ سے تعلق ختم کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ یعنی قلب کی تمام توجہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہے۔

اور بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، تمام بہترین صفات اور اعلیٰ اخلاق میں داخل ہونا، اور تمام بری صفات اور پست اخلاق سے نکل جانا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، اخلاق حسنہ ہے جو نیک زمانے میں پاکیزہ اور بزرگ لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوا۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، یہ ہے کہ نہ تو کسی شی کا مالک ہو۔ اور کوئی شی تیری مالک ہو۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ کسی شی کو اپنا نہ سمجھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی اور کسی خیال کا غلبہ تیرے اوپر نہ ہو۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ نفس کا اللہ تعالیٰ کے ارادے کے موافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی رہنا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف کی بنیاد تین خصلتوں پر رکھی گئی ہے۔

(اول) فقر، (مال کا نہ ہونا) اور افتقار (اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا) کو مضبوطی سے پکڑنا۔ دوم۔ بخشش اور ایثار پر قائم ہونا سوم۔ تدبیر اور اختیار کو ترک کرنا۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، حقیقتوں کا اختیار کرنا، اور مخلوق کی اشیاء سے مایوس ہو جانا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، جمعیت و حضور قلب کے ساتھ ذکر، گوش قلب کی سماعت کے ساتھ وجدانی کیفیت، اتباع سنت کے ساتھ عمل ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، محبوب کے دروازے پر کھڑا رہنا ہے۔ اگرچہ جھڑک دیا گیا ہو۔ (بھگا دیا گیا ہو)

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، دوری کی کدورت دور ہونے کے بعد قرب کی صفائی اور مقبولیت کا حاصل ہونا۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، تمام وسوسوں اور خطرات سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف، کائنات کے دیکھنے سے محفوظ ہو جانا ہے۔

سچے صوفی کی علامت۔ یہ ہے

1۔ مالدار ہونے کے بعد محتاج ہو جانا 2۔ عزت والا ہونے کے بعد ذلیل ہو جانا۔ 3۔ مشہور ہونے کے بعد گمنام ہو جانا۔

جھوٹے صوفی کی علامت

یہ ہے (۱) محتاج ہونے کے بعد مالدار ہو جانا (۲) ذلیل و رسوا ہونے کے بعد عزت والا ہو جانا۔ (۳) گمنام ہونے کے بعد مشہور ہو جانا۔ یہ علامات حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت حسن بن منصور رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔ صوفی اپنی ذات میں تنہا ہے۔ نہ اس کو کوئی شخص قبول اور پسند کرتا ہے۔ نہ وہ کسی شخص کو قبول اور پسند کرتا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے:۔ صوفی کی مثال زمین کی طرح ہے۔ زمین میں کل بری چیزیں ڈالی جاتی

ہیں۔لیکن زمین سے سب اچھی اور مفید چیزیں نکلتی ہیں۔اور اچھے اور برے سب اس پر بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے:۔ سب سے بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے صوفی وہ ہے جو مخلوق سے تعلق ختم کر کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرے۔اور ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے۔اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ

میں نے تجھ کو اپنی ذات کے لئے بنایا ہے۔

پھر انہوں نے فرمایا۔ صوفیائے کرام حق سبحانہ تعالیٰ کے آغوش میں بچے ہیں۔

نیز بیان کیا گیا ہے: نہ زمین صوفی کا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔نہ آسمان اس پر سایہ کر سکتا ہے۔یعنی کائنات صوفی کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تصوف کی تعریف وتشریح وتفسیر بہت طریقوں سے کی گئی ہے۔جن کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔سب کا مرجع صرف ایک مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سچی اور خالص و کامل توجہ ہو۔پس یہی ایک مقصد سب طریقوں میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت زروقؒ نے فرمایا:۔ کسی ایک حقیقت کے اندر اگر اختلاف زیادہ ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حقیقت کا مفہوم عقل و سمجھ سے باہر ہے پھر اگر وہ سارے اختلافات ایک ایسے اصول کی طرف لوٹتے ہوں جو تمام مختلف طریقوں سے بیان کی ہوئی تعریفوں کو شامل ہو۔تو سب کی تعبیر اسی اصولوں کے مفہوم کے ساتھ ہوگی۔اختلافات اس کی تفصیلات بیان کرنے میں واقع ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک کا اعتبار اس کی مثال کے مطابق علم وعمل، حال و ذوق وغیرہ کے لحاظ سے ہے۔تصوف کی تشریح میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے اور اسی وجہ سے حافظ ابو نعیم رحمتہ اللہ علیہ نے اکثر اہل تصوف کے اس قول کو کہ تصوف یہ ہے، کہنے والے کے حال کے مطابق فرمایا ہے۔اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سچی اور کامل توجہ جس کو حاصل ہے اس کو تصوف حاصل ہے۔

اور ہر شخص کا تصوف اس کی سچی اور خالص توجہ الی اللہ ہے۔ لہٰذا ان تشریحات سے یہ سمجھ لو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توجہ کا نام تصوف ہے۔

حضرت زروقؒ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔ قاعدہ:۔ صدق توجہ مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو۔ اور اس طریقے پر توجہ ہو، جو حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اور مشروط عمل شرط پوری کئے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کفر کو نہیں پسند کرتا ہے''

لہٰذا ایمان کی تحقیق کر کے مضبوط اور پختہ کرنا واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ

''اور اگر تم شکر کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے''

پس اسلام کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے۔ لہٰذا بغیر علم فقہ کے تصوف کا وجود نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری احکام فقہ ہی سے معلوم ہوتے ہیں اور بغیر تصوف کے فقہ کا وجود نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بغیر صدق توجہ کے کوئی عمل درست اور مقبول نہیں ہے۔ اور تصوف اور فقہ دونوں، ایمان کے بغیر درست نہیں ہیں۔ لہٰذا تینوں کا ایک ساتھ پایا جانا لازم ہے۔ اس لئے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اس طرح لازم ہیں، جس طرح جسم کے لئے روح لازم ہے۔ یعنی روح اور جسم ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ جسم کے بغیر روح کا وجود نہیں ہو سکتا ہے اور روح کے بغیر جسم کا کمال نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اسی بناء پر فرمایا ہے: جس شخص نے تصوف اختیار کیا اور فقہ نہیں حاصل کیا وہ زندیق ہو گیا۔ اور جس شخص نے فقہ حاصل کی اور تصوف نہیں حاصل کیا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے فقہ اور تصوف دونوں کو حاصل کیا وہ حقیقت کو پانے میں کامیاب ہوا۔

میں کہتا ہوں: پہلے شخص کے زندیق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جبر کا قائل ہے۔ جو حکمت اور

احکام کی نفی کا سبب ہے یعنی اس کے نزدیک فقہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہے جو احکام کا مجموعہ ہے اور دوسرے کے فاسق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا علم صدق توجہ سے خالی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکنے والی ہے اور اخلاص سے خالی ہے۔ جو تمام اعمال کے لئے لازمی شرط ہے۔ اور تیسرے کے حقیقت کو پالینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑنے میں حقیقت کے ساتھ قائم ہے۔ لہذا اس کو بخوبی پہچانو۔ کیونکہ تصوف یعنی صدق توجہ واخلاص کا وجود احکام واعمال کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اور فقہ یعنی احکام واعمال کا کمال صدق توجہ واخلاص کے بغیر ناممکن ہے۔ اس کو بخوبی سمجھو۔

تصوف کا موضوع: اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مقدس ذات ہے اس لئے کہ تصوف اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بحث کرتا ہے۔ یا دلیل سے۔ یعنی دلیل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پر روشنی ڈال کر اس کے وجود کو ثابت کرتا ہے یا شہود وعیان (بصیرت قلبی کے مشاہدہ ومعائنہ) سے

پہلا طریقہ: ۔ طالبین کے لئے ہے اور دوسرا طریقہ:۔ واصلین کے لئے ہے

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے:۔ تصوف کا موضوع، نفس اور قلب اور روح ہے کیونکہ تصوف ان کی صفائی اور درستی سے بحث کرتا ہے اور یہ موضوع بھی پہلے موضوع سے قریب ہے اس لئے کہ:۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

علم تصوف کے وضع کرنے والے: حضرت نبی کریم ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلے شریعت لے کر نازل ہوئے۔ جب شریعت قائم ومضبوط ہوگئی تب حقیقت لے کر نازل ہوئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ علم بعض خاص حضرات کو سکھایا کیونکہ سب لوگ اس کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

پہلے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تصوف کو ظاہر کیا اور اس کی تعلیم دی اور حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت حسن بصریؒ کی والدہ محترمہ حضرت خیرہ، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں۔ اور ان کے والد بزرگوار حضرت زید بن ثابت کے غلام تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی وفات سنہ ۱۱۰ ایک سو دس ہجری میں ہوئی اور حضرت

حسن بصری سے حضرت خواجہ حبیب عجمی نے، اور حضرت حبیب عجمی سے حضرت خواجہ ابوسلیمان داؤد طائی نے، اور حضرت داؤد طائی سے حضرت ابومحفوظ خواجہ معروف بن فیروز کرخی نے، اور حضرت معروف کرخی سے حضرت ابوالحسن خواجہ سری سقطی نے حاصل کی۔ حضرت سری سقطی کی وفات سن ۱۵۱ ایک سو اکاون ہجری میں ہوئی۔ حضرت سری سقطی سے طریقہ صوفیہ کے امام حضرت خواجہ ابوالقاسم محمد بن جنید خزاز نے حاصل کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت جنیدؒ کا آبائی وطن نہاوند تھا۔ اور آپ عراق میں پیدا ہوئے۔ علم فقہ حضرت امام ابوثور و حضرت امام شافعیؒ کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا۔ حضرت امام ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ پھر آپ نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ اور حضرت ابوالحارث محاسبیؒ اور دوسرے بزرگان دین کی صحبت اختیار کی۔ آپ کے کلام اور حقائق کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات ۲۹۷ دو سو ستانوے ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک بغداد میں مشہور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ پھر ان کے بعد تصوف ان کے اصحاب میں پھیل گیا اور اب تک جاری ہے۔ اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک دین جاری رہے گا اور یہ منقطع نہ ہوگا۔ جب تک دین منقطع نہ ہوگا۔

دوسری روایت یہ ہے:۔ سیدنا حضرت علیؓ سے ان کے صاحبزادے اول الاقطاب حضرت امام حسنؓ نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ان سے حضرت ابومحمد جابر نے، پھر قطب سعید غزدانی نے، پھر قطب فتح السعود نے، پھر قطب سعد نے، پھر قطب سعید نے، پھر قطب سیدی احمد مردانی نے، پھر ابراہیم بصری نے، پھر زین الدین قزوینی نے، پھر قطب شمس الدین نے، پھر قطب تاج الدین نے، پھر قطب نور الدین ابوالحسن نے، پھر قطب فخر الدین نے، پھر قطب تقی الدین الفُقَیر نے، پھر قطب سیدی عبدالرحمٰن المدنی نے، پھر قطب کبیر مولائے عبدالسلام بن مشیش نے، پھر مشہور قطب ابوالحسن شاذلی نے، پھر ابوالعباس مرسی نے، پھر عارف کبیر سیدی احمد بن عطاء اللہ نے، پھر عارف کبیر سیدی داؤد باخلی نے، پھر عارف سیدی محمد بحر الصفاء نے، پھر ان کے صاحبزادے عارف سیدی علی نے، پھر مشہور ولی سیدی یحییٰ قادری نے، پھر مشہور ولی سیدی احمد بن عقبہ حضرمی

نے، پھر ولی کبیر سیدی احمد زروق نے، پھر سیدی ابراہیم افحام نے، پھر سیدی علی الصنہاجی نے، جو دوار کے نام سے مشہور ہیں، پھر عارف کبیر سیدی ابن عبدالرحمٰن مجذوب نے، پھر مشہور ولی سیدی یوسف فاسی نے، پھر عارف سیدی عبدالرحمٰن فاسی نے، پھر عارف سیدی محمد بن عبداللہ نے، پھر عارف سیدی عربی بن عبداللہ نے، پھر عارف کبیر سیدی علی بن عبدالرحمٰن عمرانی حسنی نے، پھر سیدی شیخ المشائخ مولائے عربی درقاوی حسنی نے، پھر عارف کامل محقق واصل شیخنا سیدی محمد بن احمد بوزیدی حسنی نے، پھر کمترین بندہ رب احمد بن محمد عجیبہ حسنی نے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر اس حقیر سے بہت لوگوں نے علم تصوف حاصل کیا۔ اللہ علی وکبیر کا شکر واحسان ہے۔

تصوف کا نام:۔

اس کا نام علم تصوف ہے۔ اور تصوف کس لفظ سے بنا ہے۔ اس میں بہت سے اقوال کی بناء پر اختلاف ہے اور تمام اقوال کا مرجع پانچ ہیں۔

پہلا

یہ کہ تصوف، لفظ ''صوف'' سے بنایا گیا ہے۔ اس لئے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بکھرے ہوئے اون کی طرح ہے۔ جس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔ نہ اس اون سے کچھ بنانے کی کوئی تدبیر ہے۔ (صوفی اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے کو ذلیل بلکہ فنا کر دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں اپنی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو بکھرے ہوئے اون کی طرح ہیچ و ناکارہ سمجھتا ہے۔)

دوسرا

یہ کہ تصوف، لفظ ''صُوْفَۃُ الْقِفَا'' سے بنایا گیا ہے۔ بوجہ مشابہت نرمی کے۔

صوفۃ القفا:۔ گردن کا بال: بہت نرم ہوتا ہے۔ پس صوفی اسی بال کی طرح نرم ہوتا ہے۔

تیسرا

یہ کہ تصوف، لفظ ''صفت'' سے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ تصوف کا کل مقصد اچھی صفتوں سے موصوف ہونا، اور بری خصلتوں کو ترک کرنا ہے۔

چوتھا

یہ کہ تصوف، لفظ ''صفا'' سے بنایا گیا ہے۔ صفاء کے معنی، صفائی۔ اور یہ قول زیادہ صحیح ہے۔
جیسا کہ حضرت ابوالفتح بسنی رحمتہ اللہ علیہ نے صوفی کے بارے میں فرمایا ہے:

تَخَالَفَ النَّاسُ فِی الصُّوفِیْ وَاخْتَلَفُوْا ○ جَهْلاً وَ ظَنُّوْا مُشْتَقًّا مِّنَ الصُّوْفِ

''لوگوں نے صوفی کے بارے میں نادانی سے اختلاف کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ صوفی صوف سے بنا ہے''۔

وَلَسْتُ اَمْنَحُ هَذَا الْاِسْمَ اِلَّا فَتًی ○ صَافیٰ فَصُوْفِیَ حَتّٰی سُمِّیَ الصُّوْفِیْ

''اور میں یہ نام صوفی ایسے جوان کو عطا کرتا ہوں جس نے اپنی محبت اور توجہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کی۔ پس وہ ہر تعلق سے منقطع ہو کر پاک وصاف ہو گیا۔ تو اس کا نام صوفی رکھا گیا''۔

پانچواں

یہ کہ تصوف، مسجد نبوی ﷺ کے ''صفہ'' سے بنایا گیا ہے۔ جو اصحاب صفہ کے بیٹھنے اور رہنے کی جگہ تھی۔ اس لئے کہ صوفی ان اوصاف میں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ثابت کیا ہے۔ ان کا تابع اور پیرو ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

''آپ اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح وشام اس کے دیدار کا ارادہ کر کے پکارتے ہیں ثابت وقائم رکھئے۔''

اور یہ قول ایک ایسا اصول ہے جس کی طرف تمام اقوال رجوع کرتے ہیں۔ ایسا ہی حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے۔

تصوف میں جن چیزوں سے مدد حاصل کی جاتی ہے:۔ تصوف کو کتاب اللہ، اور سنت اور صالحین کے الہامات، اور عارفین کے فتوحات سے مدد حاصل ہوتی ہے۔ اور علم فقہ کی بہت سی اشیاء

تصوف میں داخل کی گئی ہیں۔ کیونکہ تصوف میں ان مسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کے کتاب العبادات، و کتاب العادات، و کتاب المھلکات، و کتاب المنجیات میں ان کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کو جاننا اور سیکھنا تصوف میں کمال حاصل کرنے کیلئے شرط نہیں ہے مگر عبادات میں جن مسائل کی ضرورت پڑتی ہے ان کا علم حاصل کرنا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصوف کے متعلق شارع علیہ السلام کا حکم:۔ حضرت امام غزالی ؒ نے فرمایا ہے:۔ تصوف، فرض عین ہے۔ اس لئے کہ عیب یا مرض سے انبیاء علیہ السلام کے سوا کوئی پاک یعنی معصوم نہیں ہے۔

اور حضرت شاذلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔ جو شخص ہمارے علم تصوف میں داخل نہیں ہوا۔ وہ کبیرہ گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے (قائم رہتے ہوئے) مرا۔ لیکن اس کو خبر نہیں ہے۔

اور چونکہ علم تصوف فرض عین ہے۔ اس لئے تصوف کی تعلیم دینے والے مشائخ کے پاس سفر کر کے جانا واجب ہے جب کہ وہ تربیت کے لئے مشہور ہوں۔ اور روحانی امراض کے لئے ان کے ہاتھ کی دوا مشہور ہو چکی ہو۔ اگر چہ اس کے لئے والدین کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔ مشائخ تصوف جیسے امام بلالی اور سنوسی وغیرہ نے اس کو مستند قرار دیا ہے۔

حضرت شیخ سنوسیؒ نے فرمایا ہے:۔ نفس جب غالب ہو کر دشمن کی طرح اچانک سامنے آ جائے۔ تو اس سے مجاہدہ اور مقابلہ کرنے کے لئے امداد چاہنی ضروری ہے۔ اگر چہ والدین اس کی مخالفت کریں۔ جیسا کہ دشمن جب مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آ جائے۔ تو اس سے مقابلہ کرنا لازمی ہے۔ شرح جزیری میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

ایک عارف نے یہ حقیقت اپنے اشعار میں بیان فرمائی ہے:

أُخَاطِرُ فِيْ مَحَبَّتِكُمْ بِرُوْحِيْ ۔۔۔ وَاَرْكَبُ بَحْرَكُمْ اِمَّا وَ اِمَّا

”میں تمہاری محبت میں اپنی روح کے ساتھ محو رہتا ہے۔ اور تمہاری معرفت کے دریا پر میں سوار ہوں کبھی ایک حال میں کبھی دوسرے حال میں۔“

وَاَسْلُكُ كُلَّ فَجٍّ فِيْ هَوَاكُمْ وَاَشْرَبُ كَاْسَكُمْ لَوْ كَانَ سَمًّا

''اور میں تمہاری خواہش میں ہر راستے پر چلتا ہوں نزدیک ہو یا دور آرام ہو یا تکلیف اور تمہارا پیالہ پیتا ہوں اگرچہ وہ زہر نہ ہو''

وَلَا اَضحیٰ اِلٰی مَنْ قَدَ نَهَانِیْ وَلِیْ اُذُنٌ مِنَ الْعِذَّالِ صُمًّا

''اور میں اس شخص کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں جو مجھ کو تمہاری محبت سے منع کرتا ہے، اور ملامت کرنے والے کی باتیں سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔

اُخَاطِرُ بِالْخَوَاطِرِ فِيْ هَوَاكُمْ وَاَتْرُكُ فِيْ رِضَاكُمْ اَبًا وَّ اُمًّا

''میں اپنے قلب کے کل خیالات کے ساتھ تمہاری محبت میں محو رہتا ہوں اور تمہاری رضامندی کے لئے باپ اور ماں کو ترک کر دیتا ہوں''۔

تصوف کے مسائل کا خیال رکھنا:

وہ یہ ہے۔ کہ ان اصطلاحات اور کلمات کو معلوم کرنا اور پہچاننا جو حضرات صوفیائے کرام کے طبقے میں مستعمل ہیں۔ جیسے اخلاص، صدق، توکل، زہد، ورع، رضا، تسلیم، محبت، فنا، بقاء۔ اور جیسے ذات، صفات، قدرت، حکمت، روحانیت، بشریت۔ اور جیسے حال، وارد، مقام وغیرہ۔

حضرت قشیری ؒ نے اپنے رسالہ کے ابتدائی حصے میں اس کی تشریح فرمائی ہے: اور میں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا نام میں نے ''معراج التشوف الی حقائق التصوف'' رکھا ہے۔ میں نے اس میں تصوف کی ایک سو حقیقتیں بیان کی ہیں۔ جو شخص تصوف اور اس کے حقائق و معارف سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ اس کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاکہ صوفیائے کرام کے کلام کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اس کتاب میں میں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ تصوف کے مسائل میں یہ حقیقت بھی سمجھنی ہے کہ وہ ایسے امور ہیں جن پر سالک اپنی سیر کی حالت میں بحث کرتا ہے۔ تاکہ ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے۔ جیسے اخلاص کا عمل کے لئے شرط ہونا، اور زہد کا طریقت کے لئے رکن ہونا، اور گوشہ نشینی اور خاموشی کا مطلوب ہونا۔ اور انہیں امور کی طرح بہت سے امور ہیں۔ جو اس فن کے مسائل ہیں۔ لہذا تصوف میں علمی و عملی طور پر غور خوض کرنے سے پہلے ان کا جاننا اور

خیال رکھنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصوف کی فضیلت

پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تصوف کا موضوع، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات عالیہ ہے۔ اور وہ تمام کائنات سے مطلقاً افضل ہے۔ لہذا جو علم اس سے متعلق ہے۔ وہ تمام علوم سے افضل ہے۔ اس لئے کہ وہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی خشیت (خوف) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وسط میں اس کے معاملے کی طرف، اور انتہا میں اس کی معرفت، اور اس کی طرف خالص توجہ، اور کل موجودات سے منقطع ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اسی بناء پر حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ آسمان کے نیچے اس علم تصوف سے جس کے متعلق ہم اپنے اصحاب سے گفتگو کرتے ہیں، افضل بھی کوئی علم ہے۔ تو ہم اس کو دوڑ کر حاصل کرتے۔

حضرت شیخ صقلی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''انوار القلوب فی علم الموہوب'' میں فرمایا ہے:۔ جس شخص نے اس علم تصوف کی تصدیق کی۔ وہ خاص لوگوں میں سے ہے۔ اور جس نے اس کو سمجھا۔ وہ خاص الخاص لوگوں میں سے ہے۔ اور جو اسکی انتہا تک پہنچ گیا۔ وہ ایسا روشن ستارہ ہے۔ جس کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور ایسا سمندر ہے جس کا پانی کم نہیں ہو سکتا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے:۔ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کے لئے اس طریقہ کی تصدیق کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ تو تم اس کو بشارت دو۔ اور جب تم ایسے شخص کو دیکھو جس کے لئے اس میں فکر اور سمجھ کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ تو تم اس کے اوپر رشک کرو۔ اور جب تم ایسے شخص کو دیکھو جس کے لئے حقیقت کے بیان کرنے کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ تو تم اس کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور جب کسی ایسے شخص کو دیکھو جو تصوف میں عیب جوئی و نکتہ چینی کرتا ہے۔ تو تم اس سے اسی طرح بھاگو جس طرح شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہو، اور اس سے جدا ہو جاؤ۔

دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ انسان کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ مگر تصوف ایسا علم ہے، کہ کوئی شخص کسی زمانے میں بھی، اس کی ضرورت سے بے نیاز نہیں

ہوسکتا ہے۔ (کیونکہ موت کے پل سے گزر کر جس بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں اس کو حاضر ہونا ہے اسی بارگاہ کے آداب ولوازمات، اور بادشاہ حقیقی کی رضامندی حاصل کرنا اس علم کا مقصود ہے)

علم تصوف کی نسبت:۔

دوسرے دینی علوم سے علم تصوف کی نسبت یہ ہے۔ کہ علم تصوف کل علوم کی بنیاد اور شرط ہے۔ اس لئے کہ کوئی علم اور عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ کے بغیر قابل اعتبار نہیں ہے۔ لہذا اصدق توجہ و اخلاص سب کے لئے شرط ہے۔ یہ کسی علم و عمل کے صحیح ہونے، اور جزا و ثواب کے لائق ہونے کی شرعی حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ لیکن خارجی وجود کے اعتبار سے، تو علوم بغیر تصوف کے پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ ناقص اور نا قابل اعتبار ہیں۔

اسی بناء پر حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا ہے:۔ تصوف کی نسبت دیگر علوم سے ایسی ہے جیسے علم بیان کی نسبت علم نحو سے۔ یعنی ان علوم میں تصوف باعث کمال اور ان کو مکمل اور بہتر بنانے والی ہے۔

اور حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے:۔ دین کے ساتھ تصوف کی نسبت ایسی ہے۔ جیسے جسم کے ساتھ روح کی نسبت۔ اس لئے کہ وہ احسان کا مرتبہ ہے۔ جس کی تفسیر حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں اس طرح فرمائی ہے:۔

"اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ"

"تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے"

اس کا معنیٰ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ رویت کا انحصار مشاہدہ کے بعد مراقبہ پر ہے۔ یا مراقبہ کے بعد مشاہدہ پر ہے۔ (اور مراقبہ و مشاہدہ تصوف کے بغیر ممکن نہیں ہے) اور مراقبہ و مشاہدہ کے بغیر نہ کبھی رویت کا وجود قائم ہوا۔ نہ موجود ظاہر ہوا۔ پس اس کو بخوبی غور کر کے سمجھنا چاہیے۔

اور شاید حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے "مشاہدہ کے بعد مراقبہ" سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے شہود کے ذریعے بقاء کی طرف لوٹنا مراد لیا ہے۔

تصوف کا فائدہ

قلوب کا درست کرنا، اور علام الغیوب کی معرفت حاصل کرنی ہے۔

یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہو۔

تصوف کا فائدہ، نفس کی سخاوت، اور قلب کی سلامتی، اور کل مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ علم تصوف جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ زبان کی بکواس نہیں ہے۔ بلکہ یہ درحقیقت ذوق و وجدان ہے۔ اور اس کو کتاب کے ورقوں سے نہیں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ صرف اہل ذوق عارفین کاملین سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ قیل وقال سے نہیں پایا جاتا ہے۔ بلکہ اہل کمال مشائخ کی خدمت اور صحبت سے میسر ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم، جو شخص بھی کامیاب ہوا۔ وہ صرف کامیاب ہونے والوں کی صحبت سے کامیاب ہوا ہے۔ اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

دوسرا مقدمہ

حضرت مصنفؒ کی شخصیت کا تعارف

وہ شیخ و امام، دین کے تاج، عارفین کے ترجمان، ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن عیسیٰ بن حسین بن عطاء اللہ ہیں۔ ان کا نسب جذامی، مذہب مالکی، وطن اسکندریہ، مزار قرافی میں ہے۔ وہ حقیقت میں صوفی، طریقت میں شاذلی، اپنے زمانہ کے مشہور انوکھے چنے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۷۰۹ سات سونو ہجری میں ہوئی۔ یہ حضرت شیخ زروق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

حضرت شیخ زروقؒ نے اپنی کتاب دیباج المذہب میں فرمایا ہے:۔ حضرت مصنفؒ مختلف اقسام علوم مثلاً تفسیر و حدیث و فقہ و نحو و اصول وغیرہ کے جامع تھے۔ حضرت مصنفؒ متکلم تھے۔ اور اہل تصوف کے طریقے پر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ بہت لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اوران کے طریقے پر سلوک اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں: ان کے شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے ان کے لئے آگے بڑھنے کی شہادت دی ہے۔ حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: شریعت اور طریقت کو اپنے اوپر لازم کرو۔ اگر تم نے شریعت اور طریقت کو اپنے اوپر لازم کرلیا تو تم دونوں مذہب کے لئے مفتی ہو جاؤ گے۔

دونوں مذہب سے شیخ کی مراد۔ اہلِ شریعت اہلِ علمِ ظاہر کا مذہب اور اہل حقیقت اہل علم باطن کا مذہب، تھی۔ اور اسی کتاب میں اپنے شیخ کا یہ قول بھی بیان فرمایا۔ اللہ کی قسم، اس جوان کو

اپنی موت سے پہلے داعی کا درجہ ملے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے گا۔ نیز اسی کتاب میں اپنے شیخ کا یہ قول بھی بیان فرمایا: اللہ کی قسم، تیری بڑی شان ہوگی۔ اللہ کی قسم، تیری بڑی شان ہو گی۔ پھر مصنفؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے۔ جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ ایسے کمالات حاصل ہوئے کہ کسی نے انکار نہیں کیا۔

اور حضرت مصنفؒ کی تصنیف کی ہوئی کتابیں پانچ ہیں:۔ پہلی:۔ **التنویر فی اسقاط التدبیر** ۔ دوسری:۔ **لطائف المن فی مناقب شیخه ابی العباس و شیخه ابی الحسن** اپنے شیخ حضرت ابوالعباس اور ان کے شیخ حضرت ابوالحسن کی تعریف میں) تیسری:۔ تاج العروس۔ یہ کتاب انہی دو بزرگوں کے احوال واقوال میں تصنیف کی ہے۔ چوتھی:۔ مفتاح الفلاح فی الذکر۔ پانچویں:۔ **کیفیة السلوك ۔ نیز القول المجرد فی الاسم المفرد**۔ اور **الحکم** جس کی شرح لکھنے کا میں نے ارادہ کیا ہے۔

اس کتاب الحکم میں اہل تصوف کے علوم میں سے چار قسم کے مضامین ہیں:۔

پہلا مضمون:۔ وعظ و نصیحت ہے:۔ اس مضمون میں مصنفؒ نے وعظ و نصیحت کے اکثر حصوں کے احاطہ کرلیا ہے۔ یہ مضمون عوام کے لئے ہے۔ خواص بھی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ مضمون علامہ ابن جوزی کی کتابوں سے، اور حضرت محاسبی کی بعض کتابوں سے، اور الاحیا والقوۃ کے ابتدائی حصوں سے، اور تحبیر قشیری سے، اور اسی موضوع کی دوسری کتابوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مضمون:۔ باطن کو بری صفتوں سے پاک کر کے اور اچھے اخلاق سے آراستہ کر کے اعمال کو پاکیزہ اور احوال کو صحیح کرنا ہے۔ یہ مضمون سچی توجہ کرنے والوں اور سالکین کے ابتدائی درجہ والوں کے لئے ہے۔ اس مضمون میں کل نیکیوں کا احاطہ کرلیا ہے اور یہ مضمون حضرت امام غزالی و حضرت خواجہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہما کی کتابوں سے، اور اسی قسم کے دوسرے بزرگوں کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون:۔ احوال و مقامات کی تحقیق اور ذوق و منازل کے احکام ہیں۔ یہ مضمون

مریدین میں اعلیٰ درجے والوں، اور عارفین میں ابتدائی درجہ والوں کا حصہ ہے۔ اس مضمون میں جو واقعات و واردات ہوئے، ان میں سے اکثر کا بیان ہے۔ اور اس مضمون میں معاملات کا بیان حضرت حاتمی کی کتابوں سے، اور منازل کا بیان حضرت بونی وغیرہ کی کتابوں سے لیا گیا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہما۔

چوتھا مضمون۔ الہامی علوم و معارف ہیں۔ اس مضمون میں صرف انہیں چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جو پوشیدہ نہیں رہتی ہیں۔ اور مصنف ؒ کی کتابیں اس کی شرح سے بھری ہوئی ہیں۔ خاص کر تنویر اور لطائف المنن۔ یہ دونوں کتابیں گویا کتاب الحکم کی شرح ہیں۔ غرضیکہ حضرات صوفیائے کرام کی بڑی اور چھوٹی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب معانی و مفہوم کے زیادہ ہونے کے ساتھ سب کی جامع ہے۔ اور اس کتاب میں توحیدی مسلک اختیار کیا گیا ہے۔ کسی کو اس میں انکار اور طعن کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس کتاب پر توجہ کرنے والے کے لئے کل اچھی صفتوں کے بیان سے اس کو آراستہ کر دیا ہے۔ اور تمام بری خصلتوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کتاب کے ذریعے زائل کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابن عباد رحمتہ اللہ علیہ نے ''تنویر'' کی تعریف میں فرمایا ہے۔ وہ دونوں بھائی ہیں۔ ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سیدی احمد زروقؒ نے اپنی بعض شرحوں میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

یہاں مقدمات ختم ہوئے۔ اور اب کتاب الحکم کی شرح کی ابتدا ہو رہی ہے۔

اس کتاب میں پچیس ابواب، تین مراسلات یعنی مکتوبات، اور بتیس مناجات ہیں۔ چونکہ علم تصوف صحیح اعمال کا نتیجہ، اور صاف و پاکیزہ احوال کا پھل ہے۔ اور جس شخص نے جو علم اس کو حاصل ہے، اس پر عمل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وہ علم اس کو عطا فرمایا۔ جو اس کو حاصل نہیں ہے۔

لہذا مصنف ؒ نے پہلے باب میں عمل کے بیان سے اپنے کلام کی ابتداء کی:۔

پہلا باب

عمل کرتے ہوئے عمل پر بھروسہ نہ کرنے کے بیان میں

مِنْ عَلَامَةِ الْاِعْتِمَادِ عَلَى الْعَمَلِ، نُقْصَانُ الرَّجَاءِ عِنْدَ وُجُوْدِ الزَّلَلِ

''عمل پر اعتماد کرنے کی علامت، گناہ سرزد ہونے سے رجا (امید) میں کمی ہوتی ہے''

عمل:۔ جسم یا قلب کی حرکت کا نام ہے۔ تو اگر شریعت کے موافق حرکت کی۔ تو اس کا نام عبادت رکھا گیا۔ اور اگر شریعت کے خلاف حرکت کی تو اس کا نام معصیت (گناہ) رکھا گیا۔

کسی شی پر اعتماد:۔ اس پر بھروسہ کرنا اور اس کی طرف توجہ کرنی ہے۔

کاملین علم تصوف کے نزدیک اعمال کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ شریعت کا عمل۔ دوسری قسم:۔ طریقت کا عمل

تیسری قسم:۔ حقیقت کا عمل یا اس طرح کہا جائے:۔

۱۔ اسلام کا عمل ۲۔ ایمان کا عمل ۳۔ احسان کا عمل

یا اس طرح کہا جائے:۔ عبادت کا عمل ۲۔ عبودیت کا عمل ۳۔ عبودت یعنی حریت (آزادی) کا عمل

یا اس طرح کہا جائے:۔ ابتدائی عمل ۲۔ درمیانی عمل ۳۔ انتہائی عمل

پس شریعت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور طریقت یہ ہے کہ تو اس کے دیدار کا ارادہ کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تو اس کا مشاہدہ کرے۔

یا اس طرح کہو:۔ شریعت ظاہر کی اصلاح کے لئے ہے۔ اور طریقت باطن کی اصلاح کے لئے ہے اور حقیقت سر کی اصلاح کے لئے ہے۔

جسم کے ظاہری اعضاء کی اصلاح تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ اول توبہ، دوم تقویٰ، سوم استقامت، اور قلب کی اصلاح تین امور سے ہوتی ہے اول اخلاص، دوم صدق، سوم اطمینان۔ سر کی اصطلاح تین طریقوں سے ہوتی ہے اول مراقبہ، دوم مشاہدہ سے، سوم معرفت سے۔

یا اس طرح کہو:۔ ظاہر کی اصلاح: جو کچھ شریعت نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرنے اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے مراقبہ سے، بری خصلتوں کو دور کر کے نیک اخلاق و صفات سے قلب کو آراستہ کرنے سے ہوتی ہے اور سر (روح) کی اصلاح: اس کی عاجزی و انکساری سے ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے اور ادب و تواضع و حسن خلق پر عمل کرنے کی مشقت کا عادت ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ یہاں ان اعمال کا بیان ہے جو جسم اور قلب اور روح کی صفائی کے لئے ضروری ہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کا تعین پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور علوم و معارف:۔ تو یہ صفائی اور پاکیزگی حاصل کرنے کا نتیجہ اور پھل ہیں۔ جب اسرار پاک و صاف ہو جاتے ہیں تو وہ علوم و معارف سے بھر جاتے ہیں۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا درست نہیں ہے۔ جب تک پہلے مقام پر مضبوطی سے قائم نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس شخص کی ابتداء روشن ہوگئی اس کی انتہا بھی روشن ہوگی۔ لہذا طریقت کے عمل کی طرف اس وقت تک نہ منتقل ہونا چاہیے جب تک شریعت کے عمل پر مضبوطی سے قائم نہ ہو جائے۔ اور اعضائے جسم اس کی پابندیوں کی مشقت کے عادی نہ ہو جائیں۔ اس طریقے پر کہ تو نہ اس کی شرطوں کے ساتھ، اور تقویٰ اس کے ارکان کے ساتھ، اور استقامت اس کی قسموں کے ساتھ مضبوط اور ثابت ہو جائے۔ اور حقیقتاً یہی حضرت نبی کریم ﷺ کی ان کے اقوال و افعال و احوال میں اتباع ہے۔ لہذا جب ظاہر پاکیزہ اور شریعت کے عمل کے نور سے منور ہو جائے۔ تب ظاہری شریعت کے عمل سے باطنی طریقت کے عمل کی طرف منتقل ہونا چاہیے۔

اور باطنی طریقت کا عمل بشری صفات سے اپنے وجود کو پاک کرنا ہے۔اس طریقے پر جس کا بیان آگے ائے گا۔

پس جب بشری صفات سے پاک وصاف ہو جائے گا تو روحانیت کے اوصاف سے آراستہ ہو گا اور روحانیت کے اوصاف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی تجلیات میں جو اس کے مظاہر ہیں حسن ادب ہے۔اس مقام پر پہنچ کر اس کے جسم کے اعضاء مشقت اور تھکن سے نجات پا کر آرام کرتے ہیں اور صرف حسن ادب باقی رہ جاتا ہے۔

محققین نے فرمایا ہے:۔ جو شخص اسلام کی حقیقت تک پہنچ گیا۔اس کو عمل میں کوتاہی کرنے کی قدرت باقی نہیں رہی اور جو شخص ایمان کی حقیقت تک پہنچ گیا۔اس کو یہ قدرت نہیں رہی کہ وہ غیر اللہ کے ساتھ عمل کی طرف توجہ کرے۔اور جو شخص احسان کی حقیقت تک پہنچا اس کو یہ قدرت نہیں رہی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کی طرف توجہ کرے۔

اور مرید کو ان مقامات کے سلوک میں اپنے نفس اور اپنے عمل اور اپنی طاقت اور اختیار پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق و ہدایت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ ، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

''اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔اور اختیار کرتا ہے۔ان لوگوں کو کچھ اختیار نہیں'' اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ لوگ اس کو نہ کرتے۔ اور تیسری جگہ فرمایا:۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ

''اور اگر آپ کا رب چاہتا۔تو آدمیوں کو ایک امت بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ہیں مگر وہ شخص جس پر آپ کے رب نے رحم فرمایا''۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

لَنْ يَّدْخُلَ اَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ ، قَالُوْا:۔ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ :۔ وَلَا اَنَا اِلَّا

اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ

''تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی بدولت ہرگز جنت میں نہ داخل ہوگا۔لوگوں نے کہا'' یارسول اللہ ! اورآپ بھی نہ داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:۔ ہاں، میں بھی نہ داخل ہوں گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے''

لہذا نفس پر بھروسہ کرنا بد بختی کی علامت ہے۔اور اعمال پر بھروسہ کرنا زوال میں نہ پڑنے کی وجہ سے ہے۔اور کرامت واحوال پر بھروسہ کرنا اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہنے کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے۔اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی علامت یہ ہے کہ جب وہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی امید کم نہیں ہوتی ہے اور جب وہ نیک عمل کرتا ہے تو اس کی امید زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہہ سکتے ہو:۔ جب اس سے غفلت صادر ہوتی ہے تو اس کا خوف زیادہ نہیں ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسکی امید زیادہ نہیں ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ورجا ہمیشہ یکساں قائم رہتا ہے اسلئے کہ اس کا خوف اس کے جلال کے حضور سے پیدا ہوتا ہے۔اور اس کی رجا اس کے جمال کے حضور سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور جمال میں زیادتی و کمی کی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔لہذا جو کچھ ان دونوں صفتوں سے پیدا ہوگا اس میں بھی زیادتی اور کمی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس کے برعکس جو شخص اپنے اعمال پر بھروسہ کرتا ہے۔جب اس کا عمل کم ہوتا ہے تو اس کی امید کم ہوتی ہے۔اور جب اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے تو اس کی امید زیادہ ہوتی ہے۔کیونکہ اس نے اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنالیا ہے اور جہالت میں مبتلا ہے۔ (شرک خفی کی ایک شکل یہ بھی ہے)

اور اگر اپنے نفس سے فنا ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بقاء حاصل ہوجائے تو نفس کی مشقت اور زحمت سے آرام پاجائے گا۔ (اعمال پر بھروسہ نفس کے دخل سے ہوتا ہے۔لہذا مشقت کا باعث نفس ہے) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں پہنچ جائے گا۔

اور ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جو تجھ کو تیرے نفس کی مشقت و زحمت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی حضوری کی راحت میں پہنچا دے۔ لہذا شیخ کامل وہی ہے جو تجھ کو زحمت و دشواری سے رہائی دے کر آرام پہنچائے۔ وہ شیخ کامل نہیں ہے جو تجھ کو مشقت اور تھکن میں مبتلا کرے۔ جس شخص نے عمل کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تجھ کو مشقت اور تھکن میں مبتلا کیا۔ اور جس نے دنیا کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تیرے ساتھ خیانت کی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تیری خیر خواہی کی۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن مشیش ؒ نے فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی، نفس کے بھول جانے کی طرف رہنمائی ہے۔ لہذا جب تو اپنے نفس کو بھول گیا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ تو نے اپنے رب کو یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ

''جب تم (اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو) بھول گئے۔ تو اپنے رب کو یاد کرو''

مشقت اور تھکن کا سبب نفس کو یاد رکھنا اور اس کی شانوں اور لذتوں کی طرف توجہ رکھنی ہے۔ لیکن جو شخص نفس سے غائب ہو گیا۔ اس کو حقیقتاً آرام حاصل ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ قول:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ

ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا۔

تو یہ اہل حجاب کے لئے مخصوص ہے۔ یا یہ کہا جائے۔ جس کا نفس زندہ ہے۔ اس کے لئے ہے۔ لیکن جس کا نفس فنا ہو گیا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَ جَنَّةُ نَعِيْمٍ

پس اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت و آرام، اور خوشبودار پھول اور نعمت والی جنت ہے۔

یعنی وصال کے لئے راحت و آرام، جمال کے لئے خوشبودار پھول، اور کمال کے لئے جنت نعیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ اس میں ان کو تکلیف اور تھکن نہ ہوگی۔

لیکن مشقت کے بعد ہی آرام ملتا ہے۔ اور تلاش کی پریشانیوں کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ "جنت نفس کی ناگوار اشیاء سے گھری ہوئی ہے"

یعنی جو اشیاء نفس کو ناپسند ہیں، ان کو اختیار کرنے سے اور جو اشیاء نفس کو پسند نہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ترک کرنے سے جنت حاصل ہوگی۔

أَيُّهَا الْعَاشِقُ مَعْنىٰ حُسْنِنَا مَهْرُنَا غَالٍ لِمَنْ يَخْطُبُنَا

اے ہمارے حقیقی حسن کے عاشق! ہمیں محبت کا پیغام دینے والے کو بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے"

جَسَدٌ مُضْنًى وَ رُوْحٌ فِي الْعَنَا وَجُفُوْنٌ لَا تَذُوْقُ الْوَسَنَا

جسم تھکا ہوا نڈھال اور روح تکلیف سہنے والی، اور پلکیں نیند کا مزہ لینے کے لئے جھکتی بھی نہیں۔

وَفُؤَادٌ لَيْسَ فِيْهِ غَيْرُنَا وَإِذَا مَا شِئْتَ أَدِّ الثَّمَنَا

اور قلب ایسا جس میں ہمارے سوا کوئی شی نہ ہو۔ اگر تم ہم سے محبت کرنا چاہتے ہو تو قیمت ادا کرو۔

یعنی گھلنے والا جسم، دکھ سہنے والی روح، نہ سونے والی آنکھ، اور ہمارے سوا ہر شی سے خالی قلب ہماری محبت کی قیمت ہے۔

فَافْنَ إِنْ شِئْتَ فَنَاءً سَرْمَدًا فَالْفَنَا يُدْنِيْ إِلٰى ذَاكَ الْفَنَا

پس تم اپنے کو فنا کردو، اگر تم فنائے سرمدی چاہتے ہو کیونکہ تمہاری ذات کی فنا تم کو اس فنائے سرمدی سے قریب کردے گی۔

وَاخْلَعِ النَّعْلَيْنِ إِنْ جِئْتَ إِلٰى ذَالِكَ الْحَيِّ فَفِيْهِ قُدْسُنَا

اور اگر تم اس ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والے مقام میں آئے ہو تو اپنے جوتوں یعنی بری صفتوں کو دور کردو۔ کیونکہ اس مقام میں ہماری قدوسیت ہے۔

وَعَنِ الْكَوْنَيْنِ كُنْ مُنْخَلِعًا وَأَزِلْ مَا بَيْنَنَا مِنْ بَيْنِنَا

اور دونوں عالم سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان جو پردہ حائل ہے۔ اس کو ہٹا

دو۔

وَاِذَا قِيْلَ مَنْ تَهْوٰى فَقُلْ اَنَا مَنْ اَهْوٰى وَ مَنْ اَهْوٰى اَنَا

اور جب تم سے پوچھا جائے تم کس سے محبت کرتے ہو تو تم کہو۔ میں جس سے محبت کرتا ہوں وہ میں ہوں۔

اور کتاب حل الرموز میں فرمایا ہے:۔ تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم قرب کی منزلوں میں نہ پہنچو گے جب تک چھ گھاٹیوں (مرحلوں) سے نہ گزرو۔

پہلی گھاٹی (پہلا مرحلہ) :۔ جسمانی اعضاء کو مخالف شریعت اشیاء سے جدا کرنا۔

دوسری گھاٹی:۔ نفس کو اس کی خواہشات و مرغوبات و عادات سے روکنا۔

تیسری گھاٹی۔ قلب کو بشری رعونتوں (فخر و عظمت و بڑائی) سے پاک کرنا۔

چوتھی گھاٹی۔ نفس کو فطری (پیدائشی) کدورتوں اور کثافتوں سے صاف کرنا۔

پانچویں گھاٹی۔ روح کو محسوسات کی تاریکیوں سے علیحدہ کرنا۔

چھٹی گھاٹی۔ عقل کو وہمی خیالات سے محفوظ رکھنا۔

پہلی گھاٹی سے گزرنے کے بعد تم قلب کی حکمتوں کے چشموں پر پہنچو گے۔ اور دوسری گھاٹی سے گزرنے کے بعد تم علم لدنی کے اسرار سے واقف ہو گے۔ اور تیسری گھاٹی سے گزرنے کے بعد ملکوت کی سرگوشیوں کے علوم تم پر ظاہر ہوں گے۔ اور چوتھی گھاٹی گزرنے کے بعد مقامات قرب کے انوار تمہارے سامنے چمکیں گے۔ اور پانچویں گھاٹی کے بعد جبی مشاہدوں کے انوار تمہارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اور چھٹی گھاٹی گزرنے کے بعد تم بارگاہ قدس میں اترو گے۔ اور اس مقام میں تم محبت کے لطائف کے مشاہدہ کے ذریعے حسی کثافتوں سے پاک ہو جاؤ گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ تم کو مقبول بنانا چاہے گا تو تم کو اپنی محبت کے پیالے سے ایسی شربت پلائے گا۔ جس کے پینے سے تمہاری پیاس اور بڑھے گی۔ اور ذوق کے ساتھ شوق اور قرب کے ساتھ طلب، اور سکر کے ساتھ بیقراری زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ تم مقصود کے آخری درجے تک پہنچ جاؤ۔

تکملہ:۔ بعض فاضلوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اس قول سے

اُدْخُلُو الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے صلے میں جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ساتھ:۔

لَنْ يَدْخُلَ اَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ

اشکال (دشواری) پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ دونوں متضاد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کتاب وسنت، شریعت اور حقیقت کے درمیان وارد ہوئی ہیں۔ یا اس طرح کہو:۔ تشریح اور تحقیق کے درمیان وارد ہوئی ہیں۔ لہذا کبھی ایک جگہ کسی شی کے بارے میں شرعی قانون بیان کرتی ہیں اور دوسری جگہ اسی شی کے بارے میں حقیقت کے بارے میں بیان کرتی ہیں اور کبھی ایک جگہ حقیقت بیان کرتی ہیں اور دوسری جگہ اس شی کے بارے میں شرعی قانون بیان کرتی ہیں۔ اور کبھی قرآن کسی جگہ شرعی قانون بیان کرتا ہے اور سنت اس کی حقیقت بیان کرتی ہے۔ اور کبھی کسی جگہ سنت شرعی قانون بیان کرتی ہے۔ اور قرآن اس کی حقیقت بیان کرتا ہے۔ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تشریح کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل فرمایا۔ تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کی تفسیر لوگوں سے بیان کریں۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ قول:۔ (اُدْخُلُو الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

یہ حکمت والوں کے لئے شریعت کا قانون ہے۔ اور یہ لوگ اہل شریعت ہیں۔ اور حضرت

لَنْ يَدْخُلَ اَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ

"یہ قدرت والوں کیلئے تحقیق ہے اور یہ لوگ اہل حقیقت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول وما تشاؤن اور تم لوگ وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ حقیقت ہے"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول:۔

اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِحَسَنَةٍ كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ

''جب تم میں سے کسی نے کسی نیکی کا ارادہ کیا۔ تو اس کیلئے ایک نیکی لکھ دی گئی''

یہ شریعت کا قانون ہے۔ غرضیکہ قرآن کی تشریح اور تعین سنت کرتی ہے۔ اور سنت کی تشریح اور تعین قرآن کرتا ہے۔ پس انسان پر واجب ہے کہ اس کے پاس دو آنکھیں ہیں۔ ایک آنکھ سے حقیقت کی طرف دیکھے اور دوسری آنکھ سے شریعت کی طرف نظر کرے۔ لہذا اگر کسی جگہ قرآن کو شریعت بیان کرتا ہوا پایا ہے۔ تو لازمی ہے کہ اس نے دوسری جگہ حقیقت بیان کی ہوگی۔ یا سنت نے حقیقت بیان کی ہوگی اور اگر سنت کو کسی جگہ شریعت بیان کرتے ہوئے پایا۔ تو ضروری ہے کہ دوسری جگہ اس نے حقیقت بیان کی ہوگی۔ یا قرآن نے حقیقت بیان کی ہوگی۔ لہذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض اور اشکال باقی نہیں رہا۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے:۔ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دی۔ تو اس بناء پر کہ لوگ بغیر حرص کے اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اس نے عمل پر بدلہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ پھر جب ان کے قدم اسلام میں مضبوط ہو گئے تو حضرت رسول کریم ﷺ نے ان کو اس عیب سے نکالا اور عبودیت و بندگی کے اخلاص کی طرف، اور اخلاص کے مقام میں ثابت قدمی سے قائم ہونے کی طرف ترقی دی۔ اور فرمایا:۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی بدولت جنت میں ہرگز نہ داخل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور یہاں اہل ظاہر کے لئے دوسرے جوابات بھی ہیں۔ لیکن ان کے بیان کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور جب ظاہری عمل سے باطنی عمل کی طرف منتقل ہوا، تو یہ ضروری ہے کہ اس کا اثر اعضائے جسم پر ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

''بیشک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کرتے ہیں''

اس تباہی کی وجہ سے وہ خالی ہو کر ویران ہو جاتا ہے۔ اور باطنی عمل کی طرف منتقل ہونے کا اثر اعضائے جسم پر ظاہر ہونا، تجرید (خالی کرنا) ہے۔ چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں تجرید کی

طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

اِرَادَتُكَ التَّجْرِيْدَ مَعَ اِقَامَةِ اللّٰهِ اِيَّاكَ فِي الْاَسْبَابِ مِنَ الشَّهْوَةِ الْخَفِيَّةِ، وَاِرَادَتُكَ الْاَسْبَابَ مَعَ اِقَامَةِ اللّٰهِ اِيَّاكَ فِي التَّجْرِيْدِ اِنْحِطَاطٌ مِّنَ الْهِمَّةِ الْعَلِيَّةِ۔

''تمہارا تجرید اختیار کرنے کا ارادہ کرنا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسباب میں قائم کیا ہو، تمہارے نفس کی پوشیدہ خواہش میں سے ہے۔اور تمہارا اسباب و ذرائع اختیار کرنے کا ارادہ کرنا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تجرید میں قائم کیا ہو، بلند ہمت سے پستی کی طرف گرنا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ تجرید کے معنی خالی کرنا، دور کرنا ہیں۔یعنی اسباب و ذرائع کو دور کر کے خالی ہو جانا تجرید ہے۔اور صوفیائے کرام کے نزدیک تجرید کی تین قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم۔ ظاہر کی تجوید دوسری قسم ۔ باطن کی تجرید

تیسری قسم۔ ظاہر و باطن دونوں کی تجرید

ظاہر کی تجوید:۔ دنیاوی اسباب و ذرائع کو ترک کرنا، اور جسمانی فوائد و عادات کو چھوڑنا ہے۔

باطن کی تجرید:۔ نفسانی تعلقات اور وہمی مانعات (روکنے والی اشیاء) کو ترک کرنا ہے۔

ظاہر و باطن دونوں کی تجرید:۔ باطنی تعلقات اور جسمانی فوائد و عادات کو ترک کرنا ہے۔ یا اس طرح کہو:۔ ظاہر کی تجرید:۔ ہر اس شی کو ترک کر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے۔

باطن کی تجرید:۔ ہر اس شی کو ترک کر دینا ہے جو قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور سے غافل کر دے۔

اور ظاہر و باطن کی تجرید:۔ قلب اور جسم کو سب سے منقطع کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا ہے۔

اور ظاہر کی تجوید کامل:۔ اسباب و ذرائع کو ترک کرنا، اور بدن کو ان کپڑوں سے جن کا وہ عادی ہے ننگا کرنا ہے۔

اور باطن کی تجرید کامل:۔ قلب کو تمام بری صفتوں سے پاک کرنا، اور اچھی صفتوں سے آراستہ کرنا ہے۔

اسی تجرید کامل کی طرف ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمٰن مجذوب نے اپنے قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَقَارِئِيْنَ عِلْمَ التَّوْحِيْدِ هُنَا الْبُحُوْرُ اِلَيَّ تُغْبِيْ

اے علم توحید کے پڑھنے والو! میرے راستے میں بہت سے سمندر ہیں جو میری طرف موجیں مار رہے ہیں۔

هٰذَا مُقَامُ اَهْلِ التَّجْرِيْدِ اِلْوَاقِفِيْنَ مَعَ رَبِّيْ

یہ اہل تجرید کا مقام ہے جو اپنے رب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں

جس شخص نے باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر کی تجرید کی وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تانبے پر چاندی کا خول چڑھایا۔ جو اندر سے خراب ہے اور اوپر سے خوب صورت ہے۔

اور جس شخص نے ظاہر کو چھوڑ کر صرف باطن کی تجرید کی۔ تو اگر وہ اس پر قائم رہ سکے تو بہتر ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے چاندی پر تانبے کا خول چڑھایا۔ لیکن ایسا کم ہوتا ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کا ظاہر دنیاوی تعلقات و اسباب و ذرائع میں مشغول ہوتا ہے اس کا باطن بھی اس میں مشغول ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کا ظاہر مشغول ہوتا ہے۔ کیونکہ طاقت دونوں طرف تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ (یعنی ظاہر کی مشغولیت ایک طرف اور باطن کی دوسری طرف۔ اس طرح طاقت دو طرف تقسیم ہوگی)

اور جس شخص نے ظاہر و باطن دونوں کی تجرید کی۔ وہ صدیق کامل ہے۔ وہ چمکتا ہوا خالص سونا ہے جو بادشاہوں کے خزانے میں رکھنے کے لائق ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے:۔ تجرید اختیار کرنے والے فقیر کے چار آداب ہیں:۔

اول:۔ بڑوں کی عزت و تعظیم کرنی۔

دوم۔ چھوٹوں سے رحم و پیار کرنا

سوم۔ اپنے نفس سے انصاف کرنا (کسی معاملے میں اپنی ذات کی طرف داری نہ کرنا)

چہارم۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہ لینا

اوراسباب وذرائع اختیار کرنے والے فقیر کے چار آداب ہیں:۔

اول۔ نیک لوگوں سے دوستی وصحبت رکھنی دوم۔ برے لوگوں سے پرہیز وکنارہ کشی کرنی۔ سوم۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی

چہارم ۔ جونعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس سے فقیروں اور مسکینوں کی ہمدردی اور امداد کرنی ۔اوراس کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ تجرید اختیار کرنے والوں کے آداب بھی اختیار کرے۔ کیونکہ یہ اس کے حق میں کمال کا ذریعہ ہے۔

اوراس کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جس سبب میں اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے اسی میں قائم رہے۔ یہاں تک کہ خود حق سبحانہ تعالیٰ اس کو اس سبب سے منتقل کرے۔اور یہ منتقل کرنا یا شیخ کے حکم سے ہو، یا کسی واضح اشارہ سے۔ مثلاً یہ کہ وہ سبب ہر طریقے سے دشوار و ناممکن ،اور یہ ہر طرف سے معذور ہو جائے۔ تو اب وہ تجرید اختیار کرے۔لہذا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اسباب میں قائم کیا تو اس کا تجرید کے لئے ارادہ کرنا، نفس کی پوشیدہ خواہش ہے۔ اس لئے کہ نفس اس کے ذریعے آرام حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور نفس کو یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جس سے وہ فاقہ کی سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت کر سکے۔لہذا جب فاقہ کی نوبت آتی ہے تو قدم ڈگمگا جاتا ہے۔ اور وہ پریشان ہو کر پھر اسباب کی طرف لوٹتا ہے۔تو یہ اس کے لئے تجرید میں قیام کرنے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس کے خواہش ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اور پوشیدہ، اس لئے ہے کہ نفس نے بہ ظاہر اسباب کو ترک کر کے ہر تعلق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ظاہر کیا اور یہ اعلیٰ مقام اور بہترین حال ہے۔ لیکن درحقیقت نفس نے اپنا فائدہ چھپایا۔ اور نفس کا فائدہ:۔ آرام وراحت یا کرامت، یا ولایت، یا اس کے سوا دوسرے مقاصد ہیں ۔ اوراس نے عبادت کی حقیقت اور یقین کی درستی ومضبوطی کا ارادہ نہیں کیا۔ اوراس طرح اس نے حق سبحانہ تعالیٰ کا ادب بھی فوت ہو گیا۔ کہ اس نے اپنی طبیعت سے تجرید کے ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اور صبر کر کے اس کی اجازت پانے کا انتظار نہیں کیا۔ (کیونکہ

اجازت کا انتظار نہ کر کے اپنی مرضی سے کچھ کرنا بے ادبی ہے) اور اس کے تجرید میں قائم کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ نتیجوں کے حاصل ہونے، اور دین سے منقطع کرنے والی رکاوٹوں کے ختم ہونے، اور کفایت کے حاصل ہونے کے ساتھ ہمیشہ اس کے لئے قائم رہتی ہے۔ اور کفایت کا حاصل ہونا اس حیثیت سے ہے کہ اگر وہ تجرید کو ترک کر دے گا۔ تو مخلوق کی طرف توجہ اور روزی کے لئے کوشش کرنی ہوگی۔ اور انہیں التزامات کے ختم ہونے پر وہ تجرید کی طرف منتقل ہوا تھا۔ (یہ ہے واضح اشارہ)

حضرت مصنف ؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے یہ چاہتا ہے کہ اس نے تجھے جس مقام پر قائم کیا ہے۔ تو اسی مقام پر قائم رہ۔ یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ اس مقام سے تیرے نکالنے کی ذمہ داری لے جیسا کہ اس نے اس مقام میں تیرے داخل کرنے کی ذمہ داری اور در حقیقت شان یہ نہیں ہے کہ تو سبب کو چھوڑ دے۔ بلکہ شان یہ ہے کہ سبب تجھ کو چھوڑ دے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے:۔ میں نے سبب کو بہت مرتبہ چھوڑا۔ اور پھر اختیار کیا۔ بالآخر سبب نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ پھر میں نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

نیز مصنف ؒ نے فرمایا:۔ میں حضرت شیخ ابوالعباس مرسی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں تجرید اختیار کرنے کا پختہ ارادہ تھا۔ میں اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا۔ میں جس حال میں ہوں کہ علم ظاہر میں مشغول ہوں۔ اور لوگوں سے تعلق اور میل جول رکھتا ہوں۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بعید اور ناممکن ہے۔ حضرت شیخ نے میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا:۔ ایک شخص علوم ظاہری میں مشغول رہنے والے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے والے نے میری صحبت اختیار کی۔ اور اس طریقے کا کچھ ذوق حاصل کیا۔ ایک مرتبہ وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا:۔ یا حضرت میں جس حالت اور مشغولیت میں ہوں اس کو چھوڑ کر آپ کی صحبت اختیار کرنے کے لئے فارغ ہو جاؤں؟ میں نے ان سے کہا:۔ یہ کچھ شان نہیں ہے کہ تم سب کو چھوڑ دو۔ بلکہ تم اپنی حالت پر قائم رہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے جو حصہ تمہارے لئے مقرر کیا ہے، وہ تم کو ضرور ملے گا۔ پھر حضرت شیخ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:۔ صدیقین کی یہی شان ہے کہ کسی حال سے وہ خود نہیں

نکلتے ہیں۔ بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ ان کو کسی حال سے نکالنے کا ذمہ دار اور متولی ہے۔ پھر میں ان کے پاس سے واپس آیا اور اللہ تعالیٰ نے ان وسوسوں کو میرے دل سے دھو کر پاک کر دیا۔ اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے میں مجھ کو راحت و آرام ملا۔

در حقیقت یہ اہل اللہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ

وہ ایسے لوگ ہیں جن کی صحبت میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا ہے۔

مصنف ؒ نے فرمایا:۔ حضرت شیخ نے اس شخص کو تجرید اختیار کرنے سے اس لئے منع فرمایا۔ کہ یہ اس کے نفس کی خواہش تھی۔ اور نفس جب کسی شی کی خواہش کرتا ہے تو وہ شی اس کے لئے ہلکی یعنی خوشگوار ہوتی ہے اور جو شے نفس کیلئے خوشگوار ہوتی ہے اس میں کچھ نیکی نہیں ہوتی اور نفس کیلئے وہی شے خوشگوار ہوتی ہے۔ جس میں اس کے لئے کچھ لذت اور فائدہ ہو۔

پھر مصنف ؒ نے فرمایا:۔ مرید کو چاہیے کہ اگر اپنے نفس کو قبضے میں کرنے کا ارادہ ہے تو وہ طاقت کی حالت میں تجرید کو نہ اختیار کرے۔ یہاں تک کہ طاقت ختم ہو جائے۔ کیونکہ اگر طاقت کی حالت میں تجرید اختیار کرے گا۔ تو اس کو کمزوری لاحق ہوگی۔ پھر دشمن اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ اور اس کو پریشانی اور فتنے میں مبتلا کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کی دستگیری نہیں کی۔ تو وہ پھر لوگوں سے میل جول اور تعلقات قائم کرنے میں آسانی سمجھے گا اور جس حالت سے وہ نکلا تھا پھر اسی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ اہل تجرید سے اس کو بدگمانی ہو جائے گی۔ اور وہ کہے گا کہ اہل تجرید کسی حقیقت پر نہیں ہیں۔ ہم نے تجرید کو اختیار کیا۔ مگر ہم کو اس میں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور جس شخص کو ابتدا میں تجرید گراں و ناگوار معلوم ہو۔ اس کے لئے تجرید اختیار کرنا موزوں و مناسب ہے۔ اس لئے کہ نفس کو وہی حالت گراں و ناگوار معلوم ہوتی ہے جس میں وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی گردن تلوار کے نیچے ہے۔ جیسے ہی ہاتھ میں حرکت ہوگی۔ گردن کی رگیں کٹ جائیں گی اور یہی تجرید کا انتہائی مقصد ہے کہ دنیاوی و نفسانی تعلقات سے علیحدہ ہو کر اور اسباب و ذرائع سے نظر ہٹا کر پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص ہو جائے۔

اور کسی اہل تجرید نے کھلی اجازت کے بغیر اگر اسباب کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو یہ اس کیلئے بلند ہمت سے پست ہمتی کی طرف زوال ہے۔ یا ولایت کبریٰ سے منقطع ہو کر ولایت صغریٰ کی طرف آنا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ نے فرمایا ہے:۔ مجھ سے میرے شیخ سیدی عربیؒ نے فرمایا:۔ اے فرزند! اگر میں تجرید سے بہتر زیادہ قریب اور زیادہ مفید کوئی شی دیکھتا تو میں تمکو اس کی خبر ضرور دیتا۔ لیکن اہل طریقت کے نزدیک وہ ایسے اکسیر کے مثل ہے جس کی ایک رتی کل زمین کے سونا سے زیادہ ہے۔ طریقت میں تجرید کی یہ وقعت ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ کے شیخ رضی اللہ عنہما سے سنا ہے:۔ متجرد کی معرفت افضل ہے اور اس کی فکر خالص اور روشن ہے۔ اس لئے کہ صفائی سے صفائی پیدا ہوتی ہے اور گندگی سے گندگی۔ ظاہر کی صفائی سے باطن کی صفائی، اور ظاہر کی سیاہی سے باطن کی سیاہی ہوتی ہے۔ اور جب ظاہری محسوسات میں ترقی ہوگی تو باطن میں نقص پیدا ہوگا۔

اور بعض خبر میں ہے:۔ جب عالم نے دنیا سے کچھ حاصل کیا تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم ہو گیا۔ اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ہو۔ اور جس شخص کو سبب اختیار کرنے کی اجازت دی گئی وہ متجرد کی طرح ہے۔ اس لئے کہ اب اجازت کی وجہ سے اس کا سبب عبادت ہو گیا۔

حاصل یہ ہے:۔ بغیر اجازت کے تجرید سبب ہے۔ اور اجازت کے ساتھ سبب تجرید ہے۔

وباللہ التوفیق

تنبیہ:۔ یہ سب کلام سائرین (سیر کرنے والوں) کے بارے میں ہے۔ لیکن واصلین جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے بلند درجے پر قائم ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم اپنے نفوس سے لے لئے گئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روکے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفع کئے جاتے ہیں۔ ان کے معاملات کا متولی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ خود ان کے اسرار کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اپنے انوار کے لشکر سے ان کے قلوب کی نگہبانی کرتا ہے۔ لہٰذا اغیار کی تاریکیاں ان میں اثر نہیں کرتی ہیں۔ اور اسباب و ذرائع سے متعلق صحابہ کرام کا حال اسی

پر محمول کیا جاتا ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ نَفَعَنَا بِبَرَكَاتِهِمْ

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ اور ان کی برکتوں سے ہم کو فیض پہنچائے۔ آمین''

جاننا چاہیے کہ متسبب (اہل سبب) اور متجرد (اہل تجرید) دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے عمل کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف صدق توجہ حاصل ہے۔

جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:۔ متسبب اور متجرد کی مثال، ایک بادشاہ کے دو غلام کی طرح ہے۔ بادشاہ نے ایک غلام سے کہا:۔ کام کرو اور کھاؤ۔ اور دوسرے کو حکم دیا:۔ میری خدمت میں حاضر رہو۔ تمہاری کل ضروریات کا ذمے دار میں ہوں۔ لیکن متجرد میں رکاوٹوں کے کم ہونے اور تعلقات کے منقطع ہونے کی وجہ سے صدق توجہ زیادہ قوی ہے۔ اور چونکہ متجرد فقیر کی ہمت حضرت رسول کریم ﷺ کے قول کے مطابق اکثر خطا نہیں کرتی ہے:۔

اِنَّ لِلّٰهِ رِجَالًا لَوْ اَقْسَمُوْا عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُمْ فِي قَسَمِهِمْ

''بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پوری کرے گا''

ہمارے شیخ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں کہ جب انہوں نے کسی شی کے لئے اہتمام کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

''مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''

لہذا مصنف ؒ کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس حقیقت کی بناء پر ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس وہم میں مبتلا ہو جائے کہ ہمت تقدیر کی دیوار میں شگاف پیدا کر دیتی ہے۔ اور جس کام کا ہونا تقدیر میں مقدر نہیں ہوا۔ وہ کام بھی کر ڈالتی ہے۔ لہذا اس وہم کو دور کرنے کے لئے مصنف ؒ نے فرمایا:۔

سَوَابِقُ الْهِمَمِ لَا تَخْرُقُ اَسْوَارَ الْاَقْدَارِ

''بلند ہمتیں قضا و قدر کی دیواروں کو نہیں توڑتی ہیں''

میں کہتا ہوں: ہمت، کسی شی کی خواہش اور اس کے ہو جانے کی کوشش میں بغیر کسی وسوسے کے قلب کی جمعیت کے ساتھ مضبوط ارادے کا نام ہے۔ پس اگر وہ شی بلند ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی رضامندی کی طلب۔ تو اس کا نام بلند ہمت رکھا گیا۔ اور اگر وہ شی حقیر ہے۔ جیسے دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں کی خواہش۔ تو اس کا نام پست ہمت رکھا گیا۔

اور جب عارف یا مرید کسی شی کی خواہش کرتا ہے اور اس کے لئے اس کی ہمت مضبوط ہوتی ہے تو وہ شی اللہ تعالیٰ ایک گھڑی میں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ مرید صادق جب اللہ تعالیٰ کے اسم میں فنا ہو جاتا ہے تو جب وہ کسی شی کے لئے ہمت وارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے تو جس شی کی اس کو حاجت ہوتی ہے وہ اس کی ہمت اور ارادہ سے پہلے ہو جاتی ہے اور یہ صحیح ہے۔

بعض اخبار میں ہے:

"یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالیٰ:۔ عَبْدِیْ، اَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ، فَاَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ تَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ"

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اے میرے بندے میں وہ اللہ ہوں۔ کہ جب کسی شی کے لئے کہتا ہوں، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس تو میری اطاعت کر۔ میں تجھ کو ایسا بنا دوں گا کہ جب تو کسی شی کے لئے کہے گا، ہو جا، تو وہ ہو جائے گی۔'' اور صحیح حدیث میں وارد ہے:۔

"فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعاً وَّ بَصَراً وَّ یَداً وَّ مُؤَیِّداً، اِنْ سَاَلَنِیْ اَعْطَیْتُہٗ"

''پس جب میں اس کو محبت کرتا ہوں۔ تو میں اس کا کان اور آنکھ اور ہاتھ اور مددگار ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں''

اور ان ارشادات کے باوجود ہمت سے نہ کوئی شی فنا ہوتی ہے۔ نہ وجود میں آتی ہے۔ صرف وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر یعنی تقدیر نے احاطہ کر لیا ہے۔ لہذا عارف کی ہمت جب

کسی شی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اگر تقدیر اس شی کے بارے میں سبقت کر چکی ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ فرماتے تھے:۔ جب ہم نے کچھ کہا۔ اور وہ ہو گیا۔ تو ہم ایک مرتبہ خوش ہوئے۔ اور اگر نہیں ہوا۔ تو ہم دس مرتبہ خوش ہوئے۔ اور ایسا اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ان کے ثابت و قائم ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا:۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ارادوں کے ٹوٹ جانے سے۔ اور یہ تاثیر قوی اور مضبوط ہمت کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ ہمت والا ناقص ہو۔ جیسا کہ نظر لگانے والے اور جادوگر کے لئے تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی خباثت کی بناء پر، یا اس خاصیت کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے دونوں میں پیدا کی ہے۔ جب وہ کسی شی کے ہونے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو جاتی ہے۔ اور یہ سب بھی تقدیر کی دیواروں کو نہیں توڑ سکتے۔ بلکہ وہی ہوتا ہے جس کے ہونے کا ارادہ اللہ واحد قہار کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور یہ جادوگر، جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ

''ہم نے ہر شی کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ

تم لوگ وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

كُلُّ شَيْءٍ بِقَضَاءٍ وَ قَدَرٍ حَتَّى الْعِجْزُ وَالْكَيْسُ

ہر شی قضا و قدر سے ہے۔ یہاں تک کہ کمزوری اور طاقت بھی۔

اور مصنفؒ نے اپنے قول میں بلند ہمت فرمایا ہے۔ اس لئے کہ کمزور ہمت سے کسی شی پر کچھ اثر نہیں ہوتا ہے اور بھلائی اور برائی میں کمزور ہمت اسی طرح بے اثر ہے۔

اور مصنفؒ نے لفظ خرق (توڑنا) اور اسوار (دیواریں) مجازاً اس لئے استعمال کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ طاقت دونوں طرف ہے۔ ہمت میں بھی، اور تقدیر میں بھی۔ لیکن کل اشیاء کا گھیرنے والا اللہ تعالیٰ غالب اور طاقتور ہے۔ لہٰذا مجبور اور کمزور بندے کی طاقت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور جب کہ ہمت تقدیر کی دیواروں کو نہیں توڑ سکتی ہے تو پھر تیری تدبیر اور اختیار کا کیا حال ہوگا؟

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَرِحْ نَفْسَكَ مِنَ التَّدْبِيْرِ فَمَا قَامَ بِهٖ غَيْرُكَ عَنْكَ لَا تَقُمْ بِهٖ اَنْتَ لِنَفْسِكَ

”تم اپنی ذات کو تدبیر (کی تکلیف) سے آرام دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جتنی بہتر تدبیر کرسکتا ہے۔ اتنی بہتر تدبیر تم اپنے لئے نہیں کرسکتے ہو“۔

تدبیر اور اسکی اقسام

میں کہتا ہوں:۔ تدبیر کے معنی:۔ کام اور اس کے انجام پر توجہ کرنا ہے۔ اور اہل تصوف کی اصطلاح میں وہ اس طرح ہے، جس طرح حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا:۔ شانونکی تقدیر ان پر مستقبل میں اس طریقے پر ہوتی ہے۔ جس طریقے پر خوف کیا جاتا ہے۔ یا امید کی جاتی ہے۔ حکم کے ساتھ، نہ کہ سپردگی کے ساتھ۔ پس اگر سپردگی کے ساتھ ہو اور وہ اخروی ہو تو بھلائی کی نیت ہے۔ اور اگر طبعی ہو، تو وہ خواہش ہے۔ اور اگر دنیاوی ہو تو وہ آرزو ہے۔ پس حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ تدبیر کی تین قسمیں ہیں:

پہلی:۔ مذموم (بری) دوسری:۔ مطلوب تیسری: مباح

مذموم تدبیر وہ ہے جس کے ساتھ پختہ اور مضبوط ارادہ ہو۔ خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی۔ اس وجہ سے کہ اس میں ادب کی کمی ہے۔ اور جلدی کرنے کی وجہ سے تدبیر کرنے والے کی ذات کے لئے تکلیف اور تھکن ہے۔ اس لئے کہ اللہ حی وقیوم تیرے لئے جتنی بہتر اور مضبوط تدبیر کرے گا۔ اتنی بہتر تدبیر تم اپنی ذات کے لئے نہ کرسکو گے۔ اور اکثر تدبیر جو تم اپنی ذات کے لئے کرو گے، تقدیر اس سے موافقت نہ کرے گی۔ اور ان تدبیروں کے پیچھے غم اور کدورتیں لگی رہیں گی۔

اسی لئے حضرت احمد بن مسروقؒ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص نے تدبیر چھوڑ دی، وہ راحت و

آرام میں ہے۔

اور حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے:۔ تدبیر اور اختیار کو ترک کر دو۔ کیونکہ یہ دونوں، آدمیوں کے عیش و آرام کو خراب اور تلخ کر دیتے ہیں۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الرَّوْحَ وَ الرَّاحَةَ فِی الرِّضیٰ وَالْیَقِیْنِ"

اللہ تعالیٰ نے خوشی اور آرام رضا اور یقین میں بنایا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے:۔ اپنے امور سے کچھ نہ اختیار کرو۔ اور اختیار نہ کرنا، اختیار کرو۔ اور اس مختار سے، اور اپنے فرار سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔

وَرَبُّكَ مَنْ يَّشَاءُ وَيَخْتَار

''اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے نیز فرمایا اگر تدبیر ضروری ہو تو یہ تدبیر کرو کہ کچھ تدبیر نہ کرو''

نیز بزرگوں کا قول ہے:۔ جس شخص نے تدبیر نہیں کی۔ اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) تدبیر کی گئی۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ نے فرمایا ہے:۔ ولی کامل کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ صرف اسی حال کا محتاج ہوتا ہے۔ جس میں اس کا مولائے حقیقی اس کو قائم کرتا ہے اور اس کی مراد صرف وہ ہے جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس ان بزرگوں کا کلام اس تدبیر پر صادق ہوتا ہے جو یقین اور مضبوط ارادے کے ساتھ نفس کے لئے ہو اور جو تدبیر سپردگی کے ساتھ ہو وہ بری نہیں ہے۔ اگر طبعی نہ ہو۔

مطلوب تدبیر:۔ وہ مشیت الٰہی کی سپردگی اور اس کی قدرت کی طرف توجہ کے ساتھ ان فرائض اور واجبات کی، جن کی پابندی کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور ان اطاعتوں کی، جن کی طرف تم کو دعوت دی گئی ہے۔ تدبیر کرنی ہے اور اس تدبیر کا نام صالح نیت رکھا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے''

نیز حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے روایت کر کے فرمایا ہے:۔

اِذَاھَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کُتِبَتْ لَہٗ حَسَنَۃٌ کَامِلَۃٌ

جب میرے بندے نے کسی نیکی کا ارادی کیا۔لیکن اس کو کیا نہیں۔تو اس کے لئے ایک پوری نیکی لکھی گئی۔

اور مصنف ؒ کے قول ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جتنی بہتر تدبیر کر سکتا ہے'' کا مفہوم یہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے جن کاموں کی تدبیر کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہیں لی ہے۔وہ اطاعت اور عبادت ہے۔لہذا اس کی تدبیر تم کو نقصان نہ پہنچائے گی۔

اسی لئے حضرت ابراہیم خواص ؒ نے فرمایا ہے:۔ کل علم صرف دولفظوں میں ہے۔اس کیلئے تکلیف نہ کرو۔جس کے لئے تم کافی ہو (یعنی تمہارے وجود کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں ان کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ان کے حاصل ہونے کے لئے تمہارا موجود ہونا کافی ہے) اور اس کو ضائع نہ کرو جو تمہارے لئے کافی ہے۔ (یعنی فرائض و واجبات جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے) تو ان کا یہ قول ''اس کیلئے تکلیف نہ کرو جس کے لئے تم کافی ہو'' یہی مذموم تدبیر ہے اور ''اس کو ضائع نہ کرو جو تمہارے لئے کافی ہے'' یہی مطلوب تدبیر ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جتنے امور شریعت نے مرتب کئے ہیں۔ان میں تمہارے لئے کچھ اختیار نہیں ہے۔وہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے مرتب کیا ہے۔ان کو سنو اور اطاعت کرو۔یہ ربانی فقہ اور الہامی علم کا مقام ہے۔یہ ایسی زمین ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہوئی حقیقت کا علم نازل ہوتا ہے۔اس شخص کے لئے جو استوا کے مقام میں قائم ہوا۔یعنی اس کی عقل کامل ہوئی۔اور اس کی معرفت مکمل ہوئی۔اور اس کی حقیقت اس کی شریعت کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہوئی۔ لیکن ان احکام ہی کو مقصود سمجھ کر ان کی محبت مناسب نہیں ہے تا کہ ان میں مشغولیت اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کر دے۔

مباح تدبیر:۔ وہ ہے کہ دنیوی یا طبعی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے لئے سپردگی، اور

اس کی قدرت سے جو ظاہر ہو۔ اس پر نظر رکھتے ہوئے ان معاملات میں سے کسی شی پر بھروسہ کئے بغیر تدبیر کرنا، اور حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اَلتَّدْبِیْرُ نِصْفُ الْعَیْشِ ''تدبیر آدھی زندگی ہے''

اس شرط کے ساتھ کہ یکے بعد دیگرے متواتر تدبیر کرتے رہنا فکر اور پریشانی میں نہ ڈالے۔ لہذا اس قدر تدبیر مباح ہے، کہ اس کا گزر دل پر اس طرح ہو جیسے ہوا ایک کھڑکی سے داخل ہوتی ہے اور دوسری کھڑکی سے نکل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو کر تدبیر کرنا یہی ہے اور یہ عارفین محققین کی شان ہے۔

اور اس تدبیر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تدبیر کا نتیجہ الٹا اور خلاف ظاہر ہوتا ہے تو دل کو کچھ فکر اور پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس شعر کے مطابق ہوتا ہے:۔

سَلِّمْ لِسَلْمیٰ وَ سِرْ حَیْثُ سَارَتْ وَاتْبَعْ رِیَاحَ الْقَضَا وَ دُرْ حَیْثُ دَارَتْ

''تم سلمیٰ کے فرمان بردار ہو۔ اور جہاں وہ گئی تم بھی وہیں جاؤ۔ اور قضا کی ہوا کے پیچھے چلو۔ اور جدھر وہ پھرتی ہے تم بھی ادھر ہی پھر جاؤ۔''

مصنفؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ فائدہ:۔ جاننا چاہیے، کہ اشیاء اپنے نتیجے کے اعتبار سے بری اور اچھی کہی جاتی ہیں۔ لہذا بری تدبیر وہ ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔ اور اس کی خدمت انجام دینے کے قابل نہ رکھے۔ اور اس کے معاملے سے تم کو روک دے۔ اور اچھی تدبیر وہ ہو جو تم کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضامندی تک پہنچا دے۔ تدبیر کے متعلق جو کچھ میرے اوپر ظاہر ہوا۔ وہ میں نے یہاں تحریر کیا۔ اور حضرت مصنفؒ نے تدبیر کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا نام ''التنویر فی اسقاط التدبیر'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تدبیر کے بارے میں بہت حسن وخوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مرجع وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جب میں نے اس کتاب کو مکمل کیا۔ تو ولی کامل سیدی حضرت یاقوت العرشی کو خبر ہوئی۔

انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ اس کو انہوں نے دو اشعار میں بیان فرمایا۔ وہ یہ ہیں:۔

مَا ثَمَّ اِلَّا مَا اَرَادَ فَاتْرُكْ هُمُوْمَكَ وَانْطَرِحْ

''یہاں صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے۔ لہٰذا اپنی فکروں کو ترک کر کے خاموش پڑے رہو''

وَاتْرُكْ شَوَاغِلَكَ الَّتِي شُغِلْتَ بِهَا تَسْتَرِحْ

''اور جن تدبیروں میں تم مشغول ہو۔ انہیں ترک کر کے آرام حاصل کرو''

اور چونکہ تدبیر اور اختیار میں کوشش اور مشغولیت، بصیرت کے ختم ہونے کی دلیل ہے اور دونوں کو ترک کر دینا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو کر ان کا اختیار کرنا، بصیرت کے کھلنے کی دلیل ہے۔ اس لئے مصنف ؒ نے دوسری علامت بیان فرمائی۔ جو بصیرت کے کھلنے یا ختم ہونے کی زیادہ واضح اور مشہور علامت ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

اِجْتِهَادُكَ فِيْمَا ضَمِنَ لَكَ ، وَ تَقْصِيْرُكَ فِيْمَا طَلَبَ مِنْكَ ، دَلِيْلٌ عَلٰى اِطْمَاسِ الْبَصِيْرَةِ مِنْكَ

''تمہارے لئے جن اشیاء کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ ان کے لئے تمہارا کوشش کرنا، اور جو چیزیں اس نے تم سے طلب کی ہیں۔ ان میں تمہارا کوتاہی کرنا، تمہاری بصیرت کے اندھی ہونے کی دلیل ہے''۔

بصیرت اور اس کی مختلف تعبیرات

میں کہتا ہوں:۔ بصیرت: قلب کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ بصر، سر کی آنکھ کو، پس بصیرت، حقیقت کو دیکھتی ہے اور بصر، محسوس کو۔

یا اس طرح کہو: بصیرت، لطیف کو دیکھتی ہے اور بصر، کثیف کو

یا اس طرح کہو: بصیرت، قدیم کو دیکھتی ہے اور بصر، حادث کو

یا اس طرح کہو: بصیرت خالق کو دیکھتی ہے اور بصر مخلوق کو

پس جب اللہ تعالیٰ بندے کی بصیرت کو کھولنا چاہتا ہے تو اس کے ظاہر کو اپنی خدمت میں اور اس کے باطن کو اپنی محبت میں مشغول کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے باطن میں محبت اور ظاہر میں خدمت بڑھتی ہے۔ ویسے ویسے بصیرت کا نور طاقتور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بصر پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور بصر کا نور بصیرت کے نور میں غائب ہو جاتا ہے۔ لہذا لطیف حقائق اور قدیم انوار میں سے جو کچھ بصیرت دیکھتی ہے۔ بصر بھی وہی دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ مجذوب رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی معنیٰ ہے۔

غَيَّبْتُ نَظَرِىْ فِىْ نَظَر وَاُفْنِيْتُ عَنْ كُلِّ فَانِىْ

''میں نے اپنی ظاہری آنکھ کو باطنی آنکھ میں گم کر دیا۔ اور کل فانی اشیاء سے میں فنا ہو گیا''۔

اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو رسوا اور بدنصیب کرنا چاہتا ہے تو اس کے ظاہر کو مخلوق کی خدمت میں اور اس کے باطن کو اس کی محبت میں مشغول کر دیتا ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ مخلوق ہی کی خدمت اور محبت میں مشغول رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بصیرت کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ اور بصر کا نور بصیرت کے نور پر غالب ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ محسوسات ہی کو دیکھتا اور محسوسات ہی کی خدمت کرتا ہے۔ اور تقدیر میں مقرر شدہ روزی جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے اسی کی تلاش میں کوشش کرتا ہے۔ اور ان فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ جن کے ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اس سے مطالبہ کیا ہے۔ اور اگر کوشش استغراق سے اور کوتاہی ترک سے بدل جائے (یعنی کوشش اس درجہ پر پہنچ جائے کہ ہر وقت اسی میں مشغول رہے اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی اس درجے پر پہنچ جائے کہ وہ ترک ہو جائیں) تو اسکی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے۔ اور یہی کفر ہے۔ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا طالوت کے نہر کی طرح ہے۔ اس سے صرف وہی شخص نجات پا سکتا ہے جو پانی نہ پئے، یا صرف ایک چلو پیے۔ وہ شخص نجات نہیں پا سکتا جس نے اپنی پیاس کے مطابق شکم سیر ہو کر پی لیا۔ اس کو بخوبی سمجھو۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے بیان فرمایا ہے: بصیرت بصر کی طرح ہے۔ آنکھ میں ذرا سی چیز پڑ

جاتی ہے تو سخت تکلیف دیتی ہے۔اور دیکھنے سے روک دیتی ہے۔اگرچہ وہ اندھا نہ کرے۔اسی طرح کسی شے کا وسوسہ بصیرت کے دیکھنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔اور فکر کو مکدر کر دیتا ہے۔اور اس وسوسے پر عمل کرنے کا ارادہ بھلائی کو سرے سے ختم کر دیتا ہےاور اس پر عمل کرنا اس عمل کے موافق عمل کرنے والے کے اسلام کا ایک حصہ ختم کر دیتا ہےاور اسلام کے ضد کفر کو اسی مقدار میں لاتا ہے۔ پھر جب وہ ہمیشہ اس برائی پر قائم رہتا ہے۔تو اس سے اسلام رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دنیاوی جاہ ومرتبہ کی محبت،اور آخرت کو ترک کر کے دنیا کی محبت میں ظالموں سے دوستی،اور امت کی غیبت اور برائی میں مشغول ہو جاتا ہے۔تو پورا اسلام اس سے نکل جاتا ہے۔اور وہ اسلام سے محروم ہو جاتا ہے۔لہذا تم اس کے اسلام کے ظاہری رسوم سے دھوکا نہ کھاؤ۔کیونکہ اس میں روح باقی نہیں ہے۔اسلام اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے نیک بندوں کی محبت کا نام ہے۔حضرت شیخ ابوالحسنؒ کا کلام ختم ہوا۔

اور چونکہ جن اشیاء کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہےان کے لئے کوشش کرنی بری ہے۔خواہ وہ فعل میں ہو یا قول میں،اور دعا کے ذریعے ہو یا کسی دوسرے ذریعے سے،اور کسی شی کے ملنے سے پہلے اس کے حاصل کرنے میں جلدی چاہنے کا نام ہی کوشش ہے۔اس لئے مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

لَا يَكُنْ تَاَخُّرُ اَمَدِالْعَطَاءِ مَعَ الْاِ لْحَاحِ فِي الدُّعَاءِ مَوْجِباً لِيَاسِكَ، فَهُوَ ضَمِنَ لَكَ الْاِجَابَةَ فِيْمَا يَخْتَارُ لَكَ ، لَا فِيْمَا تَخْتَارُ لِنَفْسِكَ، وَ فِي الْوَقْتِ الَّذِي يُرِيْدُ لَا فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ تُرِيْدُ

''بار بار عاجزی سے دعا کرنے کے باوجود، دعا کے قبول ہونے اور بخشش ملنے میں تاخیر،تمہاری ناامیدی کا سبب نہ ہونا چاہیے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اجابت کی ذمہ داری اس شی میں لی ہے جو تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہے۔نہ کہ اس شی میں جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اس وقت میں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔نہ کہ اس وقت میں جو تم چاہتے ہو۔''

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں ایک نام ''قیوم'' ہےاور اس کے معنی ''بہت بڑا

قائم کرنا والا۔ بہت بڑا قائم رہنے والا۔ ہیں۔

پس حقیقت یہ ہے کہ عرش سے فرش تک اپنی کل مخلوق کے تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا۔ اور ہر مظہر کے لئے ایک محدود وقت اور اجل مقرر کیا۔ اور ہر شی کے لئے ایک خاص شکل اور مقسوم روزی مقرر فرمائی۔

"فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ"

"جب ان کا مقررہ وقت آ جائے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے ہو سکتے ہیں۔"

لہٰذا جب تمہارا قلب دنیا و آخرت کی حاجتوں میں سے کسی حاجت کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے وعدے کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کے علم پر قناعت کرو۔ اور حرص نہ کرو۔ کیونکہ حرص میں تکلیف اور ذلت ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: لوگ اپنی حاجتیں حرص سے اور ان کے لئے کوشش میں مشغول ہو کر پوری کرتے ہیں۔ اور ہم اپنی حاجتیں زہد سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو کر پوری کرتے ہیں۔

اور اگر دعا کرنی ضروری ہو جائے تو تمہاری دعا عبادت کے لئے ہونی چاہیے۔ نہ کہ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ کیونکہ اگر تم نے دنیاوی فوائد کو ترک کر دیا، تو تمہارے اوپر دنیاوی فوائد کی بارش ہو گی۔ اور اگر تمہارے اوپر طلب کا حال غالب ہو جائے اور تم کچھ طلب کرو۔ لیکن (قبولیت دعا پر پختہ یقین کرے آثار قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو ملول نہ ہو) اس کے ملنے میں دیر ہو جائے۔ تو تم اللہ تعالیٰ پر اتہام نہ لگاؤ۔ جیسا کہ فرمایا۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

"تم لوگ مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا"

اور اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ناامید نہ ہوؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائی میں سے جو تمہارے لئے چاہتا اور پسند کرتا ہے اس کی اجابت کی اس نے ضمانت لی ہے۔ اور تمہارے ساتھ یہ اس کی مہربانی اور احسان ہے کہ تمہارے اس مقصد کو جو تمہارے لائق نہیں ہے۔ وہ روک دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ عَجَزْنَا عَنْ دَفْعِ الضُّرِّ عَنْ اَنْفُسِنَا مِنْ حَیْثُ نَعْلَمُ بِمَا نَعْلَمُ، فَکَیْفَ لَا نَعْجِزُ عَنْ ذَالِکَ مِنْ حَیْثُ لَا نَعْلَمُ بِمَا لَا نَعْلَمُ o

"اے اللہ جس نقصان کا ہم کو علم ہے۔ اس کا علم ہونے کے باوجود ہم اس کو اپنی ذات سے دور کرنے سے عاجز ہیں۔ تو جس نقصان کا ہم کو علم نہیں ہے۔ ہم اس کے دور کرنے سے کیوں عاجز نہ ہوں گے۔"

بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے:۔

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَ یَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ

"اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ شی اختیار کرتا ہے جس میں ان کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔" ماء کو موصولہ قرار دے کر یعنی

وَ یَخْتَارُ الْاَمْرَ الَّذِیْ لَھُمْ فِیْہِ خِیَرَتُھُمْ

وہ اس امر کو اختیار کرتا ہے جس میں ان کی بھلائی ہوتی ہے۔

اور کبھی وہ تمہاری دعا قبول کر لیتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کر دیتا ہے جو تمہارے لئے زیادہ بہتر اور مفید ہوتا ہے۔ لہذا وہ شی تم کو اس وقت دیتا ہے جس وقت وہ چاہتا ہے۔ نہ کہ اس وقت جس وقت تم چاہتے ہو۔

اور کبھی وہ تمہاری دعا کو تمہاری آخرت کے لئے موخر کر دیتا ہے اور وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور قائم رہنے والی ہے۔ حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے:۔

"مَا مِنْ دَاعٍ اِلَّا وَ ھُوَ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ : اِمَّا اَنْ تُعَجَّلَ لَہٗ طَلْبَتُہٗ، وَ اِمَّا اَنْ یُّدَّخَرَ لَہٗ ثَوَابُھَا، وَاِمَّا اَنْ یُّصْرَفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلُھَا"

"ہر دعا کرنے والا تین صورتوں میں سے ایک کے درمیان ہوتا ہے۔ یا یہ کہ اس کی دعا فوراً پوری کر دی جائے۔ یا یہ کہ اس کی آخرت کے لئے اس کا ثواب جمع کر دیا جائے۔ یا یہ کہ اس کی دعا کے برابر برائی اس سے پھیر دی جائے۔"

حضرت شیخ عبدالعزیز مہدوی ؒ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص نے دعا میں اپنا اختیار نہ چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو پسند کیا ہے۔ اس پر راضی نہ ہوا۔ وہ مستدرج ہے۔ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے کہا گیا ہے۔ اس کی حاجت پوری کر دو۔ مجھے اس کی آواز بھی سننا پسند نہیں ہے۔ اور اگر دعا اللہ تعالیٰ کے اختیار کے ساتھ ہو نہ کہ اپنے نفس کے لئے اپنے اختیار کے ساتھ۔ تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی مانگی ہوئی شی اس کو نہ دی جائے۔ اور اعمال کا اعتبار ان کے انجام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

حضرت مصنف ؒ نے گزشتہ بیان میں وعدے کا پورا ہونا، اور وعدہ کی ہوئی شی کا ملنا ثابت کیا ہے۔ لیکن اس طریقے اور اس وقت پر جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اس معاملے میں تم کو سچائی اختیار کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پورا کرنے کی تصدیق کرنے کا حکم دیا۔ اور تردد سے تم کو منع کیا۔ تا کہ تمہاری بصیرت پوری طرح کھل جائے۔ اور سر کے انوار روشن ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا يُشَكِّكَنَّكَ فِي الْوَعْدِ عَدَمُ وُقُوْعِ الْمَوْعُوْدِ وَ إِنْ تَعَيَّنَ زَمَنُهُ ، لِئَلَّا يَكُوْنَ ذَالِكَ قَدْحاً فِي بَصِيْرَتِكَ وَ إِخْمَادًا لِنُوْرِ سَرِيْرَتِكَ

''وعدہ کی ہوئی شی کا واقعہ نہ ہونا، وعدہ کی سچائی کے متعلق تم کو شک وشبہ میں نہ ڈالے۔ اگرچہ اس کا وقت مقرر ہو۔ تا کہ یہ شک تمہاری بصیرت میں نقص نہ پیدا کرے۔ اور تمہارے باطن کے نور کو نہ بجھا دے''

جاننا چاہیے کہ نفس، اور عقل، اور روح اور سر ایک شی ہے۔ لیکن مقاموں کے اختلاف سے نام جدا جدا ہے۔ پس جو کچھ خواہشات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والا نفس ہے۔ اور جو کچھ شرعی احکام کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والی عقل ہے۔ اور جو کچھ تجلیات اور واردات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والی روح ہے۔ اور جو کچھ تحقیقات اور تمکنات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والا سر ہے۔ اور جگہ ایک ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم سے کسی شی کا وعدہ وحی یا الہام کی زبان پر نبی یا ولی یا کسی خاندانی بزرگ کے ذریعے سے کیا۔ تو اے مرید! اگر تم صدیق ہو، تو اس میں شک نہ کرو۔ پس اگر

اس کا وقت مقرر نہیں ہوا ہے۔ تو وعدہ وسیع ہے۔ اور زمانہ کبھی لمبا ہوتا ہے۔ اور کبھی مختصر۔ لہذا اس کے واقع ہونے میں شک نہ کرو۔ اگرچہ زمانہ لمبا ہو جائے۔ کیونکہ سیدنا حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی بددعا فرعون کے حق میں، کلام الٰہی کے مطابق:۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ ''اے ہمارے رب! تو ان کے مالوں کو برباد کردے۔'' اور عذاب نازل ہونے کا درمیانی وقفہ بیان کی ہوئی روایات کے مطابق چالیس سال ہے۔

اور اگر اس کا وقت مقرر ہے۔ لیکن وہ اپنے وقت پر پورا نہیں ہوا۔ تو بھی تم اس کے پورا ہونے میں شک نہ کرو کیونکہ کبھی یہ غیبی اسباب و التزامات پر مرتب ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی یا ولی سے پوشیدہ رکھا ہے۔ تا کہ اپنی طاقت کا غلبہ اور اپنی حکمت ظاہر کرے۔

سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کے معاملے میں غور کرو۔ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب کی خبر دی۔ اور اس کے پاس سے چلے گئے۔ لیکن عذاب ان لوگوں کے اسلام نہ قبول کرنے پر موقوف تھا۔ لہذا جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو عذاب ٹل گیا۔ اور اسی طرح سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کا معاملہ۔ جب انہوں نے کہا

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقّ

''میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ حق ہے''

پس وہ عموم کے ظاہر سے واقف تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِح

''وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ وہ صالح نہیں ہے۔''

اور ہم نے آپ کے اہل میں سے صالح کی نجات کا وعدہ کیا تھا۔ اگر آپ نے اس وعدے کو عام سمجھ لیا۔ تو ہمارا علم بہت وسیع ہے۔

اور چونکہ یہ پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام، اور اکابر صدیقین رضی اللہ عنہم ظاہر وعدے پر مطمئن نہیں ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی پریشانی اور بیقراری دور نہیں ہوتی ہے۔ اور غیر اللہ کے ساتھ ان کو سکون و قرار نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت، اور اس

کے قہر کے نافذ ہونے کی طرف نظر رکھتے ہیں۔

اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ قول ہے:۔

وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّيْ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

''جن چیزوں کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرتے ہو میں ان نہیں ڈرتا ہوں مگر یہ کہ میرا رب چاہے میرے وسیع ہے اور سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول:۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْماً

''اور مجھ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ میں کفر میں پھر لوٹوں۔ مگر یہ کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہمارا رب ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

اور اسی قسم میں سے ہمارے نبی کریم ﷺ کا معاملہ ہے۔ جب کہ آپ نے غزوہ بدر کے دن دعا فرمائی۔ یہانتک کہ آپ کی چادر مبارک گر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ وَعْدَكَ وَعَهْدَكَ، اَللّٰهم اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةِ لَمْ تَعْبُدُ بَعْدَ الْيَوْمِ

''اے میرے اللہ! اپنا وعدہ اور عہد پورا کر۔ اے میرا اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک کر دی گئی۔ تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے اتنا کافی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ وہ پورا کرے گا۔

پس حضرت نبی کریم ﷺ کی نظر ظاہر وعدہ کے ساتھ نہ ٹھیرنے کی بناء پر زیادہ وسیع تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ ظاہر وعدہ کے ساتھ ٹھیر گئے تھے۔ اور دونوں حق پر تھے۔ لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی نظر زیادہ وسیع اور علم زیادہ کامل تھا۔

لیکن صلح حدیبیہ کا معاملہ تو اس میں وعدے کا وقت نہیں مقرر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا ''پس اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔'' اور جب حضرت عمر ؓ نے کہا:۔

اَلَمْ تُخْبِرُنَا اِنَّا نَدْخُلُ مَكَّةَ

”کیا آپ نے ہم کو یہ خبر نہیں دی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے“

تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”فَقَالَ لَهُ :۔ اَقُلْتُ لَكَ هٰذَا الْعَامَ ؟ فَقَالَ لَا، فَقَالَ:۔ اِنَّكَ دَاخِلُهَا وَ مُطَوِّفٌ بِهَا“

”کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سال داخل ہو گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا:۔ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ بیشک تم کعبے میں داخل ہو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے“۔

لہذا اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا۔ تم یقین اور اعتماد کے ساتھ اس کی تصدیق کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے اولیائے کرام کے ساتھ خصوصاً اپنے شیخ کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ اور دل میں پوشیدہ طور پر جھٹلانے یا شک و شبہ کرنے سے پرہیز کرو۔ ورنہ یہ تمہاری بصیرت کو کمزور کر دے گا۔ بلکہ کبھی اس کو اندھا ہی کر دے گا۔ اور تمہارے روحانی نور کو بجھا دے گا۔ پھر تم جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ گے۔ اور جو عمارت تم نے بنائی ہے وہ گر جائے گی۔ لہذا اچھی تاویل کرو۔ اور نکلنے کے لئے بہتر جگہ تلاش کرو۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:۔ ہم نے جو کہا۔ اگر وہ ہو گیا۔ تو ہم ایک مرتبہ خوش ہوئے۔ اور اگر وہ نہیں ہوا۔ تو ہم دس مرتبہ خوش ہوئے۔ ایسا ان کی نظر میں وسعت اور معرفت میں ثابت ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کو قضا کے نازل ہونے کی خبر دیتا ہے۔ لیکن لطف کے نازل ہونے کی خبر نہیں دیتا ہے۔ تو یہ قضا لطف کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ اور اتنی ہلکی اور آسان ہو کر نازل ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کچھ نہیں نازل ہوا۔

اور ہم نے اس کا اور اس سے پہلے جو ہمارے ساتھ اور ہمارے شیوخ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ لہذا ہمارا صدق کم نہیں ہوا۔ اور ہمارا روحانی نور نہیں بجھا۔ یہ ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کا شکر ہے۔

تنبیہ:۔ ہمارے شیخ فقیہ عالم سیدی تاودی بن سودہ ایک حکمت پر اعتراض کرتے تھے۔ اور

کہتے تھے:۔ وقت مقرر کرنے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر وحی کے ذریعے ہو تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا۔ اور اگر الہام کے ذریعے ہو تو الہام میں شک کرنے سے بصیرت میں کمی لازم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ الہام پر ایمان لانا واجب نہیں ہے۔

میں نے جواب دیا:۔ ہمارا کلام سچے مریدین کے لئے ہے۔ خواہ وہ سائرین ہوں یا واصلین۔ اور ان لوگوں سے اپنے شیوخ کی ہر بات کی تصدیق کا اقرار (یعنی بیعت) لیا گیا ہے۔ اور اس لئے کہ مشائخ کرام، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پس انبیاء علیہم السلام کے لئے احکام کی وحی ہے۔ اور اولیاء رضی اللہ عنہم کے لئے الہام کی وحی ہے۔ کیونکہ قلوب جب غیر اللہ کی کدورتوں سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور انوار واسرار سے بھر جاتے ہیں تو ان میں صرف اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہذا جب وہ وعدہ یا وعید کی کوئی بات کہیں۔ تو مرید پر اس کی تصدیق واجب ہے۔ کیونکہ اگر اس وعدے میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے، یا اس کے شیخ کی زبان سے کیا ہے۔ اس کو شک اور تردد پیدا ہوگا۔ تو یہ اس کی بصیرت میں کمی کا سبب ہوگا اور اس کے روحانی نور کو بجھا دے گا۔

پس اگر اس کے لئے وقت نہ مقرر ہوا ہو تو اس کے واقع ہونے کا انتظار کرے۔ اگرچہ طویل زمانے تک انتظار کرنا پڑے۔ اور اگر اس وعدے کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہو۔ لیکن وہ اپنے وقت پر پورا نہ ہوا ہو۔ تو اس کے بارے میں بہتر تاویل کرے۔ جیسا کہ انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معاملات میں اسباب اور پوشیدہ التزامات کی بنا پر وعدے میں تاخیر اور توقف پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اور صدیق اور صادق کے درمیان اسی سے فرق و امتیاز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیق تردد اور تعجب نہیں کرتا ہے۔ اور صادق پہلے تردد کرتا ہے۔ بعد میں یقین کرتا ہے اور اگر خرق عادت یعنی کرامت دیکھتا ہے تو حیرت و تعجب کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور چونکہ قہری تعرفات (علامات) جن کا ظاہر جلال ہے۔ اور ان کا باطن جمال ہے۔ اس لئے کہ ان کے بعد کمال کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات مریدان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وعدے کے اور ان کے نتیجے میں مرتب ہونے والے فتوحات کے بارے میں شک و شبہے میں پڑ جاتا

ہے۔اس لئے حضرت مصنفؒ نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اِذَا فَتَحَ لَكَ وِجْهَةً مِّنَ التَّعَرُّفِ فَلَا تُبَالِ مَعَهَا اِنْ قَلَّ عَمَلُكَ، فَاِنَّهٗ مَا فَتَحَهَا لَكَ اِلَّا وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَعَرَّفَ اِلَيْكَ، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ التَّعَرُّفَ هُوَ مُوْرِدُهٗ عَلَيْكَ، وَالْاَعْمَالِ اَنْتَ مُهْدِيهَا اِلَيْهِ؟ وَاَيْنَ مَا تَهْدِيْهِ اِلَيْهِ مِمَّا هُوَ مُوْرِدُهٗ اِلَيْكَ؟

''جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر معرفت کا کوئی دروازہ کھولے۔اوراس کی وجہ سے اگرتمہارا عمل کم ہوجائے توتم اس کی پرواہ نہ کرو۔کیونکہ اس نے وہ دروازہ تمہارے اوپر اس لئے کھولا ہے۔کہ وہ تم کواپنی پہچان کرانی چاہتا ہے۔کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تمہارے اوپر معرفت کا وارد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔اوراس کی طرف اعمال کا ہدیہ بھیجنے والے تم ہو؟ اوراس کی طرف تمہارے ہدیہ،اور تمہاری طرف اس کے عطیہ میں کیا مناسبت ہے؟''

میں کہتا ہوں:۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک ''جلیل'' یا اپنے اسم پاک ''قہار'' کے ساتھ تیرے اوپر اپنی تجلی ظاہر کرے تو اوراس تجلی سے تیرے اوپر کوئی دروازہ کھولے تا کہ تو اس دروازے سے اس کو پہچانے۔تو تُو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر مہربانی کی ہے۔اور تجھ کو اپنے قرب کے لئے پسند کرنے اور اپنی بارگاہ قدس کے لئے منتخب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔لہذا تو تسلیم و رضا کے ساتھ اس کے آداب کو لازم پکڑ۔اور فرحت وخوشی کے ساتھ اس کے سامنے حاضر رہ۔اور اس جلالی وقہاری شان کی تجلی اوراس کے سامنے ادب اور تسلیم ورضا کے حاضر رہنے میں جو جسمانی اعمال تجھ سے فوت ہوجائیں۔تو اس کا غم نہ کر۔کیونکہ جسمانی اعمال قلبی اعمال کے لئے وسیلہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کا یہ دروازہ تیرے اوپر اس لئے کھولا ہے۔تا کہ وہ تیرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھادینا چاہتا ہے۔کیا تو نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا ہے کہ یہ تعرفات جلالی تیرے اوپر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔تا کہ تو اس کی بارگاہ قدس میں داخل ہوجائے۔اور جسمانی اعمال تو اس لئے بطور ہدیہ اس کے پاس بھیج رہا ہے۔تا کہ اس کے ذریعے تو اس کے پاس پہنچ جائے۔اور مدخولہ (کھوٹے) اعمال،اور معلولہ (ناقص) احوال کا جو ہدیہ تو بھیج رہا ہے۔اور معارف ربانی اور علوم لدنی کا جو تحفہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عطا فرمایا ہے۔دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

لہذا اے مرید! تم اپنے نفس کو اس سے راضی اور خوش رکھو۔ کیونکہ جلالی تعرفات اور قہری حادثات بیماریاں، اور ہر قسم کے درد، اور سختیاں، اور خوف وخطر، اور وہ تمام چیزیں جو نفس پر گراں گزرتی اور اس کو تکلیف دیتی ہیں۔ اور مثلاً محتاجی، اور ذلت اور مخلوق کی ایذا رسانی، اور اس کے علاوہ وہ چیزیں جو نفس کو ناگوار اور ناپسند ہوتی ہیں۔ ان امور میں سے جو بھی تمہارے اوپر نازل ہوا ہے۔ وہ بہت بڑی نعمت اور نہایت قیمتی بخشش ہے۔ اور وہ تمہارے صدق اخلاص کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ جتنا بڑا صدق ہوگا۔ اتنا ہی بڑا تعرف ہوگا۔

اَشَدُّكُمْ بَلَاءً:۔ اَلْاَنْبِيَاءُ فَالْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

''تم میں سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر نازل ہوتی ہیں۔ پھر جوان سے زیادہ مشابہ (یعنی ان کی اتباع کرنے والے ہیں) پھر ان کے بعد جوان سے مشابہ (یعنی ان کی اتباع کرنے والے ہیں''۔ (اتباع کی مناسبت سے بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ جتنی زیادہ اتباع ہوتی ہے۔ اتنی ہی زیادہ بلائیں نازل ہوتی ہیں) پس صدق، متبوع (پیشوا) ہے۔ اور تعرفات (بلائیں) اس کی تابع (پیچھے چلنے والی) ہیں۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے درمیان دوری کے فاصلے کو لپیٹنا چاہتا ہے۔ تو اس کے اوپر بلائیں مسلط کرتا ہے تا کہ وہ خالص اور کثافتوں سے پاک وصاف ہو کر بارگاہ الہی کے لائق ہو جائے جیسا کہ چاندی اور سونا آگ میں جلا کر صاف کیا جاتا ہے۔ تا کہ بادشاہ کے خزانے میں رکھنے کے لائق ہو جائے۔ اور اسی بناء پر عارفین ہمیشہ ان بلاؤں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بخششیں اور نعمتیں حاصل کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی عمرانی رضی اللہ عنہ نے بلاؤں کا نام شب قدر رکھا تھا۔ اور فرماتے تھے:۔ اس کا ہر گوشہ شب قدر ہے۔ جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے ذریعے بندہ قلوب کے اعمال کا مزہ چکھتا ہے۔ اور قلوب کے اعمال کا ایک ذرہ بدن کے پہاڑ جیسے اعمال سے افضل ہے۔ اور میں نے اس کے بارے میں دو اشعار کہے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

إِذَا طَرَقَتْ بَابِيْ مِنَ الدَّهْرِ فَاقَةٌ فَتَحْتُ لَهَا بَابَ الْمَسَرَّةِ وَالْبِشْرِ

''زندگی میں جب کبھی فاقہ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے اس کیلئے مسرت اور خوشی کا دروازہ کھول دیا''

وَقُلْتُ لَهَا اَهْلاً وَّ سَهْلاً وَّ مَرْحَبًا فَوَقْتُكَ عِنْدِيْ اَحْظٰى مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

''اور میں نے اس سے کہا:۔ تم بہت خوب آئے۔تمہارا آنا مبارک ہو۔تمہارا وقت میرے نزدیک شب قدر سے زیادہ مفید اور افضل ہے''۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تعرفات جلالیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے۔اور انسان کے پرکھنے کے لئے کسوٹی ہے۔اور کسوٹی ہی کے ذریعے چاندی اور سونا پرکھ کر پیتل اور تانبہ سے الگ کیا جاتا ہے۔کیونکہ بہت سے جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں جو اپنی زبان سے معرفت اور یقین کا دعویٰ کرتے ہیں۔لیکن جب قضا وقدر کی آندھیاں ان کے اوپر پہنچ جاتی ہیں تو ان کو مایوسی اور انکار کے گڑھوں میں ڈال دیتی ہیں۔جس نے بھی ایسی شے کا دعویٰ کیا جو اس میں نہیں ہے تو امتحان کے گواہوں نے اس کو ذلیل ورسوا کر دیا۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔ ان لوگوں کے حال پر بہت سخت تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے طلبگار ہوتے ہیں۔لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی صفات جلالی کی تجلی سے ان کو بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے اپنی معرفت ان کو عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھاگتے اور انکار کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ حضرت بوزیدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ تعرفات جلالیہ کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ سزا دینی اور ہٹا دینا ہے۔ دوسری قسم: ادب سکھانا اور خبردار کرنا ہے۔

تیسری قسم: زیادتی اور ترقی دینی ہے۔

پہلی قسم

سزا دینی اور ہٹا دینا: وہ یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کیساتھ بے ادبی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے کے لئے بلا میں مبتلا کرتا ہے۔پس وہ اس میں مبتلا ہو کر جہالت و نادانی کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ

سے ناراض ہوتا ہے۔ مایوس ہوتا ہے اور منکر ہو جاتا ہے۔لہذا وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا اور اس کی بارگاہ قدس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

دوسری قسم

ادب سکھانا اور خبردار کرنا:۔وہ یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کو ادب سکھانے اور تنبیہ کرنے کے لئے بلا میں مبتلا کرتا ہے۔پس وہ اس بلا میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔اور اپنی بے ادبی سے خبردار، اور اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاتا ہے۔لہذا ابلا اور مصیبت کے مظہر میں یہ تصرف جلالی اس کے حق میں نعمت ہے۔

تیسری قسم

زیادتی اور ترقی دینا: وہ یہ ہے کہ اس کے اوپر تعرفات جلالی یعنی بلائیں بغیر کسی سبب کے نازل ہوتی ہیں۔پس وہ ان بلاؤں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔اور اس کے آداب کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔اور اس کے ذریعے رسوخ وتمکین (معرفت الٰہی میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہونے) کے مقام پر ترقی کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے:

بِقَدْرِ الْاِمْتِحَانِ یَکُوْنُ الْاِمْتِکَانُ

''امتحان کے مطابق درجات کی بلندی ہوتی ہے''

نیز فرمایا ہے: اِخْتِبَارُ الْبَاقِیْ یَقْطَعُ التَّبَاقِیْ ''اللہ باقی کا امتحان بندے کے باقی رہنے کو ختم کر دیتا ہے''۔

فائدہ: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے اوپر جلال آسان ہو جائے تو تم اس کی ضد کے ساتھ اس کا مقابلہ (سامنا) کرو۔اور اس کی ضد جمال ہے۔تو جلال فوراً جمال سے بدل جائے گا۔یعنی جمال کی صورت اختیار کرلے گا۔اور اس کی صورت یہ ہے:۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک ''قابض'' کے ساتھ تمہارے ظاہر میں تجلی کرے۔تو تم اپنے باطن میں بسط پیدا کر کے اس کا مقابلہ کرو۔اور جب وہ اپنے اسم پاک ''عزیز'' تمہارے ظاہر میں

تجلی کرے تو تم اپنے باطن میں ذلت پیدا کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اور جب وہ اپنے اسم پاک ''قوی'' کے ساتھ تمہارے ظاہر میں تجلی کرے تو تم اپنے باطن میں کمزوری کی کیفیت پیدا کر کے اس کا سامنا کرو۔ اسی طرح ہر صفت کی تجلی کا مقابلہ اس کی ضد سے قدرت اور حکمت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے کرو۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔ حقیقت صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تم نے شہد سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو شہد پاؤ گے۔ اور اگر دودھ سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو دودھ پاؤ گے۔ اور اگر اندرائن (بہت تلخ اور بدمزہ پھل) سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو اندرائن پاؤ گے۔ تو اے برادر! تم اس کو اچھا سمجھ کر پیو۔ تاکہ وہ تمہارے حق میں اچھا ہو۔ اور برا سمجھ کر نہ پیو۔ (یعنی اگر تم نے تعرفات جلالیہ یعنی بلاؤں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کر کے تسلیم و رضا کے ساتھ قبول کیا ہے تو وہ تمہارے حق میں نعمت ثابت ہوں گے۔ اور اگر تم نے انہیں سزا سمجھ کر برا تصور کیا ہے تو وہ تمہارے حق میں عذاب ثابت ہوں گے) لہذا اس کو اچھا سمجھو برا نہ سمجھو۔

حضرت مصنفؒ کے قول: كَمَا تُقَابِلُهُ يُقَابِلُكَ ''جس طرح تم اللہ تعالیٰ سے پیش آؤ گے ،اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے پیش آئے گا'' کا مفہوم یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ مصنفؒ نے اعمال اور ان کے نتائج کا یہ بیان فرمایا، اور اعمال کا نتیجہ ادب ہے۔ اور ادب کا تقاضا، تدبیر و اختیار کے بغیر، اور جس میں تاخیر ہونی ہے اس میں جلدی چاہنے اور جو جلدی ہونا ہے اس میں تاخیر چاہنے کے بغیر قضا و قدر کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے سکون و اطمینان ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ کا مرکز وہ شی ہے جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس یہ ادب اس کو معرفت سکھاتی ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے اعمال کی اقسام کی اکثریت اور عامل کی درستی کے ذریعے اعمال کی درستی کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا۔

تَنَوَّعَتْ اَجْنَاسُ الْاَعْمَالِ بِتَنَوُّعِ وَارِدَاتِ الْاَحْوَالِ

احوال کے واردات بہت قسم ہونے کی وجہ سے اعمال کی قسمیں بھی بہت ہیں

اعمال کا معنی یہاں جسم کی حرکت ہے۔ اور واردات و احوال کا معنی قلب کی حرکت ہے۔ پس

خاطر اور وارد اور حال ان کی جگہ ایک ہے۔ اور وہ قلب ہے۔ جب تک قلب میں ظلمانی و نورانی دونوں قسم کے خطرے یعنی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ تو جو خیال بھی پیدا ہو۔ اس کا نام خاطر رکھا گیا۔ اور جب ظلمانی خیالات فنا ہو جاتے ہیں تو جو خیال بھی پیدا ہو۔ اس کا نام وارد یا حال رکھا گیا۔ اور جب یہ ہمیشہ ایک حال میں قائم ہو جائے تو اس کا نام مقام رکھا گیا۔

میں کہتا ہوں: باطنی احوال کی اقسام زیادہ ہونے کی وجہ سے ظاہری اعمال کی اقسام بھی بہت ہوگئی ہیں۔

یا تم اس طرح کہو جسمانی اعمال، قلبی احوال کے تابع ہیں۔ لہذا اگر قلب پر قبض (تنگی۔ رکاوٹ) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر سکون کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر بسط (کشادگی) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر حرکت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ (جسم میں چستی پیدا ہوتی ہے اور اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں) اور اگر قلب پر زہد و ورع (تقوی، پرہیزگاری) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر ترک کرنے اور پیچھے ہٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر حرص و خواہش وارد ہوتی ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر کوشش اور مشقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر محبت و شوق وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر شطح (خلاف شرع باتیں کہنی) اور رقص (ناچنا، اچھلنا، کودنا وغیرہ وجد کی سبب بے اختیاری حرکتیں) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر معرفت اور شہود وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر آرام و اطمینان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے احوال، اور احوال کے اثر سے پیدا ہونے والے اعمال ہیں۔

اور کبھی ایک قلب پر مختلف قسم کے احوال وارد ہوتے ہیں۔ تو اس کے اثر سے ظاہری اعمال بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک قلب پر ایک حال غالب ہوتا ہے تو اس کا اثر اس کے ظاہر پر ایک قسم کے عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا جب کسی شخص کے قلب پر قبض یعنی تنگی غالب ہوتی ہے تو اس تنگدلی کا اثر اس کے ظاہری اعمال میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب کسی شخص کے قلب پر بسط یعنی کشادگی غالب ہوتی ہے تو اس فراخدلی کا اثر اس کے ظاہری اعمال میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسی طرح دوسرے احوال کی کیفیت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ فِي جَسَدِ بَنِي اٰدَمَ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

''انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ اور وہ قلب ہے''۔

میں کہتا ہوں اس حقیقت کی بناء پر صوفیائے کرام کے احوال مختلف ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان میں عابدین و زاہدین اور متقین و عارفین اور مریدین مختلف درجات کے لوگ ہیں۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد میں فرمایا ہے:

(قاعدہ) نسک ۔ ہر مسلک سے فضائل کو حاصل کرنا ہے اس کے علاوہ دوسرے مسلکوں کی رعایت کئے بغیر۔ پس اگر اعمال میں ثابت ہونا اختیار کیا تو وہ عابد ہے۔ اور اگر احوال کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوا تو وہ متقی ہے۔ اور اگر سلامتی حاصل کرنے کے خیال سے ترک کی طرف متوجہ ہوا تو وہ زاہد ہے۔ اور اگر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی مراد میں فنا کر دیا تو وہ عارف ہے۔ اور اگر اخلاق اور تعلق حاصل کیا تو وہ مرید ہے۔

دوسرا قاعدہ۔ مسلکوں کے اختلاف سے مقصد کا اختلاف لازم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ مسلکوں کے اختلاف کے باوجود مقصد ایک ہے۔ جیسے عبادت، اور زہد اور معرفت اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے مسلک ہیں۔ لیکن سب ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ (یعنی ایک مسلک پر چلنے والے کے لئے دوسرے مسلک پر چلنا بھی ضروری ہے)۔ لہٰذا عارف کے لئے عبادت ضروری ہے ورنہ اس کی معرفت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے معروف کی (یعنی جس کی معرفت چاہتا ہے اس کی) عبادت نہیں کی۔ اور عارف کے لئے زہد بھی ضروری ہے ورنہ اس کے پاس کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ماسوی اللہ سے منہ نہیں پھیرا۔ اور عابد کے لئے معرفت اور زہد ضروری ہے۔ اس لئے کہ معرفت کے بغیر عبادت بالکل ناممکن ہے۔ اور زہد کے بغیر عبادت کے

لئے فرصت نہیں مل سکتی ہے۔ اور اسی طرح زاہد کے لئے بھی معرفت اور عبادت ضروری ہے۔ اس لئے کہ بغیر معرفت کے زہد بالکل ممکن نہیں ہے اور بغیر عبادت کے زہد نہیں ہوسکتا ہے۔

کیونکہ بے فائدہ اور بے مقصد ایک عادت اختیار کرتا ہے۔ ہاں، جس شخص پر عمل غالب ہوا، وہ عابد ہے اور جس پر ترک غالب ہوا، وہ زاہد ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کی صفات و اختیارات کی طرف توجہ غالب ہوئی وہ عارف ہے۔ اور سب کے سب صوفی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ کل اعمال میں جن کا بیان ان کے اثر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اخلاص شرط ہے۔ لہذا مصنف ؒ نے اپنے اس قول میں اس کا بیان فرمایا:

اَلْاَعْمَالُ صُوَرٌ قَائِمَةٌ وَاَرْوَاحُهَا وُجُوْدُ سِرِّ الْاِخْلَاصِ فِيْهَا

''اعمال، قائم ہونے والی صورتیں ہیں اور ان میں اخلاص کے سر (راز) کا موجود ہونا، ان کی ارواح ہیں''۔

یہاں اعمال کا معنیٰ، جسم یا قلب کی حرکت ہے۔ اور روح، وہ کمال جو اعمال میں معتبر ہے۔ اور اخلاص، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے قلب کو ہر خیال اور تعلق سے خالی کرنا ہے۔ اور اخلاص کا سر، اس کا خلاصہ اور مغز ہے اور وہ صدق ہے۔ اور صدق سے مراد اختیار اور قوت سے علیحدہ ہو جانا ہے۔ اور اخلاص بغیر صدق کے مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے بغیر بھی درست ہے۔ اس لئے کہ اخلاص ریا اور شرک خفی کا مٹ جانا ہے۔ اور اخلاص کا سر یعنی صدق: عجب (خود بینی) اور نفس کے دیکھنے کا ختم ہو جانا ہے۔ کیونکہ ریا عمل کی درستی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ (ریا کے ساتھ عمل درست نہیں ہوتا ہے) اور خود بینی اس کے کمال کمال کو نقصان پہنچاتی ہے۔ (یعنی عمل تو درست ہو جاتا ہے مگر مکمل نہیں ہوتا ہے)۔

میں کہتا ہوں۔ کل اعمال صورت اور جسم ہیں۔ اور ان کی روح، ان میں اخلاص کا موجود ہونا ہے۔ لہذا جس طرح بغیر روح کے صورت اور جسم ہیں۔ بلکہ مردہ و ناکارہ ہو جاتا ہے اسی طرح جسمانی و قلبی اعمال ان میں اخلاص کے بغیر قائم نہیں رہتے ہیں۔ بلکہ وہ صرف صورتیں اور شکلیں رہ جاتی ہیں۔ جن کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا اُمِرُوْ اِلَّا لِيَعْبُدُوْ اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ

ان لوگوں کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلص ہو کر دین کو (یعنی تمام قلبی اعمال وافعال کو) اس کے لئے خالص کر کے ہر شی کی طرف توجہ منقطع کر کے کریں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روایت کر کے فرمایا:

يَقُوْلُ : اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ ، مَنْ اَشْرَكَ مَعِيْ غَيْرِيْ، تَرَكْتُهٗ وَ شَرِيْكَهٗ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ میں شریکوں سے بے نیاز ہوں۔جس شخص نے میرے ساتھ میرے سوا کسی شی کو شریک کیا۔تو میں نے اس کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیا''

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ ، وَ هُوَالرِّيَا

''سب سے خوفناک شی جس سے میں اپنی امت کے لئے ڈرتا ہوں،شرک خفی ہے اور وہ ریا ہے''

اور ایک دوسری روایت میں ہے:۔

اِتَّقُوْا هٰذَا الشِّرْكَ الْخَفِيَّ ، فَاِنَّهٗ يَدِبُّ دَبِيْبَ النَّمَلِ، قِيْلَ : وَمَا الشِّرْكُ الْخَفِيُّ؟ قَالَ : اَلرِّيَاءُ''

''اس شرک خفی سے بچو۔کیونکہ یہ چیونٹی کے رینگنے کی طرح رینگتا ہے'' دریافت کیا گیا: شرک خفی کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ریا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ تک مسلسل ہے:

اِنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْاِخْلَاصِ ، فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ جِبْرِيْلَ. فَلَمَّا سَاَلَهٗ، قَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَبَّ الْعِزَّةِ، فَلَمَّا سَاَلَهٗ، قَالَ لَهٗ:۔ هُوَ سِرٌّ مِّنْ اَسْرَارِيْ اُوْدِعُهٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِيْ،لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكْتُبُهٗ ، وَلَا شَيْطَانٌ فَيُفْسِدَهٗ''

''حضرت رسول اکرم ﷺ سے اخلاص کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک میں حضرت جبرائیلؑ سے نہ

دریافت کرلوں۔ پس جب آپ ﷺ نے جبرائیلؑ سے دریافت فرمایا۔ تو حضرت جبرائیلؑ نے کہا: میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے دریافت نہ کرلوں۔ پس جب حضرت جبرائیلؑ نے اللہ رب العزت سے دریافت کیا۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ میں اپنے بندوں میں سے جس سے محبت کرتا ہوں۔ اس کے قلب میں امانت کے طور پر اس کو رکھتا ہوں۔ فرشتہ کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کو لکھے۔ اور شیطان بھی اس سے آگاہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس کو خراب کرے''۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ یہی احسان کا مقام ہے۔ اس حدیث شریف کے مطابق:۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ

''یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے''

اخلاص کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ: عوام کا اخلاص

دوسرا درجہ: خواص کا اخلاص تیسرا درجہ: خواص الخواص کا اخلاص

پہلا درجہ

عوام کا اخلاص: وہ دنیا و آخرت کے فوائد کی تلاش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے سے مخلوق کو نکال دینا ہے۔ جیسے بدن اور مال کی حفاظت، اور روزی کی ترقی، اور حور و قصور وغیرہ۔

دوسرا درجہ

خواص کا اخلاص: وہ دنیاوی فوائد کو ترک کر کے آخرت کے فوائد کی تلاش ہے۔

تیسرا درجہ

خواص الخواص کا اخلاص: وہ دنیا و آخرت کے کل فوائد کو ترک کر دینا ہے۔ پس ان کی عبادت عبودیت (بندگی) میں ثابت رہنا، اور ربوبیت کے وظائف کے ساتھ قائم رہنا، اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دیدار کا شوق ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن فارض نے فرمایا ہے:

لَيْسَ سُؤَالِيْ مِنَ الْجِنَانِ نَعِيْمًا   غَيْرَ اَنِّيْ اُحِبُّهَا لِاَرَاكَ

''جنت کے لئے میرا سوال اس کی کسی نعمت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ میں جنت کو صرف اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں میں تیرے دیدار کا شرف حاصل کروں گا''

اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا:

كُلُّهُمْ يَعْبُدُوْنَ مِنْ خَوْفِ نَارٍ   وَيَرَوْنَ النَّجَاةَ حظاً جَزِيْلاً

''سب لوگ آتش دوزخ کے خوف سے عبادت کرتے ہیں۔ اور دوزخ سے نجات پا جانے ہی کو بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں''۔

اَوْ بِاَنْ يَّسْكُنُوْا الْجِنَانَ فَيَضْحُوْا   فِي رِيَاضٍ وَّيَشْرَبُوْا السَّلْسَبِيْلاً

''یا اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ جنت میں رہیں۔ تا کہ باغ میں میوے کھائیں۔ اور نہر سلسبیل کا پانی پئیں''۔

لَيْسَ لِيْ فِي الْجِنَانِ وَالنَّارِ رَاْيٌ   اَنَا لَا اَبْتَغِيْ بِحُبِّيْ بَدِيْلاً

''جنت اور دوزخ کے بارے میں میری کوئی رائے نہیں ہے۔ میں اپنی محبت کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں''

حضرت شیخ ابوطالب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ مخلصین کے نزدیک اخلاص، مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے معاملے سے نکال دینا ہے۔ اور سب سے پہلی مخلوق نفس ہے۔ اور محبین کے نزدیک اخلاص، یہ ہے کہ وہ نفس کے لئے کوئی عمل نہ کریں۔ ورنہ بدلہ پانے کا خیال یا نفس کے فائدے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اور موحدین کے نزدیک اخلاص، یہ ہے کہ افعال میں مخلوق کی طرف دیکھنا ختم ہو جائے۔ اور احوال میں مخلوق کی طرف آرام وسکون فنا ہو جائے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: تو اپنا عمل اخلاص پیدا کر کے درست کر اور اپنا اخلاص اختیار و قوت سے علیحدہ ہو کر درست کر۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے: کسی شخص میں اخلاص ثابت نہیں ہوتا ہے جب تک وہ آدمیوں کی نظر سے نہ گر جائے ... اور ایک دوسرے عارف

نے فرمایا ہے: بندہ جب مخلوق کی نگاہ سے گرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔اور مخلوق کا لحاظ اور انتظار کرنے کی حالت کے ساتھ جب مخلوق کی نگاہ میں اس کا مرتبہ بلند ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گرے گا۔اور میں نے اپنے شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: بندہ جب لوگوں سے امید کرتا اور ان سے ڈرتا ہے تو اس کا اخلاص ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے۔نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ سے امید رکھنا مخلوق سے امید رکھنے کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرے اور اس کے ساتھ مخلوق کا بھی مشاہدہ کرے۔

حاصل یہ ہے کہ نفس کی گرفت سے نکلنا، اور ریا کی باریکیوں سے نجات حاصل کرنا شیخ کامل کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور چونکہ گمنامی اخلاص کے اجزاء میں سے ہے اور اکثر گمنامی کے بغیر اخلاص پیدا نہیں ہوتا ہے۔اس لئے کہ گمنامی میں نفس کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا مصنفؒ نے اخلاص کے بعد گمنامی کا بیان فرمایا:

اِدْفِنْ وُجُوْدَكَ فِيْ اَرْضِ الْخُمُوْلِ، فَمَا نَبَتَ مِمَّا لَمْ يُدْفَنْ، لَا يَتِمُّ نِتَاجُهٗ

''اپنے وجود کو گمنامی کی زمین میں دفن کردے۔کیونکہ جو درخت زمین میں گڑا ہوا نہیں ہوتا ہے وہ پھل نہیں دیتا ہے''۔

میں کہتا ہوں۔ اے مرید! تو اپنے نفس کو پوشیدہ رکھ، اور اس کو گمنامی کی زمین میں دفن کردے۔یہاں تک کہ نفس گمنامی سے مانوس ہوجائے۔اور اس میں لذت پائے۔اور گمنامی اس کے لئے شہد سے زیادہ شیریں ہوجائے۔اور شہرت اس کے لئے اندرائن سے زیادہ تلخ ہوجائے۔کیونکہ جب تو اس کو زمین میں دفن کردے گا اور اس کی جڑیں چاروں طرف زمین میں پھیل جائیں گی تب تو اس کا پھل پائے گا۔اور اس کا پھل تیرے لئے مکمل اور بہترین ہوگا اور یہی اخلاص کا سر ہے۔اور خواص الخواص کے مقام پر فائز ہونا ہے۔لیکن اگر تو نے اس کو دفن نہیں کیا۔اور شہرت کے پشت پر سوار چھوڑ دیا۔کہ وہ ہر طرف دوڑے اور چکر لگائے۔تو اس کا درخت خشک ہوجائے گا اور اس کے پھل گر جائیں گے۔لہٰذا جب عارفین اپنے معارف کے باغوں سے علم و حکمت اور سمجھ کے جو خزانے ان میں دفن ہیں، وہ چن لیں گے تو تو بھکاری فریق یا چور ڈاکو باقی رہ جائے گا۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا!

أَيْنَ تَنْبُتُ الْحَبَّةُ ؟ قَالُوا: فِي الْأَرْضِ ، قَالَ: كَذَالِكَ الْحِكْمَةُ لَا تَنْبُتُ إِلَّا فِي الْقَلْبِ كَاالْأَرْضِ

''بیج کہاں اگتا ہے؟ آپؑ کے اصحاب نے جواب دیا: زمین میں اگتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: اس طرح حکمت ایسے قلب میں اگتی ہے جس میں زمین کی صفات (عاجزی وانکساری) ہوں''

بعض عارفین نے فرمایا ہے: جب تو اپنے نفس کو ہر زمین میں دفن کرلے گا۔ تو تیرا قلب ہر آسمان میں بلند ہوگا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي تَمْرِيْنَ تَنْبُوْا عَنْهُ أَعْيُنُ النَّاسِ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ فِيْ قَسَمِهِ

''بہت سے میلے کچیلے گدڑی پوش ایسے ہیں جن کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پوری کرے گا''۔

''وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَالِساً مَعَ أَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ كَبِيْرِ بَنِي تَمِيْمٍ، فَمَرَّ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ:۔ مَا تَقُوْلَ فِيْ هٰذا؟ فَقَالَ: هٰذا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ ، حَقِيْقٌ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَّا يُزَوَّجَ ، وَإِنِ اسْتَاْذَنَ أَنْ لَا يُؤْذَنَ لَهُ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لَّا يُسْمَعَ لَهُ ، ثُمَّ مَرَّ بِهِمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُتْرَفِيْنَ، فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: وَمَا تَقُوْلَ فِي هٰذا؟ فَقَالَ: هٰذا حَقِيْقٌ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُزَوَّجَ، وَإِنِ اسْتَاْذَنَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، وَإِنْ قَالَ أَنْ يُّسْمَعَ لَهُ، فَقَالَ صلى الله عليه وسلم: هٰذا يَعْنِيْ الْفَقِيْرَ خَيْرٌ مِّنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِنْ هٰذا''

حضرت رسول اکرم ﷺ قبیلہ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی درمیان مسلمان فقیروں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے۔ حضرت رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اقرع بن حابسؓ سے دریافت فرمایا: اس

شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اقرع بن حابسؓ نے جواب دیا: یارسول اللہ! یہ شخص مسلمان فقیروں میں سے ہے۔ یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام نہ قبول کیا جائے۔ اور اگر یہ پاس بیٹھنے کی اجازت مانگے تو اس کو اجازت نہ دی جائے اور اگر یہ کچھ بات کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ پھر اس کے بعد ان کے سامنے سے دولتمندوں میں سے ایک شخص گزرے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اقرع بن حابس سے دریافت فرمایا: اور اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اقرع بن حابسؓ نے جواب دیا: یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے۔ اور اگر پاس بیٹھنے کی اجازت مانگے تو اس کو اجازت دی جائے۔ اور اگر یہ کچھ کہے تو اس کی بات سنی جائے۔ پس حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ فقیر اس مالدار سے زمین کے برابر افضل ہے''۔

گمنامی کی تعریف میں بہت سی احادیث اور مشہور فضائل ہیں۔ اور اگر اس میں راحت اور قلب کی فراغت کے سوا اور کوئی خوبی نہ بھی ہوتی تو اتنی ہی کافی تھی۔

اور گمنامی کے بارے میں حضرت حضرمیؒ نے فرمایا ہے:

عِشْ خَامِلِ الذِّكْرِ بَيْنَ النَّاسِ وَارْضَ بِهِ فَذَاكَ اَسْلَمُ لِلدُّنْيَا وَلِلدِّيْنِ

''لوگوں کے درمیان گمنام زندگی بسر کرو۔ اور اس پر راضی رہو۔ کیونکہ یہ دنیا اور دین کے لئے زیادہ محفوظ اور پرسکون ہے۔

مَنْ عَاشَرَ النَّاسَ لَمْ تَسْلِمْ دِيَانَتُهٗ وَلَمْ يَزَلْ بَيْنَ تَحْرِيْكٍ وَّ تَسْكِيْنٍ

''جو شخص لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔ اس کی دیانت محفوظ نہیں رہتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ بے چینی اور سکون کے درمیان رہتا ہے''۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: گمنامی نعمت ہے۔ لیکن نفس اس سے بھاگتا ہے۔ اور شہرت زحمت ہے لیکن نفس اسکی خواہش کرتا ہے اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے ہمارا ئی طریقہ تصوف ان لوگوں کے لائق ہے جن کی مقدس ارواح کے فیض سے قلوب و ارواح کی کثافتیں دور ہو کر صاف

میں کہتا ہوں: جو شخص مرتبہ اور سرداری میں مبتلا ہو، اس کے لئے واجب ہے کہ خراب (قابل نفرت) اشیاء میں سے کوئی ایسی شی استعمال کرے جس سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی سرداری اور مرتبے کی عزت ختم ہو جائے۔ اگرچہ وہ شی مکروہ ہو۔ ہاں حرام نہ ہو۔ اور دوا کے ارادے سے مکروہ کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔ جیسے کہ دکانوں اور گھروں پر مانگنا، اور بازار میں کھانا، یا ایسی جگہ کھانا جہاں لوگ دیکھتے ہوں اور جیسے بازار میں سونا، اور جیسے مشکیزے میں پانی بھر کر پلانا، اور حفاظت سے سر پر گوبر اٹھا کر لے جانا، اور داڑھی یہ منڈوانا تو حرام ہے، مونچھ منڈا کر چلنا، اور حرص و بخیلی اور تنگی ظاہر کرنا اور گدڑی پہننا، اور لمبی تسبیح لٹکا کر پھرنا، اور ہر وہ مباح و مکروہ شی جو نفس پر گراں و ناگوار ہو۔ مگر حرام سے پرہیز کرے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جس طرح خراب زمین میں بیج ڈالنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ناپسند حالت کے ساتھ گمنامی جائز نہیں ہے۔ اور غصہ پر اس کا قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ محسوس زندگی کا ختم ہونا کل نیکیوں سے روک دیتی ہے۔ خواہ وہ واجب ہوں یا مستحب۔ لہذا زندگی کو ختم کر دینا جب کہ اس کا باقی رکھنا ممکن ہو، سب کے نزدیک حرام ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق:۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

''تم لوگ اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو''

مگر گمنامی کے لئے جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان سے زندگی ختم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ان سے صرف لوگوں کی نگاہ میں کمال ختم ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کمال زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا یہ قطعی جائز اور مباح ہے۔

ایک عارف نے جواب دیا ہے: جب فانی زندگی کو بچانے کے لئے مکروہ کا استعمال جائز ہے تو دائمی زندگی یعنی معرفت کو فوت ہونے سے بچانے کیلئے زیادہ بہتر طریقے پر جائز ہے۔ اور کبوتر کے چور کا قصہ اس پر گواہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور میں نے اپنے شیخ کو کہتے ہوئے سنا ہے: یا فقیر معمولی مباح اشیاء سے اپنے نفس کو مار

دیتا ہے۔اور جھوٹا فقیر حرام میں مبتلا ہو کر بھی اپنے نفس کو نہیں مار سکتا ہے۔اور وہ اکثر ظلمانی احوال سے منع کرتے تھے۔اور فرماتے تھے:۔ ہمارے سامنے بہت سی مباح اشیاء ہیں۔جو ہم کو حرام اور مکروہ اشیاء سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔اور سوال کرنا (مانگنا) مکروہ یا حرام ہے۔لیکن جسم کی قوت کے ارادے سے ضرورت کے مطابق، یا روح کی قوت کے ارادے سے حرام نہیں ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح بخاری شریف میں حضرت ابن عربی فقیر کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے: سوال کرنا، ابتداء میں فقیر پر واجب ہے۔لہذا اس میں غور کرو۔اور کتاب مباحث اصلیہ میں اس کو مکمل طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔لہذا اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اور اس کا بیان انشاء اللہ عنقریب آئے گا۔جب مصنفؒ کے اس قول کی تشریح کی جائے گی۔

لَا تَمُدَّنَّ يَدَكَ اِلَى الْاَخْذِ مِنَ الْخَلَائِقِ

''مخلوقات سے لینے کے لئے تو اپنا ہاتھ ہرگز نہ بڑھا''

اگر تمہارا یہ اعتراض ہو: یہ خراب چیزیں جو بیان کی گئی ہیں۔ان میں شہرت بھی ہے اور گمنامی کے معنی، لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنا ہے۔اور ان خراب اشیاء میں تو بہت بڑی شہرت ہے۔

تو میرا جواب: یہ ہے۔گمنامی، لوگوں کے نزدیک مرتبہ کے ختم ہونے، اور ولایت کے پوشیدہ رہنے کو کہتے ہیں۔لہٰذا جو شئی بھی لوگوں کے نزدیک مرتبہ گرا دے، اور ولایت کا الزام مٹا دے۔وہی گمنامی ہے۔اگر چہ بظاہر شہرت ہو۔

اسی لئے ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔ ہمارا طریقہ تصوف شہرت میں گمنامی اور گمنامی میں شہرت ہے۔اور حضرت نجیبی نے انالہ میں فرمایا ہے:۔ جو اس معاملے میں نص کی حیثیت رکھتا ہے۔جو شخص یہ اعتراض کرتا ہے کہ صوفیائے کرام کا گدڑی پہننا شہرت ہے۔اس کے لئے یہ جواب ہے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے لئے عراق سے شام تک پیدل چل کر سفر کیا۔اور ان کے جسم پر بغیر سلی ہوئی صرف ایک موٹی چادر تھی۔ان کے اوپر یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ نے اس قسم کی چادر پہن کر اپنے آپ کو شہرت دی ہے۔حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا: بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے اور میں حقیقتاً ایک غلام

ہوں۔ اور جس قسم کا لباس غلام لوگ پہنتے ہیں، ویسا ہی میں بھی پہنتا ہوں۔ لہذا جب میں آزاد کر دیا جاؤں گا، اس وقت بہترین اور قیمتی لباس پہنوں گا۔ جس کے کنارے پھٹے پرانے نہ ہوں گے۔ اسی طرح حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے:۔ وہ اپنے شیخ کے حکم سے بیل کا چمڑا پیٹھ پر اٹھاتے تھے اور بازار میں جھاڑو دے کر صفائی کرتے تھے۔ اور مشکیزہ میں پانی بھر کر لوگوں کو پلاتے تھے۔ اور اسی قسم کے واقعات میں نے اپنے شیخ سے بارہا سنا ہے۔ اور میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جس نے اس قسم کی خراب حرکتوں سے شہرت حاصل کی ہو۔ اور اس واقعہ پر غور کرو جو حضرت شیخ ابن عربیؒ کے ساتھ پیش آیا۔ جب انہوں نے یہ فرمایا: ''اکثر ایسا ہوا ہے کہ زندگی لمبی کر دی گئی اور اس کی امداد کم کر دی گئی''۔

اسی طرح حضرت ششتری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے: حضرت ششتری عالم اور وزیر تھے۔ اور ان کے والد بزرگوار امیر تھے۔ جب انہوں نے تصوف کے طریقے میں داخل ہونا چاہا تو ان کے شیخ حضرت ابن سبعینؒ نے ان سے فرمایا: تم کو اس طریقہ تصوف سے کچھ فیض اس وقت تک نہ ملے گا جب تک تم اس طرح عمل نہ کرو:۔ سارا سامان فروخت کر دو۔ گدڑی پہن لو۔ اور ڈگڈگی ہاتھ میں لو۔ اور بازار میں جا کر بجاؤ۔ پس انہوں نے ان سب پر عمل کیا۔ پھر انہوں نے شیخ سے دریافت کیا۔ بازار میں ڈگڈگی بجاتے ہوئے میں کیا کہوں؟ حضرت شیخ نے فرمایا تم یہ کہو ''بَدَأْتُ بِذِکْرِ الْحَبِیْبِ'' ''میں نے دوست کے ذکر سے شروع کیا''۔ پھر وہ بازار میں گئے۔ اور ڈگڈگی بجا کر یہی گانے لگے۔ انہوں نے تین روز ایسا ہی کیا۔ اسی تین روز میں ان کے کل حجابات دور ہو گئے۔ تو اب وہ بازاروں میں علوم ذوق و معرفت کے اشعار گانے لگے۔ ان کے کلام میں سے چند اشعار یہ ہیں:۔

شُوَیْخٌ مِنْ اَرْضِ مِکْنَاسِ فِیْ وَسْطِ الْاَسْوَاقِ یُغَنِّیْ
اَشْ عَلَیَّ مِنَ النَّاسِ وَاَشْ عَلَی النَّاسِ مِنِّیْ

''مکناس کی سرزمین کا رہنے والا ایک حقیر بوڑھا۔ بازاروں کے بیچ میں گا رہا ہے۔ کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔ اور کیا لوگوں پر میرا کچھ ہے''

اِشْ حَدْ مِّنْ حَدِ   اِفْهَمُوْا ذِیْ الْاِشَارَةِ
وَانْظُرُوْا كِبْرَ سِنِّیْ   وَالْعَصَا وَالْغَرَارَةِ

"کیا حد کی کوئی حد ہے۔ اشارہ والے کو سمجھو۔ میرے بڑھاپے اور عصا اور بوریہ کو دیکھو"۔

فَهٰكَذَا عِشْتُ لِفَاسِ   وَكِذْ هَانَ هَوْنِیْ
اَشَ عَلٰی مِنَ النَّاسِ   وَاَشَ عَلَی النَّاسِ مِنِّیْ

"پس اسی طرح میں نے فاس میں زندگی گزاری۔ اور عاجزی نے مجھ کو آرام دیا۔ کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔ اور کیا لوگوں پر میرا کچھ ہے"۔

وَمَا اَحْسَنَ كَلَامُهٗ   اِذَا يَخْطُرُ فِی الْاَسْوَاقِ
وَتَرىٰ اَهْلَ الْحَوَانِتِ   تَلْتَفِتُ لَو بِالْاَعْنَاقِ

"اس کا کلام کتنا بہترین ہوتا ہے۔ جب وہ بازاروں میں گزرتا ہے۔ اور تو دکانداروں کو دیکھتا ہے کہ گردن اٹھا کر اس کے کلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں"۔

بِالْغَرَارَةِ فِیْ عُنُقُوْ   بِعُكَيْكِزٍ وَ بِغِرَافِ

"گردن میں بوریہ پہنے ہوئے ۔ ہاتھ میں ٹیڑھا عصا اور کشکول لئے ہوئے"

اَلشَّیْخُ يَبْنِیْ عَلٰی سَاسِ   كَاِنْشَاءِ اللّٰهِ يَبْنِیْ
آشْ عَلَیَّ مِنَ النَّاسِ   وَاَشْ عَلَی النَّاسِ مِنِّیْ

"شیخ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق بنیاد سے بناتا ہے۔ کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔ اور کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے"۔

اسی طرح اس شخص کا واقعہ ہے۔ جو حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں تیس سال رہا۔ وہ ان کی صحبت اور مجلس سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز اس نے حضرت بایزید سے عرض کیا:۔ یا حضرت! میں عرصہ تیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور دن میں روزہ رکھتا ہوں، اور رات نماز میں گزارتا ہوں۔ اور میں نے تمام خواہشات کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن معرفت اور حقیقت کے جو احوال آپ ہمیشہ بیان فرماتے ہیں۔ میں ان میں سے کچھ بھی اپنے قلب میں نہیں

پاتا ہوں۔ حالانکہ میں آپ کی ہر بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت بایزیدؒ نے اس سے فرمایا: اگر تم تین سو سال تک نمازیں پڑھو، اور میں تم کو جو جس حال میں دیکھتا ہوں اسی حال پر قائم رہو۔ تب بھی تم ان حالات اور کیفیات میں سے ایک ذرہ بھی نہ پاؤ گے۔ اس نے عرض کیا: یا حضرت ایسا کیوں؟ حضرت بایزید نے جواب دیا اس لئے کہ تم اپنے نفس کے ساتھ محجوب ہو اس نے عرض کیا، کیا اس کے لئے کوئی ایسی دوا ہے جس سے یہ حجاب دور ہو جائے؟ حضرتؒ نے فرمایا: ہاں، ہے لیکن تم اس کو قبول نہ کرو گے۔ نہ اس پر عمل کرو گے۔ اس نے عرض کیا۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے میں اس کو ضرور قبول کروں گا۔ اور اس پر عمل کروں گا۔ حضرت بایزید نے اس کو حکم دیا: تم اسی وقت حجام کے پاس جاؤ اور اپنے سر اور داڑھی (یہ تو حرام ہے) کو منڈوا دو۔ اور یہ لباس اتار دو۔ اور ایک عبا پہن لو۔ اور اپنے گلے میں ایک توبڑا لٹکا لو۔ اس توبڑے میں اخروٹ بھر لو۔ پھر اپنے گرد لڑکوں کو جمع کر لو۔ اور بلند آواز سے کہو: اے لڑکو! جو میری گردن پر ایک گھونسہ مارے گا۔ میں اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ اور اسی حال میں تم اس بازار میں جاؤ جہاں تمہاری عزت و تعظیم کی جاتی ہے۔ تا کہ تمہیں پہچاننے والے اور تمہاری عزت کرنے والے لوگ تمہارا یہ حال دیکھیں۔ یہ سن کر اس نے جواب دیا: اے بایزید! سبحان اللہ، آپ مجھ جیسے آدمی سے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس قسم کے کام کروں گا؟ حضرت نے فرمایا: تمہارا سبحان اللہ کہنا شرک ہے۔ اس نے دریافت کیا: شرک کیسے؟ حضرت بایزید نے فرمایا اس لئے کہ تم نے اپنے نفس کو بڑا اور بزرگ سمجھا۔ اور اس کی تسبیح کی۔ اس نے کہا اے بایزید! جیسا آپ نے فرمایا ایسا کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ اس لئے میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ مجھے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ بتایئے جو میں کر سکوں۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا: تم کو سب سے پہلے اسی طریقے پر عمل کرنا ہو گا۔ تا کہ تمہارا مرتبہ گر جائے۔ اور تمہارا نفس ذلیل ہو جائے۔ پھر اس کے بعد تمہارے لئے جو طریقہ مناسب ہو گا وہ میں تم کو بتاؤں گا۔ اس نے کہا: میں اس طریقے پر عمل نہ کر سکوں گا۔ حضرت نے فرمایا: تم نے کہا تھا کہ میں قبول کروں گا اور عمل کروں گا۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ جب تک نفس فنا نہ ہو جائے۔ اور عوام کی عادات (بشری صفات) ترک نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک کسی

بندے کے اندر اسرارِ غیبی کے حجابات دور کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور جب نفس فنا ہو جاتا ہے اور کل بشری عادات ترک ہو جاتی ہیں۔ اس وقت فوائد کا ظہور ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو عمران بردئی کا واقعہ ہے: ان کو ان کے شیخ حضرت ابو عبداللہ تاوَدی نے فاس میں حکم دیا تھا: سر منڈاؤ، عبا پہنو اور روٹیاں اٹھاؤ اور آواز دیتے ہوئے پھرو۔ کون مجھے آزاد کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔

اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ سیدی حضرت عبدالرحمٰن مجذوب کا واقعہ ہے: لوگوں کے درختوں سے انجیر کھانا، بازاروں میں گاتے ہوئے پھرنا، محل کو برباد کر دینا وغیرہ۔ وہ بارہا بازاروں میں گاتے ہوئے پھرے۔ اسی طرح حضرت سیدی علی عمرانی کا واقعہ ہے:۔ ان کے خراب اشیاء اختیار کرنے کے واقعات فاس میں اس طرح مشہور ہیں۔ جیسے پہاڑ پر لگی ہوئی آگ۔ وہ پست اور حقیر جگہوں میں رہتے تھے اور اسی حال میں انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

اسی طرح ہمارے شیخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے: وہ بوریہ پہنتے تھے۔ اور مشکیزہ میں پانی بھر کر لوگوں کو پلاتے تھے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے حالات جو مشہور ہیں۔ پس یہ حکایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ گمنامی وہ نہیں ہے جو عوام سمجھتے ہیں۔ جیسے گھروں میں بیٹھنا، اور پہاڑ میں جا کر رہنا۔ محققین کے نزدیک یہ خالص شہرت ہے۔ بلکہ گمنامی وہ ہے جو حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نفس کا اس کے کمترین وصف کے ساتھ پایا جانا، اور نفس کو اس وصف کا ہمیشہ احساس و شعور ہونا ہے۔ اور نفس کا کمترین وصف اس کی ذلت اور رسوائی ہے اور جو شی بھی نفس پر گراں گزرتی ہے وہ تواضع پیدا کرتی ہے۔ اور تواضع کا فائدہ، عمل حاصل کرنا اور حقیقت کا کمال ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو: کہ ان احوال سے عوام کے نکتہ چینی اور غیبت میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ تو میرا جواب یہ ہوگا: کہ اس کی بنیاد نیت اور ارادے پر ہے۔ جس شخص نے بھی مذکورہ بالا خراب احوال میں سے کسی حال کو اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنے نفس کو فنا کرنے، اور اخلاص پیدا کرنے، اور اپنے قلب کا علاج کرنے کی نیت سے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور صوفیائے کرام اپنے اوپر

نکتہ چینی اور اعتراض کرنے والوں سے ہمیشہ چشم پوشی کرتے اور ان کو معذور سمجھتے ہیں۔

سیدی علی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:۔ ہم ان لوگوں کو معذور سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے ہم کو معذور سمجھا۔ اور ان لوگوں کو بھی معذور سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے ہم کو معذور نہیں سمجھا۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد میں فرمایا ہے:۔

(قاعدہ) : فقہ کا حکم عموم کے ساتھ عام ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد دین کے طریقے کا قائم کرنا، اور اس کے مینارے کا بلند کرنا، اور اس کے کلموں کا واضح کرنا ہے۔ اور تصوف کا حکم خصوصیت کے ساتھ خالص ہے۔ اس لئے کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فقیہ کا صوفی پر اعتراض کرنا صحیح ہے۔ اور صوفی کا اعتراض فقیہ پر صحیح نہیں ہے۔ اور احکام میں صوفی کا فقہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ حقائق میں نہیں۔

تنبیہ۔ یہ دوائیں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ مرض کی حالت کے لئے ہے۔ لیکن جس شخص کو شفاء حاصل ہو گئی اور اس کی فنا مکمل ہو چکی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے۔ اس کے لئے پوشیدہ کرنا اور ظاہر کرنا برابر ہے۔

حضرت ابوالعباس مرسیؒ نے فرمایا ہے:۔ جو شخص شہرت چاہتا ہے۔ وہ شہرت کا بندہ ہے اور جو پوشیدگی چاہتا ہے وہ پوشیدگی کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندے کے لئے ظاہر کرنا اور پوشیدہ کرنا برابر ہے۔ اور چونکہ ریا کی باریکیوں اور نفس کی فریب کاریوں سے اکثر فکر کے بغیر رہائی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اور فکر خلوت کے بغیر کامل نہیں ہوتی ہے۔ لہذا مصنفؒ نے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فوائد خلوت

مَا نَفَعَ الْقَلْبَ شَیْءٌ مِثْلَ عُزْلَةٍ یَدْخُلُ بِهَا مَیْدَانَ فِکْرَةٍ

''ایسی خلوت کی طرح کوئی شی قلب کے لئے مفید نہیں ہے جس کے ذریعے قلب فکر کے میدان میں داخل ہو''۔

قلب:۔ اس قوت کا نام ہے جو علم کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔

خلوت:۔ کے دو معنی ہیں۔ ایک، قلب کا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شی سے علیحدہ ہو کر تنہا ہو جانا ہے۔ اور دوسرا، جسم کا آدمیوں سے علیحدہ ہو کر تنہا ہو جانا ہے۔ اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ کیونکہ جب تک جسم تنہا نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت تک اکثر اوقات قلب بھی تنہا نہیں ہوتا ہے۔

فکر:۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس کی طرف قلب کی سیر کو کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم: تصدیق و ایمان کی فکر۔ دوسری قسم: شہود و عیاں کی فکر اور اس کا بیان آگے آئے گا۔

میں کہتا ہوں: قلب کے لئے ایسی خلوت سے زیادہ مفید کوئی شی نہیں ہے جو فکر کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ خلوت پرہیز کے مثل ہے اور فکر دوا کے مثل ہے اور دوا پرہیز کے بغیر فائدہ نہیں کرتی ہے اور دوا کے بغیر پرہیز سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح فکر کے بغیر خلوت میں کچھ بھلائی نہیں ہے اور خلوت کے بغیر فکر میں کوئی ترقی اور بلندی نہیں ہے۔ اس لئے کہ خلوت سے مقصود قلب کا فارغ ہونا ہے۔ اور فارغ ہونے سے مقصد قلب کا سیر کرنا اور فکر میں مشغول ہونا ہے۔ اور قلب کے فکر میں مشغول ہونے سے مقصد علم کا حاصل کرنا، اور قلب میں اللہ تعالیٰ کا علم قائم ہونا ہے۔ اور قلب میں اللہ تعالیٰ کا علم قائم ہونا ہی قلب کی دوا، اور اس کے درست ہونے کی علامت ہے۔ اور اسی کا نام اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کی شان میں فرمایا ہے:۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

''اس دن نہ مال کچھ فائدہ پہنچائے گا، نہ اولاد۔ مگر وہ شخص فائدے میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے گا''۔

بزرگوں نے فرمایا ہے:۔ قلب، معدہ کی طرح ہے۔ جب اس پر اخلاط غالب ہوتے ہیں تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور پرہیز کے سوا کوئی شی اس کو فائدہ نہیں کرتی ہے۔ پرہیز اس کے مادے اور اخلاط کی زیادتی کو روکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ

''معدہ، بیماری کا گھر ہے۔اور پرہیز دوا کی جڑ ہے''

اسی طرح قلب ہے۔ جب اس کے اوپر خواطر (وسوسے) غالب اور محسوسات مسلط ہوتے ہیں۔تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔اور اکثر اوقات مردہ ہو جاتا ہے۔لہذا وسوسوں سے پرہیز، اور وسوسے پیدا ہونے کی جگہوں سے بھاگنے کے سوا اس کو کوئی شی فائدہ نہیں کرتی ہے۔اور وسوسے پیدا ہونے کی جگہ لوگوں سے میل جول ہے۔لہذا جب وہ سب لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہا ہو جاتا ہے۔اور فکر کو استعمال کرتا ہے۔تو اس کی دوا کامیاب ہوتی ہے۔اور اس کا قلب درست ہو جاتا ہے۔ورنہ وہ بیمار ہی رہ جائے گا۔اور وہ اسی قلب کو جو شک اور وسوسے کی بیماری میں مبتلا ہے، لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے: بہترین مجلس ،توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھنا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ۔ خلوت کا پھل، احسان کی بخششوں کے ساتھ کامیابی ہے۔اور وہ پھل چار ہیں۔ اول: حجاب دور ہونا۔ دوم: رحمت نازل ہونی۔ سوم۔ محبت پیدا ہونی۔ چہارم۔کلام میں سچائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ

''پس جب وہ ان لوگوں اور ان کے باطل معبودوں سے علیحدہ ہو گیا۔تو ہم نے اس کو نعمتیں عطا فرمائیں''۔

جاننا چاہیے کہ خلوت کے دس فائدے ہیں:۔

پہلا فائدہ:۔ زبان کی آفتوں سے محفوظ رہنا ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص تنہا ہوتا ہے اس کے پاس کوئی بات کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے:

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا ، سَكَتَ فَسَلِمَ ، اَوْ تَكَلَّمَ فَغَنِمَ

''اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر رحم کیا جس نے خاموشی اختیار کیا تو محفوظ رہا۔یا بات کی ،تو وہ کامیاب ہوا''

اور زبان کی آفتوں سے اکثر وہی شخص محفوظ رہتا ہے جو محفل پر تنہائی کو ترجیح دیتا ہے۔ہمارے

شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب تم کسی فقیر کو دیکھو کہ وہ محفل پر تنہائی کو، اور بات کرنے پر خاموشی کو، اور آسودہ ہو کر کھانے پر روزہ کو ترجیح دیتا ہے تو تم سمجھ لو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ اور جب تم کسی فقیر کو دیکھو کہ وہ تنہائی اور خاموشی اور روزہ پر محفل اور بات کرنے اور آسودگی کو ترجیح دیتا ہے تو تم سمجھ لو کہ اس کا پیٹ خالی ہے۔

نیز فرمایا: زیادہ کھانے اور زیادہ بات کرنے میں ورع کی کمی ہے۔ اور تقویٰ ممکن نہیں ہے۔ حساب لمبا اور کتاب یعنی اعمالنامہ بھاری ہوتا ہے اور دوستوں کی زیادتی ہوتی ہے اور مظلوموں کا ظالموں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اور کاتبین کرام کی گواہی زیادہ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ غفلت اور بے توجہی رہتی ہے۔ اس لئے کہ بات کرنا، زبان سے صادر ہونے والے کبیرہ گناہوں کی کنجی ہے۔ اور وہ کبیرہ گناہ:۔ جھوٹ، اور غیبت اور چغلی اور بے ہودہ باتیں، اور بہتان ہیں۔

پھر فرمایا:۔ حدیث شریف میں ہے:۔

اَکْثَرُ خَطَایَا ابْنِ اٰدَمَ فِیْ لِسَانِہٖ، وَ اَکْثَرُ النَّاسِ ذُنُوْبًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ خَوْضًا فِیْ مَا لَا یَعْنِیْ

''انسان کی اکثر خطائیں اس کی زبان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ گنہگار وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ فضول باتوں میں مشغول رہتا ہے''۔

دوسرا فائدہ:۔ آنکھ کی آفتوں سے محفوظ رہنا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہا ہو جاتا ہے تو وہ ان کی طرف دیکھنے اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف جس کے پیچھے لوگ دیوانہ وار پڑے رہتے ہیں، دیکھنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ

''آپ دنیاوی زندگی کی ان آرائش و زیبائش کی اشیاء کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے۔ جو ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو اس لئے دی ہے تا کہ ہم اس میں ان لوگوں کو آزمائیں''۔

لہٰذا زیب و زینت کی طرف دیکھنے، اور اس کے ساتھ قائم ہونے اور زیب و زینت والوں کی

طرف رغبت کرنے سے تم اپنے نفس کو روکو۔ حضرت محمد بن سیرینؒ نے فرمایا ہے: چاروں طرف دیکھنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اس سے خواہشات زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک ادیب نے فرمایا:۔ جو شخص اکثر ترچھی نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ حسرتوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے:۔ آنکھ ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے جو شخص اپنی آنکھ کو آزاد چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کو تباہی اور ہلاکت کا شکار کر دیتی ہے۔ اور آنکھ سے تمام اشیاء کی طرف دیکھنا قلب کی پریشانی اور تفرقہ کا سبب ہوتا ہے۔

تیسرا فائدہ: ریا اور منافقت اور اس کے علاوہ دوسری بیماریوں سے قلب کو محفوظ رہنا ہے۔ ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ جو شخص لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔ وہ ان کی خاطر تواضع کرتا ہے اور جو ان کی خاطر تواضع کرتا ہے وہ ان کو دکھانے کے لئے بہت کچھ کرتا ہے۔ اور جو شخص ان کو دکھانے کے لئے بہت کچھ کرتا ہے وہ انہیں برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے جن میں وہ لوگ مبتلا ہیں۔ اور جس طرح وہ لوگ برباد و ہلاک ہوتے ہیں اسی طرح وہ بھی برباد و ہلاک ہوتا ہے۔

ایک صوفی نے فرمایا ہے:۔ میں نے ہر شئی سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے والے ابدال میں سے ایک شخص سے دریافت کیا:۔ حقیقت تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: تم مخلوق کی طرف نہ دیکھو۔ کیونکہ ان کی طرف دیکھنا تاریکی ہے۔ میں نے کہا: ان کی طرف دیکھنا میرے لئے ضروری ہے تو انہوں نے فرمایا۔ اچھا تم ان کی باتیں نہ سنو۔ اس لئے کہ ان کی باتیں سننا قلب کی سختی کا سبب ہے۔ میں نے کہا:۔ ان کی باتیں سننا بھی میرے لئے ضروری ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا: اچھا ان سے معاملہ نہ کرو۔ کیونکہ ان سے معاملہ کرنا نقصان اور حسرت و افسوس اور وحشت کا سبب ہے۔ میں نے کہا۔ میں ان کے درمیان رہتا ہوں۔ اس وجہ سے ان سے معاملہ کرنا بھی میرے لئے ضروری ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا:۔ اچھا ان کے ساتھ سکونت (رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا) نہ اختیار کرو۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنے میں ہلاکت ہے۔ میں نے کہا: ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ میں ان کے ساتھ سکونت نہ اختیار کروں۔ تو انہوں نے فرمایا: اے شخص! تو کھیل تفریح کرنے والوں کی طرف دیکھتا ہے اور جاہلوں کی باتیں سنتا ہے۔ اور بے ہودہ اور جھوٹے

لوگوں سے معاملہ کرتا ہے۔ اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ رہتا ہے اور پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ تو عبادت کی لذت حاصل کرے۔ حالانکہ تیرا دل غیر اللہ کے ساتھ ہے۔ افسوس ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد وہ میری نگاہ سے غائب ہو گئے۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: مجاہدہ کرنے والے جب اپنے قلب کو برے وسوسوں سے بچانا چاہتے ہیں تو وہ دنیا کی اچھی چیزوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں۔ مجاہدہ اور ریاضت کے سلسلے میں یہ ان کا بہت بڑا اصول ہے۔

چوتھا فائدہ: دنیا میں زہد اور قناعت کا حاصل ہونا ہے۔ اور اس میں بندے کے لئے بزرگی اور کمال ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کا سبب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيْمَا فِي اَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ

”تو دنیا سے پرہیز کر۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا۔ اور تو لوگوں کے مال و دولت سے پرہیز کر۔ لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔“

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شخص آدمیوں سے علیحدہ ہو جائے گا اور ان کی ان چیزوں کی طرف نہ دیکھے گا جن میں وہ دنیا کی حرص کی وجہ سے مشغول ہیں اور ان کے پیچھے دیوانوں کی طرح دوڑ رہے ہیں۔ تو وہ ان کی پیروی نہ کرے گا۔ اور برے اخلاق و عادات سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص لوگوں سے تعلقات بھی قائم رکھے اور ان کی بری عادتوں اور خصلتوں سے محفوظ بھی رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے:

”لَا تُجَالِسُوا الْمَوْتیٰ فَتَمُوْتُ قُلُوْبُكُمْ، قَالُوْا: مَنِ الْمَوْتیٰ يَا رُوْحَ اللّٰهِ؟ قَالَ:۔ اَلْمُحِبُّوْنَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبُوْنَ فِيْهَا“

”تم لوگ مردوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ورنہ تمہارے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔ آپ کے اصحاب نے دریافت کیا۔ اے روح اللہ! مردے کون لوگ ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور خواہش کرنے والے مردہ ہیں۔

پانچواں فائدہ:۔ برے لوگوں کی صحبت اور کمینے لوگوں کے میل جول سے محفوظ رہنا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھنے، اوران کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بہت بڑا فساد اور خطرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

"مَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ الْكِيرِ، اِذَا لَمْ يُحْرِقْكَ بِشَرَرِهٖ عَلِقَ بِكَ بِرِيْحِهٖ"

"برے ساتھی کی مثال بھٹی کی طرح ہے۔ اگر وہ اپنی چنگاری سے تم کو نہ بھی جلائے تو اپنی بد بودار اور نقصان دہ ہوا تم کو ضرور لگا دے گا"۔

سیدی حضرت عبدالرحمٰن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ برے لوگوں کی صحبت کمینہ بنا دیتی ہے۔ اگر چہ وہ بہ ظاہر صاف ستھری ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے دریافت فرمایا:۔ میں تم کو لوگوں سے کنارہ کش اور تنہا کیوں دیکھتا ہوں؟ حضرت داؤدؑ نے جواب دیا: میں نے تیری رضامندی کے لئے مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤدؑ! بہت ہوشیاری سے اپنے لئے ساتھی تلاش کرو۔ اور جو شخص میری رضامندی میں تمہارا ساتھ نہ دے۔ تم اس کو اپنا ساتھی نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہارے قلب کو سخت کر دے گا۔ اور تم کو مجھ سے دور کر دے گا۔ لہذا اگر تم صحبت کرنا چاہتے ہو تو حضرات صوفیائے کرام کی صحبت اختیار کرو۔ کیونکہ ان کی صحبت اینا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو صوفیائے کرام کی صحبت میں پہنچا دیتا ہے۔ اور قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے:۔ اللہ کی قسم، جو شخص بھی کامیاب ہوا ہے۔ وہ صرف کامیاب ہونے والوں کی صحبت سے کامیاب ہوا ہے۔

چھٹا فائدہ: عبادت اور ذکر کے لئے فرصت پانا، اور تقویٰ اور نیکی کا ارادہ کرنا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بندہ جب تنہا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے اور عبادت اور ذکر سے غافل کرنے والے لوگوں کی کمی کی وجہ سے وہ اپنے جسم اور قلب کے ساتھ

عبادت اور ذکر میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور کتاب قوت القلوب میں مرقوم ہے: خلوت قلب کو مخلوق سے فارغ کرتی ہے۔ اور ہمت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع کرتی ہے اور ارادے کو ثابت قدمی پر مضبوط کرتی ہے۔

ساتواں فائدہ: عبادتوں کی لذت پانا، اور اپنے سر کے فارغ ہونے کی وجہ سے مناجات کی شیرینی حاصل کرنی ہے اور یہ درست اور مجرب ہے۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا ہے: سچا مرید وہ ہے جو خلوت میں ایسی لذت اور خوشی اور طاقت پائے جو اس کو محفل میں نہ ملے۔ یہاں تک کہ اس کی محبت وحدت میں اور اس کی روح خلوت میں، اور اس کے نیک اعمال راز میں ہو جائیں۔

آٹھواں فائدہ: قلب اور جسم کا آرام حاصل ہونا ہے۔ کیونکہ آدمیوں سے ملنے جلنے میں ان کے کاموں کو درست کرنے کی فکر قلب کی پریشانی اور تھکن کا باعث ہوتی ہے اور ان کی غرضوں اور مرادوں کے پورا کرنے کی کوشش جسم کی تکلیف اور تھکن کا سبب ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس میں ثواب ہے۔ لیکن جو شئی ثواب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے وہ اس سے فوت ہو جاتی ہے اور وہ اہم شئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلب کا جمع ہونا ہے۔

نواں فائدہ: ان برائیوں اور جھگڑوں میں الجھنے سے جو لوگوں کے میل جول کے لوازمات ہیں، نفس اور دین کی حفاظت ہے۔ کیونکہ جب دنیا والوں سے میل جول ہوگا تو ان سے مزاحمت اور ان کی مدافعت بھی کرنی ہوگی۔ اور ان معاملات کی فکر میں نفس کو شوق، اور کامیابی کے لئے جلد بازی ہوگی۔

اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

وَمَنْ یَّذِقُ الدُّنْیَا فَاِنِّیْ طَعِمْتُھَا　　وَسِیْقَ اِلَی عَذْبِھَا وَ عَذَابِھَا

''اور جو شخص دنیا کا مزہ چکھتا ہے اور اسکی شیرنی اور تلخی میرے سامنے آچکی ہے''۔

فَلَمْ اَرَھَا اِلَّا غُرُوْرًا بَاطِلًا　　کَمَا لَاحَ فِیْ ظَھْرِ الْفَلَاۃِ

''پس میں نے اس کو بے حقیقت فریب کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ جیسا کہ ریگستان میں سراب چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے''۔

وَمَا هِیَ اِلَّا جِیْفَةٌ مُّسْتَحِیْلَةٌ عَلَیْهَا کِلَابٌ هَمَّهُنَّ اجْتِذَابُهَا

''وہ حال تبدیل ہونے والے مردار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے اوپر کتے اپنی طرف کھینچنے کے ارادے سے چپٹے ہوئے ہیں''۔

فَاِنْ تَجْتَنِبْهَا عِشْتَ سِلْماً لِاَهْلِهَا وَاِنْ تَجْتَذِبْهَا نَاهَشَتْكَ كِلَابُهَا

''پس اگر تم اس سے پرہیز کرو گے تو تم اہل دنیا سے محفوظ رہو گے۔ اور اگر تم اس کو کھینچو گے، تو اس کے کتے تم کو پھاڑ کھائیں گے''۔

فَطُوْبَی لِنَفْسٍ اَوْطَنَتْ قَعْرَبَیْتِهَا مُغَلَّقَةَ الْاَبْوَابِ مُرْخٰی حِجَابُهَا

''پس ایسے شخص کے لئے خوشخبری ہے جس نے اس کے گھر کے اندرونی حصے کو جب کہ اس کے دروازے بند تھے اور اس پر پردہ لٹکا ہوا تھا، پامال کر دیا''۔

دسواں فائدہ: فکر اور اعتبار کی عبادت سے تمکن (معرفت میں مضبوطی سے قائم ہونا) ہے۔ اور خلوت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ

''ایک گھڑی کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے:

طُوْبیٰ لِمَنْ كَانَ كَلَامُهٗ ذِكْرًا، وَصُمْتُهٗ فِكْرًا، وَ نَظَرُهٗ عِبْرَةً ، وَاِنَّ اَكْيَسَ النَّاسِ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ

''اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کا کلام ذکر ہے۔ اور جس کی خاموشی فکر ہے اور جس کی نظر عبرت ہے اور بے شک سب سے زیادہ عقلمند وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو فرماں بردار کر لیا۔ اور آخرت کے لئے عمل کیا''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جو شخص آخرت کی بزرگی چاہتا ہے اس کو کثرت سے فکر کرنی چاہیے۔ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بہترین عبادت فکر تھی۔ اور یہ اس لئے کہ فکر کے ذریعے اشیاء کی حقیقت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی

ہے اور فکر ہی کے ذریعے نفس کی پوشیدہ آفتوں اور مکاریوں، اور دنیا کی فریب کاریوں کی خبر ہوتی ہے اور فکر ہی کے ذریعے ان سے نپٹنے اور پاک ہونے کی تدبیریں اور طریقے معلوم کئے جاتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: فکر ایسا آئینہ ہے جو تیری برائی سے تیری نیکی کو ممتاز کر کے دکھاتا ہے۔ اور فکر ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی واقفیت ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے آثار و مصنوعات میں فکر کرتا ہے۔ اور فکر ہی کے ذریعے اس کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ پس بندہ فکر کے ذریعے ایسے روشن اور بلند احوال کا فیض حاصل کرتا ہے جن کے باعث قلب کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت شیخ ابن عباد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ابتدائی درجہ والوں کی خلوت کے فوائد ہیں۔

لیکن انتہائی درجہ والے: تو ان کی خلوت ان کے ساتھ لازم ہے۔ اگرچہ وہ مخلوق کے درمیان ہوں۔ کیونکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم بہت طاقتور ہیں۔ جمع کے ذریعے فرق سے، اور حقیقت کے ذریعے محسوس سے روک لئے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک خلوت اور محفل برابر ہے۔ کیونکہ وہ ہر شے کا حصہ لیتے ہیں لیکن ان کا حصہ کوئی شی نہیں لے سکتی ہے۔

اسی حقیقت کے بارے میں ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلْخَلْقُ نَوَارٌ وَ اَنَا اَرْعَیْتُ فِیْھِمْ   ھُمُ الْحُجُبُ الْاَکْبَرُ وَالْمَدْخَلُ فِیْھِمْ

''مخلوق قابل نفرت ہے لیکن میں اسی میں چلا ہوں۔ وہ بڑے حجابات ہیں لیکن انہیں کے درمیان رہنا ہے''۔

پس اگر مرید خلوت کے ساتھ خاموشی اور روزہ اور بیداری کا اضافہ کر لے، تو اس کی ولایت کامل ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ظاہر ہو گی۔ اور اس کے اوپر انوار چمکیں گے اور اس کے قلب کے آئینے سے اغیار کی صورتیں مٹ جائیں گی۔

مصنف ؒ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ان اوصاف میں سے بعض کی طرف اس کی ضد بیان کر کے اشارہ فرمایا:

كَيْفَ يُشْرِقُ قَلْبٌ، صُوَرُ الْاَكْوَانِ مُنْطَبِعَةٌ فِيْ مِرْاٰتِهٖ؟

''وہ قلب کیسے روشن ہوسکتا ہے جس کے آئینے میں مخلوقات کی صورتیں چھپی ہوئی ہیں؟''

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب کو صاف کئے ہوئے آئینے کی طرح بنایا ہے۔ جو چیزیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ ان کا عکس قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس آئینے کا صرف ایک رخ ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ مہربانی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی فکر کو اپنے ملکوت کے انوار، اور جبروت کے اسرار میں مشغول کر دیتا ہے اور اس کے قلب میں ظلمانی مخلوقات اور وہمی خیالات میں سے کسی شی کی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے قلب کے آئینے میں ایمان اور احسان کے انوار چھپ جاتے ہیں۔ اور اس میں توحید کے چاند اور معرفت کے آفتاب ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت ششتریؒ اپنے مسجع (قافیہ والے) کلام میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔:

اِغْمَضِ الطَّرْفَ تَرَىٰ، وَ تَلُوْحُ اَخْبَارَكَ، وَافْنِ عَنْ ذِي الْوَرٰى، تَبْدُوْ لَكَ اَسْرَارَكَ، وَبِصِقْلِ الْمِرْاٰ، بِهٖ يَزُوْلُ اِنْكَارُكَ

''تم آنکھ بند کرو تو تم اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھو گے۔ اور تمہاری خبریں ظاہر ہوں گی۔ اور تم مخلوق کے تعلق سے فنا ہو جاؤ تو تمہارے اوپر تمہارے اسرار ظاہر ہوں گے اور آئینے کی صفائی کے باعث تمہارا انکار زائل ہو جائے گا۔'' نیز فرمایا

''اَلْفَلَكُ فِيْكَ يَدُوْرُ، وَيُضِيْئُ وَ يَلْمَعُ، وَالشُّمُوْسُ وَالْبُدُوْرُ، فِيْكَ تَغِيْبُ وَ تَطْلُعُ''۔

''آسمان تیرے اندر گردش کرتا ہے اور روشن ہوتا اور چمکتا ہے۔ اور آفتاب و ماہتاب تیرے اندر غروب ہوتا اور طلوع ہوتا ہے''۔

یعنی تمہارے قلب کے آئینے کی صفائی کے سبب اللہ تعالیٰ سے تمہارا انکار ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم ہر شی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور پہچانتے ہو اور تمہارا قلب انوار کے آسمان کا قطب ہو جاتا ہے۔ اور اس میں توحید کے ماہتاب اور عرفان کے آفتاب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ذلت اور رسوائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی فکر کو ظلمانی مخلوقات اور جسمانی خواہشات میں مشغول کر

دیتا ہے تو مخلوقات اس کے قلب کے آئینے میں چھپ جاتی ہیں۔ اور ظلمانی مخلوقات اور خیالی صورتوں کی وجہ سے قلب میں عرفان کے آفتاب اور ایمان کے انوار روشن ہونے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جب آہستہ آہستہ قلب میں اشیاء کی صورتیں زیادہ جمع ہو جاتی ہیں تو اس کا نور بجھ جاتا ہے۔ اور حجاب سخت ہو جاتا ہے۔ اس وقت قلب صرف محسوس ظاہر کو دیکھتا ہے اور محسوس ظاہر ہی کی فکر کرتا ہے۔ انہیں میں سے کچھ قلوب ایسے ہوتے ہیں جن کا حجاب بہت سخت ہو جاتا ہے اور ان کا نور بالکل بجھ جاتا ہے۔ لہٰذا وہ نور کے وجود کی اصلیت ہی سے انکار کر دیتے ہیں اور یہی کفر کا مقام ہے۔ اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور انہیں میں سے کچھ قلوب ایسے ہوتے ہیں جن کا زنگ (مورچہ) کم ہوتا ہے اور ان کا حجاب باریک اور ہلکا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ نور کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کا مقام ہے۔ اور عام مسلمانوں میں بھی ان کے یقین، ان کے دنیاوی تعلقات اور ان کی خواہشات اور ان کے وہمی خیالات کے تناسب سے ایک دوسرے سے فرق ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ، وَاِنَّ الْاِيْمَانَ يَخْلَقُ، اَیْ يَبْلٰی ، كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبَ الْجَدِيْدُ

''بے شک قلب زنگ آلود ہوتا ہے جیسے لوہا زنگ آلود ہوتا ہے۔ اور ایمان پرانا ہوتا ہے جیسے نیا کپڑا پرانا ہوتا ہے'' اور دوسری حدیث میں ہے

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَاَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِیْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ ، فَاِنْ هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صَقَلَتْ، وَاِنْ عَادَ زِيْدَفِيْهَا حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ، فَذَالِكَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَكَرَ اللّٰهُ ، (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْ يَكْسِبُوْنَ)

اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

''بے شک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے باز آ جاتا اور استغفار کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ پھر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہانتک کہ وہ اس کے قلب پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہرگز نہیں، بلکہ ان کے برے اعمال کی سیاہی ان کے قلوب پر چھا گئی ہے'' یا حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔ اور ایک حدیث میں ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ مِّصْقَلَةٌ ، وَمِصْقَلَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

''ہر چیز کے صاف کرنے کے لئے ایک چیز ہوتی ہے اور قلوب کی صاف کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے''۔

اور چونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ قلب کا صرف ایک رخ ہے۔ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے سامنے سیاہی آتی ہے تو وہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور تاریکی اور روشنی کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا مصنف ؒ کے تعجب کی وجہ بھی واضح ہو گئی جو انہوں نے فرمایا:

''ایمان اور احسان کے نور سے قلب کیسے روشن ہو سکتا ہے جب کہ ظلمانی مخلوق کی شکلیں قلب کے آئینے میں چھپی ہوئی ہیں۔'' اور دو مخالف چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے ہیں'' (اور جو قلب ایک ہے تو تعلق بھی ایک ہی ہوگا۔ خالق سے یا مخلوق سے)

لہذا اے فقیر! تمہارے پاس صرف ایک قلب ہے۔ جب تم اس کو مخلوق کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر جائے گا۔ اور اگر تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ مخلوق کی طرف سے پھر جائے گا۔ لہذا تم عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف، اور عالم ملکوت سے عالم جبروت کی طرف سفر کرو۔ اور جب تک تم اس عالم میں اپنی خواہشات و عادات میں گرفتار رہو گے۔ اس وقت تک اللہ کی طرف تمہارا سفر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصنف ؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَمْ كَيْفَ يَرْحَلُ اِلَى اللّٰهِ، وَهُوَ مُكَبَّلٌ بِشَهَوَاتِهٖ؟

''یا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرسکتا ہے جب کہ وہ اپنی خواہشات میں گرفتار ہے''

رحیل:۔ کے معنی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اور یہاں مراد ہے:۔ مخلوق کے مشاہدے سے خالق کے مشاہدے کی طرف، یا ملک سے ملکوت کی طرف، یا سبب سے مسبب الاسباب کی طرف، یا غفلت کے مقام سے بیداری کے مقام کی طرف، یا نفس کے فوائد سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی طرف، یا کدورتوں کے عالم سے صفائی کے عالم کی طرف، یا ظاہر کے دیکھنے سے باطن کے دیکھنے کی طرف، یا جہالت سے معرفت کی طرف، یا علم الیقین سے عین الیقین کی طرف، یا عین الیقین سے حق الیقین کی طرف، یا مراقبہ سے مشاہدہ کی طرف، یا سائرین کے مقام سے متمکنین کے مقام کی طرف منتقل ہونا۔

میں کہتا ہوں: منتقل ہونا یا سفر کرنا، اور گرفتار ہونا دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔ پس جب تک قلب دنیائے فانی کی کسی شی کی خواہش میں گرفتار ہے۔ اگرچہ وہ شریعت میں مباح ہو۔ تو وہ اس خواہش کے ساتھ اپنے مقام میں گرفتار ہے۔ لہذا وہ ملکوت کی طرف سفر نہیں کرسکتا ہے۔ نہ اس کے اوپر جبروت کے انوار روشن ہوسکتے ہیں۔ پس خواہشات کے ساتھ قلب کا تعلق اس کی توجہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے سے روکنے والا ہے۔ اور اگر سفر ہو بھی، تو خواہشات کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ اور تیز رفتاری کے ساتھ سفر ہو بھی، تو نفسانی خواہشات کے ساتھ محبت ہونے کی وجہ سے سر کے بل گر جانے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے اکابر عارفین نے خواہشات کی لذت ترک کردی۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ قلب پر خواہشات کے ڈنک مارنے سے زخمی جسم پر بھڑوں کا ڈنک مارنا بہت آسان ہے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں کہتا ہوں: یہ حالت اس صورت میں ہے جب کہ خواہشات کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب میں قلب کا تعلق قائم ہوجائے۔ ورنہ رکاوٹ نہیں ہے۔ کیونکہ خواہشات سے قلب کا تعلق نہیں ہے۔ اور تصوف کی حقیقت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام تعلقات سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے قلب میں خواہشات سے ذرہ برابر بھی تعلق ہے وہ عالم ملکوت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ لہذا اے برادر! تم اپنے قلب سے تعلقات کی رگوں کو کاٹ دو۔ اور رکاوٹوں کے مقام سے بھاگو۔ تب تمہارے اوپر حقائق کے انوار روشن ہوں گے۔ اسی لئے سفر اور ہجرت مرید کے لئے امر موکد (تاکیدی حکم) ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ظاہری مقام میں ٹھیرنے کی وجہ سے ظاہری تعلقات سے خالی نہیں ہوسکتا ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے:۔ فقیر کی مثال پانی کی طرح ہے۔ جب پانی زیادہ دن تک ایک مقام پر ٹھیر جاتا ہے تو اس کا رنگ و بو اور مزہ بدل جاتا ہے اور جب وہ جاری یعنی بہتا رہتا ہے تو وہ میٹھا رہتا ہے اور ظاہری سیر کی مناسبت سے باطنی سیر ہوتی ہے اور جسم کی سیر کی مناسبت سے قلب کی سیر ہوتی ہے۔ اور ہجرت حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ جس وقت سے حضرت نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی، کبھی راحت و آرام نہیں کیا۔ ہمیشہ جہاد کے لئے سفر میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک پر شہروں کو فتح کیا۔ اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کا حال تھا۔ چند حضرات کے سوا سب کے سب کبھی اپنے مقام میں نہیں ٹھیرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر اکثر شہروں کی فتح عطا فرمائی۔ اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے ہم کو فیض عطا فرمائے۔ آمین۔ اور جب قلب اپنی خواہشات کے مقام سے منتقل ہو جاتا، اور اپنی غفلتوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ اپنے رب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کے قرب کے مشاہدے کی نعمت حاصل کرتا ہے۔

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

اَمْ كَيْفَ يَطْمَعُ اَنْ يَّدْخُلَ حَضْرَةَ اللّٰهِ، وَهُوَ لَمْ يَتَطَهَّرْ مِنْ جَنَابَةِ غَفْلَاتِهٖ؟

”یا کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ جب کہ وہ اپنی غفلتوں کی نجاست سے پاک نہیں ہوا“۔

حضور کسے کہتے ہیں اوراس کی اقسام

حضور:۔ کے معنی، قلب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔اورحضور کی تین قسمیں ہیں:۔
پہلی قسم:۔ حضورقلب، دوسری قسم: حضورارواح، تیسری قسم:۔ حضوراسرار ۔

پہلی قسم،حضورقلب:سائرین (مقامات میں سیر کرنے والوں) کیلئے ہے۔

دوسری قسم،حضورارواح: مستشرفین (بلند مقامات کی طرف ترقی کرنے والوں) کے لئے ہے۔

تیسری قسم،حضوراسرار: واصلین متمکنین (اللہ تعالیٰ کے حضور میں مضبوطی سے قائم ہونے والوں) کے لئے ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ حضورقلب اہل مراقبہ کے لئے اورحضورارواح اہل مشاہدہ کے لئے اورحضوراسراراہل مکالمہ(کلام کرنے والوں) کے لئے ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ روح جب تک غفلت اورحضور میں پھرتی ہے۔(یعنی کبھی غفلت میں ہوتی ہے اور کبھی حضور میں تو وہ حضورقلوب کے مقام میں ہوتی ہے اور جب وہ وصال سے راحت پا جاتی ہےتو وہ حضورارواح کے مقام میں پہنچ جاتی ہے۔اور جب تمکن کی صفت سے موصوف ہوکراللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔تو اس کا نام سر ہو جاتا ہے۔اوراب وہ حضوراسرار کے مقام میں ہوتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ کا حضور مقدس ومنزہ (پاک وصاف)اور بلند ہے۔اس میں صرف پاکیزہ لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔اس کے حضور میں ناپاک قلب کا داخل ہونا حرام ہےاورقلب کی ناپاکی ،اللہ تعالیٰ سے قلب کوغافل ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا

”اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔اس وقت تک کہ تم اپنی کہی ہوئی باتوں کو بخوبی سمجھنے لگواور ناپاکی کی حالت میں بھی ،مگر یہ کہ تم سفر میں ہو۔یہاںتک کہ تم غسل کرلو“۔

یعنی حضور کی نماز کے قریب نہ جاؤ، جب تم دنیا کی محبت اور ماسویٰ کے مشاہدے کے نشے میں ہو۔ یہاں تک کہ تم ہوشیار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو کچھ کہتے ہو اس کو سمجھو اور غور کرو۔ اور نیز غفلت اور ماسویٰ کے مشاہدے کے جماع سے جب تم ناپاک ہو۔ یہاں تک کہ غیب کے پانی سے غسل کر کے تم پاک ہو جاؤ۔ اور غیب کے پانی کی طرف حضرت حاتمی رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ طبقات شعرانیہ ترجمہ ابوالمواھب میں ان کا قول ہے:۔

تَوَضَّأْ بِمَاءِ الْغَيْبِ اِنْ كُنْتَ ذَا سِرٍّ   وَاِلَّا تَيَمَّمَ بِالصَّعِيْدِ اَوِ الصَّخْرِ

''تم غیب کے پانی سے وضو کرو اگر تم صاحب راز ہو۔ ورنہ پاک مٹی یا پتھر سے تیمم کرو''

وَقَدِّمْ اِمَاماً كُنْتَ اَنْتَ اَمَامَهٗ   وَصَلِّ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فِي اَوَّلِ الْعَصْرِ

''اور تو جس کے سامنے ہے (یعنی حضرت نبی کریم ﷺ) اسی کو اپنا امام بنا کر آگے کر۔ اور ظہر کی نماز عصر کے پہلے پڑھ''

فَهٰذِي صَلٰوةُ الْعَارِفِيْنَ بِرَبِّهِمْ   فَاِنْ كُنْتَ مِنْهُمْ فَانْضَحِ الْبَرَّ بِالْبَحْرِ

''پس یہ عارفین باللہ کی نماز ہے۔ لہٰذا اگر تو ان میں سے ہے۔ تو خشک زمین (یعنی شریعت) کو سمندر (یعنی حقیقت) کے پانی سے سیراب کر۔''

یعنی تم اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کے پانی سے نفس کے مشاہدے سے پاک ہو جاؤ۔ یا تم باطن کے مشاہدے کے پانی سے ظاہر کے مشاہدے سے پاک ہو جاؤ۔ یا تم عالم غیب کے مشاہدے کے پانی سے عالم شہادت کے مشاہدے سے پاک ہو جاؤ۔ یا تم اللہ تعالیٰ کی معرفت کے پانی سے ماسوا کے مشاہدے سے پاک ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ تمہارے اندر سے کل ماسویٰ کو غائب کر دے گا۔ اور جب تم ماسوی اللہ کے مشاہدے سے پاک ہو جاؤ گے تو تم کل عیوب سے پاک ہو جاؤ گے۔

اور اسی طرح حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

طَهِّرِ الْعَيْنَ بِالْمَدَامِعِ سَكْباً   مِنْ شُهُوْدِ السِّوَىٰ تَزُلْ كُلُّ عِلَّةٍ

''تو ہمیشہ آنسو بہا کر ماسوا کے دیکھنے سے آنکھ کو پاک کر۔ کل عیوب دور ہو جائیں گے''۔

اور یہ غیب کا پانی جبروت کے سمندروں کی صفائی سے ملکوت کے باغ کے تالابوں میں اترتا

ہے۔ پھر رحمت کی بدلیاں اس کو اٹھا لیتی ہیں۔ اور ہدایت کی ہوا ان بدلیوں کو چلاتی ہے۔ پھر پاکیزہ نفوس کی زمین پر اس کو برساتی ہے۔ لہٰذا اس پانی سے روشن قلوب کے نالے، اور پاکیزہ ارواح کی خلیجیں بھر جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا

''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ تو نالے اپنی وسعت کے مطابق بہنے لگے۔ پھر پانی پر جھاگ ظاہر ہوا''۔

علم نافع کی مثال

اللہ تعالیٰ نے علم نافع (فائدہ دینے والے علم) کو آسمان سے برسنے والے پانی کے مشابہ فرمایا۔ لہٰذا جس طرح بارش کے پانی سے اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق نالے اور تالاب بھر جاتے ہیں۔ اور چشمے اور نہریں بہنے لگتی ہیں۔ اسی طرح علم نافع عالم غیب کے آسمان سے عالم شہادت کی زمین پر اترتا ہے۔ تو اس علم سے قلوب کے نالے اپنے ظرف کی وسعت اور استعداد کے مطابق بہنے لگتے ہیں۔ اور جس طرح بارش کا پانی زمین کو کثافت اور گندگی سے پاک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ''پانی پر جھاگ ظاہر ہوا'' کا یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح علم نافع نفس کو کثافتوں سے، اور قلب کو غیروں سے، اور روح کو کدورتوں سے، اور سر کو انوار کو آلودہ کرنے والی ظلمتوں سے پاک کرتا ہے۔ اور یہی وہ پانی ہے جس کی طرف حضرت حاتمؒ نے اپنے قول ''غیب کے پانی سے وضو کر'' میں اشارہ فرمایا ہے۔

اور شہود: وحدت کا دیکھنا اور کثرت کی نفی کرنی ہے۔ یا عظمت کو عظمت کے ساتھ دیکھنا ہے۔ اور جو شخص اس حالت پر نہیں قائم ہوا ہے۔ اس کا غیب کے پانی سے بالکل پاک ہونا پانی نہ ہونے کی وجہ سے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ تیمم کرے۔ کیونکہ بیماروں اور کمزوروں کی پاکیزگی کے لئے تیمم کی اجازت ہے۔ اور اسی طرف اپنے قول ''ورنہ تیمم کرو'' میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اگر تم کو قلب کی بیماری کی وجہ سے اصلی طہارت پر قدرت نہیں ہے۔ اور اصلی

طہارت، ماسویٰ سے غائب ہونا ہے۔ اور قدرت نہ ہونے کی وجہ، تمہارے قلب کی بیماری سچائی نہ ہونے کے ساتھ ہے۔ لہذا اب تم فرعی طہارت میں منتقل ہو جاؤ۔ اور فرعی طہارت، ظاہری عبادت ہے۔ یعنی تم ظاہری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔

یا تم اس طرح کہو: اگر تم کو حقیقی طہارت کی قدرت نہیں ہے۔ اور وہ باطنی طہارت ہے تو تم مجازی یعنی ظاہری طہارت کی طرف منتقل ہو۔

یا تم اس طرح کہو: اگر تم کو مقربین کی طہارت کی قدرت نہیں ہے تو تم اہل یمین (داہنی طرف والے نیک لوگ) کی طہارت کی طرف منتقل ہو۔

یا تم اس طرح کہو: اگر تم کو اہل محبت کی طہارت کی قدرت نہیں ہے تو تم اہل خدمت کی طہارت کی طرف منتقل ہو۔ کیونکہ ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لئے قائم کیا ہے۔ اور ایک جماعت کو اپنی محبت کے لئے مخصوص کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَآءِ وَ هٰؤُلَآءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۔ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا○

”تمہارے رب کی بخشش سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی۔ اور تمہارے رب کی بخشش بند نہیں ہے“۔

پس اہل محبت کی طہارت، فکر و نظر ہے۔ اور اہل خدمت کی طہارت، ظاہری عبادت مثلاً نماز روزہ، اور ذکر و تلاوت اور تعلیم وغیرہ۔ اور پوشیدہ عبادت مثلاً خوف ورجا، اور زہد و ورع اور صبر و رضا و تسلیم، اور رحمت و شفقت اور وہ سب جو بظاہر نمایاں نہیں ہوتی ہیں۔ ان میں کوشش اور محنت کرنی ہے اور یہ اہل ظاہر کا تصوف ہے۔

اہل باطن کا تصوف

اور اہل باطن کا تصوف: اللہ تعالیٰ کے شہود میں مخلوق سے غائب ہو جانا ہے اور اسی کو حضرت حاتمؒ نے غیب کے پانی سے تعبیر کی ہے۔ لہذا جو شیخ بھی اہل باطن کے تصوف تک نہیں پہنچا۔ وہ اہل تیمم سے ہے پس اگر وہ اعمال ظاہری نماز و روزہ وغیرہ میں مشغول ہے، تو وہ مٹی سے تیمم کرنے والے کے مشابہ ہے۔ کیونکہ جس طرح مٹی کا نشان اعضاء پر نمایاں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اعمال بھی

ظاہر میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ پوشیدہ عبادتوں زہد و ورع وغیرہ میں مشغول ہے، تو وہ پتھر سے تیمّم کرنے والے کے مثل ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کا کوئی نشان جسم پر نمایاں نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ خفیہ عبادتیں بھی اکثر نمایاں نہیں ہوتی ہیں۔

اور چونکہ حضرت حاتمیؒ نے تم کو ماسوی اللہ سے غائب ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے تمہاری طرف سے ان کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ تم واسطہ ہی سے منکر ہو جاؤ۔ اور حکمت کو چھوڑ بیٹھو۔ پس تم بے دینی اور کفر میں مبتلا ہو جاؤ۔ اس لئے فرمایا: امام بنا کر آگے کرو۔ اور امام سے مراد: حضرت نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور وہ شخص ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کا قدم بقدم متبع ہو۔ اور شریعت اور حقیقت کا جامع ہو۔ پس ماسویٰ سے غائب ہونے کی حالت میں شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور حکمت سے مراد شریعت ہے۔ لہذا تمہارا ظاہر سلوک، اور تمہارا باطن جذب ہو۔ تمہارا ظاہر شریعت کے ساتھ، اور تمہارا باطن قدرت کے ساتھ ہو۔ اور ضروری ہے کہ تم کسی ایسے کامل امام کی پیروی کرو جس نے کسی کامل شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے طریقت کا سلوک مکمل کیا ہو۔ تا کہ وہ تمہیں شریعت پر عمل کی کیفیت کی تعلیم دے۔ اور حقیقت کے مقام تک تمہاری رہنمائی کرے۔ ورنہ تم ہمیشہ بیمار رہو گے۔ اور بیماروں ہی کی طہارت کو ہمیشہ استعمال کرتے رہو گے۔

حضرت قرانی رضی اللہ عنہ کے کلام میں غور کرو۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو تربیت کے لئے اپنے شیخ کے سپرد کیا تو فرمایا: میں نے بہت زمانے تک مٹی سے تیمّم کیا۔ اور اب مجھے پانی ملا ہے۔ اس لئے کہ تم غیب کا پانی نہیں پاؤ گے۔ نہ اس کے استعمال کی تم کو قدرت ہو گی۔ جب تک تم کسی ایسے بزرگ کی صحبت نہ اختیار کرو جس کے پاس یہ غیب کا پانی ہو۔ اس نے اس کو پیا ہو۔ اور اس سے وہ سکر کی حالت میں مست ہو گیا ہو۔ اور پھر اس سکر سے ہوشیار ہوا ہو۔ اور اس نے جذب سے راہ سلوک طے کیا ہو۔ پس تم ان کو اختیار اور ارادے کی باگ ڈور سپرد کر دو۔ اور اپنی ہر شے کو ان کا مطیع و فرماں بردار کر دو۔ اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصیت اور ان کے اسرار سے تم کو آگاہ فرمایا۔ تو تمہاری روح اور تمہارا سر آگے بڑھا۔ اور تعظیم کے ساتھ ان کے سامنے حاضر ہوا۔ لہذا اس حال میں کہ تم آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو، تم ان کو آگے بڑھا کر اپنا امام بناؤ۔ کیونکہ وہ اللہ

تعالیٰ کے حضور کی طرف تم کو دعوت دیتے ہیں۔اور اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے اور لوگ ان کے سامنے سے بھاگتے تھے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔تو انہوں نے حضرت ﷺ کو اپنا امام بنایا۔حضرت حاتمؒ کے اس قول ''تو جس کے سامنے ہے'' کا یہی مفہوم ہے۔اور ان کا قول ''ظہر کی نماز عصر کے پہلے پڑھو'' اور یہ بعض نسخوں میں ہے۔یعنی شریعت کا ظہر حقیقت کے عصر کے ساتھ جمع کرو۔اور اکثر نسخوں میں ہے:۔فجر کی نماز عصر کے پہلے پڑھو''۔یعنی کامل فنا ہونے کے بعد بقاء کی طرف لوٹ جاؤ۔یا جذب کے بعد سلوک کی طرف لوٹ جاؤ۔اس لئے کہ اکثر مرید پہلے سلوک اختیار کرتے ہیں پھر ان کے اندر جذب پیدا ہوتا ہے۔پس ان کی ابتداء سلوک ہے اور ان کی انتہا جذب ہے۔جیسا کہ دن کی ابتداء فجر ہے۔اور اس کی انتہا عصر ہے۔یعنی نماز فجر کی طرف واپس ہو۔جو دن کی ابتداء میں تھا اس کو دن کی انتہا میں پڑھو۔یعنی سلوک کی طرف لوٹو۔جو تمہاری ابتداء تھی اسی کو اپنی انتہا میں اختیار کرو۔اور عارفین کے اس قول ''کمال کی انتہا شریعتوں کی ابتداء ہے'' کا مفہوم یہی ہے۔نیز عارفین نے فرمایا ہے:۔سالکین کی انتہا مجذوبین کی ابتدا ہے۔اور مجذوبین کی انتہا سالکین کی ابتدا ہے۔نیز عارفین نے فرمایا ہے: انتہا تک پہنچنے کی علامت ، ابتداء کی طرف لوٹنا ہے۔اور اس کا بیان انشاءاللہ اس کے مقام میں آئے گا۔

اورحضرت حاتمؒ کا قول ''یہ اللہ تعالیٰ کے عارفین کی نماز ہے'' اس لئے کہ انہوں نے اصلی طہارت سے پاکیزگی حاصل کی۔اور دائمی نماز پڑھی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ o

''اور وہ لوگ اپنی نماز میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں''

پس عوام کی نماز کی حد، نماز کے مقررہ اوقات ہیں۔اور عارفین ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ ایک عارف سے دریافت کیا گیا: کیا قلب کے لئے بھی نماز ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، قلب کی نماز یہ ہے کہ جب وہ سجدہ کرے تو اپنا سر سجدے سے کبھی نہ اٹھائے۔یعنی جب روح ہیبت جلال اور جمال کو سجدہ کرے تو کبھی سر نہ اٹھائے۔حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

فَاسْجُدْ لِهَيْبَةِ الْجَلَالِ عِنْدَ التَّدَانِي وَلْتَقْرَأْ آيَةَ الْكَمَالِ سَبْعَ الْمَثَانِي

''قرب کے وقت جلال کی ہیبت سے سجدہ کراور کمال کی آیت سورۃ فاتحہ کی قرات کر''

اور حضرت حاتمیؒ کا قول ''اگر تم عارف ہوتو خشک زمین کوسمندر کے پانی سے سیراب کرو''۔

یعنی اگر تم عارفین محققین میں سے ہوتو اپنی شریعت کی خشک زمین کو اپنی حقیقت کے سمندر سے سیراب کرو۔اس طریقے پر کہ تم اپنی شریعت کی زمین پر اپنی حقیقت کے سمندر سے اتنا پانی چھڑکو کہ شریعت حقیقت کے پانی سے سیراب ہو جائے اور ڈوب جائے۔ پس شریعت عین حقیقت ہو جائے۔اور حقیقت عین شریعت ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمہارا کل عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔ وباللہ التوفیق ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور جب قلب بارگاہ قدس اور محبت کے مقام میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسرار کی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور انوار سے بھر جاتا ہے۔مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

أَمْ كَيْفَ يَرْجُوْا أَنْ يَّفْهَمَ دَقَائِقَ الْأَسْرَارِ وَهُوَ لَمْ يَتُبْ مِنْ هَفَوَاتِهِ؟

''یا وہ کس طرح اسرار کی باریکیوں کو سمجھنے کی امید کرتا ہے۔جب کہ اس نے ابھی اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے توبہ نہیں کی''؟

اسکی پہلی سیڑھی تو یہ ہے

میں کہتا ہوں:۔ لغزشوں اور خطاؤں کے اصرار کے باوجود اسرار کی باریکیوں کی سمجھ کبھی نہیں ہوسکتی ہے۔یا اس طرح کہا جائے:۔توحید کی باریکیوں کی سمجھ منفرد قلب کو ہوتی ہے۔لہذا جس شخص نے لغزشوں سے توبہ نہیں کی۔اور خواہشات کی غلامی سے آزاد نہیں ہوا۔وہ توحید کی باریکیاں سمجھنے کی تمنا نہیں کرسکتا اور اہل تفرید کے اسرار کا مزہ نہیں چکھ سکتا ہے۔

حضرت احمد بن ابوحواری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں نے اپنے شیخ حضرت ابوسلیمان دارانی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے: جب نفوس گناہوں کے ترک کے عادی ہو جاتے ہیں۔تو وہ ملکوت میں گشت کرتے ہیں۔اور ان کو نادر اور عجیب حکمتیں حاصل ہوتی ہیں۔بغیر اس کے کہ کوئی عالم ان کو

کوئی علم سکھائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اے احمد! تم نے بھی سچ کہا اور تمہارے شیخ نے بھی سچ کہا۔ میں نے اسلام میں اس سے زیادہ عجیب کوئی بات نہیں سنی۔ وہ عجیب بات یہ ہے۔

"مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ"

جس شخص نے اپنے حاصل کئے ہوئے علم پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا علم عطا فرمایا جو اس نے حاصل نہیں کیا"۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا:۔ حقیقت کا راستہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: گناہوں کی عادت توبہ سے مٹاؤ۔ اور عمل میں تاخیر کی عادت خوف سے دور کرو۔ عمل کے طریقوں پر چلنے کی عادت رجا سے پیدا کرو۔ نفسانی خواہشات سے دور ہونے اور نفس کے فنا ہونے کے لئے نفس کو ذلیل کرو۔ پھر دریافت کیا گیا:۔ اس مقام تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:۔ منفرد قلب کے ذریعے جس میں صرف توحید ہو۔ لہذا جب قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ منفرد ہو جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے تو وہ توحید کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ جن کا بیان لفظوں اور عبارتوں میں ممکن نہیں ہے۔ توحید کی باریکیاں درحقیقت رموز و اشارات ہیں جن کو صرف توحید کے اہل حضرات ہی سمجھتے ہیں اور صرف انہیں پر یہ رموز ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور جس شخص نے ان اسرار میں سے کچھ، نااہلوں کے سامنے ظاہر کر دیا۔ اس نے اپنا خون مباح کر دیا اور اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دیا۔ جیسا کہ حضرت ابومدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

وَفِی السِّرِّ اَسْرَارٌ دِقَاقٌ لَطِيفَةٌ تُرَاقُ دِمَانَا جَهْرَةً لَو بِهَا بُحْنَا

"اور توحید کے راز میں بہت سے باریک اور لطیف رازیں ہیں۔ اگر ان کو ظاہر کر دیا جائے تو علانیہ ہمارا خون بہایا جائے گا"۔ اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:

وَلِیَ حَبِيبٌ عَزِيزٌ لَا اَبُوحُ بِهٖ اَخْشٰی فَضِيحَةَ وَجْهِیْ يَوْمَ اَلْقَاهُ

"میرا ایک غالب اور قوی دوست ہے۔ میں اس کو ظاہر نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس سے

ملاقات کے دن اپنی رسوائی سے ڈرتا ہوں''۔

اور یہ اسرار، ذات کے اسرار، اور صفات کے انور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تجلی مخلوقات کے مظہر میں ظاہر فرماتا ہے۔ مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔ اَلْکَوْنُ ظُلْمَةٌ وَاِنَّمَا اَنَارَهُ ظُهُوْرُ الْحَقِّ فِيْهِ ''مخلوق تاریکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی نے اس میں ظاہر ہو کر اس کو روشن کیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ مخلوقات اپنے موجود اور محسوس ہونے کی حیثیت سے سب کی سب تاریکی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس شخص کے لئے جو ان کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جائے اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے حجاب ہیں۔ اور اس لئے کہ وہ ایسی بدلیاں ہیں، جو اس شخص کے لئے جو ظاہری محسوس صورت میں مشغول ہو جاتا ہے، حقیقت کے آفتاب کو چھپا دیتی ہیں۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لَا تَنْظُرْ اِلَى الْاَوَانِیْ ، وَ خُضْ بِحْرَ الْمَعَانِیْ، لَعَلَّكَ تَرَانِی

''تم ظاہری صورتوں کی طرف نہ دیکھو، اور حقائق کے سمندر میں غوطہ لگاؤ۔ شاید کہ تم مجھ کو دیکھو''

پس اس اعتبار سے کل مخلوق تاریکی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تجلی کے ظہور نے اس کو روشن کیا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے صرف اس کے محسوس ظاہر کو دیکھا۔ اس نے صرف محسوس ظلمانی صورت دیکھی۔ اور جس نے اس کے باطن میں غور کیا۔ اس نے ملکوتی نور دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے''

پس حاصل یہ ہوا:۔ کہ مصنفؒ کا قول ''مخلوق تاریکی ہے'' صرف اہل حجاب کے حق میں ہے۔ کیونکہ ان کے قلوب کے آئینے میں مخلوق کی ظاہری صورتیں چھپی ہوئی ہیں۔ لیکن اہل عرفان تو ان کی بصیرت اللہ تعالیٰ کے شہود میں پہنچی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ مخلوق میں جبروت کے سمندر سے پہنچنے والا نور دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک مخلوق کل کے کل نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''آپ فرما دیجئے:۔تم لوگ غور کرو کہ آسمان اور زمین میں کیا چیزیں ہیں''۔

یعنی اس کے ملکوت کے انوار، اور اس کے جبروت کے اسرار، یا مخلوقات میں قائم حقائق کے اسرار کو دیکھو۔حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ احْتَجَبَ عَنْ اَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا احْتَجَبَ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ، وَاِنَّ اَهْلَ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى لَيَطْلُبُوْنَهٗ كَمَا تَطْلُبُوْنَهٗ اَنْتُمْ، وَاِنَّهٗ مَا حَلَّ فِيْ شَيْءٍ وَلَا غَابَ عَنْ شَيْءٍ

''اللہ تعالیٰ آسمان والوں سے بھی اسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح زمین والوں سے پوشیدہ ہے۔اور ملا اعلیٰ والے (یعنی فرشتے) اس کو اسی طرح تلاش کرتے ہیں جس طرح تم لوگ اس کو تلاش کرتے ہو۔اور نہ اس نے کسی شی میں حلول کیا ہے اور نہ وہ کسی شی سے غائب ہے''۔

اور یہ حقائق صرف ذوقی ہیں۔عقل سے یا کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں پائی جا سکتی ہے۔ یہ حقائق صرف اہل ذوق عارفین کاملین کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہیں۔لہذا تم ان کو تسلیم کرو۔اور تنقید (اعتراض و نکتہ چینی) نہ کرو:

وَاِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ   لِاُنَاسٍ رَاَوْهُ بِالْاَبْصَارِ

''اور اگر تم نے چاند نہیں دیکھا ہے۔تو جن لوگوں نے اس کو آنکھوں سے دیکھا ہے تم ان کو دیکھنا تسلیم کرو''۔

مشاہدہ کرنے والے تین قسم کے ہیں

پھر مصنف ؒ نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:۔ عام، خاص، خاص الخاص:۔ چنانچہ فرمایا۔

فَمَنْ رَاَى الْكَوْنَ وَلَمْ يَشْهَدْهُ فِيْهِ، اَوْ عِنْدَهٗ، اَوْ قَبْلَهٗ، اَوْ بَعْدَهٗ، وَقَدْ اَعْوَزَهٗ وُجُوْدُ الْاَنْوَارِ، وَحُجِبَتْ عَنْهُ شُمُوْسُ الْمَعَارِفِ بِسُحُبِ الْاٰثَارِ

''پس جس شخص نے مخلوق کو دیکھا۔لیکن اس کے اندر، یا اس کے قریب، یا اس کے آگے، یا اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس کو انوار کے وجود نے عاجز کر دیا ہے۔اور

معارف کے آفتاب آثار کے بادلوں کی وجہ سے اس سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔''

پس اہل اہل مقام بقاء، مخلوق پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ لہذا وہ آثار کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ وہ اپنے کمال کی وجہ سے واسطہ اور موسوط (اللہ تعالی) کو ثابت کرتے ہیں۔ لہذا وہ حضرات واسطہ کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے اندر، یا اس کے قریب، قبل اور بعد اور ظرف ومظروف کا لحاظ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں:۔

مُذْ عَرَفْتُ الْإِلٰهِ لَمْ اَرَ غَيْرًا وَكَذَا الْغَيْرُ عِنْدَنَا مَمْنُوْعٌ

''جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اس وقت سے میں نے اس کے غیر کو نہیں دیکھا۔ اور غیر کا دیکھنا ہمارے نزدیک منع ہے''۔

حضرت شیخ مولای عبدالسلام بن شیش رضی اللہ عنہ نے حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔ اے ابوالحسن! تم ایمان کی نظر تیز کرو۔ تم ہر شی میں، اور ہر شی کے نزدیک، اور ہر شی کے ساتھ، اور ہر شی کے قبل، اور ہر شی کے بعد، اور ہر شی کے اوپر، اور ہر شی کے نیچے، اور ہر شی سے قریب، اور ہر شی کا احاطہ کئے ہوئے، ایسے قرب اور احاطہ کے ساتھ جو اس کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے۔ اور ظرفیت اور حدود سے، اور مکانوں اور طرفوں سے، اور فاصلے کی نزدیکی اور صحبت سے، اور مخلوقات میں دورہ کرنے کے اعتقاد سے منہ پھیر لو۔ اور اللہ تعالیٰ کے وصف اول وآخر، اور ظاہر و باطن، اور ھو، ھو، ھو میں (وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ ہے) سب کو مٹا دو۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَا شَيْءَ مَعَهُ، وَهُوَ الْآنَ عَلٰى مَا كَانَ

اللہ تعالیٰ تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس حال پر وہ تھا۔ یعنی اس کے ساتھ کوئی شی نہیں ہے''۔

ایک عارف کامل نے فرمایا ہے: میں نے ہر شی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ لیکن اس کو حادث (فانی) نہیں دیکھا۔ پس مریدین میں سے سائرین (مقامات کی سیر کرنے والے) پہلے مخلوق کو دیکھتے ہیں۔ پھر اس کے قریب اور اس کی نشانی سے خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر خالق کی طرف

ان کی نظر پڑتے ہی مخلوق ان کی نظر سے مٹ جاتی ہے اور یہ مستشرفین (بلند مقامات کی طرف ترقی کرنے والے) کا حال ہے۔

لیکن اہل مقام فنا:۔ مخلوق کے دیکھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اس معنی میں کہ وہ مخلوق کو بالکل نہیں دیکھتے ہیں۔اس لئے کہ ان کے نزدیک مخلوق کا وجود ہی نہیں ہے۔کیونکہ وہ اپنے شکر کی وجہ سے واسطہ غائب ہو چکے ہیں اور وہ حکمت سے فانی ہو چکے ہیں۔(یعنی مدہوشی کی وجہ سے وہ شریعت سے بے خبر ہیں) اور وہ انوار الٰہی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ان کی نظر میں مخلوق کی ساری نشانیاں مٹ چکی ہیں۔ اسی مقام میں پہنچ کر ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ میں نے جب کسی شی کو دیکھا تو اس کے قبل اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔اور اہل حجاب:۔دلیل و برہان والوں میں سے ہیں۔وہ صرف مخلوق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہ اس کے قبل کرتے ہیں نہ اس کے بعد۔وہ مخلوق کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور یہ مقام عام مسلمانوں میں سے اہل یمین (داہنی طرف والے۔نیک لوگ) کا ہے۔انوار کا وجود ان سے فوت ہو گیا ہے اور وہ انوار تک پہنچنے سے روک دیئے گئے ہیں۔اور معارف کے آفتاب نکلنے اور روشن ہونے کے باوجود وہ آثار کے بادلوں میں چھپ گئے ہیں۔لیکن آفتاب کے لئے بادل اور حسینوں کے لئے نقاب ضروری ہے۔ایک عارف کا شعر ہے:۔

وَمَا احْتَجَبْتُ اِلَّا بِرَفْعِ حِجَابِهَا وَمِنْ عَجَبٍ اَنَّ الظُّهُوْرَ تَسَتُّرٌ

"اور وہ حجاب اٹھ جانے کے باوجود پوشیدہ ہے ۔ اور تعجب یہ ہے کہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونا ہے"۔

اور دوسرے عارف نے فرمایا ہے:۔

لَقَدْ ظَهَرْتَ فَلَا تَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلٰى اَكْمَهٍ لَا يُبْصِرُ الْقَمَرَا

"البتہ تو ظاہر ہے پس تو کسی سے چھپ نہیں سکتا ہے۔مگر ایسے اندھے سے جو چاند کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہے"۔

لٰكِنْ بَطَنْتَ بِمَا اَظْهَرْتَ مُحْتَجِبًا وَكَيْفَ يُعْرَفُ مَنْ بِالْعِزَّةِ اسْتَتَرَا

''لیکن جن اشیاء کو تو نے ظاہر کیا انہیں کے حجاب میں تو پوشیدہ ہو گیا اور وہ ذات کیسے پہچانی جا سکتی ہے۔ جو عزت کے پردے میں پوشیدہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہونے کے حال میں پوشیدہ ہونا، یہ ان اشیاء میں سے ہے جو اس کے غلبے کی دلیل ہیں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

مِمَّا يَدُلُّ عَلٰى وُجُوْدِ قَهْرِهٖ سُبْحَانَهٗ ، اَنْ حَجَبَكَ عَنْهُ بِمَا لَيْسَ بِمَوْجُوْدٍ مَّعَهٗ

''ان اشیاء میں سے جو اللہ تعالیٰ کے غلبے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں، ایک شی یہ ہے کہ اس نے تم کو اپنی ذات سے ایسی اشیاء کے ذریعے محجوب کیا ہے، جو اس کے ساتھ موجود نہیں ہیں''۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک اسم پاک ''قہار'' ہے یعنی ہر شی پر غالب۔ اور اس کے غلبے کے مظہروں میں سے اس کا ظاہر ہونے کے باوجود پوشیدہ ہونا، اور اس کا پوشیدہ ہونے کے باوجود ظاہر ہونا ہے۔ اور اس کے غالب ہونے کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ بغیر کسی حجاب کے پوشیدہ ہے۔ اور بغیر قریب آئے ہوئے قریب ہے۔ وہ اپنی قربت میں دور ہے اور اپنی دوری میں قریب ہے۔ وہ مخلوق سے ان کے سامنے ظاہر ہوتے ہوئے بھی پوسیدہ ہے۔ اور ان سے پوشیدہ رہتے ہوئے بھی ان کے سامنے ظاہر و عیاں ہے۔ لہذا وہ ان سے ایسی شی کے ذریعے پوشیدہ ہے جو موجود نہیں ہے۔ اور وہ وہم ہے اور وہم ایسی شی ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہذا اس کے شدت سے ظاہر ہونے ہی نے اس کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور اس کے نور کے غلبے ہی نے آنکھوں کو اس کے دیکھنے سے روک دیا ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں منفرد (تنہا) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شی موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ) ''اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شی ہلاک ہونے والی ہے''۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ) ''وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے''۔

اور تیسری جگہ فرمایا:۔

(فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ) ''تم لوگ جس طرف منہ کرو اس طرف اللہ تعالیٰ ہے''۔

اور چوتھی جگہ فرمایا:۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

''اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے''

اور پانچویں جگہ فرمایا:۔

(وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ) ''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کا رب انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے''۔ اور چھٹی جگہ فرمایا:۔

(وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى) ''اور جب آپ نے مٹی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی'' اوساتویں جگہ فرمایا:۔

(اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ) ''بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں'' اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اَفْضَلُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ قَوْلُ لَبِيْدٍ

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

شاعروں کے کلام میں لبید شاعر کا یہ کلام سب سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت ضرور مٹ جانے والی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى:۔ يَا عَبْدِيْ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ، فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ:۔ اَمَا اِنَّهٗ مَرِضَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَعُدْهُ، فَلَوْ عُدْتَهٗ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهٗ، ثُمَّ يَقُوْلُ:۔ يَا عَبْدِيْ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ، ثُمَّ يَقُوْلُ:۔ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ"

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا:۔ اے میرے رب! میں تیری عیادت کس طرح کرتا۔ تو تو خود سارے عالم کا رب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا، تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا، مگر تو نے

مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ پھر فرمائے گا:۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا''۔

یہ حدیث شریف اس حقیقت کی دلیل ہے کہ یہ شکلیں اور شخصیتیں صرف خیال ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لہذا یہ صرف سایہ کے مشابہ ہیں۔ حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اَلْخَلْقُ خَلْقُکُمْ وَالْاَمْرُ اَمْرُکُمْ فَاَیُّ شَیْیءٍ اَنَا لٰکِنْتُ مِنْ ظُلَلٍ

''مخلوق تمہاری مخلوق ہے۔ اور امر (روح) تمہارا امر ہے۔ پھر میں کیا شی ہوں۔ صرف سایہ ہوں''۔

مَا لِلْحِجَابِ مَکَانٌ فِی وُجُوْدِکُمْ اِلَّا بِسِرِّ حُرُوْفِ اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ

''تمہارے وجود میں حجاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے مگر قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ'' کے راز کے لئے''۔

اَنْتُمْ دَلَلْتُمْ مِّنْکُمْ وَلَکُمْ دَیْمُوْمَۃٌ عَبَّرَتْ عَنْ غَامِضِ الْاَزَلِ

''تم اپنی طرف سے اور اپنے لئے راہنمائی کی۔ تمہاری دائمی قدیم ذات نے ازل کا راز سمجھایا۔''

عَرَفْتُ بِکُمْ ھٰذَا الْخَبِیْرَ بِکُمْ اَنْتُمْ ھُمْ یَا حَیَاۃَ الْقَلْبِ یَا اَمَلِی

''میں نے تمہارے ذریعے اس تمہارے خبر رکھنے والے کو پہچانا۔ اے قلب کی زندگی اور اے میری تمنا! وہ تمہیں ہو''

خلق سے مراد

شرح:۔ حضرت ششتریؒ کا قول ''خلق تمہارا خلق ہے'' خلق سے مراد، صورتیں ہیں۔ اور امر سے مراد، روحوں کا راز ہے۔ یعنی مخلوق تمہاری حکمت ہے۔ اور روحیں تمہارے اسرار میں سے ایک سر ہیں۔ پس میرا وجود بالکل نہیں ہے۔ لہذا میں نے اپنی ذات پر جتنی قدرت پائی وہ تمہارے لئے پائی۔ اور اپنی ذات کو تمہارے مظاہر میں سے ایک مظہر پایا۔ اور میں تمہارے وجود کے سایوں میں سے ایک سایہ ہوں۔

پھر فرمایا:۔ تمہارے وجود میں حجاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، یعنی محسوس حجاب کے لئے تمہارے وجود میں جگہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہارے وجود میں حجاب کے لئے جگہ ہوتی تو وہ

حجاب تم سے زیادہ ہمارے قریب ہوتا۔اور یہ محال ہے اس لئے کہ تو نے فرمایا ہے:۔

(وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ وَ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ)

''اور البتہ ہم نے انسان کو پیدا کیا۔اور اس کا نفس اس کے اندر جو وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ہم اس کو جانتے ہیں۔اور ہم اس کی گردن کی رگ (شہ رگ) سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

اور حضرت ششتریؒ کا قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ کے قول کا راز'' رازوں میں سے ایک راز ہے۔یعنی محسوس حجاب کے لئے ہمارے تمہارے درمیان جگہ نہیں ہے۔مگر تمہارے غلبے کے حجاب اور تمہاری عزت و کبریائی کی چادر کے لئے جگہ ہے۔اور اسی نے تمہارے اصلی جبروتی نور کے دیکھنے سے آنکھوں کو روک دیا ہے۔اس لئے کہ اگر یہ نور ظاہر ہو جائے تو جلال کے نور سے مخلوقات مٹ جائیں گی اور جل جائیں گی۔اور اسی راز کی بناء پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی طلب کی۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ اس نور کی کچھ تجلی ان کے اوپر ظاہر کرے۔تو ان کو پہاڑ کی طرف دیکھنے کا حکم دیا۔لیکن اس نور کی تھوڑی سی تجلی کو پہاڑ برداشت نہ کر سکا۔اور اپنی جگہ پر قائم نہ رہا۔تو ہم کو یہ معلوم ہو گیا، کہ اس دنیا میں کمزور بندے کو اللہ واحد قہار کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے مگر اس طریقے پر کہ وہ کثیف مخلوقات پر حقیقت کی چادریں پھیلا دے۔پھر ان مخلوقات کے واسطے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرے۔اور ان کے قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ کے قول کے راز کے لئے'' کا یہی مفہوم ہے۔یعنی صرف غلبے کے حجاب کے لئے تمہارے وجود میں جگہ ہے۔یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ'' سے واضح ہوتا ہے۔

یا یہ معنیٰ ہے:۔ تمہارے وجود میں محسوس حجاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔مگر وہ حجاب جو اس حکمت کے راز کے لباس میں ہو۔جس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ'' سے واضح ہوتا ہے۔گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:۔ اے موسیٰؑ تم حکمت کے حجاب کے بغیر مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھو۔پس اگر پہاڑ نے میرے نور کی تجلی برداشت کر لی اور اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تو تم بھی مجھے دیکھو گے۔لیکن جب بغیر محسوس واسطے کے اللہ تعالیٰ نے اپنی

تجلی کی تو پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اسی حقیقت کے بارے میں حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

لَقَدْ اَنَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ لِمَنْ رَاٰنِي   وَاَنَا الْمُحِبُّ وَالْحَبِيْبُ لَيْسَ ثَمَّ ثَانِي

''جس شخص نے مجھے دیکھا ہے میں اس کے لئے ایک عجیب شئی ہوں۔ میں ہی محبت کرنے والا اور میں ہی محبوب ہوں یہاں کوئی دوسرا نہیں ہے۔''

يَا قَاصِدا عَيْنَ الْخَبَرِ غَطَّاهُ عَيْنُكَ   اَلْخَمْرُ مِنْكَ وَالْخَبَرُ وَالسِّرُّ عِنْدَكَ

''اے حقیقت کی عین خبر کا ارادہ کرنیوالے! اس کو تیرے وجود نے پوشیدہ کیا ہے۔ محبت کی شراب اور حقیقت کی خبر تیری طرف سے ہے اور راز تیرے پاس ہے''۔

اِرْجِعْ لِذَاتِكَ وَاعْتَبِرْ مَا ثَمَّ غَيْرُكَ

اپنی ذات کی طرف لوٹ۔ اور عبرت حاصل کر۔ وہاں تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے''

یعنی اے حقیقت کی خبر کا ارادہ کرنے والے! اس کو تیرے ہی وجود نے پوشیدہ کیا ہے۔ لہذا اگر تیرا وجود غائب ہو جائے تو عین حقیقت میں پہنچ جائے گا۔ محبت کی شراب کا پینا، اور حقیقت کی خبر تیری طرف سے ہے اور ربوبیت کا راز تیرے ہی پاس ہے۔ کیونکہ تو ایک طلسمی خزانہ ہے۔ لہذا اگر تو پہچاننے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اپنی ذات کی طرف رجوع کر۔ اور تو غور کر۔ تو کل وجود کو ایک پائے گا۔ اور وہ ایک، تو ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا:۔ ''منی علی دارت کؤسی'' ''میری شرابِ محبت کا پیالہ میری طرف سے میرے اوپر گردش کرتا ہے'' ایک عارف کا شعر ہے۔

هٰذَا الْوُجُوْدُ وَاِنْ تَعَدَّدَ ظَاهِرًا   وَ حَيَاتِكُمْ مَا فِيْهِ اِلَّا اَنْتُمْ

''یہ وجود اگرچہ ظاہر میں بہت ہیں۔ لیکن تمہاری زندگی کی قسم، اس میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے'' نیز حضرت ششتریؒ نے فرمایا ہے:۔

''لَقَدْ فَشٰى سِرِّيْ بِلَا مَقَالٍ، وَقَدْ ظَهَرَ عَنِّيْ فِيَّ ذَالْمِثَالِ، تَرٰى وُجُوْدَ غَيْرِي مِنَ الْمَحَالِ، وَكُلُّ مَادُوْنِيْ خَيَالُ فَيْءٍ، مُتَّحِدٌ فِيَّ كُلُّ شَيْءٍ، اَنَا هُوَ الْمَحْبُوْبُ وَاَنَا

اَلْحَبِیْبُ، وَالْحُبُّ لِیْ مِنِّیْ شَیْءٌ عَجِیْبٌ، وَحْدِیْ اَنَا فَافْهَمْ سِرِّیْ غَرِیْبٌ، فَمَنْ نَّظَرَ ذَاتِیْ رَاٰنِیْ شَیْءٌ، وَفِیَّ جَلَا ذَاتٌ طُوَانِیْ طَیٌّ، صِفَاتِیْ لَاتَخْفٰی لِمَنْ نَّظَرَ، وَذَاتِیْ مَعْلُوْمَةٌ تِلْكَ الصُّوَرُ، اِفْنِ عَنِ الْاِحْسَاسِ تَرٰی عَبْرٌ، فِی السِّرِّ وَالْمَعْنٰی خَفِیَتْ کَیْ، لِاَنَّهٗ مِنْ سِتْرٍ عَلَیْ، وَقَدْ اِتَّفَقَتْ عَلٰی هٰذَا الْمَعْنٰی وَهُوَ سِرٌّ۔

''البتہ بغیر کہے ہوئے میرا راز ظاہر ہوا۔ اور مجھ سے مجھ میں صاحب مثال ظاہر ہوا۔ میرے سوا کوئی وجود محال ہے اور میرے سوا جو کچھ ہے، خیالی سایہ ہے۔ میرے اندر کل اشیاء متحد ہیں۔ میں ہی محبوب اور میں ہی حبیب ہوں۔ اور میرے لئے مجھ سے محبت عجیب شی ہے۔ میں یکتا ہوں۔ پس تو یہ سمجھ لے کہ میرا راز انوکھا ہے۔ پس جس شخص نے میری ذات کو دیکھا اس نے مجھے شی سمجھا۔ حالانکہ میرے اندر ایک ذات جلوہ گر ہے۔ اور وہ مجھے بخوبی ڈھانپے ہوئے ہے۔ میری صفات دیکھنے والے کے لئے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور میری ذات ان صورتوں کی معلوم کی ہوئی ہے تو احساس سے فنا ہو جا۔ تو تجھے یہ تعبیر نظر آئے گی۔ کہ سر اور حقیقت میں اصل (ذات) پوشیدہ ہے۔ کیونکہ وہ مجھ پر چھائی ہوئی ہے۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ وہ راز ہے''۔

وحدت:۔ عارفین کے مقالات (اقوال) اور محبت کرنے والوں کے وجدانی حالات ہیں۔ اور ان کے اشعار، ان کے ذوق اور شراب محبت پینے کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور یہ عبارتیں صرف ذوق و اشارات والے ہی سمجھتے ہیں۔ لہذا جس شخص کی سمجھ ان کے مفہوم تک نہ پہنچے اور اس کا علم ان کا احاطہ نہ کر سکے۔ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ ان حقائق کو تسلیم کرے۔ اور ان کا سمجھنا ان کے اہل حضرات کے سپرد کر دے اور اللہ تعالیٰ کی کمال پاکیزگی، اور مشابہت کے باطل ہونے پر اعتقاد رکھے۔ اس لئے کہ یہ حقائق ذوقی ہیں۔ اور صرف اہل ذوق حضرات کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ کے لئے حجاب کے باطل ہونے پر ہر دلیل پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے دس دلیلیں قائم کی ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ پوشیدہ ہونے کے ساتھ ظاہر ہے۔ عارفوں کے نزدیک مکمل طور پر ظاہر و عیاں ہے۔ اور جاہلوں کے نزدیک بالکل پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ پوشیدہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے اس پر دس دلائل

پہلی دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّحْجُبَهٗ شَيْءٌ وَهُوَ الَّذِيْ اَظْهَرَ كُلَّ شَيْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی چھپا سکتی ہے جب کہ اسی نے ہر شی کو ظاہر فرمایا ہے''۔

اور باطن ہی ظاہر ہے کیونکہ جو شی عالم غیب میں پوشیدہ ہے۔ وہی عالم شہادت میں ظاہر ہوئی۔ پس جبروت کے تالاب سے ملکوت کے انوار اچھلتے ہیں۔ میرا جمال ہر انسان میں عیاں دیکھو۔ پانی بہہ کر درختوں کی جڑوں میں سرایت کرتا ہے۔ تو پانی کو تم ایک دیکھتے ہو۔ لیکن پھول مختلف رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ جس ذات کے ذریعے معارف پہچانے گئے۔ تو معارف اسی ذات کے پہچاننے کا ذریعہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اس شخص پر تعجب ہے جو تیری ذات کے لئے گواہ تلاش کرتا ہے حالانکہ تو نے کل چیزوں کو گواہ بنا کر اس کے سامنے موجود کر دیا ہے۔

دوسری دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّحْجُبَهٗ شَيْءٌ وَهُوَ الَّذِيْ ظَهَرَ بِكُلِّ شَيْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ وہ ہر شی کے ساتھ ظاہر ہے؟'' یعنی ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہے۔ پس اس کے وجود کے ساتھ کسی شی کا وجود نہیں ہے۔ یعنی کوئی شی موجود نہیں ہے۔ عینیہ کے مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

تَجَلَّيْتَ فِي الْاَشْيَاءِ حِيْنَ خَلَقْتَهَا ...... فَهَا هِيَ مِيْطَتْ عَنْكَ فِيْهَا الْبَرَاقِعُ

''تو کل اشیاء میں اسی وقت جلوہ گر ہوا جس وقت تو نے انہیں پیدا کیا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ ان اشیاء میں تجھ سے حجابات دور ہو چکے ہیں''۔

لہذا کل اشیاء وجود میں آنے کے ساتھ ہی تجھ کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے تو چھپ نہیں سکتا ہے۔

تیسری دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّحْجُبَهُ شَيْءٌ وَهُوَ الَّذِيْ ظَهَرَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ وہ ہر شی میں ظاہر ہے؟''

یعنی وہ اپنی قدرت اور حکمت کے ساتھ ہر شی میں ظاہر ہے۔ قدرت پوشیدہ ہے اور حکمت ظاہر ہے۔ لہذا کل مخلوقات قدرت اور حکمت اور فرق و جمع کے درمیان ہیں۔ اور بعض عارفین کا یہ کلام پہلے گزر چکا ہے:۔ ہم نے جب کسی شی کو دیکھا، تو اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یعنی اس کی قدرت اور حکمت کے ساتھ دیکھا۔ پس اگر صفات کے انوار ظاہر نہ ہوتے، تو ذات نہ پہچانی جاتی۔ اور اگر محسوس نہ ہوتا تو حقیقت تک رسائی نہ ہوتی۔ اور اگر کثیف نہ ہوتا، تو لطیف کی پہچان نہ ہوتی۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

''مَحْبُوْبِيْ قَدْ عَمَّ الْوُجُوْدُ، وَقَدْ ظَهَرَ فِيْ بِيْضٍ وَّ سُوْدٍ، وَفِي النَّصَارٰى مَعَ الْيَهُوْدِ وَفِي الْخَنَازِيْرِ مَعَ الْقُرُوْدِ، وَفِي الْحُرُوْفِ مَعَ النُّقَطِ، اَفْهَمَنِيْ قَطُّ اَفْهَمَنِيْ قَطّ''

''میرا محبوب کل وجود میں عام ہے۔ وہ ہر سیاہ و سفید میں، اور نصاریٰ و یہود میں، اور سوروں اور بندروں میں، اور حروف و نقطوں میں ظاہر ہے۔ اس نے مجھے سمجھا دیا اور بس۔ اس نے مجھے سمجھا دیا اور بس۔

''عَرَفْتُهُ طُوْلَ الزَّمَانِ، ظَهَرَ لِيْ فِيْ كُلِّ اَوَانٍ، وَفِي الْمِيَاهِ وَالدِّلْوَانِ، وَفِي الطُّلُوْعِ وَالْهُبُوْطِ، اَفْهَمَنِيْ قَطّ اَفْهَمَنِيْ قَطّ''۔

''میں نے اس کو زمانہ دراز سے پہچانا ہوا ہے۔ وہ میرے سامنے ہر ظرف (شکل) میں، اور پانی اور ڈول میں، اور طلوع و نزول میں ظاہر ہوا۔ اس نے مجھے سمجھا دیا اور بس۔ اس نے مجھے سمجھا دیا اور بس۔''

چوتھی دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّحْجُبَهُ شَيْءٌ وَهُوَ الظَّاهِرُ لِكُلِّ شَيْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ وہ ہر شی کے سامنے ظاہر ہے؟

یعنی اپنے ذات کے اسرار، اور اپنی صفات کے انوار کے ساتھ ہر شی کے سامنے جلوہ گر ہے۔ پس جب وہ ہر شی کے سامنے جلوہ گر ہے۔ اور ہر شی باطن میں اس کو پہچانتی ہے۔ اور ہر شی اس کے حمد کی تسبیح پڑھتی ہے۔ تو کوئی شی اس کے لئے حجاب نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

''ہر شی اس کے حمد کی تسبیح پڑھتی ہے''۔

یعنی اپنی زبان حال سے کہتی ہے:۔ وہ ذات پاک ہے جو ہر شی کے سامنے جلوہ گر، اور ہر شی کے ساتھ ظاہر ہے۔ عارفین اس کو سمجھتے ہیں۔ اور غافلین اس سے جاہل ہیں۔

پانچویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الظَّاھِرُ قَبْلَ وُجُوْدِ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر شی کے وجود کے قبل ظاہر ہے۔''

لہٰذا جو شی ظاہر ہوئی، وہ اسی سے ہے اور اسی کی طرف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں بذات خود ظاہر تھا۔ پھر اس نے اپنی ہی ذات کے سامنے بذات خود تجلی کی۔ لہٰذا وہ اپنے غیر کے ساتھ ظاہر ہونے سے بذات خود بے نیاز ہے۔ یا اپنے غیر کے ذریعے پہچاننے والے شخص کی حاجت سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا کل موجودات ایک ہیں۔ اور ہمارے نزدیک غیر کا وجود نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الَّذِیْ اَظْھَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ہر شی سے زیادہ ظاہر ہے؟

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ کسی شی کا وجود نہیں ہے اور اس کے ظہور کے ساتھ کسی

شی کا ظہور نہیں ہے اور اگر کوئی شی ظاہر ہو بھی، تو بذات خود اس کا وجود اور ظہور نہیں ہے۔ لہذا اگر اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا ظہور نہ ہو، تو وہ آنکھوں سے دیکھی نہیں جا سکتی ہیں:۔

مَنْ لَا وُجُوْدُ لِذَاتِهٖ مِنْ ذَاتِهٖ .... فَوُجُوْدُهٗ لَوْلَاهُ عَيْنُ مَحَالٍ

''جس شی کا وجود بذات خود نہیں ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو اس کا وجود محال ہوتا''۔

لہٰذا جب بندہ حجاب کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے نزدیک اپنے نفس کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وجود خیالی ہوتا ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اور اپنے نفس سے فنا ہو جاتا ہے اور نفس کی فناء کے ساتھ ثابت اور قائم ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور اپنے نفس کا وجود خیالی بلکہ محال ضروری ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان اور یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہم کو دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا اور ہم مخلوقات میں سے کوئی شی بھی نہیں دیکھتے ہیں۔ پس کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی شی موجود ہے؟۔ اور اگر کوئی شی موجود ہے اور اس کا موجود ہونا ضروری ہے تو وہ ہوا میں اڑتے ہوئے اس خیالی غبار کی طرح ہے جو کسی سوراخ سے آتے ہوئے دھوپ کی طرف نظر کرنے سے اڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن اگر تم اس کو تلاش کرو تو کچھ نہ پاؤ گے۔

مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔
سب تعجب خیز باتوں سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ موجودات اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہوں اور کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجودات کا بھی وجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یا ان کے لئے واضح اور ظاہر ہونے کی صفت ذاتی ہے جو اللہ کے لئے نہیں ہے۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ یا اس کے لئے مظہر ہیں۔ اور اگر موجودات اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔ تو یہ صفت ان کے لئے اپنی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو پہنچانے کا مرتبہ عطا فرمایا۔ تو وہ اس مرتبے پر پہنچے۔ لہذا اللہ تعالیٰ تک اس کی الوہیت کے سوا کوئی شی نہیں پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ وہ اپنی حکمت کاملہ سے اسباب پیدا کرتا ہے اور وہ بھی ان

کے لئے جو اچانک ٹھیر جاتے ہیں اور اس کی قدرت تک جو عین حجاب ہے نہیں پہنچتے ہیں''۔
لہذا اللہ تعالیٰ کے لئے ظاہر ہونا، کل مخلوقات سے زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ وہی مخلوقات کے ظاہر ہونے کا سبب ہے۔ اور اپنے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے ہی وہ پوشیدہ ہے:۔

وَمِنْ شِدَّةِ الظُّهُوْرِ الْخِفَاءُ ''اور ظہور کی شدت کی وجہ سے پوشیدگی ہے''

حضرت رفاعی رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

یَا مَنْ تَعَاظَمَ حَتّٰی رَقَّ مَعْنَاهُ وَلَاتَرَدّٰی رِدَاءَ الْكِبْرِ اِلَّا هُوَ

''اے وہ ذات جو اتنی عظمت والی ہے کہ عظمت کی وجہ سے اس کی حقیقت چھپ گئی۔ اور کبریائی (بڑائی) کی چادر اس کے سوا کوئی نہیں اوڑھ سکتا ہے''۔
یعنی اے وہ مقدس ذات جو عظمت اور کبریائی کے ظہور میں اتنی زیادہ ہوئی کہ اس کی حقیقت چھپ گئی۔

ساتویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:

كَيْفَ يَتَصَوَّرُ اَنْ يَّحْجُبَهٗ شَيْءٌ ، وَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِیْ لَيْسَ مَعَهٗ شَيْءٌ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ایسا واحد (اکیلا) ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شی نہیں ہے؟'' اس لئے کہ اس کی وحدانیت ازلی وابدی ہے۔

''كَانَ اللّٰهُ وَلَا شَيْءٌ مَعَهٗ وَهُوَ الْآنَ عَلٰی مَا عَلَيْهِ كَانَ''

''اللہ تعالیٰ تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر تھا''۔

''ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ''

''کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟'' اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے جو لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں''۔
کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں کچھ شک ہے؟ حالانکہ جتنی اشیاء ظاہر ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کی مظاہر ہیں، عینیہ کے مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

تَجَلّٰی حَبِیْبِیْ فِیْ مَرَائَی جَمَالِہٖ فَفِیْ کُلِّ مِرْءٍ لِلْحَبِیْبِ طَلَائِعُ

''میرا حبیب اپنے جمال کے دونوں آئینوں (ظاہر و باطن) میں جلوہ گر ہوا۔ لہذا ہر آئینے میں محبوب کی تجلی ہے''۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی حُسْنُہٗ مُتَنَوِّعًا تُسَمّٰی بِاَسْمَاءٍ فَھُنَّ مَطَالِعُ

''پس جب اس کا مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا۔ تو اس کا مختلف نام رکھا گیا۔ پس وہی اس کے طلوع ہونے کی جگہیں ہیں''۔ لہذا اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی ذات، اور اپنی صفات، اور اپنے افعال میں واحد و یکتا ہے۔ نہ اس کے پہلے کوئی شی تھی''۔ نہ اس کے بعد کوئی شی ہوگی۔ نہ اس کے ساتھ کوئی شی ہے۔

آٹھویں دلیل: اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ، وَھُوَ اَقْرَبُ اِلَیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ہر شی سے زیادہ تمہارے قریب ہے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ''

''اور البتہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کا نفس اس کے دل میں جو وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اور ہم اس کی گردن کی رگ (شہ رگ) سے زیادہ قریب ہیں''۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ''ہم تم لوگوں سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ لیکن تم لوگ نہیں دیکھتے ہو''۔ اور تیسرے مقام پر فرمایا:۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ''اور اللہ تعالیٰ ہر شی پر نگران ہے''۔ اور چوتھے مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ''اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے تو اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور دل کی بات جانتا ہے''۔

قرب کا معنی

اور اللہ تعالیٰ کا قرب:۔ علم اور احاطہ اور شہود کا قرب ہے۔ مسافت (جگہ کا فاصلہ) کا قرب

نہیں ہے۔ کیونکہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کچھ مسافت نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے: ''وَاِنَّ اللّٰهَ مَاحَلَّ فِيْ شَيْءٍ وَلَا غَابَ عَنْ شَيْءٍ'' ''اور بے شک اللہ تعالیٰ نہ کسی شی میں حلول کئے ہوئے ہیں نہ کسی شی سے غائب ہے''۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی شی سے ہے، نہ کسی شی میں ہے، نہ کسی شی کے اوپر ہے، نہ کسی شی کے نیچے ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی شی سے ہو تو وہ مخلوق ہے۔ اور اگر وہ کسی شی میں ہو تو وہ گھرا ہوا محدود ہے۔ اور اگر وہ کسی شی کے اوپر ہو تو وہ اٹھایا ہوا یعنی دوسری شی کے اٹھانے کا محتاج ہے۔ اور اگر وہ کسی شی کے نیچے ہو تو وہ مغلوب ہے۔ پھر ان سے دریافت کیا گیا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی! ہمارا رب کہاں ہے؟ یا کیا اس کے لئے کوئی جگہ ہے؟ تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا: تمہارا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ اس سے تمہارا مطلب اللہ تعالیٰ کی جگہ دریافت کرنی ہے۔ لہذا سنو! اللہ تعالیٰ تھا۔ لیکن مکان نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کو پیدا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر وہ پہلے تھا۔ یعنی زمان و مکان سے پاک ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میری ہی بات کہو۔ اور میری ہی طرف رہنمائی کرو۔ اور میں ہی سب کچھ ہوں۔ یہ قول بخاری شریف کی اس حدیث کے مطابق ہے:

''يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَسُبُّ ابْنُ اٰدَمَ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ ، بِيَدِى اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ''

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدمی زمانے کو برا کہتا ہے۔ حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ رات اور دن میرے ہی قبضے میں ہیں''۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

لَا تَسُبُّوْا الدَّهْرَ ، فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ

''تم لوگ زمانے کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے''۔ اور اس کی تفسیر پہلی حدیث میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ اَنْ يُّحْجِبَهٗ شَيْءٌ، وَلَوْلَاهُ لَمَا ظَهَرَ وُجُوْدُ كُلِّ شَيْءٍ؟

''کس طرح یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو کسی شی کا وجود ظاہر نہ ہوتا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ ''اور اللہ تعالیٰ نے ہر شی کو پیدا کیا اور اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا۔'' اور دوسری جگہ فرمایا:۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ ''بے شک ہم نے ہر شی کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا''۔ پس جو شی عالم شہادت میں ظاہر ہوئی، وہ عالم غیب سے نکل کر ظاہر ہوئی۔ اور جو کچھ عالم ملکوت میں ظاہر ہوا، وہ جبروت کے سمندر سے اچھل کر ظاہر ہوا۔ لہذا کل اشیاء کا وجود اسی سے ہے۔ اور اسی کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی شی کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ کل اشیاء خالص عدم ہیں۔ اور اگر ان کے وجود کا وہم کر لیا جائے۔ تو وہ سب حادث ہیں۔ فنا ہو جانے والی ہیں۔ اور عدم کو وجود کے ساتھ اور حادث کو قدیم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ اسی لئے مصنفؒ نے دونوں کے ایک ساتھ جمع ہونے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے دسویں دلیل بیان فرمائی:۔

دسویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

يَا عَجَبًا، كَيْفَ يَظْهَرُ الْوُجُوْدُ فِي الْعَدَمِ؟ اَمْ كَيْفَ يَثْبُتُ الْحَادِثُ مَعَ مَنْ لَهٗ وَصْفُ الْقِدَمِ؟

''تعجب ہے، وجود عدم کے اندر کس طرح ظاہر ہو سکتا ہے؟ یا حادث قدیم کے ساتھ کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟''

میں کہتا ہوں:۔ وجود عدم دونوں ضد ہیں۔ اور حادث و قدیم دونوں منافی (ایک دوسرے کی نفی کرنے والی) ہیں۔ لہذا دونوں ایک ساتھ نہیں پائے جا سکتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ اور اس کے سوا کل اشیاء عدم ہیں۔ لہذا جب وجود ظاہر ہوگا تو اس کی ضد عدم فنا ہو جائے گا۔ پس یہ تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جو شی عدم ہے وہ اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے؟ لہذا حق سبحانہ تعالیٰ کو باطل نہیں چھپا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ''پس یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ اور حق سے منہ

پھیرنے کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے''۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ اشیاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہٰذا حلول کا خیال باطل ہو گیا۔ کیونکہ حلول تقاضا ہے۔ دوسرے وجود کا ہونا۔ تا کہ ربوبیت کی حقیقت اس میں حلول کرے یعنی گھسے۔ اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ غیر، خالص عدم ہے۔ لہٰذا حلول کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عینیہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَنَزِّهْهُ فِي حُكْمِ الْحُلُوْلِ فَمَا لَهُ سِوًى وَاِلٰى تَوْحِيْدِهِ الْاَمْرُ رَاجِعُ

''حلول کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پاک سمجھ کیونکہ اس کا غیر نہیں ہے۔ اور کل امور اس کی توحید کی طرف لوٹتے ہیں''۔ لہٰذا قدیم اور حادث دونوں مل نہیں سکتے ہیں کیونکہ جب حادث قدیم کے قریب ہوگا تو حادث فنا ہو جائے گا اور قدیم باقی رہ جائے گا۔ ایک شخص نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا:۔ ''الحمد اللہ'' اور ''رب العالمین'' نہیں کہا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: اے برادر! اس کو پورا پڑھو۔ اس نے کہا:۔ عالمین کا کیا درجہ ہے جو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: اے برادر! اس کو پورا پڑھو۔ کیونکہ حادث جب قدیم کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے تو حادث مٹ جاتا ہے اور قدیم باقی رہتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کل اشیاء عدم کے مقام میں ہیں۔ اس لئے کہ حادث قدیم کے ساتھ قائم نہیں رہتا ہے۔ لہٰذا اتحاد کا قول باطل ہو گیا۔ اس لئے کہ اتحاد کے معنی، قدیم کا حادث کے قریب ہونا ہے۔ تا کہ دونوں مل کر ایک ہو جائیں اور یہ محال ہے کیونکہ اس کی بنیاد غیر کے وجود پر ہے۔ اور غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور عارفین جو بھی وحدت کے لئے اتحاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن فارضؒ کا کلام ہے:

وَهَامَتْ بِهَا رُوْحِيْ بِحَيْثُ تَمَازَجَتْ اِتِّحَادًا وَلَا جِرْمٌ تَخَلَّلَهٗ جِرْمٌ

''میری روح اپنی اصل پر عاشق ہوئی۔ اس حیثیت سے کہ دونوں متحد ہو کر مل گئے۔ نہ یہ کوئی جرم ہے جس کو دوسرے جرم نے خلل پہنچایا ہو''۔

لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے ملک میں واحد ہے۔ قدیم ازلی، باقی ابدی ہے۔ حلول و اتحاد سے، اور شریک وضد سے پاک ہے۔ وہ تھا اور مکان نہیں تھا۔ اور اب بھی اسی حال پر

ہے جس حال پر وہ تھا۔ وہ بلا مکان تھا۔ اور بلا مکان ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اشعار

رَاَیْتُ رَبِّی بِعَیْنِ قَلْبِیْ　　　فَقُلْتُ لَا شَکَّ اَنْتَ اَنْتَ

''میں نے اپنے رب کو اپنے قلب کی آنکھ سے دیکھا۔ تو میں نے کہا: کچھ شک نہیں کہ تو ہی تو ہے۔''

اَنْتَ الَّذِیْ حُزْتَ کُلَّ اَیْنٍ　　　بِحَیْثُ لَا اَیْنَ ثَمَّ اَنْتَ

''تو وہ ہے جس نے کل مکان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس حیثیت سے کہ کوئی مکان نہیں ہے۔ پھر بھی تو ہے۔''

فَلَیْسَ لِلْاَیْنَ مِنْکَ اَیْنٌ　　　فَیَعْلَمُ الْاَیْنُ اَیْنَ اَنْتَ

''پس کوئی مکان تیار تیرے لئے مکان نہیں ہے۔ تاکہ مکان یہ معلوم کرے کہ تو کہاں ہے''۔

وَلَیْسَ لِلْوَھْمِ مِنْکَ وَھْمٌ　　　فَیَعْلَمُ الْوَھْمَ کَیْفَ اَنْتَ

''اور وہم تیرے بارے میں وہم نہیں کر سکتا ہے۔ تاکہ وہم یہ معلوم کرے کہ تو کیسا ہے''۔

اَحَطْتَّ عِلْماً بِکُلِّ شَیْءٍ　　　فَکُلُّ شَیْءٍ اَرَاہُ اَنْتُ

''تو نے علم سے ہر شی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پس جو شی بھی میں دیکھتا ہوں تجھی کو دیکھتا ہوں''۔

وَفِیْ فَنَائِیْ فَنَا فَنَائِیْ　　　وَفِیْ فَنَائِیْ وَجَدْتُّ اَنْتَ

''اور میری فنا میں میری فنا فنا ہو گئی۔ اور اپنی فنا میں میں نے تجھ کو پایا''۔

قاضی علی بن ثورؒ کا سوال اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کے جوابات

حضرت ابوالحسن نوری سے قاضی علی بن ثور نے دریافت کیا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے کہاں ہے؟ حضرت نوریؒ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ تھا، اور کوئی مکان نہیں تھا۔ اور مخلوقات عدم میں تھیں۔ اور وہ اب بھی ویسے ہی عدم ہے جیسا کہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔ اس لئے کہ نہ کوئی جگہ ہے نہ مکان۔ پھر قاضی علی نے سوال کیا: تو یہ مکان اور مخلوقات جو ظاہر

ہیں۔ یہ کیا ہیں؟

حضرت نوریؒ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ غالب اور ظاہر ہے۔ اور قاہر بادشاہ ہے۔ اور مخلوقات اسی کے ساتھ ظاہر ہیں اسی سے صادر ہیں نہ اس سے متصل ہیں نہ اس سے جدا ہیں وہ کل اشیاء سے فارغ ہے اور کوئی شی اس سے فارغ نہیں ہے کیونکہ کل اشیاء اس کی محتاج ہیں۔ اور وہ کسی شی کا محتاج نہیں ہے۔ قاضی علی نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ لیکن آپ مجھے یہ بتایئے کہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت نوری ؒ نے جواب دیا۔ اپنے غلبے اور اختیار اور بادشاہت کا ظاہر کرنا قاضی علی نے کہا آپ نے سچ فرمایا تو مجھ یہ بتا کہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد کا ہے؟ حضرت نوریؒ نے جواب دیا مقصد وہی ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔ قاضی علی نے نے سوال کیا تو کیا وہ کافروں سے کفر چاہتا ہے؟ حضرت نوریؒ نے جواب دیا: لوگ کفر کرتے ہیں اور وہ اس کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر قاضی نے سوال کیا: آپ مجھے یہ بتائیں کہ جماعتوں اور فرقوں کے اختلاف، اور مذہبوں کی تفریق سے اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے۔ حضرت نوری ؒ نے جواب دیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پہنچانے، اور اپنی حکمت بیان کرنے، اور اپنی مہربانی مقرر کرنے، اور اپنا انصاف اور احسان ظاہر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیاں تین قسم کی ہیں۔

تجلیات خداوندی کی تین اقسام

”ایک قسم“ وہ ہے جو اس نے اس لئے ظاہر کی ہوئی ہے تا کہ عبادت اور احسان والے لوگوں میں اپنی بخشش اور احسان ظاہر کرے۔

دوسری قسم: وہ ہے جو اس نے اس لئے ظاہر کیا ہے تا کہ مومن گناہگاروں میں اپنی معافی اور برداشت ظاہر کرے۔ تیسری قسم: وہ ہے۔ جو اس نے اس لئے ظاہر کی ہے۔ تا کہ کافروں اور سرکشوں میں اپنا قہر و غضب ظاہر کرے۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کی تجلی کے راز ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہاں پہلا باب ختم ہوا

باب اول کا خلاصہ تین امور ہیں

اور اس باب کا حاصل:۔ تین امور ہیں:۔

شریعت کا عمل۔ طریقت کا عمل۔ حقیقت کا عمل

یا تم اس طرح کہو:۔ اسلام کا عمل۔ ایمان کا عمل۔ احسان کا عمل۔ اور وہ ابتدا، اور درمیان اور انتہا ہے۔ اور انتہا میں کامیابی کی علامت، ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ پس مصنفؒ نے اس باب میں سات باتوں کی ہدایت فرمائی ہے:۔

پہلی:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے، اور عمل کرنے کے باوجود عمل پر بھروسہ نہ کرنے کا حکم دیا۔

دوسری:۔ تجرید اور اسباب کے حال میں اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ رکھنے کی طرف تمہاری رہنمائی کی۔

تیسری:۔ سیر کی حالت میں تدبیر کی محنت اور کوشش میں اپنے باطن کو مشغول کرنے سے تم کو منع کیا۔ کیونکہ یہ باطن کی کدورت کا سبب ہے۔

چوتھی:۔ جو اعمال تم سے اللہ تعالیٰ نے طلب کئے ہیں۔ یعنی جن اعمال کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے۔ ان کے لئے کوشش کرنے، اور تمہاری زندگی کی جن ضروریات کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ ان کے لئے کوشش میں کمی اور بے توجہی کے لئے تم کو آمادہ کیا۔ تاکہ تمہاری بصیرت کے کھلنے کا سبب ہو۔

پانچویں:۔ تمہارے لئے جن اشیاء کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ ان میں سے جو شی تم اپنی دعا کے ذریعے طلب کرو۔ تو جس شی کے ہونے کے وقت میں ابھی دیر ہے۔ اس کے مقررہ وقت سے پہلے، اس کے جلدی حاصل ہونے کی تمنا تم نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوؤ۔

چھٹی۔ جب تم سے کسی شی کے لئے وعدہ کیا جائے۔ تو تم اس میں شک نہ کرو۔

ساتویں:۔ اللہ تعالیٰ کے تعرفات قہریہ سے جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہو۔ تم اس میں اللہ تعالیٰ

پر تہمت نہ رکھو۔ یہ اعمال مذکورہ ابتدائی درجہ والوں کیلئے ہیں۔ اور ان کے احوال کے اختلاف کے مطابق ان اعمال کی نوعیت میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔

پس مصنفؒ کے قول ''عمل پر اعتماد کی علامت'' سے ان کے قول ''اعمال قائم ہونے والی صورتیں ہیں'' تک سب شریعت کا عمل ہے۔ اور یہ اسلام کا مقام ہے۔ اور ان کے قول ''اعمال قائم ہونے والی صورتیں ہیں'' سے ان کے قول ''کل مخلوقات تاریکی ہیں'' تک طریقت کا عمل ہے اور یہ ایمان کا مقام ہے۔ اور چونکہ ان دونوں کا انحصار باطن کی صفائی اور درستی پر ہے۔ لہذا مصنفؒ نے تم کو اخلاص اور صدق کا حکم دیا۔ اور صدق اخلاص کا راز ہے۔ اور گمنامی کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اخلاص کے پیدا ہونے کا مقام اور مظہر ہے۔ اور تنہائی کا حکم دیا تا کہ تم فکر میں مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ اور مخلوقات کی صورتوں سے قلب کے آئینے کو صاف کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ عرفان کا آفتاب طلوع ہونے کے لئے تم تیار ہو جاؤ۔ پھر تمہارے لئے دروازہ کھول دیا۔ اور تمہارے اوپر حجاب دور کر دیا۔ اور فرمایا:۔ لو، اب تم ہو۔ اور تمہارا رب ہے''۔ اور یہ مضمون ان کے قول ''کل مخلوقات تاریکی ہیں'' سے آخر باب تک ہے۔ اور ہر طریقے سے تمہارے لئے حجاب کا وہم دور کر دیا۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے مصنفؒ کو اس کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنی رضامندی سے فیضیاب کرے اور ہم کو اور ہمارے احباب کو ان کے مسلک میں شامل کرے۔ آمین

اور جب کہ مصنفؒ نے تم کو بارگاہ الٰہی تک پہنچایا۔ تو اس بارگاہ کے آداب دوسرے باب میں بیان فرمایا:۔

دوسرا باب

اللہ تعالیٰ کے بارگاہ قدس کے آداب کے بیان میں

پہلا ادب:

جہالت کو ترک کرنا، اور ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے فرمایا ہے:۔

مَاتَرَكَ مِنَ الْجَهْلِ شَيْئاً مَّنْ اَرَادَ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْوَقْتِ غَيْرَ مَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ فِيْهِ۔

''اللہ تعالیٰ نے جس وقت میں جس شی کا ظاہر ہونا مقرر کیا ہے، اس وقت میں جس شخص نے اس کے سوا دوسری شی ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے جہالت میں سے کوئی کسر باقی نہیں رکھی''۔

جہالت:۔ علم کی ضد کو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ جہل بسیط۔ اور جہل مرکب۔

جہل بسیط:۔ یہ ہے کہ کوئی شخص جاہل ہو، اور اپنے کو جاہل سمجھتا ہو۔

جہل مرکب:۔ یہ ہے کہ کوئی شخص جاہل ہو، لیکن اپنے کو جاہل نہ سمجھتا ہو۔

اور بدترین جہالت:۔ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہونا، اور اس کی معرفت کے بعد انکار کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ حقیقی عارف کے آداب میں سے یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے مقام میں قائم رکھے۔ اور ان کی رفتار کے مطابق ان کے ساتھ چلے۔ یعنی تقدیر الٰہی نے تمام اشیاء کے ساتھ جو کچھ مقدر کیا ہے۔ اس کی موافقت کرے۔ لہذا جس شخص کے سامنے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو علانیہ ظاہر کر دیا، وہ کمال اور یقین کے آخری درجے میں ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں عینیہ کے مصنفؒ نے فرمایا ہے:۔

وَكُلُّ قَبِيْحٍ اِنْ نَسَبْتَ لِحُسْنِهٖ اَتَتْكَ مَعَانِي الْحُسْنِ فِيْهِ تُسَارِعُ

''اور ہر شی اگر تو اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کے حسن وخوبی کے ساتھ کرے گا تو اس شی میں تجھے اس حسن کی حقیقتیں نظر آئیں گی جن کے لئے تو دوڑتا ہے۔یعنی جس حسن کی تلاش میں تو کوشش کرتا ہے۔میں

يُكَمِّلُ نُقْصَانَ الْقَبِيْحِ جَمَالُهٗ فَمَا ثَمَّ نُقْصَانٌ وَلَا ثَمَّ بَاشِعٌ

''اللہ تعالیٰ کا جمال بری شی کے عیب ونقصان کو دور کردیتا ہے۔کیونکہ نہ وہاں نقصان ہے نہ عیب ہے۔''

حضرت ابوالحسن نوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اپنی مخلوق سے اللہ تعالیٰ کا مقصد وہی ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔لہٰذا جب اللہ تعالیٰ بندے کو کسی مقام میں قائم کردے،تو عارف پر واجب ہے کہ دل کی رضامندی اور خوشی کے ساتھ اپنے کو اسی مقام میں قائم رکھے نتیجہ جو بھی ہونا ہے ہو۔اور اگر شریعت اس کو نہ تسلیم کرے۔تو مناسب تدبیر کے ذریعے اس مقام سے نکلنے کی رغبت کے ساتھ اس میں قائم رہے۔اور انتظار کرے کہ اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ جو شخص مخلوق سے شریعت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے،تو اس کی دشمنی ان کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔اور جو شخص ان سے حقیقت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، وہ ان کو معذور سمجھتا ہے۔اور جو شخص کسی وقت میں اپنی ذات کے لئے یا اپنے غیر کے لئے کچھ ایسا ہونے کا ارادہ کرتا ہے، جو اس کے خلاف ہے جو اس وقت میں ہونے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے۔تو اس نے کل جہالت کو جمع کرلیا۔ایک ذرہ بھی جہالت کا باقی نہیں چھوڑا کیونکہ اس نے تقدیر کا مقابلہ کیا۔ اور قادر مطلق اللہ تعالیٰ سے لڑائی کی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

(اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ٥) ''بے شک آپ کا رب وہی کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے''۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

(وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ ٥) ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ لوگ اس کو نہ کرتے''۔

اور تیسری جگہ فرمایا:۔

(وَلَو شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً ط أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ o) ''اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر رہنے والے سب کے سب ایمان لے آتے'' کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے کے لئے مجبور کرتے ہیں''۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے:

''يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى:۔ مَنْ لَّمْ يَرْضَ لِقَضَائِيْ، وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ، فَلْيَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِيْ، وَلْيَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِي''

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں ہے اور میری بلاؤں پر صابر نہیں ہے ۔اس کو چاہیے کہ میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔اور میرے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنا لے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے:۔ محسوس آگ جو جلنے والی چیزوں کو جلا دیتی ہے اور باقی رہنے والی کو باقی رکھتی ہے یہ آگ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ جو کچھ ہوا، اس کے لئے میں یہ کہوں: کاش کہ ایسا نہ ہوتا'' اور جو کچھ نہیں ہوا اس کے لئے میں یہ کہوں: کاش کہ ایسا ہوتا'' حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ چالیس سال کے عرصے میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی حال میں قائم کیا ہو اور میں نے اس کو ناگوار سمجھا ہو۔یا جب ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کر دیا ہو، تو میں اس سے ناراض ہوا ہوں۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:۔ جو شخص ظاہری حقیقت والوں کو پہچانے، اور ان کے احوال کے کسی شی سے انکار و اختلاف نہ کرے۔تو وہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔اور ان کی بھلائی سے ہرگز محروم نہ ہوگا۔اور جو شخص باطنی حقیقت والوں کو پہچانے، اور ان کے احوال کے کسی شی سے اختلاف نہ کرے۔تو وہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔اور ان کی بھلائی سے ہرگز محروم نہ ہو گا۔اور عارف باللہ دونوں جماعتوں کی بھلائیاں جمع کرتا ہے۔اور ان کے ساتھ چلتا ہے۔اور ہر جماعت اپنے رنگ پر قائم رہتی ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ الشیوخ سیدی احمد یمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیض سے فیضیاب کرے) ان لوگوں میں سے تھے، جو مخلوق کے کسی حال سے انکار اور اختلاف نہیں کرتے ہیں۔ وہ ظاہری علوم میں اہل ظاہر کی شاگردی کرتے تھے اور ظاہر انہیں کے سپرد کرتے تھے اور ان کو ظاہر ہی میں قائم رکھتے تھے۔ اور اسی طرح باطنی احوال میں وہ اہل باطن کی شاگردی کرتے تھے۔ اور باطن ان کے سپرد کرتے تھے۔ اور ان کو باطن میں قائم رکھتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کو دونوں جماعتوں کی بھلائی معرفت اور حکمت حاصل ہوئی۔

بیان کیا گیا ہے:۔ ولی کامل سب طریقے اختیار کرتا ہے۔ جو کل حاجتیں پوری کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص حضرت نبی کریم ﷺ کی احادیث شریفہ میں غور کرے گا۔ وہ احادیث کو اسی طریقے پر پائے گا۔ اس لئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ عارفین کے سردار اور تربیت کرنے والوں کے پیشوا تھے۔ آپ لوگوں کو اسی طریقے اور حکمت میں قائم کرتے تھے۔ جس طریقے اور حکمت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قائم کیا تھا۔ اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی لئے تم احادیث کو ایک دوسرے سے ٹکراتا ہوا پاؤ گے۔ اور حقیقتاً کچھ ٹکراؤ نہیں ہے۔ لہذا

جب تم ذکر کی فضیلت کی احادیث دیکھو گے۔ تو کہو گے: ذکر سے افضل کوئی شئی نہیں ہے۔

اور جب تم جہاد کی فضیلت کی احادیث پڑھوتے تو کہو گے:۔ جہاد سے افضل کوئی شئی نہیں ہے۔

اور جب تم علم کی فضیلت کی احادیث پڑھو گے تو کہو گے: علم حاصل کرنے سے افضل کوئی شئی نہیں ہے۔

اور جب تم زہد اور تجرید کی فضیلت کی احادیث پڑھو گے تو کہو گے: زہد و تجرید سے افضل کوئی شئی نہیں۔

اور جب تم کسب اور اہل وعیال کی خدمت کی احادیث پڑھو گے تو کہو گے:۔ اس سے افضل کوئی شئی نہیں ہے۔

پس جس طریقے اور حکمت کی ترغیب حضرت نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔ اور اس کے لئے تم

یہی کہو گے کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے۔ وہ درحقیقت اس طریقے اور حکمت کو اختیار کرنے والے کی تسلی اور اطمینان کے لئے اس طرح ترغیب دی ہے تا کہ لوگ اس حکمت پر مضبوطی سے قائم رہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے منتقل ہونے کا حکم نہیں دیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اسی میں قائم رکھنا چاہتا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی میں قائم کیا۔ اور اس کے لئے ایسی ترغیب دی کہ ان احادیث کا سننے اور پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے۔

پس حاصل یہ ہوا:۔ عارف نہ کسی شی سے انکار و اختلاف کرتا ہے۔ نہ کسی شی سے جہالت و نادانی کرتا ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ جو کچھ ہوا، وہی سب سے بہتر ہے۔ اور اس سے زیادہ بہتر ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو کچھ پہلے مقرر ہو چکا ہے کہ اس طرح ہوگا۔ اور اس کے سوا کچھ اور ہونا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس سے بہتر کچھ نہیں ہے۔ اور انشاءاللہ اس موضوع پر عنقریب بحث آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا باب:۔ بشری رعونتوں کا ترک کرنا، اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں فرمایا:

اِحَالَتُكَ الْاَعْمَالَ عَلٰى وُجُوْدِ الْفَرَاغِ مِنْ رُعُوْنَاتِ النُّفُوْسِ

”فرصت کے باوجود اعمال کی ادائیگی میں تمہاری غفلت اور ٹال مٹول، نفس کی رعونتوں سے ہے“۔

یہ عارف کے آداب میں سے ہے کہ وہ کامل عقل اور روشن ذہن رکھنے والا ہو۔ اور کامل عقل کی علامت:۔ عمل کے لئے فرصت کو غنیمت سمجھنا اور زندگی کی قدر و قیمت سے آگاہ ہونا، اور تاخیر اور ٹال مٹول، اور امید و آرزو کے بغیر عمل میں جلدی کرنا ہے۔ اس لئے کہ عمر کا جو حصہ ختم ہو گیا، اس کا کچھ بدل نہیں ہے۔ لہذا اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور عمر کا جو حصہ موجود یا باقی ہے، وہ بہت قیمتی ہے۔ اتنا کہ اس کی قیمت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

عقل مند کون ہے؟

حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے۔

”اَلَا وَاِنَّ مِنْ عَلَامَةِ الْعَقْلِ التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَالْاِنَابَةِ اِلَى دَارِ الْخُلُوْدِ، وَالتَّزَوُّدُ لِسُكْنَى الْقُبُوْرِ، وَالتَّاهِبُ لِيَوْمِ النُّشُوْرِ“

”خبردار ہو جاؤ، عقل کی علامات میں سے یہ ہیں: دنیائے فانی سے کنارہ کشی کرنی، اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا، اور قبر میں رہنے کے لئے توشہ تیار کرنا، اور قیامت کے حساب کے لئے تیاری کرنی“۔

نیز حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

”اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا، وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ“

”عقلمند وہ ہے، جس نے اپنے نفس کو ذلیل کیا، اور آخرت کے لئے عمل کیا۔ اور احمق وہ ہے، جس کے نفس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی، اور اللہ تعالیٰ سے وہمی تمنائیں قائم کی“۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے:۔ عقلمند پر جب تک اس کی عقل مغلوب نہ ہو جائے، واجب ہے۔ کہ وہ اپنا وقت اس طرح تقسیم کرے۔ ایک وقت، اللہ عزوجل کی مناجات و عبادت کے لئے اور ایک وقت اپنے نفس کے حساب کیلئے اور ایک وقت، اللہ تعالیٰ کی صفات میں فکر کے لئے۔ اور ایک وقت، اپنے کھانے پینے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مقرر کرے۔ اور عقلمند کے لئے ضروری ہے، کہ وہ صرف تین چیزوں کے لئے سفر کرے۔ ایک آخرت کے لئے سامان تیار کرنا۔ دوسری، روزی کی تلاش اور کاروبار کی درستی۔ تیسری، غیر محرم سے نکاح اور بیوی سے ملاقات۔ اور عقلمند کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے وقت کا خیال رکھے۔ اور اپنی شان کی طرف توجہ کرے۔ اور اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ جو شخص اپنے قول کو اپنے عمل کے موافق بناتا ہے۔ اس کی باتیں کم ہو جاتی ہیں۔ وہ صرف اتنی ہی باتیں کرتا ہے جتنی ضروری اور مفید ہوتی ہیں۔

پس اعمال کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا، اور اس کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرنا، اس خیال سے کہ اس وقت تمہارے قلب یا جسم کو فرصت ہوگی، رعونت وحماقت اور دھوکا وفریب ہے۔ اور تم کو یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا کہ تم اس وقت کو پا جاؤ گے۔ حالانکہ موت تمہارے اوپر اس طرح اچانک آنے والی ہے کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ تم اس وقت کو پا جاؤ گے۔ تو دوسرے کاموں کی مشغولیت سے جو تم کو پیش آیا کرتی ہیں، تم محفوظ نہ رہو گے۔ کیونکہ تمام کاموں سے فرصت حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کے مطابق کم ہی ہوتی ہے:

"نِعْمَتَانِ، مَغْبُوْنَانِ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ : اَلصِّحَّةُ ، وَالْفَرَاغُ"

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کو اکثر لوگ ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ تندرستی اور فرصت ہے''۔

یعنی اکثر لوگ ان دونوں نعمتوں کو ضائع کر دیتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ تم اکثر لوگوں کو دنیاوی کاموں میں مشغول، یا نفسانی خواہشات میں مدہوش، یا بیماریوں میں مبتلا پاؤ گے۔ اور اکثر کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی اور فرصت عطا فرمائی ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی تندرستی اور فرصت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کیا۔ انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ اور بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور جن لوگوں نے ان دونوں نعمتوں کو ضائع کر دیا۔ وہ بہت بڑے گھاٹے میں رہے۔ اور انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی۔ لہذا وہ اس لائق ہیں کہ یہ نعمتیں ان سے چھین لی جائیں۔ اور یہ ذلت و رسوائی کی علامت ہے۔ اور اس موضوع پر مصنف ؒ کا یہ کلام عنقریب آئے گا۔

''بہت بڑی ذلت و رسوائی یہ ہے کہ تمہارے لئے رکاوٹیں اور مشغولیتیں کم ہوں پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو''۔

پس انسان پر واجب ہے کہ اپنے تعلقات اور رکاوٹوں کو ختم کرے۔ اور اپنی خواہشات کی مخالفت کرے۔ اور اپنے مولائے حقیقی کی خدمت کرنے میں جلدی کرے۔ اور دوسرے وقت کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ فقیر اپنے وقت کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا تم اس کو غور وفکر میں، یا ذکر میں، یا مذاکرہ میں، یا شیخ کی خدمت میں، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے، مشغول پاؤ گے۔

سچا فقیر

میں نے اپنے بعض برادران طریقت سے کہا: سچا فقیر وہی ہے جس کو بارگاہ الٰہی میں پہنچنے، یا بارگاہ الٰہی میں پہنچانے والے کے سوا کوئی فکر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا ادب:۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں قائم کیا ہے اسی میں قائم رہنا، اور ہر شئی سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ میں غائب ہو جانا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں فرمایا:۔

''لَا تَطْلُبْ مِنْهُ اَنْ يُّخْرِجَكَ مِنْ حَالَةٍ لِيَسْتَعْمِلَكَ ۔ فِيْمَا سِوَاهَا، فَلَوْ اَرَادَكَ لَاسْتَعْمَلَكَ مِنْ غَيْرِ اِخْرَاجٍ''

''تو اللہ تعالیٰ سے یہ نہ طلب کر کہ وہ تجھے کسی ایک حالت سے نکالے اور اس کے سوا دوسری حالت میں مشغول کرے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بغیر اسی حالت سے نکالے ہوئے تجھ کو دوسری حالت میں مشغول کر دے گا۔''

میں کہتا ہوں:۔ عارف کے آداب میں سے اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا، اور اس کے ساتھ اس کے ماسویٰ سے بے نیاز ہو جانا ہے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اس کو کسی حال میں قائم کرے۔ تو وہ اس کو حقیر نہ سمجھے۔ اور اس حال سے نکل کر دوسرے حال میں جانے کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس حال سے نکال کر دوسرے حال میں پہنچانے کا ارادہ کرے گا تو اس کے اس حال سے نکالنے کا مطالبہ کئے بغیر اس کو دوسرے حال میں پہنچا دے گا۔ لہذا اس کو اسی حال میں ٹھیرا رہے۔ جس حال میں اس کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے اس حال سے نکالنے کا متولی ہو جائے۔ جیسا کہ وہ اس کے اس حال میں داخل کرنے کا متولی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

''اور آپ کیلئے اے میرے رب مجھ کو سچائی کے حال میں داخل کر اور مجھ کو سچائی کے حال میں نکال۔

''مدخل صدق'' یہ ہے کہ تو اس مقام میں اللہ تعالیٰ کیساتھ داخل ہو اور مخرج صدق یہ ہیکہ تو اس

مقام سے اللہ تعالیٰ کیساتھ نکلے اور یہی اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کی علامات میں سے ہیں۔

عارف باللہ کی صفات

لہٰذا عارف باللہ جب مجرد ہوتا ہے تو نکاح کی تمنا نہیں کرتا اور اگر وہ شادی شدہ ہوتا ہے تو جدا ہونے کی تمنا نہیں کرتا ہے۔ اور اگر وہ تندرست ہے تو مرض کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ مریض ہے تو وہ تندرستی کی خواہش نہیں کرتا اور وہ فقیر ہے تو وہ دولت کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ دولت مند ہے تو وہ فقیری کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ عزت والا ہے تو ذلت کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ ذلیل ہے تو عزت کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ قبض کی حالت میں ہے تو وہ بسط کی خواہش نہیں کرتا ہے اور اگر وہ بسط کی حالت میں ہے تو قبض کی خواہش نہیں کرتا ہے اور وہ طاقتور ہے تو کمزوری کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ کمزور ہے تو طاقت کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ مسافر ہے تو قیام کی خواہش نہیں کرتا اور اگر وہ مقیم ہے تو وہ سفر کی خواہش نہیں کرتا اور اسی طرح باقی احوال بھی ہیں اسکی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے اور وہ اپنے نفس کے فنا ہونے کی وجہ سے یہ نہیں سوچتا ہے کہ وہ اپنے نفس کیلئے کیا کرے بلکہ وہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں مردے کی طرح یا انگلیوں کے درمیان قلم کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ عینیہ کے مصنف نے فرمایا ہے۔

اَرَانِیْ کَالْاٰلَاتِ وَھُوَ مُحَرِّکِیْ　　اَنَا قَلَمٌ وَالْاِقْتِدَارُ اَصَابِعُ

''میں اپنے کو آلات (پرزوں) کی طرح دیکھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھ کو حرکت دینے والا ہے۔ میں قلم ہوں۔ اور قلم چلانے والی طاقت انگلیاں یعنی مشیت الٰہی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ) ''اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور لوگوں کے لئے جو بہتر ہوتا ہے وہ اختیار کرتا ہے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔

(وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ) ''اور تم لوگ وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔

بندے اک تیری خواہش ہے اک میری خواہش ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔ اور فرمایا: اے داؤد! تم بھی ارادہ کرتے ہو۔ اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں۔ اور ہوگا وہی جو میں ارادہ کرتا ہوں۔ لہذا اگر تم نے میرا رادہ تسلیم کر کے اپنے کو میرے سپرد کر دیا تو میں تمہارا ارادہ پورا کر دوں گا۔ اور اگر تم نے میرا ارادہ نہ تسلیم کیا۔ اور اپنے ہی ارادے پر قائم رہے تو میں تمہارے ارادہ میں تم کو تھکا دوں گا۔ اور تم کو تکلیف میں مبتلا کر دوں گا۔ اور ہوگا وہی جو میرا ارادہ ہے۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔ "جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ" جو کچھ تیرے سامنے آنے والا ہے وہ لکھ کر قلم خشک ہو گیا"۔ اور دوسری حدیث میں ہے:(جَفَّتِ الْاَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ) "قلم خشک ہو گئے اور صحیفے (نوشتہ تقدیر) لپیٹ دیئے گئے"۔

ولایت کی حقیقت؟

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی احمد یمانی رضی اللہ عنہ نے، جب ان سے ان کے اصحاب نے ولایت کی حقیقت دریافت کی، فرمایا:۔ ولایت کی حقیقت یہ ہے کہ اگر ولی سایہ میں بیٹھا ہو، تو اس کا نفس دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش نہ کرے اور اگر وہ دھوپ میں بیٹھا ہو تو اسکا نفس میں بیٹھنے کی خواہش نہ کرے اور ایسا پورے اختیار کے ساتھ ہو۔ نہ کہ ضروری حکم کے ساتھ۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے: ولی کامل کی ایک صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس حال میں قائم کرے، وہ صرف اسی کا محتاج رہے۔ یعنی قدرت کی اصل سے جو کچھ ظاہر ہو، وہی اس کا مقصود ہو۔ اس کا نفس اس کے سوا دوسرے حال کی خواہش نہ کرے۔

میں کہتا ہوں:۔ جب عارف کے اندران امور میں سے کوئی شی جلوہ گر ہو۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا، تو اس کو انتظار اور صبر کرنا چاہیے۔ تا کہ ظاہری یا باطنی اشارہ یا ظاہری یا باطنی ہاتف (غیبی آواز) کے ذریعے بخوبی یہ سمجھ لے کہ یہ **اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے**۔ اور غیبی آوازوں یا اشاروں کی طرف اس کو خاموشی سے اچھی طرح متوجہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

اس کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ الہامی خطاب کے ذریعے اس کو آگاہ کر دیتا ہے۔ اور یہ معاملہ عارفین کے نزدیک تجربہ شدہ صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین اللہ و رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر کچھ تصرف نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اہل جمع کے نزدیک فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین۔

اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ جس حال میں وہ ہے، وہ شریعت کے موافق ہو۔ ورنہ جس طریقے پر ممکن ہو، اس سے نکلنے کی طلب کرنی چاہیے۔

چوتھا ادب:۔ مخلوقات سے ہمت کو بلند رکھنا، اور عرفان کے مقام میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنا، اور ہر شی پر اللہ تعالیٰ سے استدلال کرنا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں فرمایا:۔

مَا اَرَادَتْ هِـمَّةُ سَالِكٍ اَنْ تَقِفَ عِنْدَ مَا كُشِفَ لَهَا اِلَّا وَنَادَتْهُ هَوَاتِفُ الْحَقِيْقَةِ: اَلَّذِیْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ ، وَلَا تَبَرَّجَتْ ظَوَاهِرُ الْمُكَوَّنَاتِ اِلَّا وَنَادَتْهُ حَقَائِقُهَا:۔ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول!

"جب سالک کے سامنے کوئی مقام کھولا جاتا ہے۔ اور سالک کی ہمت اس مقام میں ٹھہرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ تو حقیقت کی غیبی آوازیں اس کو پکارتی ہیں:۔ تو جس کو طلب کرتا ہے وہ ابھی اور آگے ہے"۔ اور جب مخلوقات کی ظاہری شکلیں آرائش و زیبائش کے ساتھ اس کے سامنے آتی ہیں۔ تو ان کی حقیقتیں اس کو پکارتی ہیں:۔ ہم درحقیقت آزمائش ہیں۔ پس تو کفر نہ کر"۔

سالک کی ہمت: سیر کے لئے آمادہ کرنے والی قوت کا نام ہے۔ اور اس کا کسی مقام میں ٹھہرنا:۔ اس کا یہ یقین کرنا ہے کہ جس مقام میں وہ پہنچا ہے، یہی آخری مقام ہے۔ یا یہی کافی ہے۔

تبرج:۔ کسی شی کا اپنی طرف مائل کرنے کے ارادے سے آرائش و زیبائش کے ساتھ سامنے آنا ہے۔

مخلوقات کا ظاہر:۔ ان کی ظاہری شکل کی زینت اور حکمت ہے۔ اور ان کا سامنے آنا:۔ سالک کی ہمت کے زیر اثر اپنی عادت کے خلاف ہونا اور سالک کے حکم کی اطاعت کرنی ہے۔ اسی کا

نام کرامت ہے۔

مخلوقات کی حقیقت:۔ ان کا باطنی نور ہے۔اور وہ ان کے اندر حقیقت کی تجلی ہے۔

سالک راہ

میں کہتا ہوں: سالک وہ ہے جو اثر کا مشاہدہ کرتا ہے۔پس اگر وہ اپنے نفس میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ فقط سالک ہے۔اور وہ سیر کی حالت میں ہے۔اور اگر وہ اثر کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔تو وہ سالک مجذوب ہے۔اور جو مقامات وہ طے کرتا ہے، وہ تین ہیں:

پہلا مقام:۔ فنافی الافعال۔افعال میں فنا ہونا۔ دوسرا مقام: فنافی الصفات۔صفات میں فنا ہونا۔ تیسرا مقام:۔فنافی الذات۔ذات میں فنا ہونا۔

یا تم اس طرح کہو:۔ فنافی الاسم نام میں فنا ہونا۔فنافی الذات، ذات میں فنا ہونا۔فنافی الفناء فنا میں فنا ہونا۔اور یہ بقا کا مقام ہے۔پھر اس کے بعد ایسی ترقی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔پس جب توحید افعالی کا راز سالک کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔اور وہ اس کی لذت چکھتا ہے۔اور اس کی ہمت اس مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتی ہے۔تو فنافی الصفات کی حقیقت کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں۔تیرا مطلوب ابھی اور آگے ہے"۔

اور جب سالک ترقی کر کے فنافی الصفات کے مقام میں پہنچتا ہے۔اور توحید صفاتی کا راز اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔اور وہ فنائے صفاتی کا شرف حاصل کرتا ہے۔اور اس کی ہمت اس مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتی ہے۔تو فنافی الذات کی حقیقت کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں۔تیرا مطلوب ابھی اور آگے ہے"۔

اور جب سالک ترقی کر کے فنافی الذات کے مقام میں پہنچتا ہے۔اور توحید ذاتی کا راز اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔اور اس کی ہمت اس مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتی ہے۔تو فنافی الفنا، یا بقاء کی حقیقت کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں:۔ تیرا مطلوب ابھی اور آگے ہے"۔

اور جب سالک بقاء کے مقام میں پہنچتا ہے۔تو غیبی علوم کے ہاتف اس کو پکار کر کہتے ہیں:

(وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا) "اور تم کہو اے میرے رب مجھے علم میں زیادہ کر"

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ"

"میں تیری مدح وثنا کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے اپنی مدح وثنا کی ہے"۔

یا تم اس طرح کہو:۔ جب سالک کے سامنے فنافی الاسم کا مقام ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ عمل اور ذکر کی لذت پا کر اسی مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو فنافی الذات کی حقیقتوں کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں:۔

تیرا مطلوب ابھی اور آگے ہے" اور جب وہ ترقی کر کے فنافی الذات کے مقام میں پہنچتا ہے لیکن ابھی تمکین کے مقام تک اس کی رسائی نہیں ہوتی ہے تو وہ اس مقام کی لذت پا کر اسی پر قناعت کرتا ہے۔ اور اس کی ہمت اس مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ تو تمکین کے مقام کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں: تیرا مطلوب ابھی اور آگے ہے"۔ اسی طرح ہر مقام اپنے سے پہلے مقام پر ٹھیرنے والے کو آگے بڑھنے کے لئے پکارتا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (یَااَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ) "اے یثرب کے رہنے والو! تمہارے لئے ٹھیرنے کا مقام نہیں ہے"۔ اور جب مخلوقات کی ظاہری شکلیں اپنی آرائش وزیبائش کے ساتھ سالک یا عارف کے سامنے اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی عادتوں کے خلاف ظاہر ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنی ہمت سے ان میں تصرف کرتا ہے۔ جیسے پانی پر چلنا، اور ہوا میں اڑنا، اور پانی جاری ہونا، اور کھانا حاضر کرنا وغیرہ محسوس کرامات کا ظاہر ہونا۔ اور سالک کی ہمت ان کی اس ظاہر حالت کے ساتھ ٹھیرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ اور ان کی محسوس لذت میں مشغول ہوتی ہے۔ تو ان مخلوقات کی باطنی حقیقت کے ہاتف اس کو پکارتے ہیں۔ ہم تمہارے لئے آزمائش ہیں۔ ہمارے ذریعے تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے۔ تو کیا تم مخلوقات کے مالک اور خالق کی، جو ان کے اندر جلوہ گر ہے۔ معرفت ترک کر کے انہیں مخلوقات پر قناعت کر لو گے؟ یا ان مخلوقات کے ظاہر سے منہ پھیر کر ان کے باطنی نور، اور ان کے مالک اور جاری کرنے والے کے مشاہدہ کی طرف بڑھو گے؟ پس تم کفر نہ کرو۔ اور ان میں جلوہ گر مالک وخالق سبحانہ تعالیٰ کا

دیدہ دانستہ انکار نہ کرو۔ کیونکہ انکار میں مبتلا ہونے سے تمہارا شمار جاہلوں یعنی کافروں میں ہوگا۔

مقامات اور ان میں سیر کی مثال

حضرت ساحلیؒ نے اپنی کتاب بغیہ میں ان مقامات اور ان میں سیر کرنے کی مثال اس طرح بیان کی ہے: اس کی مثال یہ ہے: مشرق میں ایک بادشاہ ظاہر ہوا۔ اور اپنی کتاب دے کر اپنے رسول یعنی قاصد کو ہمارے پاس بھیجا۔ اس رسول نے بادشاہ کی کتاب پڑھ کر ہمیں سنائی۔ اور بادشاہ کے انعامات و اکرامات (بخششیں) بیان کر کے اس کی اطاعت کرنے اور اس کے پاس پہنچنے کے لئے ہم کو بہت زیادہ شوق دلایا۔ پس آدمیوں میں سے کچھ لوگوں نے اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کیا۔ یہی لوگ کافر ہیں۔ اور آدمیوں میں سے کچھ لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اور اس رسولؑ پر ایمان لائے لیکن انہیں بادشاہ کے دربار تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ یہ عام مسلمان اور کمزور محبت اور یقین والے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کے دل میں بادشاہ سے ملاقات کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس کی بارگاہ میں جانے کے لئے آمادہ ہوئے۔ تو رسولؑ نے ان سے کہا ہم تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔ اور راستہ بھر اچھی طرح تمہاری رہنمائی کریں گے۔ پس ان لوگوں نے رسول کو امام اور رہنما بنا کر اپنے آگے کیا۔ اور اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر آئی کہ بادشاہ نے راستے میں ہر منزل پر شہر بنا رکھا ہے اور اپنے دربار میں آنے والوں کے ٹھیرنے کے لئے بہترین مکانات بنائے ہیں۔ اور ہر منزل اپنے پہلے والی منزل سے بہت بڑی اور عظیم الشان ہے۔ اور اس کی بارگاہ تک ہر منزل میں ایسے انتظامات ہیں۔ تو جب یہ لوگ پہلی منزل میں اترتے ہیں اور اس کی شان و شوکت، اور خوبصورتی و آرام کو دیکھتے ہیں۔ تو اسی منزل میں ٹھیر جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو بادشاہ کا رسول جو ان کے ساتھ ہے۔ ان سے کہتا ہے: تمہاری مطلوبہ منزل ابھی اور آگے ہے۔'' پھر وہ رسول ان لوگوں کو اس منزل سے آگے لے جاتا ہے پھر جب وہ لوگ دوسری منزل میں پہنچتے ہیں تو اس کو پہلے سے بڑا اور عظیم الشان پاتے ہیں تو وہ اس مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ لیکن بادشاہ کا رسول ان کو اور آگے لے جاتا ہے۔ اسی طرح وہ رسول ان لوگوں کو یکے بعد دیگرے ساری منزلیں طے کراتے ہوئے لیجا کر بادشاہ کے حضور میں کھڑا کر دیتا

ہے۔ پھر وہ رسول ان لوگوں سے فرماتا ہے: لو اب تم ہو، اور یہ تمہارا رب ہے''۔ پس اب وہ لوگ تھکن اور مشقت سے نجات پا کر آرام کرتے ہیں۔ اور ہم نشینی اور دیدار کا لطف اٹھاتے ہیں۔

اور رسول سے مراد: حضرت نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور ان کے خلفاء ہیں۔ جو قدم بقدم ان کے متبع اور شریعت و حقیقت کے جامع ہیں۔ اور منزلیں وہ مقامات ہیں جن کو حقیقت کا ارادہ کرنے والا مرید طے کرتا ہے اور طویل ہونے کے خوف سے یہ مثال مختصر کر کے بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام میں ان مقامات اور کرامات میں نہ ٹھہرنے کی تنبیہ فرمائی ہے:

فَلَا تَلْتَفِتْ فِي السَّيْرِ غَيْرًا وَ كُلُّ مَا سِوَى اللّٰهِ غَيْرَ فَاتَّخِذْ ذِكْرَهٗ حِصْنَا

''پس تم مقامات کی سیر میں غیر کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کل اشیاء غیر ہیں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قلعہ بنا لو''۔

وَكُلُّ مَقَامٍ لَا تَقُمْ فِيْهِ اِنَّهٗ حِجَابٌ فَجِدِّ السَّيْرَ وَاسْتَنْجِدِ الْعَوْنَا

''اور کسی مقام میں نہ ٹھہرو۔ کیونکہ سارے مقامات حجاب ہیں۔ لہٰذا تم سیر کی رفتار تیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو''

وَمَهْمَا تَرٰى كُلَّ الْمَرَاتِبِ تُجْتَلٰى عَلَيْكَ فَحُلْ عَنْهَا فَعَنْ مِثْلِهَا حُلْنَا

''اور جب تم یہ دیکھو کہ کل مرتبہ تمہارے اوپر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ تو تم وہاں سے گزر جاؤ کیونکہ اس قسم کے مقامات سے ہم بھی گزرے ہیں''۔

وَقُلْ لَيْسَ لِيْ فِيْ غَيْرِ ذَاتِكَ مَطْلَبٌ فَلَا صُوْرَةٌ تُجْلٰى وَلَا طُرْفَةٌ تُجْنٰى

''اور تم یہ کہو کہ مجھ کو تیرے غیر سے کچھ مطلب نہیں ہے۔ پھر نہ کوئی صورت ظاہر ہوگی۔ اور نہ کوئی لمحہ ضائع ہوگا''۔

جاننا چاہیے کہ یہ آداب جن کا بیان مصنف ؒ نے اس باب میں فرمایا ہے۔ کبھی یہ عارف کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ اور کبھی غیر عارف یعنی سالک بھی ان میں شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے مصنف ؒ نے ان کو وسیع عبارت میں بیان فرمایا ہے تا کہ یہ عام رہیں۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید

کسی مقام میں ترقی کرتا ہے تو پہلے مقام کی کچھ کسر اس میں باقی رہ جاتی ہے۔ لہذا وہ اسے اس مقام میں پوری کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچواں ادب: طلب کی حیثیت سے طلب کا ترک کرنا ہے۔ اور یہ بیان عنقریب آئے گا۔ ادب، اکثر اوقات طلب کے ترک کرنے کی طرف عارفین کی رہنمائی کرتا ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا:

طَلَبُكَ مِنْهُ اِتِّهَامٌ لَهُ، وَطَلَبُكَ لَهُ غَيْبَةٌ مِّنْكَ عَنْهُ، وَ طَلَبُكَ غَيْرَهُ لِقِلَّةِ حَيَائِكَ مِنْهُ، وَطَلَبُكَ مِنْ غَيْرِهٖ لِوُجُوْدِ بُعْدِكَ مِنْهُ۔

''تمہارا اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا، اس کو تہمت لگانی ہے۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا، تمہارے نفس کے باقی رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غائب ہونے کی بناء پر ہے۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر کو طلب کرنا، اللہ تعالیٰ سے تمہاری حیا کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر سے طلب کرنا، اللہ تعالیٰ سے تمہارے دور ہونے کی وجہ سے ہے''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ سے تمہارا طلب کرنا (مانگنا) رونے اور گڑگڑانے کے ساتھ ہوگا۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا، بحث و استدلال کے ساتھ ہوگا۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر کو طلب کرنا، اس کو پہچاننے اور اس کے سامنے ہونے کے ساتھ ہوگا۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر سے طلب کرنا، (مانگنا) خوشامد اور سوال کے ساتھ ہوگا۔ اور ان سب کا حاصل چار ہیں:۔ پہلا: اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا۔ دوسرا: اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا۔ تیسرا: باطل کو طلب کرنا۔ چوتھا: باطل سے طلب کرنا۔

تمہارا اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا (مانگنا): اس کے اوپر تہمت لگانی ہے۔ کیونکہ تم نے اس سے اس خوف سے طلب کیا ہے کہ وہ تم کو چھوڑ دے گا۔ یا تمہاری طرف سے غافل ہو جائے گا۔ پس تنبیہ اس کو کی جاتی ہے جس کی صفت غافل ہونا بھی ہو۔ اور یاددہانی اس کو کی جاتی ہے کہ جس کے لئے چھوڑ دینا ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝) ''اور اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں

ہے۔''اور دوسری جگہ فرمایا(اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ) ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے''۔

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِىْ عَنْ مَسْئَلَتِىْ ، اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِىْ السَّائِلِيْنَ

''جس شخص کو میرے ذکر کی مشغولیت نے مجھ سے مانگنے سے غافل کر دیا۔ میں نے اس کو اس سے زیادہ دیا جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں''۔

لہذا عارفین کے نزدیک تقدیر کے احکام کے ماتحت سکون، رو کر اور گڑ گڑا کر مانگنے سے افضل ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: سچا فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی ایسی حالت نہ باقی ہو جس کو وہ طلب کرے۔ اور اگر کسی حالت کے لئے طلب کرنا ضروری ہو جائے تو معرفت طلب کرلے۔

میں کہتا ہوں: عارفین جب دعا کرتے ہیں تو وہ درحقیقت عبودیت اور حکمت کے لئے کرتے ہیں نہ کہ قسمت کا حصہ طلب کرنے کے لئے۔ کیونکہ قسمت میں تمہارے لئے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ تمہیں ضرور ملے گا اور اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ وہ تمہیں اس کے پانے سے روک دے۔ تو وہ تمہاری دعا نہ قبول کرے گا۔ اور دعا کے بارے میں صوفیائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ کیا خاموشی بہتر ہے یا دعا کرنا؟ اور تحقیق یہ ہے کہ وہ اس حالت پر نظر رکھے جو اس کے اندر ظاہر ہو۔ اور جس کے لئے شرح صدر ہو۔

اور تمہارا اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا: تو یہ اپنے نفس کے وجود کے باعث تمہارے اللہ تعالیٰ سے غائب ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر تمہارا قلب حاضر ہوتا اور تم اپنے نفس اور وہم سے غائب ہوتے تو تم اس کے غیر کو نہ پاتے۔

اَرَاكَ تَسْئَلُ عَنْ نَجِدٍ وَّاَنْتَ بِهَا وَعَنْ تِهَامَةَ هٰذَا فِعْلُ مُتَّهِمٍ

''میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نجد اور تہامہ کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ حالانکہ تم یہاں موجود ہو۔ تمہارا یہ فعل تہمت لگانے والے کا فعل ہے''۔

(شاعر نے مجنوں کے بارے میں کہا ہے کہ تم نجد و تہامہ کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ حالانکہ تم یہاں موجود ہو۔ یہ تہمت لگانے والے کا کام ہے۔ یہاں یہ شعر مثال کے طور پر لائے ہیں۔ کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا طالب اگر اس کے متعلق پوچھتا ہے تو اس کا یہ فعل تہمت لگانے والے کا فعل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں موجود ہے۔ حضرت ابن مرحل سبتی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے)

وَمِنْ عَجَبٍ اَنِّی اَحِنُّ اِلَیْهِمْ وَاَسْاَلُ شَوْقاً عَنْهُمْ وَهُمْ مَعِیْ

''اور تعجب ہے کہ میں ان کے شوق و محبت میں ان کی طرف چلتا ہوں اور ان کے متعلق پوچھتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہیں۔''

وَتَبْكِیْهِمْ عَیْنِیْ وَهُمْ بِسَوَادِهَا وَیَشْكُوْ النَّوٰی قَلْبِیْ وَهُمْ بَیْنَ اَضْلُعِیْ

''اور میری آنکھ ان کے لئے روتی ہے حالانکہ وہ اس کی سیاہی میں موجود ہیں۔ اور میرا قلب جدائی کی شکایات کرتا ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان موجود ہیں'' اور حضرت رفاعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

قَالُوْ اَتَنْسَی الَّذِیْ تَهْوٰی فَقُلْتُ لَهُمْ یَا قَوْمِ مَنْ هُوَ رُوْحِیْ كَیْفَ اَنْسَاهُ

''لوگوں نے مجھ سے کہا: کیا تم جس سے محبت کرتے ہو اس کو بھول جاتے ہو؟ میں نے انہیں جواب دیا: اے قوم! وہ میری روح ہے۔ میں اس کو کیسے بھول سکتا ہوں۔''

وَكَیْفَ اَنْسَاهُ اَلْاَشْیَا بِهٖ حَسُنَتْ مِنَ الْعَجَائِبِ یَنْسَی الْعَبْدُ مَوْلَاهُ

''اور میں اس کو کیسے بھول سکتا ہوں جب کہ کل اشیاء اسی کے ذریعے خوبصورت ہیں۔ تعجب ہے کہ غلام اپنے آقا کو بھول جائے۔''

مَا غَابَ عَنِّیْ وَلٰكِنْ لَسْتُ اَبْصُرُهٗ اِلَّا وَقُلْتُ جِهَاراً قُلْ هُوَا اللّٰهُ

''وہ مجھ سے غائب نہیں ہے لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا ہوں مگر میں علانیہ کہتا ہوں:۔ کہو، وہ اللہ ہے''۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر کو طلب کرنا، یعنی اسکے غیر کی معرفت چاہنی۔ تو یہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے شرم کی کمی، اور اس سے تمہاری محبت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے

تمہارے شرم کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ تم کو اپنی بارگاہ قدس کی طرف بلاتا ہے۔ اور تم اس سے غفلت کی طرف بھاگتے ہو۔ اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو۔ بادشاہ اس کے سامنے اور اس کی طرف متوجہ ہو۔ لیکن وہ دربار سے نکلنے کا ارادہ کرے اور دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔ تو یہ اس کے شرم کی کمی، اور بادشاہ کی طرف توجہ نہ کرنے کی دلیل ہے۔ لہذا وہ اس لائق ہے کہ اس کو دروازے سے باہر نکال دیا جائے اور جانوروں کی خدمت پر لگا دیا جائے۔

عارفین نے فرمایا ہے: جو شخص اپنی معرفت کو مشہور کرتا ہے۔ تم اس کی معرفت کا انکار کر دو۔ اور جو شخص معرفت حاصل کرنا نہ چاہے تم اس کو معرفت کی تعلیم نہ دو۔ اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری محبت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اس سے محبت کرتے، تو تم اس کی مخلوق سے نفرت کرتے۔ پس اس حال میں کہ تم ان سے نفرت کرتے، تمہاری طرف سے ان کی معرفت کی خواہش کا خیال بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس یہاں اس کے برعکس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری محبت مخلوق سے تمہاری نفرت کا سبب ہے۔ اور آدمیوں سے انسیت چاہنا مفلسی کی علامت ہے۔

طریقت کے اصول

تمہارا مخلوق سے کنارکشی کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اور تمہارا مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیر لینا ہے۔ اور عارفین نے مخلوق کی طرف سے منہ پھیرنے کو طریقت کے اصول میں شمار کیا ہے۔ اور تمہارا اس کے غیر سے طلب کرنا: اس سے تمہارے دور ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ اگر تم کو اپنے سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا یقین ہوتا۔ جب کہ وہ کریم (بخشش کرنے والا) ہے تو تمہیں اس کے غیر سے سوال کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ جب کہ اس کا غیر، کمینہ و بخیل ہے۔ اور اس کا مفصل بیان مناجات میں آئے گا۔ جب کہ مصنف ؒ کے اس قول کی تشریح کی جائے گی۔ یا کس طرح تیرے غیر سے طلب کیا جائے۔ جب کہ تو نے احسان اور بخشش کی عادت ختم نہیں کی ہے؟''

بعض آسمانی کتابوں میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جب میرے بندے کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ اس کو میرے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور میں یہ معلوم کر لیتا ہوں کہ وہ

خلوص نیت سے میرے سامنے پیش کر رہا ہے۔تو اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اس کو گھیر لیں اوراس کی حاجت کے لئے رکاوٹ بنیں تب بھی میں اس کے کام میں کشائش، اوراس گھیرے سے اس کے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہوں۔ اور جب میرے بندے کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ اس کو میرے غیر کے سامنے پیش کرتا ہے تو زمین اس کے نیچے ہوتی ہے۔اور آسمان اس کے اوپر گرادیا جاتا ہے۔ اور میرے اوراس کے درمیان وسائل ختم ہو جاتے ہیں۔یا جس طرح فرمایا ہو۔کیونکہ زمانہ دراز گزرنے کی بناء پر صحیح الفاظ کا تعین کرنا دشوار ہے۔ لہذا حاصل یہ ہوا: اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا، اوراس کی معرفت میں قائم ہونا، اوراس کے ماسوا سے بے نیاز ہونا ادب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

''چھٹا ادب:۔ قضاو قدر کے فیصلے کو تسلیم کرنا، اوراس پر راضی رہنا ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے فرمایا:۔ (مَا مِنْ نَّفْسٍ تُبْدِیْهِ اِلَّا وَلَهٗ قَدَرٌ فِیْكَ یُمْضِیْهِ) ''تمہارے ہر سانس کے وقفے میں تمہارے بارے میں قضاو قدر کا کوئی نہ کوئی حکم صادر ہے''۔

تقدیر

قدر: وہ علم ہے جو مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے ہو چکا ہے۔اور کل اشیاء کے وقتوں، اور ان کی جگہوں، اوران کی مقداروں اوران کے افراد کی تعداد، اوران کو پیش آنے والی کیفیتوں، اور ان پر نازل ہونے والی آفتوں، کا مکمل علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لہذا اے انسان! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ہر سانس پر قدر کا حکم نافذ ہے۔اور تم سے اور تمہارے غیر سے جو سانس بھی نکلتا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی ہو چکا ہے۔اوراس پر اس کا قلم چل چکا ہے۔تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم قدر کے جاری کئے ہوئے ہر حکم پر راضی رہو۔کیونکہ تمہارے سانس شمار کئے ہوئے ہیں اور تمہارے طرفات ولحظات (سکنڈو منٹ) گھرے ہوئے ہیں۔لہذا جب تمہاری آخری سانس ختم ہو جائے گی۔تو تم اپنی آخرت کی طرف کوچ کر جاؤ گے۔پس جب تمہارے سانس گنے ہوئے ہیں تو قدموں، اور خیالوں اوران کے علاوہ دوسرے تصرفات کے بارے میں تمہارا کیا حال ہو گا۔اسی

حقیقت کے بارے میں ایک عارف کلام ہے:۔

مَشِيْنَا خَطًّا كُتِبَتْ عَلَيْنَا وَمَنْ كُتِبَتْ عَلَيْهِ خَطًّا مَشَاهَا

''ہم اتنا ہی قدم چلے جتنا ہمارے مقدر میں لکھا گیا تھا اور جس شخص کے مقدر میں جتنا لکھا گیا ہے وہ اتنا ہی چلے گا۔

وَمَنْ قُسِمَتْ مَنِيَّتُهُ بِاَرْضٍ فَلَيْسَ يَمُوْتُ فِي اَرْضٍ سِوَاهَا

''اور جس شخص کی موت جس سرزمین میں مقدر ہو چکی ہے وہ اس سرزمین کے سوا دوسری جگہ نہیں مرے گا۔

رضا:۔ کی حقیقت یہ ہے کہ خطروں اور آفتوں کا سامنا خندہ پیشانی سے کرے۔

تسلیم:۔ کی حقیقت یہ ہے کہ تکلیف اور آرام کو برابر سمجھے۔ اس حیثیت سے کہ دونوں میں سے کسی ایک میں اپنے اختیار سے نہ قائم ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سپرد کرے۔ اور یہ ان کاملین کا مقام ہے جو فنا میں قائم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ذکر سے فیض یاب کرے۔ اور ہمیں ان کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین

ساتواں ادب:۔ ہمیشہ مراقبہ کرنا، اور برابر مشاہدے میں رہنا ہے جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اِس قول میں فرمایا ہے:۔

''لَا تَتَرَقَّبْ فَرَاغَ الْاَغْيَارِ فَاِنَّ ذَالِكَ يَقْطَعُكَ عَنْ وُجُوْدِ الْمُرَاقَبَةِ لَهٗ فِيْمَا هُوَ مُقِيْمُكَ فِيْهِ''

''تم اغیار سے فرصت پانے کا انتظار نہ کرو۔ کیونکہ یہ انتظار تم کو اللہ تعالیٰ کے مراقبے سے اس حال میں مشغول ہونے کی بناء پر جدا کر دے گا، جس حال میں تم کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے''۔

مراقبہ:۔ کے معنی، حفاظت کرنی۔ اور مراقبہ قلب پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی دوام حضور پر قلب کی حفاظت کرنی۔ اور روح پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی دوام شہود پر روح کی حفاظت کرنی۔ اور سر پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی دوام ترقی وادب پر سر کی حفاظت کرنی۔

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ تم کو کسی ایسے حال میں قائم کرے جس میں غلبہ جس کی وجہ سے

اغیار کا وجود غالب ہو۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ تم کو بظاہر کسی دنیاوی شغل میں قائم کرے جس سے تمہارے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے دوام حضور میں اپنے قلب کی حفاظت کی کوشش کرو۔ تاکہ غفلت تم کو چرا نہ لے۔ یا تم اللہ تعالیٰ کے دوام شہود میں اپنی روح کی حفاظت کی کوشش کرو۔ تاکہ حس تم کو نہ چرا لے۔ یا تم اپنے سر کو بخششوں اور علوم سے مدد طلب کرنے میں مشغول رکھنے کی کوشش کرو۔ تاکہ اس میں کوئی فتور نہ واقع ہو۔ اور اغیار سے اپنے ہاتھ کے کام کے ختم ہونے تک، فارغ ہونے کا انتظار نہ کرو۔ ورنہ تمہارے ہاتھ کا کام ختم ہونے تک تمہارے قلب کا حضور ملتوی ہو جائے گا۔ لہذا اس حال میں جس میں تم کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے تمہارے اندر سے مراقبے کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اور یہ تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہوگی۔ نیز اس حال میں اس وقت کا ضائع کرنا، اور اس کا اللہ تعالیٰ کے معاملے سے خالی ہونا ہے۔ اور گزرے ہوئے وقتوں کی قضا ممکن نہیں ہے۔

میرے پاس یہ خبر پہنچی ہے کہ ہمارے شیخ الشیوخ سیدی حضرت ولائے عربی رضی اللہ عنہ جب اپنے اصحاب (مریدین) کو کسی کام میں مشغول دیکھتے تھے اور انہیں ان کی طرف سے یہ خوف ہوتا کہ حس ان کو چرا نہ لے۔ تو وہ ان کو بلند آواز سے ''انت انت'' یعنی تم ہوشیار رہو' پکارتے تھے اور وہ اس طرح ان کو تنبیہ کرنے، اور حس کے شہود سے ہوشیار کرنے کے لئے کرتے تھے۔

اور حضرت شعرانی رضی اللہ عنہ نے عہود میں اپنے بعض شیوخ کا حال بیان کیا ہے: وہ لوگوں کی محفل میں بھی اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہوتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنے والے عارفین کی یہی شان ہے اور جمع الجمع کی یہی حالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: یہ قول حضرت مصنف ؒ کے پہلے گزرے ہوئے اس قول کے ساتھ تکرار نہیں ہے۔ فرصت کے باوجود اعمال کے بجالانے میں تمہاری غفلت اور ٹال مٹول نفس کی رعونتوں سے ہے'' کیونکہ وہ قول جسمانی اعمال کے بارے میں ہے۔ اور یہ قول قلبی اعمال کے بارے میں ہے۔ اور اس پر دلیل اس جگہ کی عبارت میں مراقبہ کا لفظ اور وہاں کی عبارت میں اعمال کا لفظ ہے۔ اور فائدہ پہنچانا دوہرانے سے بہتر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور جب تمہیں اغیار کے حال میں مراقبہ یا مشاہدہ حاصل ہو جائے تو جو کدورتیں یعنی سختیاں یا مصیبتیں تمہارے سامنے آئیں، تم ان کو انوکھی اور تعجب خیز نہ سمجھو۔ تا کہ تم انکار میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

مصنف ؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

لَا تَسْتَغْرِبْ مَا تَرَاهُ مِنَ الْاَكْدَارِ مَا دُمْتُ فِیْ هٰذَا الدَّارِ، فَاِنَّهَا مَا اَبْرَزَتْ اِلَّا هُوَ مُسْتَحِقٌّ وَ صْفُهَا وَوَاجِبٌ نَّعْتُهَا۔

''تم کدورتوں یعنی مصیبتوں کے واقع ہونے کو، جب تک تم اس دنیائے فانی میں ہو، انوکھا اور تعجب خیز نہ سمجھو۔ کیونکہ وہ اسی کو ظاہر کرتی ہے جس کا مستحق ان کا وصف ہے''۔

میں کہتا ہوں: یہ عارف کے آداب میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیوں میں سے کسی تجلی کو انوکھی نہ سمجھے، نہ کسی تجلی پر تعجب کرے۔ خواہ وہ جلالی ہوں یا جمالی۔ پس اگر اس پر قہری حوادث نازل ہوں یا جلالی کدورتیں واقع ہوں تو وہ ان کے واقع ہونے کو انوکھا اور تعجب خیز نہ سمجھے کیونکہ اس دنیا کی تجلیات ہی جلالی ہیں کیونکہ یہ دنیا حوادث و مصائب کا گھر ہے اور جدا ہونے اور انتقال کرنے کی جگہ ہے۔ حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ آپ نے اپنے بعض خطبوں میں ارشاد فرمایا ہے:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ هٰذِهِ الدَّارَ دَارُ تَوَاءٍ اَیْ هَلَاكٍ لَا دَارُ اسْتِوَاءٍ، وَمَنْزِلُ تَرَحٍ، اَیْ حُزْنٍ، لَا مَنْزِلُ فَرَحٍ، فَمَنْ عَرَفَهَا لَمْ يَفْرَحْ لِرَخَائِهَا وَلَمْ يَحْزَنْ لِشَقَائِهَا، اَلَا وَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الدُّنْيَا دَارَ بَلْوٰی، وَالْاٰخِرَةَ دَارَ عُقْبٰی، فَجَعَلَ بَلْوٰی الدُّنْيَا لِثَوَابِ الْاٰخِرَةِ سَبَباً، وَ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ مِنْ بَلْوَی الدُّنْيَا عِوَضاً، فَيَاْخُذُ لِيُعْطِيَ وَيَبْتَلِیْ لِيَجْزِیَ، وَاِنَّهَا لَسَرِيْعَةِ التَّوٰی وَ شِيْكَةُ الْاِنْقَلَابِ، فَاحْذَرُوْا حَلَاوَةَ رَضَاعِهَا لِمَرَارَةِ فِطَامِهَا، وَاهْجُرُوْا لَذِيْذَ عَاجِلِهَا لِكُرْبَةِ اٰجِلِهَا، وَلَا تَسْعَوْا فِیْ عِمْرَانِ دَارٍ قَدْ قَضَی اللّٰهُ خَرَابَهَا، وَلَا تُوَاصِلُوْهَا وَقَدْ اَرَادَ اللّٰهُ مِنْكُمْ اِجْتِنَابَهَا، فَتَكُوْنُوْا لِسَخَطِهٖ مُتَعَرِّضِيْنَ وَ لِعُقُوْبَتِهٖ مُسْتَحِقِّيْنَ''

''اے انسانو! بے شک یہ گھر ہلاکت اور تباہی کا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے کا گھر نہیں ہے۔ اور رنج وغم کی جگہ ہے۔ خوشی کی جگہ نہیں ہے پس جس شخص نے دنیا کو پہچان لیا۔ وہ اس کی خوشحالی سے خوش نہیں ہوا۔ اور اس کی بدحالی سے رنجیدہ و غمگین نہیں ہوا۔ خبردار ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مصیبت و آزمائش کا گھر بنایا ہے۔ اور آخرت کا انجام یعنی جزاوسزا کا گھر بنایا ہے۔ لہٰذا اس نے دنیا کی مصیبتوں کو آخرت کے ثواب کا سبب بنایا ہے۔ اور آخرت کا ثواب دنیا کی مصیبتوں کا عوض مقرر کیا ہے۔ وہ تجھے اپنی بخششیں عطا کرنے کے لئے مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اور تیرے اوپر اپنی رحمتیں نازل کرنے کے لئے تجھے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ اور بے شک دنیا جلد فنا ہونے والی ہے اور جلد بدل جانے والی ہے۔ تو اس کے دودھ چھڑانے کی تکلیف کا خیال کر کے اس کے دودھ پلانے کی لذت سے پرہیز کر۔ اور اس کی مقررہ وقت پر آنے والی سختیوں کا تصور کر کے اس کی فوری اور وقتی لذتوں کو ترک کر دے۔ اور ایسے گھر بنانے اور آباد کرنے کی کوشش نہ کر جس کی بربادی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر کر دیا ہے۔ اور جس سے تیرے پرہیز کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے تو اس کے قریب نہ جا۔ ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ور تو اس کی سزا کا مستحق قرار پائے گا''۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: دنیا کی جو بلائیں اور مصیبتیں میرے اوپر نازل ہوتی ہیں، میں انہیں ناگوار نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میں نے ان کی اصلیت سمجھ لی ہے، کہ دنیا رنج وغم، اور بلا وآزمائش کا گھر ہے۔ اور دنیا مکمل بلا و مصیبت ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ وہ مجھ سے ہمیشہ ان چیزوں کے ساتھ ملتی ہے جو مجھ کو ناگوار اور ناپسند ہے۔ تو اگر وہ کبھی مجھ سے کسی ایسی چیز کے ساتھ ملے جو مجھے پسند ہے۔ تو یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت بلا و مصیبت ہے۔

اسی سے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:

يُمَثِّلُ ذُو اللَّبِّ فِي لُبِّهٖ   شَدَائِدَهٗ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَا

''عقلمند دنیا کی مصیبتوں کا نقشہ اپنی عقل میں ان کے نازل ہونے سے پہلے کھینچ لیتا ہے''

فَاِنْ نَزَلَتْ بَغْتَةً لَمْ تَرُعْهُ   لِمَا كَانَ فِيْ نَفْسِهٖ مَثَّلَا

''لہذا اگر وہ مصیبتیں اچانک نازل ہو جائیں تو وہ اس کو خوفزدہ نہیں کرتی ہیں۔ کیونکہ اس کی ذات میں ان کا نقشہ پہلے سے موجود ہے''

رَاَی الْاَمْرَ یُفْضِیْ اِلٰی اٰخِرٍ فَصَیَّرَ اٰخِرَہٗ اَوَّلَا

''وہ مصیبت کو اس کے آخر تک پہنچتے دیکھتا ہے۔ پس وہ اس کے آخر کو اول بناتا ہے''

(یعنی وہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت ایک دن ختم ہو گئی۔ لہذا مصیبت کے ختم ہونے کی خوشی اس کو اس کے نازل ہونے کے وقت ہوتی ہے''۔

وَذُوا الْجِھْلِ یَاْ مَنْ اَیَّامَہٗ وَیَنْسٰی مَصَارِعَ مَنْ قَدْ خَلَا

''اور جاہل مصیبت کے دنوں سے بے فکر رہتا ہے۔ اور مصیبت سے گزرے ہوئے شخص کی بدحالیوں کو بھول جاتا ہے''۔

فَاِنْ دَھَمَتْہُ صُرُوْفُ الزَّمَا نِ بِبَعْضِ مَصَائِبِہٖ اَعْوَلَا

''لہذا اگر زمانے کی گردشیں اپنی بعض مصیبتوں کے ساتھ اس پر چھا جاتی ہیں تو وہ فریاد کرتا ہے''۔

وَلَو قَدَّمَ الْحَزْمَ مِنْ نَفْسِہٖ لَعَلِمَہُ الصَّبْرَ عِنْدَ الْبَلَا

''اور اگر وہ اپنی ذات سے ہوشیاری اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو مصیبت کے وقت صبر کی تعلیم دیتا''۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے حضرت احمدؒ بن ابوالحواری سے فرمایا: اے احمد! تمہاری زندگی کے کافی دن گزر چکے ہیں۔ اب تمہارے لئے کچھ بھوک، اور کچھ برہنگی، اور کچھ ذلت و رسوائی، اور کچھ صبر ضروری ہے۔

لہٰذا اے عارف! جو سختیاں اور مصیبتیں تمہارے اوپر یا دوسروں کے اوپر واقع ہوں، جب تک تم اس دنیا میں مقیم ہو، ان کو انوکھی اور تعجب خیز نہ سمجھو۔ کیونکہ اس دنیا میں جو جلالی تجلیاں ظاہر ہوتی ہیں، ان سے تمہارا موصوف ہونا ضروری ہے۔ لہذا تم کسی شی کو انوکھی نہ سمجھو۔ نہ کسی شی پر تعجب کرو۔ بلکہ تمہارے اوپر واجب ہے کہ تم جمال و جلال اور شیرینی و تلخی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانو۔ کیونکہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو صرف جمال میں پہچانو گے تو یہ عوام کا مقام ہے اور جلال میں پہچاننا، سکون وادب، اور رضا و تسلیم ہے۔

لہذا فقیر کو چاہیے کہ وہ سمار (پھین چھتر) گھاس کی طرح ہو جائے۔ جب تیز میدانی ہواؤں کا حملہ ہوتا ہے تو وہ سر جھکا دیتی ہے اور جب ہوا گزر جاتی ہے تو وہ سر اٹھا لیتی ہے۔ اور جس طرح تمہیں مصیبتوں کے واقع ہونے کو انوکھا نہ سمجھنا، اور رنج وغم اور گریہ وزاری نہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح خوشحالیوں کے پیش آنے پر تمہیں خوش نہ ہونا چاہیے۔ نہ اترانا چاہیے۔ کیونکہ خوش حالی جمال ہے۔ اور جمال کے قریب جلال ہے۔ اور جلال کے قریب جمال۔ جس طرح رات اور دن یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جمال اور جلال بھی یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ پس عارف دونوں کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔ نہ کسی شی کو انوکھی سمجھتا ہے نہ کسی شی پر تعجب کرتا ہے۔ کیونکہ قدرت کی اصل سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے سب ایک ہے۔

اور صدیق اور صادق میں اسی سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیق کسی شی پر تعجب نہیں کرتا ہے نہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے میں پس وپیش کرتا ہے اور صادق، جب کسی انوکھی شی کو دیکھتا ہے تو اس پر تعجب کرتا ہے۔ اور جب کسی شی کا وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کے ہونے میں پس وپیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقیت سے موصوف فرمایا۔ اور سیدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہ نے اس سے موصوف نہیں فرمایا۔ کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جب خلاف عادت لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے اس کو انوکھا سمجھا اور فرمایا۔

(اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝) ''بے شک یہ تعجب کی چیز ہے'' تو فرشتوں نے ان کو جواب دیا۔ (اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ) ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہیں''۔ اور حضرت مریم علیہا السلام نے کچھ تعجب نہیں کیا۔ بلکہ صرف سمجھنے کے لئے پوچھا۔ یا اس کا وقت یا اس کی کیفیت دریافت کی۔ کہ زوجیت کے ساتھ ہوگا۔ یا بغیر زوجیت کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آٹھواں ادب: یہ ہے کہ اس کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور یہ اس صدق کا مقام ہے جو اخلاص کا مغز ہے۔ اور خواص الخواص کا اخلاص ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں فرمایا:

مَا تَوَقَّفَ مَطْلَبٌ اَنْتَ طَالِبُهٗ بِرَبِّكَ، وَلَا تَيَسَّرَ مَطْلَبٌ اَنْتَ طَالِبُهٗ بِنَفْسِكَ

''جو مقصد تم نے اپنے رب کے ساتھ طلب کیا، وہ موقوف نہیں ہوا۔ اور جو مقصد تم نے اپنے نفس کے طلب کیا وہ آسان نہیں ہوا''۔

میں کہتا ہوں:۔ جب تم کو دنیا و آخرت کی حاجتوں میں سے کوئی حاجت پیش آئے اور تم یہ چاہو کہ وہ تمہارے لئے جلد پوری کر دی جائے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرو۔ اپنے نفس کے ساتھ نہ طلب کرو۔ کیونکہ جب تم اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرو گے، تو اس کا پورا ہونا آسان ہوگا۔ اور اگر تم اسے اپنے نفس کے ساتھ طلب کرو گے۔ تو اس کا پورا ہونا دشوار ہوگا۔ جو کام تم اپنے رب کے ساتھ کرو گے، وہ ہرگز موقوف نہ ہوگا اور جو کام تم اپنے نفس کے ساتھ کرو گے وہ آسان نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا:

وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥

''اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: تم لوگ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اور صبر کرو۔ یقیناً زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔''

پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اور اپنی حاجت کی طلب میں صبر کیا۔ عاقبت اسی کے لئے ہے اور وہ متقین میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہے'' یعنی اسکی ہر مشکل اور پریشانی کے لئے کافی ہے۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لَا تَطْلُبِ الْاَمَارَةَ، فَاِنَّكَ اِنْ طَلَبْتَهَا وُكِلْتَ اِلَيْهَا، وَاِنْ اَتَتْكَ مِنْ غَيْرِ مَسْاَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا

''تم سرداری کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم اس کی خواہش کرو گے، تو تم اس کے سپرد کر دیئے

جاؤ گے۔اور اگر وہ تمہیں بغیر خواہش کے ملی، تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی''۔

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرنے کی علامت:۔ اس کام میں زہد اختیار کرنا، اور اس کام کی طرف سے توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔کیونکہ جب اس کام کا وقت آئے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو جائے گا۔

اور نفس کے ساتھ طلب کرنے کی علامت:۔ حرص سے اس کی طرف بڑھنا ہے۔اور اگر اس کا حاصل ہونا دشوار ہو جائے تو اس کے لئے دل میں رنج پیدا ہونا، اور اس کی حالت میں تغیر پیدا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرنے والے، اور اپنے نفس کے ساتھ طلب کرنے والے کی میزان یہی ہے۔ اسی سے دونوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ لہذا جو شخص اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرتا ہے، اس کی حاجت باطنی طور پر پوری کر دی جاتی ہے اگر چہ ظاہری طور پر پوری نہ ہوئی ہو۔اور جو شخص اپنی حاجتیں اپنے نفس کے ساتھ طلب کرتا ہے، اس کی کوشش ناکام ہوتی ہے اور اس کا وقت ضائع ہوتا ہے اگر چہ اس کی خواہش اور اس کی حاجت پوری ہو جائے۔اور یہاں ایک قاعدہ ہے: اس قاعدے کے ذریعے ذلت اور رسوائی والوں سے عنایت و مہربانی والے، اور گھاٹے میں رہنے والوں سے ولایت والے پہچانے جاتے ہیں اس قاعدے کو حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے:

قاعدہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی حرکات و سکنات میں بزرگی عطا فرماتا ہے تو اس کو اپنی عبودیت میں قائم کرتا ہے۔اور اس کے نفس کے حصے اس سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت ہی میں مشغول رہتا ہے۔اگر چہ اس کے نفس کے حصے قدر کے حکم کے موافق اس کو ملتے ہیں۔لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے گویا کہ وہ ان سے علیحدہ ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی حرکات و سکنات میں ذلیل کرتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے حصوں میں قائم کر دیتا ہے اور اپنی عبودیت اس سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔لہذا وہ نفس کی خواہشات ہی میں مشغول رہتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔اگر چہ بظاہر وہ کچھ

عبادت کرتا رہتا ہو۔حضرت شاذلی نے فرمایا ہے: ولایت اور اھانت کا قاعدہ یہی ہے۔

لیکن صدیقیت عظمیٰ، اور ولایت کبریٰ: تو حصے اور حقوق اہل بصیرت کے نزدیک برابر ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی بعض شرح میں نقل فرمایا ہے۔

حاصل یہ ہے: عارف کے کل تصرفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔اور غیر عارف کے کل تصرفات نفس کے ساتھ ہوتے ہیں۔اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہوں۔پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل، قربت کا سبب ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل، ثواب کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل، حجاب کے اندر داخل کر کے احباب کے مشاہدے میں مشغول کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل، دروازے کے باہر رکھ کر ثواب واجب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل، اہل حقیقت کا عمل ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل، اہل شریعت کا عمل ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل کرنے والے، وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے (ایاک نعبد) فرمایا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنے والے، وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے (ایاک نستعین) فرمایا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل، اور اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کے درمیان اتنا فرق ہے، جتنا فرق دینار اور درم کے درمیان ہے۔وباللہ التوفیق۔

اور جس شخص کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر شی میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔اور ہر حال میں اس پر بھروسہ کرتا ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مِنْ عَلَامَاتِ النَّاجِحِ فِي النِّهَايَاتِ الرُّجُوْعُ اِلَى اللّٰهِ فِي الْبِدَايَاتِ

''انتہا میں کامیاب ہونے والوں کی علامات میں سے، ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اے مرید جب تم اپنی ہمت کسی شی کی طرف متوجہ کرو۔خواہ وہ کوئی شی ہو۔اور

تمہاری یہ خواہش ہو کہ اس کا معاملہ کامیاب ہو۔ اور اس کے بارے میں تم اپنے مقصد کو پہنچ جاؤ۔ اور اس کی انتہا بہتر اور قابل تعریف ہو۔ تو اس شی کی طلب کی ابتداء میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ اور اپنے اختیار اور قوت کو ترک کر دو۔ اور جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اسی طرح تم بھی پورے یقین کے ساتھ کہو:۔

”اِنْ یَّکُنْ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ یُمْضِہٖ، فَلَا تَحْرِصْ عَلَیْہِ وَلَا تَھْتَمْ بِشَانِہٖ ، فَمَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ ، وَمَا لَمْ یَشَأْ رَبُّنَا لَمْ یَکُنْ، فَلَوِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْس وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَّمْ یُقَدِّرْہُ اللّٰہُ لَکَ لَمْ یَقْدِرُوْا عَلٰی ذَالِکَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلَی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَّمْ یُقَدِّرْہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ لَمْ یَقْدِرُوْا عَلَی ذَالِکَ، جَفَّتِ الْاَقْلَامُ وَطُوِیَتِ الصُّحُفُ

”اگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے تو وہ اس کو جاری کرے گا۔ لہٰذا تم اس کی حرص نہ کرو۔ نہ اس کی شان میں اہتمام کرو۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہ ہوا۔ اور جو کچھ ہمارے رب نے نہیں چاہا، وہ نہیں ہوا۔ پس اگر انسان اور جن سب مل کر تمہیں کچھ ایسا فائدہ پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کیا ہے تو وہ سب تمہیں فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر سب مل کر تمہیں کوئی ایسا نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مقدر نہیں کیا ہے تو وہ سب تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ قلم خشک ہو گئے، اور صحیفے (نوشتہ تقدیر) لپیٹ دیئے گئے“۔

لہٰذا اگر تم کوئی شی طلب کرتے ہو، اور اس میں تمہارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور تم نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ اور تمہاری نظر اس تقدیر پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے۔ تو یہ تمہاری انتہا کی کامیابی کی علامت ہے۔ ظاہر میں تمہارا مقصد پورا ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تمہارا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقصد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اپنے نفس کے مقصد کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ تمہارے حصے حقوق بن گئے ہیں۔ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔ اور تمہاری نظر اسی پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے ظاہر ہوتا ہے۔ تم اپنے نفس کے حصے اور خواہشات سے فنا ہو چکے ہو۔

اور اگر تم کوئی شی اپنے نفس کے ساتھ طلب کرتے ہو۔ اور تمہارا بھروسہ اپنے اختیار اور قوت پر

ہے۔ اور تم اس کے پورا ہونے کی حرص رکھتے ہو۔ اور اس کی طلب میں کوشش کرتے ہو۔ تو یہ اس کے پورا نہ ہونے کی، اور مایوسی کی، اور اس کی انتہا کی ناکامی کی علامت ہے۔ اور اگر ظاہر میں وہ پوری ہوگئی۔ لیکن تم اس کے سپرد کردیئے جاؤ گے۔ اور تم اس کی وجہ سے تکلیف پاؤ گے۔ اور اس کی حالات اور ضروریات میں تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

یہ سب مجرب ہے۔ اور خاص و عام کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے اور جو کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ حکمت اس کا تکملہ (مکمل کرنا) اور شرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنفؒ نے اس مسئلے کو ایک قاعدہ کلیہ سے مکمل کیا ہے۔ جو پہلے گزرے ہوئے بیانات اور اس کے ماسوا کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے۔

مَنْ اَشْرَقَتْ بِدَايَتُهٗ اَشْرَقَتْ نِهَايَتُهٗ

''جس شخص کی ابتداء روشن ہے اس کی انتہا بھی روشن ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ ابتداء کا روشن ہونا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ داخل ہونا، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرنا، اور اس میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔ حکمت کے حق کے ساتھ قائم ہوتے ہوئے، اور قدرت کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے ذرائع میں کوشش کرنے، اور اس کی طلب میں اہتمام کرنے کے ساتھ، اور مقصد کی بڑائی اور اہمیت کے موافق اس کے ذرائع میں کوشش بھی زیادہ اور اہم ہوتی ہے۔ کیونکہ مجاہدہ کے موافق ہی مشاہدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝

''جن لوگوں نے ہمارے راستے میں کوشش کی۔ ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت ضرور کریں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان والوں کے ساتھ ہے،، اور دوسری جگہ فرمایا: (اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ) ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں کے قریب ہے''۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمٰن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تم اسے سستا نہ سمجھو۔ معشوق کو دیکھنا، اور ہضم کرنا بہت مہنگا ہے۔ گرمی کی مصیبت راتوں کی سردی ہی سے ختم ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم جس شخص کو اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی طلب میں کوشش کرتے ہوئے، مخلوق کی محبت سے

منہ پھیرے ہوئے، اپنے مولائے حقیقی کی خدمت میں مستغرق، اپنے نفس کے حصوں اور خواہشوں کو فراموش کئے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو ہم یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کی انتہا یقیناً روشن ہوگی۔ اور اس کی عاقبت قابل تعریف ہوگی۔ اور ہم جس شخص کو اپنے مولائے حقیقی کی طلب سے غافل اور اپنے نفس اور اسکی خواہشات میں مشغول دیکھتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اپنی محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اور اس کی انتہا محرومی، اور اس کی عاقبت رسوائی ہوگی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔

لیکن دنیا کی ضروریات، یا مقامات، یا مراتب، یا خصوصیات کی طلب میں ابتداء کا روشن ہونا) تو وہ ان میں زہد اختیار کرنے، اور ان سے منہ پھیر لینے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ مراتب و درجات:۔ ان میں زہد اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ میں اور میرا ایک ساتھی ہم دونوں ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ہم کہتے تھے، کہ اس مہینے میں اور اس جمعے کو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھولے گا۔ تو ہم نے غار کے دروازے پر ایک شخص کو کھڑا ہوا دیکھا۔ اس کے چہرے پر نیکی کے آثار تھے۔ اس نے السلام علیکم کہا ہم نے اس کو جواب میں وعلیکم السلام کہا:۔ اور دریافت کیا:۔ آپ کا کیا حال ہے؟ وہ شخص قریب آ کر ہمارے سامنے کھڑا ہوا۔ اور فرمایا:۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو کہتا ہے:۔ اس مہینے میں اور اس جمعے کو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھولے گا؟ لیکن نہ دروازہ کھلنا ہے۔ نہ کامیابی ہونی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کیوں نہ کی جس طرح ہم کو حکم دیا گیا ہے؟ پھر وہ شخص ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ تب ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہم نے عبادت کا یہ طریقہ کہاں سے اختیار کیا۔ پس ہم نے اپنے نفس کو ملامت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دیا۔ یہ واقعہ مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں بیان فرمایا ہے۔

لہذا جو شخص خصوصیت طلب کرتا ہے۔ وہ خصوصیت کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا

حصہ اس سے فوت ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت سے اپنا حصہ پاتا ہے۔ اور خصوصیت بھی بغیر توجہ اور طلب کے اس کو حاصل ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور وہ امور جن سے ابتداء روشن ہوتی ہے۔ اور وہ انتہا کے روشن ہونے کی علامات ہیں۔ وہ باطنی احوال ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، یا اللہ تعالیٰ کی طرف شوق و اشتیاق کا زیادہ ہونا۔ لیکن ظاہری جسم پر ان کا اثر ظاہر ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے۔

مَا اسْتُوْدَعَ مِنْ غَيْبِ السَّرَائِرِ ظَهَرَ فِي شَهَادَةِ الظَّوَاهِرِ

''اللہ تعالیٰ نے باطن کے غیب میں جو امانت رکھی۔ اس کا اثر ظاہر کی شہادت میں ظاہر ہوا''۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے قلوب میں بھلائی یا برائی، نور یا ظلمت، علم یا جہالت، رحم یا بے رحمی، بخل یا سخاوت، تنگی یا فراخی، بیداری یا غفلت، معرفت یا انکار وغیرہ اچھے اخلاق یا برے اخلاق میں سے جو کچھ امانت رکھ دی ہے۔ یہ لازمی ہے کہ ان کے آثار ادب، اور تہذیب اور سکون، اور اطمینان، اور سنجیدگی، اور بخشش، اور معافی، اور غصہ اور بے قراری وغیرہ قلبی احوال اور جسمانی اعمال اعضائے جسم پر ظاہر ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ) ''تم ان کو ان کی نشانیوں سے پہچان لو گے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا:۔ (سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ) ''ان کی نشانیاں ان کے چہروں میں ظاہر ہیں''۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ ''مَنْ سَرَّ سَرِيْرَةً ، كَسَاهُ اللّٰهُ رِدَاءَ هَا'' جو شخص باطن کو خوش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس خوشی کی چادر اڑھا دیتا ہے''۔

پس جسمانی افعال قلبی احوال کے تابع ہیں۔ لہٰذا جس شخص کے باطن میں اس کے مولائے حقیقی کی معرفت امانت رکھی گئی۔ وہ اس کے ماسوا کو نہیں طلب کرتا ہے۔ اور جس کے باطن میں اس کے مولائے حقیقی سے جہالت اور غفلت امانت رکھی گئی۔ وہ اس کے ماسوا کی طلب میں مشغول رہتا ہے۔ اسی طرح ظاہری احوال باطنی احوال کے تابع ہیں۔ جیسا کہ پہلے مصنفؒ کے اس قول کے

بیان میں گزر چکا ہے:۔ ”احوال کے واردات بہت قسم ہونیکی بناء پر اعمال کی جنسیں بہت قسم کی ہو گئی ہیں“۔

پس ظاہر دلیل ہے باطن کی۔ اور بات صفت ہے بات کرنے والے کی۔ جو کچھ تمہارے باطن میں ہے، وہی تمہارے منہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ اور قلوب میں جو کچھ پوشیدہ ہوتا ہے اس کا اثر چہروں پر نمودار ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور سب سے بڑی شی جو باطن میں امانت رکھی گئی، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور معرفت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم: دلیل کی معرفت۔ دوسری قسم: مشاہدہ کی معرفت۔ مصنفؒ نے ان دونوں قسموں کا فرق اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

شَتَّانَ بَيْنَ مَنْ يَّسْتَدِلُّ بِهٖ، اَوْ يَسْتَدِلُّ عَلَيْهِ، اَلْمُسْتَدِلُّ بِهٖ عَرَفَ الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ، فَاَثْبَتَ الْاَمْرَ مِنْ وُّجُوْدِ اَصْلِهٖ، وَالْاِسْتِدْلَالُ عَلَيْهِ مِنْ عَدَمِ الْوُصُوْلِ اِلَيْهِ، وَاِلَّا فَمَتٰى غَابَ حَتّٰى يُسْتَدَلُّ عَلَيْهِ؟ وَمَتٰى بَعُدَ حَتّٰى تَكُوْنَ الْاٰثَارُ هِيَ الَّتِيْ تُوْصِلُ اِلَيْهِ؟

”جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر استدلال کرتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرنے والے نے حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانا۔ پس امر کو اس کی اصل کے وجود سے ثابت کیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر استدلال کرنے والے نے حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانا۔ پس امر کو اس کی اصل کے وجود سے ثابت کیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر استدلال کرنا، اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہ غائب کب ہے کہ اس کے اوپر استدلال کیا جائے؟ اور وہ دور کہاں ہے کہ آثار اس کے پاس پہنچانے والے ذریعہ بنیں؟“

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے اسرار، اور اپنی صفات کے انوار کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا ارادہ کیا۔ تو اپنی قدرت سے اپنے ازلی نور سے ایک مشت نور ظاہر کیا۔ پس قدرت کا تقاضا ہوا کہ اس کے آثار ظاہر ہوں، اور اس کے انوار مشاہدہ کئے جائیں۔ اور حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس پر حجاب ڈالدیا جائے۔ اور پردے ظاہر کردیئے جائیں۔ لہذا جب قدرت نے اپنا نور مخلوق کے مظہروں میں رکھا، تو حکمت نے اس پر حفاظت کی چادر ڈال دی۔ پس کل مخلوقات پوشیدہ حجاب

میں نور ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کیا اور ان کی دو جماعت بنائیں: ایک جماعت کو اپنی محبت کے لئے مخصوص کیا۔ اور ان کو اپنے اولیاء کے صف میں رکھا۔ اور ان کے لئے اپنی معرفت کا دروازہ کھولا۔ اور حجاب اٹھا دیا۔ اور ان کو اپنی ذات کے اسرار کا مشاہدہ کرایا۔ اور ان کے لئے اپنی ذات کے اسرار کو قدرت کے آثار کے حجاب میں نہیں رکھا۔ یعنی اپنی ذات کے اسرار ان پر عیاں کر دیئے اور مظاہر کا حجاب ان سے دور کر دیا۔ اور دوسری جماعت کو اپنی خدمت کے لئے مقرر کیا۔ اور انہیں اپنی حکمت کا اہل بنایا۔ اور ان کے اوپر وہم کا حجاب ڈال دیا۔ اور علم وفہم کا نور ان سے غائب کر دیا۔ لہذا وہ لوگ ظاہری سطح پر ٹھیر گئے۔ اور باطنی نور کا اس کی شدت ظہور کی وجہ سے مشاہدہ نہ کر سکے۔

پس وہ ذات مقدس ہے جس نے اپنا راز اپنی حکمت سے پوشیدہ کیا۔ اور اپنا نور اپنی قدرت سے ظاہر فرمایا۔ پس اہل محبت جو ولایت اور عرفان والے ہیں، وہ عیاں مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ وہ نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور خالق کے وجود سے مخلوق کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ لہذا وہ صرف خالق کو پاتے ہیں۔ وہ اس کی قدرت سے اس کی حکمت پر استدلال کرتے ہیں لہذا وہ اس کی قدرت کو اس کی عین حکمت، اور اس کی حکمت کو اس کی عین قدرت پاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مخلوق کے دیکھنے سے غائب ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اس کے ماسویٰ کو بھی دیکھو۔ اور اہل خدمت، حکمت والے ہیں۔ وہ حجاب کے وجود سے نور کے وجود پر استدلال کرتے ہیں لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کے باوجود اس سے غائب ہیں۔ اور اس کی شدت ظہور کی بناء پر اس سے حجاب میں ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے عوام کے لئے مخلوق کو ثابت کیا۔ لہذا انہوں نے اس کے ذریعے خالق کو ثابت کیا۔ اور خواص کے لئے اپنی ذات کو ثابت کیا۔ لہذا انہوں نے اس کے ذریعہ مخلوق کو ثابت کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے وجود سے اس کی مخلوق کے وجود پر استدلال کرنے والے، اور مخلوق کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرنے والے کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرنے والے نے حق یعنی وجود حقیقی کو اس کے اہل یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے پہچانا، جو واجب الوجود ہے۔ اور امر یعنی قدیم ہونا، وجود حقیقی کے لئے اس کی اصل کے وجود یعنی جبروت اصلی قدیم ازلی سے ثابت کیا۔ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کو اس طریقے پر پہنچانا کہ اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس نے پہچان لیا کہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور اسکی نگاہ سے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا وجود ختم ہو گیا۔ اور اس نے قدیم ہونا، اس کے اول اور آخر کے لئے ثابت کیا۔

یا تم اس طرح کہو: اس نے حق یعنی وجود اصلی کو اس کے اہل یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے پہچانا۔ اور امر یعنی وجود فرعی کو اس کی اصل کے وجود سے کیا یعنی وجود فرعی کو اسکی اصل سے ملا دیا۔ اور جب فرع اصل سے مل گیا، تو سب جبروتی ہو گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے باوجود اس سے دور ہونے، اور اس کے حضور کے باوجود اس سے غائب ہونے کی وجہ سے استدلال کرتا ہے۔ اور اس کی دوری مخلوق کے وجود کا وہم ہے۔ اور اسکا غائب ہونا اللہ تعالیٰ سے ناسمجھی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ غائب کہاں ہے۔ جو تم اس پر استدلال کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری شہ رگ سے زیادہ تم سے قریب ہے۔ اور وہ دور کہاں ہے کہ تمہیں اس کے پاس پہنچنے کے لئے وہمی آثار کی ضرورت ہو۔

”وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ“ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو“۔

اور چونکہ مخلوق قدرت کا اثر ہے۔ لہذا قدرت کا اثر عین قدرت ہے۔ کیونکہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ صفت موصوف ہی کے ساتھ قائم ہوتی، اور موصوف ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور عنقریب اس کا بیان مناجات میں اس قول کی تشریح میں آئے گا۔ ”اے میرے اللہ! تیرے وجود پر اس شی سے کسی طرح استدلال کیا جا سکتا ہے جو اپنے وجود کے لئے تیری محتاج ہو؟ کیا تیرے غیر کے لئے وہ صفت ہے جو تیرے لئے نہیں ہے۔ تاکہ وہ تیری ظاہر کرنے والی ہو؟ تو غائب کب ہے جو تو کسی ایسی دلیل کا محتاج ہو جو تیری طرف رہنمائی کرے؟ اور تو دور کہاں ہے کہ

تیرے پاس پہنچانے کے لئے آثار کی ضرورت ہو؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرنے والوں پر علوم کے دائرے وسیع کردیئے گئے ہیں۔ اوران کے لئے سمجھ کے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔ اوراس کے برعکس مخلوق کے ساتھ استدلال کرنے والوں کے لئے وہم کا حجاب لازمی ہونے کی وجہ سے علم کی روزیاں تنگ کردی گئی ہیں۔لہذا مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:۔

"لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِہٖ الْوَاصِلُوْنَ اِلَیْہِ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ رِزْقُهٗ السَّائِرُوْنَ اِلَیْہِ"

''البتہ دولت والے اپنی دولت میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ واصلین باللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے) ہیں۔اور جن کی روزی تنگ کردی گئی وہ سائرین (اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے) ہیں۔''۔

میں کہتا ہوں:۔ واصلین:۔اس وجہ سے کہ ان کی ارواح مخلوق کی تنگی سے نکل کر شہود کی وسیع فضا میں پہنچ چکی ہیں۔

یا تم اس طرح کہو: اس وجہ سے کہ ان کی ارواح عالم جسمانی سے عالم روحانی کی طرف، یا عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف ترقی کرگئی ہیں۔ان پر علوم کی روزیوں کا دائرہ کشادہ ہوگیا ہے۔اور ان کیلئے سمجھ کے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔لہذا انہوں نے اپنی کشادہ دولت سے پوشیدہ علوم کے جواہر خرچ کئے اور اپنے پوشیدہ خزانوں سے محفوظ اسرار کی موتیاں خرچ کیں۔ان کی سیرگاہ وسیع ہو گئی۔اور وہ فصاحت و بلاغت کی بہترین سواریوں پر سوار ہوئے۔یعنی نہایت فصیح و بلیغ کلام کرنے لگے۔

لہذا ان لوگوں میں جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوئی۔اس کے لئے غنا کتنا تیز رفتار ہوا۔اور اللہ تعالیٰ کی رعایت نے جس کا لحاظ کیا۔اس کے لئے معرفت کا کتنا بڑا دروازہ کھولا گیا۔بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں کہ جو شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے وہ ایسا نیک بخت ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی بد بخت نہ ہوگا اور وہ خاص بندے اہل سر و حال واصلین عارفین ہیں۔

لیکن سائرین:۔تو اس وجہ سے کہ وہ لوگ مخلوق کی تنگی میں باقی ہیں۔اور عالم جسمانی میں وہم

کی قید میں گرفتار ہیں۔ ان کے لئے سمجھ کے خزانوں میں سے کچھ نہیں کھلا ہے۔ وہ اپنے نفوس سے جہاد میں مشغول ہیں۔ اور اپنے قلوب کی صفائی کے لئے محنت و مشقت کر رہے ہیں۔ علوم کے دائرے ان پر تنگ ہیں۔ اور سمجھ کے دروازے ان کے لئے بند ہیں۔ لیکن اگر وہ سیر میں کوشش کرتے رہیں تو وہ مخلوق کی تنگی سے منتقل ہو کر شہود کی کشادہ فضا میں پہنچ جاتے اور علوم کے باغوں میں ٹہلتے ہیں۔ پھر مزید ترقی کرتے اور اپنی امیدوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور رنج و پریشانی کے بعد دولتمند ہو جاتے ہیں اور اگر وہ راستے سے لوٹ جائیں، یا کوتاہی کریں، تو ناکام ہو جاتے اور گھاٹے میں رہتے ہیں۔

تنبیہ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ذوق کا علم تمہارے اوپر کشادہ ہو تو کتابی علم کو ترک کر دو۔ کیونکہ جب تک تم دوسروں کے خزانے پر بھروسہ کرتے رہو گے، تم اپنا خزانہ کبھی نہ کھود سکو گے۔ اس لئے تم اپنے سے کتابیں جدا کر دو۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخششوں کا فیضان ہو گا۔ (اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ) "صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں"۔

حضرت شیخ دباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد حضرت میمونہ سے اس وقت فرمایا جبکہ جب ان کے اوپر معرفت کا دروازہ کھلنے میں تاخیر ہوئی، اور اور شیخ نے ان کی تفتیش کی تو ان کو رسالہ قشیریہ مطالعہ کرتے ہوئے پایا تم اپنی کتاب پھینک دو اور اپنے نفس کی زمین میں گڈھا کھودو تب تمہارے لئے انوار و معرفت کا چشمہ جاری ہو گا، ورنہ تم میرے پاس سے چلے جاؤ، و باللہ التوفیق۔

پھر مصنفؒ نے واصلین پر علوم کے وسیع ہونے اور سائرین پر نہ ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا کہ واصلین انوار کے مشاہدے کے ساتھ نہیں ٹھہرے بلکہ اس سے گزر کر نور الانوار تک پہنچے، اس کے برعکس سائرین انوار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ان کے محتاج اور ان کے غلام ہیں جیسا کہ اپنے اس قول میں فرمایا:

اِهْتَدَى الرَّاحِلُوْنَ اِلَيْهِ بِاَنْوَارِ التَّوَجُّهِ وَالْوَاصِلُوْنَ لَهُمْ اَنْوَارُ الْمُوَاجَهَةِ فَالْاَوَّلُوْنَ لِلْاَنْوَارِ وَهٰؤُلَاءِ الْاَنْوَارُ لَهُمْ، لِاَنَّهُمْ لِلّٰهِ لَا لِشَيْءٍ دُوْنَهُ ، قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے توجہ کے انوار سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، اور واصلین کیلئے

مواجہت کے انوار ہیں، پس سائرین انوار کیلئے ہیں اور انوار واصلین کیلئے ہیں کیونکہ واصلین صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اس کے سوا کسی دوسری شی کیلئے نہیں، تم کہو:۔ اللہ، پھر ان کو انکی فکر میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دو۔

میں کہتا ہوں:۔ توجہ کے انوار:۔ اسلام اور ایمان کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار:۔ احسان کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ توجہ کے انوار:۔ ظاہری اور باطنی عبادت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار: فکر و نظر کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ توجہ کے انوار:۔ شریعت اور طریقت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار:۔ حقیقت کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ توجہ کے انوار:۔ مجاہدہ اور ریاضت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار:۔ مشاہدہ اور مکالمہ کے انوار ہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے:

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے تک پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس کی طرف ظاہری عمل کی لذت کے نور کے ساتھ توجہ کرتا ہے اور یہ اسلام کا مقام ہے لہٰذا وہ عمل کرنے کی ہدایت پاتا ہے اور اس میں مشغول ہو کر اس کی لذت چکھتا ہے۔

پھر اس کی طرف باطنی عمل کی لذت کے نور کے ساتھ توجہ کرتا ہے۔ اور یہ ایمان کا مقام ہے اور باطنی عمل:۔ اخلاص اور صدق، اور اطمینان اور اللہ تعالیٰ سے محبت اور ماسوی اللہ سے نفرت ہے لہٰذا وہ باطنی عمل کی ہدایت پاتا ہے۔ اور اسمیں مشغول ہو کر اس کی لذت چکھتا ہے۔ اور مراقبہ کے مقام میں قائم ہوتا ہے، اور یہ نور پہلے نور سے بڑا اور مکمل ہے۔

پھر اس کی طرف مشاہدے کی لذت کے بنور کے ساتھ توجہ کرتا ہے اور یہ روح کا عمل ہے، اور یہ مواجہت کے نور کی ابتداء ہے اور اس وقت اس کو خوف اور حیرت اور سکر (مدہوشی) لاحق ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے سکر کی حالت سے باہر آتا ہے اور اپنے جذب کی حالت سے صحو (ہوشیاری) کی حلات میں آتا ہے اور شہود کے مقام میں قائم ہوتا ہے اور بادشاہ معبود کی معرفت حاصل کرتا ہے اور بقا کی طرف لوٹتا ہے۔ تو

وہ اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور انوار کا مالک ہو جاتا ہے، اور اس سے پہلے انوار اس کے مالک تھے کیونکہ انوار کی اصل تک پہنچنے سے پہلے وہ ان کا محتاج تھا اور جب واصل تک پہنچ گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو گیا۔ اور ماسوی اللہ سے آزاد ہو گیا۔ اس کا ظاہر عبودیت ہے اور اس کا باطن آزاد ہے۔

حاصل یہ ہے: مرید جبتک سیر کی حالت میں ہے، وہ توجہ کے انوار سے ہدایت حاصل کرتا ہے اور ان کا محتاج ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ انہیں کے ذریعے سیر کرتا ہے اور جب وہ مشاہدہ کے مقام میں پہنچتا ہے تو اس کو مواجہت کے انوار حاصل ہوتے ہیں۔ اور اب وہ کسی شی کا محتاج نہیں رہتا ہے، کیونکہ اب وہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اور اس کے سوا کسی شی کیلئے نہیں۔

پس سائرین:۔ انوار کے محتاج ہونے اور ان کے ساتھ خوش ہونے کی وجہ سے انوار کیلئے ہیں۔

اور واصلین:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کے باعث انوار سے ان کی بے نیازی کی وجہ سے انوار ان کے لئے ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ اور اس کے سوا کسی شی کیلئے ہیں اور مصنفؒ نے اہل اشارہ کے طریقے پر یہ آیۂ کریمہ تلاوت کی ہے:۔

(قُلِ اللّٰهُ) بِقَلْبِكَ وَرُوْحِكَ وَغِبْ عَمَّا سِوَاهُ (ثُمَّ ذَرْهُمْ) اَيِ النَّاسَ اَيْ اُتْرُكْهُمْ (فِيْ خَوْضِهِمْ) يَلْعَبُوْنَ) اَيْ يَخُوْضُوْنَ فِي السِّوٰى لَاعِبِيْنَ فِي الْهَوٰى۔ تم کہو:۔ اللہ اپنے قلب اور روح کے ساتھ اور اس کے ماسوا سے غائب ہو جاؤ۔ پھر لوگوں کو چھوڑ دو۔ وہ ماسوی کی فکر میں خواہشات سے کھیلتے رہیں۔

بعض مفسرین نے اس آیۂ کریمہ کی شہادت حاصل کرنے میں حضرات صوفیائے کرام پر اعتراض کیا ہے لیکن انہوں نے ان کا مفہوم نہیں سمجھا ہے:۔

(قد علم کل اناس مشربھم)۔ سب لوگوں نے اپنے پینے کا گھاٹ (اپنا مقام) معلوم کر لیا ہے۔

حضرت شیخ ابن عبادؒ فرماتے تھے:۔ اہل ظاہر کو اہل باطن پر حجت نہ بناؤ، کیونکہ اہل باطن کی نظر دقیق (باریک بین) اور ان کا کلام لطیف ہوتا ہے ان کے اشاروں کو غیر صوفی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اللہ ہم کو ان سے فیض یاب کرے۔ اور ہم کو ان کے مسلک میں داخل فرمائے۔ آمین

یہاں دوسرا باب ختم ہوا۔

اس باب کا حاصل:۔معارف کے آداب وعلامات ہیں۔آداب: آٹھ ہیں۔اورعلامات: چار ہیں۔

باب دوم کا خلاصہ

پہلا ادب: ہرشی میں اللہ تعالیٰ ی طرف رجوع کرنا۔دوسرا ادب: ہرحال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ تیسرا ادب: ہرشی سے منقطع ہوکر اللہ تعالیٰ میں غائب ہو جانا۔ چوتھا ادب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق پر استدلال کرنا۔ پانچواں ادب: علوم کی روزیوں کا وسیع ہونا۔ چھٹا ادب: سمجھ کے خزانوں کا کھلنا۔ ساتواں ادب: مواجہت کے انوار سے ملنا۔ آٹھواں ادب: اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کے ساتھ انوار سے غائب ہو جانا ہے۔

پھر مصنفؒ نے تیسرے باب میں تخلیہ اور تحلیہ کا بیان فرمایا:

باب سوم

تخلیہ اور تحلیہ کے بیان میں

تخلیہ:۔ بشری اوصاف سے اپنے کو خالی کرنا۔

تحلیہ:۔ معرفت سے اپنے کو آراستہ کرنا۔

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

تَشَوُّفُكَ اِلٰى مَا بَطَنَ فِيْكَ مِنَ الْعُيُوْبِ خَيْرٌ مِّنْ تَشَوُّفِكَ اِلٰى مَا حَجَبَ عَنْكَ مِنَ الْغُيُوْبِ۔

تمہارا اپنے پوشیدہ عیوب سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا تم سے پوشیدہ غیبی رموز کے معلوم کرنے کیلئے تمہارے کوشش کرنے سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ اے انسان! تمہارے اندر جو عیوب پوشیدہ ہیں ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا مثلاً حسد، غرور، مرتبہ اور سرداری کی خواہش، روزی کی فکر محتاجی کا خوف، خصوصیت کی خواہش، اوران کے علاوہ دوسرے عیوب، اوران سے نجات پانے کیلئے تمہارا کوشش کرنا، غیب کے پوشیدہ رموز کے معلوم کرنے کی کوشش سے افضل ہے۔ مثلاً بندوں کے اوپر قضاوقدر کے حکم سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے اسرار کو معلوم کرنا یا توحید کی باریک اور پیچیدہ اسرار کو اس کی اہلیت سے پہلے معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔

اس لئے کہ تمہارا اپنے پوشیدہ عیوب کی طرف توجہ کرنا تمہارے قلب کی زندگی کا سبب ہے اور تمہارے قلب کا زندہ ہونا، دائمی زندگی اور ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا سبب ہے۔ اور غیب کے

رموز کو معلوم کرنا فضول ہے اور کبھی تو یہ نفس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ نفس کا غرور میں مبتلا ہونا۔ یا لوگوں سے اپنے کو افضل سمجھنا، اور عنقریب اس معاملہ میں شیخ کا قول آئیگا:

اسرار کی مطلقاً آگاہی وبال ہے

جو شخص مخلوق کے اسرار سے آگاہ ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کی صفت سے موصوف نہیں ہوتا ہے ۔تو اس کی یہ آگاہی اس کیلئے فتنہ اور وبال کا سبب ہو جاتی ہے۔

عیوب کی اقسام

تم کو معلوم کرنا چاہیے، کہ عیوب کی تین قومیں ہو جاتی ہیں۔

اول: نفس کے عیوب۔ دوم: قلب کے عیوب۔ سوم: روح کے عیوب۔

نفس کے عیوب:۔ جسمانی خواہشات سے نفس کا تعلق ہونا ہے جیسے کھانے پینے کی چیزوں، لباسوں، سواریوں، مکانوں، بیویوں، وغیرہ کا اچھا اور بہتر ہونا۔

قلب کے عیوب:۔ قلبی خواہشات سے قلب کا تعلق ہونا ہے۔ جیسے کہ مرتبہ اور سرداری اور عزت کی خواہش، غرور، حسن، کینہ خصوصیت کی خواہش، اور اس جیسی دوسری صفتیں جن کا بیان ان شاء اللہ بشری اوصاف کے بیان میں آئے گا۔

روح کے عیوب:۔ باطنی لذتوں اور حصوں سے روح کا تعلق ہونا ہے جیسے کرامات اور مقامات اور حور و قصور کی خواہش وغیرہ۔

پس مرید کا ان سب میں سے کسی ایک کی طرف بھی متوجہ ہونا اس کی عبودیت میں خلل پیدا کرنے والا، اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں قائم ہونے سے اس کو روکنے والا ہے تو اس کا اپنے نفسانی، اور قلبی اور روحانی عیوب کی تحقیق اور تلاش میں مشغول ہونا اور ان سب عیوب سے اپنے کو پاک کرنے کی کوشش کرنا، غیوب کا علم حاصل کرنے کی کوشش سے افضل اور بہتر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ وباللہ التوفیق

اور جب تخلیہ کا ذکر کیا تو اس کے نتیجہ کا بھی ذکر کیا، اور وہ تحلیہ ہے:۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

معرفت سے اپنے کو آراستہ کنا کیونہ نفس یا قلب یا روح کا اپنے وہمی لذتوں اور حصوں کی طرف توجہ اوران کیلئے کوشش کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے رکاوٹ ہے، چنانچہ مصنفؒ نے ارشادفرمایا:

اَلْحَقُّ لَيْسَ بِمَحْجُوْبٍ عَنْكَ اِنَّمَا الْمَحْجُوْبُ اَنْتَ عَنِ النَّظْرِ اِلَيْهِ اِذْ لَوْ حَجَبَهٗ شَيْءٌ لَسَتَرَهٗ مَا حَجَبَهٗ ، وَلَوْ كَانَ لَهٗ سَاتِرٌ لَكَانَ لِوُجُوْدِهٖ حَاصِرٌ، وَكُلُّ حَاصِرٌ لِشَيْءٍ فَهُوَ لَهٗ قَاهِرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔

حق سبحانہ تعالیٰ تم سے حجاب میں نہیں ہے بلکہ اس کی طرف دیکھنے سے حجاب میں تم ہو کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کیلئے حجاب ہوگی، وہ اس کو ڈھانپ لے گی اور جب کسی چیز نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس نے اس کو گھیر لیا، اور جو چیز کسی چیز کو گھیرتی ہے، وہ اس پر غالب ہوتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

میں کہتا ہوں:۔حجاب حق تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ اس کو کوئی چیز نہیں چھپا سکتی ہے، وہ ہرشی کے ساتھ اور ہرشی کے قبل اور ہرشی کے بعد ظاہر ہے، تو نہ اس کے ساتھ کچھ ظاہر ہے نہ اس کے سوا کچھ موجود ہے۔پس وہ تم سے حجاب میں نہیں ہے، بلکہ تم اس کی طرف دیکھنے سے حجاب میں ہو کیونکہ غیر کی موجودگی کا اعتقاد رکھتے ہو، اور تمہارا قلب محسوس یعنی مخلوق سے تعلق رکھتا ہے۔تو اگر تمہارے قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طلب میں ہو جائے، اور اس کے ماسوا کے دیکھنے سے اس کی توجہ بالکل پھر جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے انور کو موجودات کے مظہروں میں جلوہ گر دیکھو گے اور جو تمہارے وہم کی وجہ سے تم سے محجوب ہے وہ شہود اور عیاں کے درجے میں ہو جائے گا یعنی تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گا ایک عارف نے بہت خوب اشعار کہے ہیں۔

لَقَدْ تَجَلّٰى مَا كَانَ مُخْبَّئٌ وَالْكَوْنُ كُلُّهٗ طَوِيْتُ طَيٌّ

درحقیقت جو پوشیدہ تھا وہ جلوہ گر ہوا اور میں نے کل موجودا کو بخوبی لپیٹ لیا یعنی چھپالیا۔

مِنّيْ عَلَيَّ دَارَتْ كُؤُوْسِيْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِيْ تَرَانِيْ حَيٌّ

''میرے شراب محبت کے جام کا دور میری طرف سے میرے اوپر چلا میری موت یعنی فنا کے بعد تم مجھے زندہ دیکھتے ہو۔''

پس تمام آدمی دیکھتے ہیں لیکن پہچانتے نہیں اور سب سمندر میں ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

میں نے اپنے شیخ کو کہتے ہوئے سنا:۔ اللہ کی قسم، انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے وہم نے حجاب مین کیا ہے اور وہم کی کوئی حقیقت نہیں ہے، وہ صرف خیال ہے اور عنقریب اس سلسلے میں شیخ کا یہ کلام آئے گا۔

وہم ہی حجاب ہے

تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود کسی چیز نے حجاب میں نہیں کیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ موجودات کے وہم نے تم کو حجاب میں کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی محسوس اللہ تعالیٰ کیلئے حجاب بنے تو وہ حجاب اس کو ڈھانپنے والا ہوگا۔ اور اگر کوئی محسوس ڈھانپنے والا ہوگا۔ تو وہ اس کے وجود کو گھیرنے والا ہوگا۔ اور یہ محال ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو پوری طرح ڈھانپ لے اور اس کو گھیر لے کیونکہ کسی چیز کو گھیرنے والا اس پر غالب ہوتا ہے۔ اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ) ''اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے''۔ یعنی اس وجہ سے کہ وہ سب اس کے قبضے میں ہیں اور اس کی قدرت کے اختیار میں ہیں اور اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔

اور فوقیت:۔ سے مراد مرتبہ اور جلال کی بلندی ہے۔ جگہ کی بلندی نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے:۔ بادشاہ وزیر کے اوپر ہے اور سردار اپنے غلام کے اوپر ہے اور مالک مملوک کے اوپر ہے۔ اور اس کے علاوہ صفات، جو کبریائی یعنی بڑائی کو ثابت کرتی ہیں اور حادث ہونے کی نشانیوں کی نفی کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ معرفت سے روح کا حجاب وہمی وعدمی امر ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اور وہ بشری اوصاف سے روح کا بیمار ہونا ہے۔ تو اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت ضرور حاصل کرے گی اسی لئے مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

اُخْرُجْ مِنْ اَوْصَافِ بَشَرِيَّتِكَ عَنْ كُلِّ وَصْفٍ مُنَاقِضٍ لِعُبُوْدِيَّتِكَ لِتَكُوْنَ لِنِدَاءِ الْحَقِّ مُجِيْبًا وَمِنْ حَضْرَتِهٖ قَرِيْبًا۔

''تم اپنے بشری اوصاف سے باہر نکلو ہر وصف سے جو تمہاری عبودیت کی مخالف اور ضد ہیں تا کہ تم حق تعالیٰ کی پکار پر حاضر کہنے والے اور اس کے حضور کے قریب ہو جاؤ''

بشری اوصاف

میں کہتا ہوں:۔ بشری اوصاف:۔ وہ اخلاق ہیں جو عبودیت کے خلوص کی ضد اور مخالف ہیں اور وہ دو طرف رجوع ہوتے ہیں۔

حیوانی اخلاق

اول:۔ حیوانوں کے اخلاق سے قلب کا تعلق ہونا ہے۔ اور وہ پیٹ اور شرگاہ کی خواہش ہے اور دنیا اور اس کی فنا ہونے والی خواہشات سے جو چیزیں ان دونوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین ولاقناطیر المقنطرۃ من الذھب ولافضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث)۔ خواہشات کی محبت آدمیوں کیلئے زینت ہے یعنی ان کو خوشنما معلوم ہوتی ہیں مثلاً عورتوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے ڈھیروں اور نشان کئے ہوئے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں اور کھیتی یعنی زمین وغیرہ کی خواہشات۔

شیطانی اخلاق

دوم:۔ شیطانی اخلاق سے قلب کا موصوف ہونا۔ جیسے غرور اور حسد اور کنیہ اور غضب اور پریشانی اور اترانا اور تکبر، مرتبہ اور تعریف کی خواہش ہے۔ بے رحمی، بدزبانی، سخت دلی، اور دولتمندوں کی تعظیم، فقیروں کو حقیر سمجھنا محتاجی کا خوف، روزی کی فکر، بخیلی اور ریا، خود پسندی، دغیرہ جن کا شمار نا ممکن ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جو صفتیں اللہ تعالیٰ کیلئے کمالات ہیں وہ نفس کیلئے عیوب ہیں۔

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ نے نفس کے عیوب اور ان کے علاجوں کے بیان میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اور حضرت شیخ زروقؒ نے اس کو نظم کیا ہے۔ جو تقریباً آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے شیخ تربیت کے حوالے کر دیا:۔ اس کیلئے شیخ کی باتیں سننے اور اس پر عمل کرنے کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔

پس جب مرید حیوانی صفات سے باہر ہو جاتا ہے۔ تو روحانیوں کے اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے۔ جیسے زہد و ورع ، قناعت ، پاکدامنی ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت ، اللہ میں مشغولیت مخلوق سے بے نیازی۔

اور جب وہ شیطانی اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے تو مومنوں ، یا فرشتوں کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جیسے تواضع ، سینہ کی سلامتی ، حلم ، سکینہ یعنی سکون کامل ، سنجیدگی ، اطمینان ، نرم دلی ، گمنامی ، اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا ، شفقت و رحمت ، فقیروں اور محتاجوں اور اہل نسبت اور تمام امت کی تعظیم و تکریم ، بخشش و سخاوت ، اخلاص ، صدق ، مراقبہ و مشاہدہ ، و معرفت۔

تو جب بندہ ان اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے اور ان کا ذوق اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی ضد اور مخالف صفات سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ماسوا سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پکار پر حاضر اور اس کے حضور کے قریب ہو جاتا ہے تو جب اس کا رب کہتا ہے:۔ اے میرے بندے۔ تو وہ کہتا ہے:۔ اے میرے رب! پس وہ اپنی عبودیت کی سچائی کی بنا پر اپنی قبولیت میں سچا ہوتا ہے۔

بخلاف اس کے جو اپنے ظاہری اور باطنی خواہشات میں منہمک اور مشغول ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور خواہشات کا بندہ ہوتا ہے۔ تو جب وہ کہتا ہے:۔ اے میرے رب! تو وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جس کو محبت کرتا ہے وہ اسی کا بندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں پسند کرتا ہے کہ وہ اس کے غیر کا بندہ بنے اور جب وہ خواہشات و لذات کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کے قریب بلکہ اس میں معتکف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہیں وہمی خیالات کی محبت نے ہمیں

اللہ تعالیٰ کے حضور سے دور رکھا ہے۔ تو جب ہم ان سے آزاد ہو گئے اور عبودیت میں ثابت اور قائم ہو گئے، تو ہم نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پایا۔

اور یہاں صرف اللہ تعالیٰ کے مظاہر اور اس کی تجلیات ہیں اور اسکے سوا یہاں کچھ نہیں ہے اور سب اختیار اور قوت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اسکے سوا کسی کے ساتھ کوئی اختیار اور قوت نہیں ہے۔

اور انسان میں ان عیوب کے باقی اور قائم ہونے کا سبب حکمت کے اعتبار سے ان کی تحقیق سے غفلت ہے۔ اور غفلت کا سبب نفس سے راضی ہوتا ہے کیونکہ جب اس کا گمان نفس کے ساتھ خراب ہوگا تو اس کے عیوب کی تحقیق و تلاش کرے گا۔ پھر ان کو دور کرے گا اور پاک ہو جائے گا، چنانچہ مصنفؒ نے فرمایا:۔

معصیت وغفلت کی جڑ

(اَصْلُ کُلِّ مَعْصِیَۃٍ وَغَفْلَۃٍ وَشَھْوَۃٍ اَلرِّضَا عَنِ النَّفْسِ)

''ہر معصیت اور غفلت اور خواہش کی بنیاد نفس سے راضی ہونا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ اس لئے کہ جو شخص نفس سے راضی ہوتا ہے وہ اس کے احوال کو پسند کرتا ہے اور بہتر سمجھتا ہے۔ اور اس کے عیوب کو چھپاتا ہے شاعر کے قول کے مطابق:۔

(وَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ)۔ رضامندی اور محبت کی آنکھ ہر عیب کے دیکھنے سے کمزور ہوتی ہے۔

طاعت وعفت کی جڑ

(وَاَصْلُ کُلِّ طَاعَۃٍ وَیَقْظَۃٍ وَعِفَّۃٍ عَدَمُ الرِّضَا مِنْکَ عَنْھَا)۔ ہر اطاعت اور ہوشیاری اور پاکی کی بنیاد نفس سے تمہاری ناراضی اور ناپسندیدگی ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص کسی کو عیب لگاتا ہے۔ اور اس کی نسبت برا گمان رکھتا ہے اور اس کی طرف ناراضی کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اس کے عیوب کی تحقیق اور تلاش کرتا اور اس سے بری یعنی

علیحدہ ہوجاتا ہے۔

شاعر کے قول کے مطابق:۔ع۔ "وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِی الْمَسَاوِيَا" "لیکن ناراضی وناپسندی کی آنکھ عیوب کو ظاہر کرتی ہے"۔

پس اے مرید اپنے عیوب کی تحقیق اور تلاش کرو اور اپنے نفس کو متہم کرو اور اس کے احوال میں سے کسی چیز کو بہتر نہ سمجھو کیونکہ اگر تم نفس سے راضی ہوئے اور اس کے احوال کو پسند کیا تو وہ تم کو ڈس لے گا اور تم سمجھ بھی نہ سکو گے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے حضور سے حجاب میں کردیگا۔ اور تم دیکھتے ہی رہو گے۔

وہ دھوکہ کھا گیا

حضرت ابوحفص حدادؒ نے فرمایا ہے:۔ جس نے ہمہ وقت نفس کی عیب جوئی نہیں کی اور ہر حال میں اسکی مخالفت نہیں کی اور ہمیشہ اس کو اس کے ناپسندیدہ حال میں نہیں رکھا تو وہ دھوکا کھا گیا اور جس نے اپنے نفس کی کسی چیز کو پسند کی نگاہ سے دیکھا وہ ہلاک ہوا۔

اور کسی عقلمند کیلئے نفس سے راضی ہونا کیسے درست ہوسکتا ہے اور بزرگ نبی کے بیٹے اور بزرگ نبی کے پوتے اور خود بھی بزرگ نبی حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:۔

(وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي)

"میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا ہوں بیشک نفس تو برائی ہی کے راستہ پر چلاتا ہے مگر وہ نفس جس پر اللہ نے رحم کیا"۔

اور اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:۔

تُوَقِّ نَفْسَكَ لَا تَأْمَنْ غَوَائِلَهَا　　فَالنَّفْسُ أَخْبَثُ مِنْ سَبْعِيْنَ شَيْطَانًا

"اپنے نفس سے بچو اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ رہو۔ کیونکہ نفس ستر شیطانوں سے زیادہ خبیث ہے"۔

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس نے آرام کی زندگی بسر کی۔ اور جو دنیا کی طرف مائل ہوا وہ تباہ ہوا اور بے وقوف صبح و شام ہلاکت میں دوڑتا ہے اور عقلمند اپنے عیوب کی تلاش میں مشغول ہے۔

پس اے میرے بھائی! اگر تم اپنے نفس کے خیر خواہ ہو تو اپنے نفس کے عیوب کی تحقیق اور تلاش کرو۔ اگر تم اپنے نفس کے عیوب کی تحقیق کرو گے اور اسکی پوشیدہ چیزوں کو رسوا کرو گے تو نجات پا جاؤ گے۔ اور آزاد ہو جاؤ گے۔ اور حقیقت میں قائم ہو جاؤ گے۔ اور حضور میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری نظر کشادہ ہو جائیگی اور تمہارے لئے فکر ظاہر ہو جائے گی۔

ہمارے شیخ الشیوخ فرماتے تھے:۔ اس شخص پر لعنت ہے جس کے سامنے اس کے نفس کے پوشیدہ عیوب ظاہر ہوئے اور اس نے نفس کو رسوا نہیں کیا نیز اکثر آدمیوں کا انتظار نہ کرنے اور ان کی طرف توجہ اور فکر نہ رکھنے کی وصیت کرتے تھے اس لے کہ لوگوں کو اپنی نظر سے گرائے بغیر، اور اپنے کو انکی نظروں سے گرائے بغیر، ریا کی باریکیوں سے رہائی نہیں پا سکتا۔

نفس کی شرارتوں سے نجات

اور جو شخص نفس کی شرارتوں سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اس کی صحبت اختیار کرے جو نفس سے نجات پا چکا ہے۔ چنانچہ مصنف نے فرمایا ہے:۔

(وَلَئِنْ تَصْحَبْ جَاهِلًا لَا يَرْضٰى عَنْ نَّفْسِهٖ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَصْحَبَ عَالِمًا يَرْضٰى عَنْ نَّفْسِهٖ) ''اپنے نفس سے راضی رہنے والے عالم کی صحبت سے اپنے نفس سے راضی نہ رہنے والے جاہل کی صحبت اختیار کرنی، تمہارے لئے بہتر ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اپنے نفس سے راضی نہیں ہے اس کی صحبت خالص بھلائی ہے اس وجہ سے کہ وہ اخلاص کے ساتھ قائم ہے اور یہ اخلاص سے آراستہ ہو کر خواص میں ہو جاتا ہے۔

اور جو شخص اپنے نفس سے راضی ہے اگر چہ وہ سارے اہل زمین سے بڑا عالم ہو اس کی صحبت خالص برائی ہے اس وجہ سے کہ طبیعتیں دوسری طبیعتوں کو چوری کر لیتی ہیں۔ اور وہ جہالت جو اللہ

تعالیٰ کے حضور سے قریب کر دے اس علم سے جو اللہ تعالیٰ کے حضور سے دور کرے افضل ہے۔

اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ انسانوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں رکھنے والے علماء ہیں پھر عابدین، پھر زاہدین کیونکہ وہ لوگ اپنے علم اور عبادت اور زہد کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اور جو جہالت اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے اس کا علم حقیقت پر ہے اور جو علم اللہ تعالیٰ سے حجاب میں کر دیتی ہے اس کی جہالت حقیقت پر ہے اسی لئے مصنف نے فرمایا:۔

(فَاَیُّ عِلْمٍ لِعَالِمٍ یَرْضٰی عَنْ نَّفْسِہٖ) ''اس عالم کے پاس کون سا علم ہے جو اپنے نفس سے راضی ہے''

(وَاَیُّ جِھْلٍ لِجَاھِلٍ لَا یَرْضٰی عَنْ نَّفْسِہٖ) ''اس جاہل کی جہالت کس قسم کی ہے جو اپنے نفس سے راضی نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ اس لئے کہ اس نے اپنے نفس سے ناراضی کے باعث اس کے عیوب کی تحقیق و تلاش کی اور اس کی غلامی سے نجات پا گیا پس وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ ہو گیا، تو اب اس کے مولا نے اس کو اپنا دوست بنایا۔ اور اسے حضور کیلئے اس کو منتخب کیا اور اپنی محبت کیلئے اس کو پسند کیا اور اس کو اپنے غیب کے علم سے آگاہ کیا پس وہ سب مخلوق سے بڑا عالم ہو گیا۔

اور جب بندہ اپنے حصوں اور بشری اوصاف سے نجات پا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مین قرب حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کا قلب درست ہو جاتا ہے اور اپنے رب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے۔ تو اس کو وجود اپنے محبوب کے وجود میں اور اس کا شہود اپنے معبود کے شہود مین فنا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ مصنف نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

(شُعَاعُ الْبَصِیْرَۃِ یُشْھِدُکَ قُرْبَہٗ مِنْکَ وَعَیْنُ الْبَصِیْرَۃِ تُشْھِدُکَ عَدَمَکَ لِوُجُوْدِہٖ وَحَقُّ الْبَصِیْرَۃِ یُشْھِدُکَ وُجُوْدَہٗ لَا عَدَمَکَ وَلَا وُجُوْدَکَ کَانَ اللّٰہُ وَلَا شَیْءَ مَعَہٗ وَھُوَ الْاٰنَ عَلٰی مَا عَلَیْہِ کَانَ) ''شعاع البصیرت:۔ تم سے اللہ تعالیٰ کا قرب تمہیں مشاہدہ کراتی ہے اور عین البصیرت:۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے سامنے تمہارے وجود کا عدم تم کو مشاہدہ کراتی ہے اور حق

البصیرت :۔ نہ تمہارے عدم کا، نہ تمہارے وجود کا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے وجود کا تمہیں مشاہدہ کراتی ہے، اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی، اور اب بھی وہ اسی حال پر ہے جس حال پر پہلے تھا۔

بصیرت کی اقسام

میں کہتا ہوں :۔ لطیف حقیقتوں کے ادراک (پانے) کے اعتبار سے بصیرت کی پانچ قسمیں ہیں۔

بصیرت کی پہلی قسم :۔ اس کی بصیرت خراب ہوگئی پھر اندھی ہوگئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے نور کا اس کی اصل سے انکار کر دیا سیدی علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :۔

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ   وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ

آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے آفتاب کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے، اور بیماری کی وجہ سے منہ پانی کے مزے کا انکار کر دیتا ہے۔ اور یہ کفار کی بصیرت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

(فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ)

بصیرت کی دوسری قسم :۔ بصیرت کی آنکھ درست ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے بند ہے اور یہ کمزوری کسی مرض کی وجہ سے ہے جو اسکو لاحق ہے تو وہ نور کا اقرار کرتی ہے لیکن اس کے مشاہدے کی طاقت نہیں رکھتی وہ نور کو نہ اپنے قریب دیکھتی ہے نہ دور، یہ عام مسلمانوں کی بصیرت ہے۔

بصیرت کی تیسری قسم :۔ اس کا نام ''شعاع البصیرت'' ہے یہ کچھ طاقتور ہوتی ہے۔ اس کی آنکھ بھی درست ہے اور کھلنے کے قریب ہے لیکن شعاع کی تیزی کی وجہ سے آنکھ کو کھولنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، پس وہ اپنے قرب نور کے شعاع کو پاتی ہے اور یہ عام توجہین (توجہ کرنے والوں) کی بصیرت ہے۔

بصیرت کی چوتھی قسم :۔ اس کا نام عین البصیرت ہے بصیرت طاقتور ہوگئی ہے اس کی آنکھ کھل گئی ہے۔ اس بصیرت والے نے نور کو اپنے گرد گھیرے ہوئے پایا اس نور کے مشاہدہ میں وہ اپنے نفس سے غائب ہوگیا اور یہ خاص متوجہین کی بصیرت ہے۔

بصیرت کی پانچویں قسم:۔اس کا نام حق البصیرت ہے۔بصیرت کامل ہوئی، اوراس کا نور تیز ہوا، پھراس کا نوراس کی اصل کے نور سے مل گیا، تو اس بصیرت والے نے صرف اصلی نور کو دیکھا، اور وہاں اصلی نور سے زیادہ کسی چیز کو ہونے سے انکار کر دیا اور یہی مقام ہے اللہ تعالیٰ تھا اور اسکے ساتھ کوئی شی نہ تھی، اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس حال پر پہلے تھا۔

شعاع البصیرت کی وجہ تسمیہ:۔ یہ ہے کہ یہ بصیرت والا جب موجودات کو دیکھتا ہے۔تو ان کو وجود اس کی بصیرت کے آئینے میں چھپ جاتا ہے اور اس کو اصل نور کے مشاہدہ سے حجاب میں کر دیتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ اس کی کثافت ہلکی ہے اور اس کی دلیلیں روشن ہیں وہ نور کے شعاع کو نور سے علحدہ اپنے قریب پاتا ہے۔اور نور کو نہیں پاتا ہے یہی ایمان کا نور ہے۔اور ''علم الیقین'' کا مقام ہے۔

عین البصیرت کی وجہ تسمیہ:۔ جب بصیرت درست اور قوی ہوئی۔اور اس کی آنکھ کھل گئی۔تو اس نے نور کو اپنے سے قریب اور اپنے کو گھیرے ہوئے دیکھا۔تو اس کا نام ''عین البصیرت'' رکھا گیا۔کیونکہ اس کی آنکھ کھل گئی۔اور جو کچھ دوسروں سے پوشیدہ ہے اس کو اس نے پالیا اور یہ ''عین الیقین'' کا مقام ہے۔

حق البصیرت کی وجہ تسمیہ:۔ یہ ہے۔بصیرت نے جب حق تعالیٰ کو اس کی اصل سے پالیا۔اور فروغ کے نور سے اصول کے نور میں غائب ہو گیا۔تو اس کا نام ''حق البصیرت'' رکھا گیا۔کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کو پالیا اور خلق کے مشاہدہ سے غائب ہو گیا۔اور یہ ''حق الیقین'' کا مقام ہے۔

پس شعاع البصیرت:۔ایمان کا نور ہے اور اہل مراقبہ کیلئے ہے۔

اور عین البصیرت:۔احسان کا نور ہے اور اہل مشاہدہ کیلئے ہے۔

اور حق البصیرت:۔رسوخ و تمکین کا نور ہے اور اہل مکالمہ کیلئے ہے۔

یا اس طرح کہو:۔شعاع البصیرت:۔علم الیقین کا نور ہے۔عین البصیرت:۔عین الیقین کا نور ہے۔ حق البصیرت:۔حق الیقین کا نور ہے۔

پس علم الیقین:۔دلیل و برہان والوں کیلئے ہے۔اور عین الیقین:۔کشف و بیان والوں کیلئے

ہے۔اور حق الیقین :۔شہود وعیاں والوں کیلئے ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے:۔ایک شخص نے مکہ معظّمہ کا نام سنا ہے اور اس کو دیکھا نہیں ہے یہ علم الیقین ہے۔اور جب وہاں تک پہنچنے کا شرف حاصل کیا اور اس کو دیکھا لیکن اس مین داخل نہیں ہوا یہ عین الیقین ہے اور جب اس میں داخل ہوا اور قائم ہو گیا یہ حق الیقین ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے طالب کا حال ہے:۔جب تک حجاب سے باہر اعمال مین فنا ہے تو وہ علم الیقین میں ہے۔اور جب فنا فی الذات کے مقام میں پہنچنے کا شرف حاصل کیا۔لیکن فنا کے مقام میں قائم نہیں ہوا تو وہ عین الیقین میں ہے۔اور جب فنا کے مقام میں قائم نہیں ہوا تو وہ عین الیقین میں ہے۔اور جب فنا کے مقام میں مضبوط اور قائم ہو گیا۔تو وہ حق الیقین میں ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔شعاع البصیرت :۔اہل عالم ملک کیلئے ہے عین البصیرت :۔اہل عالم ملکوت کیلئے ہے۔حق البصیرت :۔اہل عالم جبروت کیلئے ہے۔

یا اس طرح کہو:۔شعاع البصیرت :۔فنا فی الاعمال والوں کیلئے ۔عین البصیرت :۔فنا فی الذات والوں کیلئے ہے۔حق البصیرت :۔فنا فی الفنا والوں کیلئے ہے۔

پس شعاع البصیرت :۔تم سے حق تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ تم کو کراتی ہے۔یعنی تم سے حق تعالیٰ کے نور کے قرب کا مشاہدہ تمہارے لئے واجب کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ)۔ ’’اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کا نفس اس کے دل میں جو وسوسہ پیدا کرتا ہے ہم اسے جانتے ہیں کیونکہ ہم اسکی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔اور دوسری جگہ فرمایا:

(وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ) ’’اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔تم کہاں کہیں بھی ہو‘‘۔

اور عین البصیرت :۔تم کو تمہارے عدم کا مشاہدہ کراتی ہے یعنی حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے تمہارے اپنے وجود کے وہم کا زائل ہونا کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا کا بھی مشاہدہ کرو تو جب تمہارے اپنے وجود کا وہم زائل ہو گیا اور تم اپنے وجود سے فنا ہو گئے۔تو تم اپنے رب کا مشاہدہ اپنے رب کے ساتھ کیا اور یہ بصیرت کے کھلنے اور روح کے علاج کی علامت

ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمٰن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

مَنْ رَاٰی الْمُکَوِّنَ بِالْکَوْنِ عَزَّہٗ فِی عَمَی الْبَصِیْرَۃِ

''جس شخص نے خالق کومخلوق کے ذریعہ دیکھا۔اس نے اپنی بصیرت کے اندھاپن میں ترقی کی''۔

وَمَنْ رَاٰی الْکَوْنَ بِالْمُکَوِّنِ صَادَفَ عِلَاجَ السَّرِیْرَۃِ

''اور جس نے مخلوق کوخالق کے ذریعہ دیکھا اس نے روح کا علاج پالیا''۔

پس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی بصیرت اندھی ہوگئی ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو پہلے بیان ہوا وہ یہ کہ ان کی بصیرت درست ہونے کے باوجود اس کی آنکھ بند ہے اس کے برعکس کفار کی بصیرت اندھی ہوچکی ہے۔

اور حق البصیرت:۔صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کانہیں۔کیونکہ وہ اپنے اصل سے گم ہے۔ اور تمہارے عدم کا بھی نہیں اسلئے کہ عدم وہ ہوتا ہے۔جس کیلئے وجود ثابت ہو۔اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی موجود نہیں ہے۔اللہ تھا اور اسکے ساتھ کچھ نہ تھا،اور وہ اب بھی اسی حلا پر ہے جس حال پر پہلے تھا،اور یہ مضمون زیادہ ہے اور اگر چہ حدیث میں نہیں ہے۔لیکن اس کی حقیقت صحیح ہے کیونکہ حق تعالیٰ کیلئے تغیر محال ہے۔

حضرت محی الدین بن محمد بن علی بن عربی بن حاتمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔جس شخص نے مخلوق کا مشاہدہ کیا کہ ان کو کوئی فعل نہیں ہے۔وہ بیشک کامیاب ہوا۔اور جس نے مخلوق کا مشاہدہ اس طرح کیا کہ ان کیلئے زندگی نہیں ہے وہ آگے بڑھا اور جس نے مخلوق کو عین عدم مشاہدہ کیا واصل ہوا۔

میں کہتا ہوں:۔جس نے مخلوق کو عین عدم مشاہدہ کیا اس کا وصال ثابت اور قائم ہوگیا۔

عارفین کے اشعار ہیں:

مَنْ اَبْصَرَ الْخَلْقَ کَالسَّرَابِ فَقَدْ تَرَقّٰی عَنِ الْحِجَابِ

اِلٰی وُجُوْدٍ تَرَاہُ رَتْقًا بِلَا انْبِعَادٍ وَلَا اقْتِرَابِ

جس نے مخلوق کوسراب کی طرح دیکھا تو بیشک وہ حجاب سے آگے بڑھا اس وجود کی طرف

جس کو تم بغیر فوری اور نزدیکی کے ملا ہوا دیکھو گے۔

فَلَا خِطَابَ بِهٖ اِلَيْهِ وَلَا مُشِيْرَ اِلَى الْخِطَابِ

پس اس کے ساتھ اس کی طرف کوئی خطاب نہیں ہے۔ اور نہ خطاب کی طرف کوئی اشارہ کرنے والا ہے۔

تیسرا باب ختم ہوا

چونکہ وجود میں حق تعالیٰ کی انفرادیت ثابت ہو چکی ہے۔ تو اپنی ہمت کو اس کے غیر کی طرف متوجہ نہ کرو۔ کیونکہ غیر غائب ہے حضرت مصنفؒ نے چوتھے باب میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

باب چہارم

اللہ تعالیٰ سے تجاوز کر کے غیر اللہ کی طرف ہمت کے نہ بڑھنے اور خلق کے مشاہدہ سے خالق کے مشاہدہ کی طرف، قلب کے سفر کرنے کے بیان میں

مصنفؒ نے فرمایا:

لَا تَتَعَدَّ نِيَّةُ هِمَّتِكَ اِلٰى غَيْرِهٖ فَالْكَرِيْمُ لَا تَتَخَطَّاهُ الْاٰمَالُ

تمہاری ہمت کی نیت یعنی ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجاوز کر کے غیر اللہ کی طرف نہ بڑھے کیونکہ وہ کریم یعنی سخی ہے، ارادے سخی سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ اے مرید! جب تمہاری ہمت کسی ایسی چیز سے وابستہ ہو جس کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کریم ہے اور اس کی نعمتوں کی بارش رات دن جاری ہے اور وہ ایسا کریم ہے کہ ارادے اس سے آگے نہیں بڑھتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ اور وہ سوال کو قبول کرے۔

کریم کا معنیٰ

مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''کریم'' کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔ وہی ایسا ہے کہ اس سے جب مانگا جائے تو وہ دیتا ہے اور اس کو یہ پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ کتنا دے۔ اور کس کو دے اور جب کوئی حاجت اس کے سوا دوسرے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اور جب وہ سختی کرتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔ اور جب سزا دیتا ہے تو انتہا تک نہیں پہنچتا ہے۔ یہ اس کے کرم اور احسان کا کمال ہے۔

اور اس کی حقیقت کے بارے میں سیدی ابراہیم تازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

كَمَالُ اللّٰهِ اَكْمَلُ كُلِّ حُسْنٍ فَلِلّٰهِ الْكَمَالُ وَلَا مُمَارِیْ

''اللہ تعالیٰ کا کمال تمام خوبیوں سے زیادہ کامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کمال میں کوئی جھگڑا یعنی مزاحمت کرنے والا نہیں ہے''۔

وَحُبُّ اللّٰهِ اَشْرَفُ كُلِّ اُنْسٍ فَلَا تَنْسِ التَّخَلُّقَ بِالْوَقَارِ

''اور اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محبتوں سے افضل ہے پس تم وقار کی صفت اختیار کرنا فراموش نہ کرو''۔

وَذِكْرُ اللّٰهِ مَرْهَمُ كُلِّ جَرْحٍ وَاَنْفَعُ مِنْ زُلَالٍ لِلْاُوَارِ

''اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر زخم کا مرہم ہے اور پیاسے کیلئے میٹھے اور صاف پانی سے زیادہ فائدہ مند ہے''۔

فَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا فَدَعْ عَنْكَ التَّعَلُّقَ بِالْفِشَارِ

''پس فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے پس تم اپنے سے فضولیات کا تعلق ختم کر دو''۔

اور جب تم انے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور کرم اور کمال اور احسان کو معلوم کر لیا۔ تو جو حاجتیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل کی ہیں انہیں دوسروں کے سامنے نہ پیش کرو۔ چنانچہ مصنفؒ نے فرمایا:۔

لَا تَرْفَعَنَّ اِلٰى غَيْرِهٖ حَاجَةً هُوَ مُوْرِدُهَا عَلَيْكَ

''جو حاجتیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل کی ہیں انہیں تم غیر اللہ کے سامنے ہرگز نہ پیش کرو''۔

میں کہتا ہوں:۔ تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب وہمی خیال ہے ان کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی حاجت نزال کرے جیسے فاقہ، یا سختی، یا دوسرے حادثات، تو تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو کر اسے بھول جاؤ۔ اور غیر اللہ کی طرف تعلق اور خوشامد کے

ساتھ توجہ نہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے:۔

(مَنْ لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰہَ یَغْضَبُ عَلَیْہِ) ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ناراض ہوتا ہے''۔

معرفت کی علامت

حضرت ابوعلی دقاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ معرفت کی علامت یہ ہے کہ تم اپنی کل حاجتیں کم ہوں یا زیادہ، چھوٹی ہوں یا بڑی، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ مانگو۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوئے تو کہا:۔

(رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ) ''اے میرے رب تو مجھ کو دکھا، میں تجھ کو دیکھوں'' اور ایک روز ان کو روٹی کی ضرورت ہوئی تو کہا (رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ) ''اے میرے رب بیشک میں اس نعمت کا جو تو نے میری طرف نازل کی ہے محتاج ہوں''۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیش آنے والی حاجت کو اس کے غیر کے سامنے اس کی عاجزی اور کمزوری کے باوجود پیش کرنے والے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے مصنفؒ نے فرمایا:۔ (فَکَیْفَ یَرْفَعُ اِلٰی غَیْرِہٖ مَا کَانَ ھُوَ لَہٗ وَاضِعًا) پس جو حاجت اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ اس کو اس کے غیر کے سامنے کیسے پیش کرتا ہے۔

غیر اللہ سے مانگنا بے شرمی ہے

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے احکام قہر سے جو حاجت اس پر نازل کیا تو اللہ تعالیٰ کے احسان اور نیکی اور اس کی قدر سے اس کی مہربانی کے جدا نہ ہونے کا علم رکھنے کے باوجود جو شخص وہ حاجت غیر اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے تو یہ اس کے شرم کی کمی کی وجہ سے ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ میں اپنے نفس کیلئے اپنے نفس کے فائدے سے مایوس ہو گیا ہوں یعنی بھول گیا ہوں تو نفس کیلئے اپنے غیر کے فائدے سے میں کیسے ناامید نہ ہونگا۔ اور جب میں اپنے غیر کیلئے اللہ تعالیٰ سے امید کرونگا تو اپنی ذات کیلئے کیوں نہ امید

کروں گا۔

ایک عجیب نصیحت

اور بعض اہل کشف عارفین رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے:۔ایسی نیند میں جو بیداری کے مثل تھی۔ یا ایسی بیداری میں جو نیند کی طرح تھی یعنی نیم بیداری یا غنودگی کی حلات میں ہم سے کہا گیا: تم اپنا فاقہ ظاہر نہ کرو ورنہ تمہاری بے ادبی اور عبودیت کے حق سے باہر ہونے کی سزا میں، میں اس کو تمہارے اوپر دوگنا کر دونگا۔ میں نے تم کو اس لئے فاقہ میں مبتلا کیا ہے تاکہ اس کی وجہ سے تم فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اس کی وجہ سے میرے سامنے روؤ، گڑگڑاؤ۔ اور اس کے بارے میں میرے اوپر توکل کرو۔ میں نے تم کو فاقہ میں اس لئے پگھلایا ہے کہ تم خالص سونا بن جاؤ۔ تو اب تم اس پگھلانے کو عیب نہ سمجھو ہم نے تمہارے لئے فاقہ، اور اپنی ذات کیلئے غنا یعنی بے نیازی کا حکم کیا۔ تو اگر تم اپنا فاقہ میرے سپرد کرو گے۔ تو میں اپنی غنا تمہارے حوالے کرونگا۔ اور اگر تم اسے غیر کے سامنے پیش کرو گے تو میں اپنی امداد کا مادہ تم سے منقطع کر دونگا۔ اور اپنے دروازے سے تم کو بھگانے کے ساتھ تمہارے اسباب کو اپنے اسباب سے میں جدا کر دونگا۔ تو جس شخص کو میں نے اپنی سپردگی میں لیا وہ مالک ہوا اور جس کو میں نے اسی کے سپرد کر دیا۔ وہ ہلاک ہوا۔ پھر مصنفؒ نے تعجب کی وجہ بیان فرمائی۔

(مَنْ لَّا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّرْفَعَ حَاجَةً عَنْ نَّفْسِهٖ فَكَيْفَ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهَا عَنْ غَيْرِهٖ رَافِعًا؟) ”جو اپنی ذات سے حاجت رفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کی حاجت کیسے رفع کر سکتا ہے؟

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اپنی ذات کی اصلاح سے عاجز ہے۔ وہ دوسرے کی اصلاح کس طرح کر سکے گا؟ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جو شخص غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ دھوکے میں ہے کیونکہ دھوکا وہی ہے جو ہمیشہ نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی

ہمیشہ رہنے والا قدیم ہے نہ اس کو کبھی زوال ہوا نہ کبھی زوال ہوگا۔ اور اس کی بخشش اور فضل دونوں دائمی ہیں پس تم صرف اسی پر بھروسہ کرو جس کی بخشش اور فضل تمہارے اوپر ہمیشہ ہے۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرنا اور کل حادثات اور مصائب میں اسی کی طرف رجوع کرنا، اس کے ساتھ حسن ظن کا سبب ہے جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

اللہ سے حسن ظن رکھو

(اِنْ لَّمْ تُحَسِّنْ ظَنَّكَ بِهٖ لِاَجْلِ وَصْفِهٖ فَحَسِّنْ ظَنَّكَ بِهٖ لِاَجْلِ مُعَامَلَتِهٖ مَعَكَ فَهَلْ عَوَّدَكَ اِلَّا حُسْنًا وَهَلْ اَسْدٰى اِلَيْكَ اِلَّا مِنَنًا) ''اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات کی بناء پر حسن ظن نہیں رکھتے ہو تو تمہارے ساتھ جو اچھا سلوک اس نے کیا ہے اس کی بنا پر اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ تو کیا اس نے تمہیں اچھے حال کے سوا کبھی برے حال میں رکھا۔ اور کیا تمہارے پاس احسان کے سوا کچھ اور بھیجا؟''

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے معاملہ میں انسانوں کی دو قسم ہے:۔

ایک قسم، خواص:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا حسن ظن اس کے جمال اور کمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے، ان کیلئے دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رحمت و رافت اور جود و کرم سے موصوف ہونا ختم نہیں ہوتا ہے تو جب ان کے سامنے اپنے جلال یا قہر کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو اس کے پردے مین جو کچھ اس کی نعمت کا کمال اور اس کی رحمت کی شمولیت ہوتی ہے۔ اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان کے اوپر رحمت اور جمال کا مشاہدہ غالب ہو جاتا ہے۔ پس ان کا حسن ظن ہر حال میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

دوسری قسم، عوام:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا حسن ظن اس کے احسان اور اس کے اچھے سلوک، اور اس کے انعام کے مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب ان کے اوپر قہریت یا سختی نازل ہوتی ہے تو وہ اس کے سابقہ احسان اور اس مہربانی اور انعام پر نظر کرتے ہیں۔ جو اس نے ان کو پہلے

عطا کیا ہے۔ تو جو کچھ ان کے اوپر اب وارد ہوتا ہے اس کو ماضی پر قیاس کرتے ہیں اور قبولیت اور رضا مندی کے ساتھ اس کو گوارا کرتے ہیں۔ اور یہ حسن ظن نظر اور فکر کی کمزوری اور طاقت کے مطابق کمزور اور طاقتور ہوتا ہے بخلاف پہلے حسن ظن کے کہ وہ یعنی خواص کا حسن ظن وصف کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے اور وصف کبھی مختلف نہیں ہوتا ہے اور دوسرا یعنی عوام کا حسن ظن فعل کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے اور فعل مختلف ہوتا رہتا ہے۔

پس اے مرید! اگر تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا حسن ظن رکھنے کی طاقت نہیں ہے جو اس کے مختلف نہ ہونے والے وصف رحمت و رافت کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے تو تم اس کے اس مہربانی اور احسان کی بنا پر جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی اور لطف و کرم کے سوا کچھ اور کیا ہے۔ اور کیا اس نے تمہارے پاس بڑے احسانات اور زیادہ نعمتوں کے سوا کچھ اور بھیجا ہے؟

حضرت رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

(اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يُغَذِّيكُم بِهٖ مِنْ نِّعْمَةٍ ، وَاَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللّٰهِ) ”تم لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت اس لئے کرو کہ وہ تم کو اپنی نعمت سے غذا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے مجھ سے محبت کرو“۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کو محبت کرتا ہوں تو ایک شخص نے کہا:۔ اے میرے سردار! آپ کے جد معظم حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنے مندرجہ ذیل قول مبارک سے آپ کے قول کا انکار فرمایا ہے:۔

(جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا) ”قلوب اس کی محبت پر پیدا کئے گئے ہیں جس نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے جواب دیا: بیشک جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو احسان کرنے والا نہیں دیکھا تو ہم نے صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔

نیز حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا:۔ ایک رات کو میں نے سورہ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھنا شروع کیا۔ جب میں (مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ) تک پہنچا۔ تو مجھ سے کہا گیا:

وسواس کا شر:۔ وہ وسوسہ ہے جو تمہارے اور تمہارے دوست کے درمیان داخل ہوتا ہے تم کو تمہارے برے افعال یاد دلاتا ہے اور تم کو تمہارے نیک افعال بھلا دیتا ہے اور تمہارے نزدیک بائیں ہاتھ والے یعنی برائی کے اعمالنامے کو زیادہ کرتا ہے۔ اور داہنے ہاتھ والے یعنی نیکی کے اعمالنامے کو تمہارے نزدیک کم کرتا ہے تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی بخشش کے حسن ظن سے پھیر کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بدظنی میں مبتلا کر دے پس اس وسوسہ سے بچو اور عابدین وزاہدین اور اطاعت کرنے والے صالحین نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

نیز حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا:۔ عارف وہ ہے جو زمانہ کی سختیوں اور مصیبتوں کو، اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی مہربانیاں تصور کرتا ہے۔ اور زمانہ کی برائیوں کو اپنی طرف اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ (فَاذْكُرُوْا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) الأية۔ ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو کامیابی حاصل ہو''

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ تمہارے ساتھ احسان ہی کیا۔ اور ہمیشہ تمہاری طرف انعام ہی بھیجا۔ تو یہ تعجب ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر اس کے ماسوا کو طلب کرو۔ چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

''اَلْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ مِمَّنْ يَّهْرُبُ مِمَّا لَا اِنْفِكَاكَ لَهٗ عَنْهُ وَيَطْلُبُ مَا لَا بَقَاءَ لَهٗ مَعَهٗ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ''

''بہت تعجب ہے اس شخص پر جو اس سے بھاگتا ہے، جس سے اس کو جدا نہیں ہونا ہے۔ اور اس کو طلب کرتا ہے جو اس کے ساتھ باقی نہیں رہنا ہے پس بیشک اس کی آنکھیں اندھی نہیں ہوئی ہیں بلکہ اس کا دل اندھا ہو گیا ہے جو سینہ میں ہے۔

بڑی ہی عجیب بات

میں کہتا ہوں:۔ جس سے جدا نہیں ہونا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی قضا وقدر ہے اور جس کو باقی نہیں رہنا ہے وہ دنیا ہے یا وہ چیزیں جن کی تدبیر اور اندازہ نفس کرتا ہے، پس سارے

عجائبات سے بڑا تعجب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے بھاگے اور طلب کے ساتھ اس کے ماسوا کی طرف توجہ کرے باوجود اس کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ اس سے پھر کر جانے کی کوئی جگہ ہے کیونکہ اس کا وجود اسی سے ہے۔ اور اس کے وجود کا قیام اسی کے ساتھ یعنی اسی کے باعث ہے تو وہ اس کی معرفت کی طلب کو اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کے منع سے پرہیز کے ذریعہ اس کے تقرب کو ترک کر کے کیسے بھاگتا ہے۔ اور دنیائے فانی کے حظوظ یعنی حصوں کو طلب کرتا ہے جنہیں باقی نہیں رہنا ہے اور ان کو اگر تم نے دنیا کی زندگی میں نہیں چھوڑا تو وہ موت کے ساتھ تم سے چھوٹ جائیں گی پس تم اس کو طلب کرو جو باقی رہے گا۔ اور اس کو چھوڑ دو جو فنا ہو جائیگا۔

ایک عارف نے بہت خوب کہا ہے:۔

هَبِ الدُّنْيَا تَسَاقُ اِلَيْكَ عَفْوًا اَلَيْسَ مَصِيْرُ ذَاكَ اِلٰى زَوَالِ

''فرض کرو کہ دنیا تمہاری طرف ضرورت سے زائد یعنی کثیر مقدار میں آرہی ہے تو کیا اس کا ٹھکانہ زوال کی طرف نہیں ہے (یعنی کیا اس کا انجام فنا ہو جانا نہیں ہے)''

وَمَا دُنْيَاكَ اِلَّا مِثْلُ ظِلٍّ اَظَلَّكَ ثُمَّ اٰذَنَ بِارْتِحَالِ

''اور تمہاری دنیا صرف سایہ کی طرح ہے۔ تمہارے اوپر سایہ کیا پھر کوچ کرنے کا اعلان کردیا''۔

یا اس طرح کہو:۔ سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ بندہ جس سے جدا نہیں ہو سکتا اس سے بھاگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر ہے اور جس کو باقی نہیں رہنا ہے اس کو طلب کرے اور وہ اس کی تدبیر اور اختیار ہے اس لئے کہ جو کچھ وہ تدبیر کرتا اور مضبوط کرتا ہے قضا اس کو الٹ دیتی اور منہدم کر دیتی ہے۔

مَتٰى يَبْلُغُ الْبُنْيَانُ يَوْمًا تَمَامَهٗ اِذَا كُنْتَ تَبْنِيْهِ وَغَيْرُكَ تَهْدِمُ

''وہ دیوار کبھی کیسے پوری ہو سکتی ہے جس کو تم بناتے ہو اور قضا اس کو ڈھا دیتی ہے''۔

اور یہ سب بصیرت کے نہ کھلنے یا اس کے اندھی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے فرمایا:۔

(فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ) ''بیشک آنکھیں محسوس یعنی ظاہر کے دیکھنے سے اندھی

نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یقیناً وہ اس کو دیکھتی ہیں اور اسی کے حجاب میں رہتی ہیں (وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ) بلکہ قلوب کی آنکھیں حقیقت کے دیکھنے سے اندھی ہوتی ہیں۔ تو وہ صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اسی کو محبت کرتا ہے۔

اور اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور اس کی ہدایت چاہتے ہیں۔

بصیرت کب اندھی ہوتی ہے

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ بصیرت کے اندھی ہونے کے تین سبب ہیں:

اول:۔ جسمانی اعضا کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آزاد چھوڑ دینا۔ دوم:۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حرص کرنا۔ سوم:۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بناوٹ اختیار کرنا۔

پس اگر تم کو اللہ تعالیٰ کی طلب ہے جس سے جدا ہونا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے اور تم اس کی طرف سفر کرنا چاہتے ہو تو اس کی ذات کی معرفت طلب کرو اس کی جنتوں کی زیب وزینت نہیں کیونکہ وہ بھی اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے لہٰذا مصنفؒ نے فرمایا:۔

(لَا تَرْحَلْ مِنْ كَوْنٍ اِلٰى كَوْنٍ فَتَكُوْنَ كَحِمَارِ الرَّحٰى يَسِيْرُ وَالَّذِىْ ارْتَحَلَ اِلَيْهِ هُوَ الَّذِىْ ارْتَحَلَ عَنْهُ وَلٰكِنِ ارْحَلْ مِنَ الْاَكْوَانِ اِلَى الْمُكَوِّنِ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى)۔

چکی کا گدھا

''تم مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر نہ کرو۔ ورنہ تم چکی کے گدھے کی طرح ہو جاؤ گے۔ جو چلتا رہتا ہے اور جس مقام کی طرف وہ سفر کرتا ہے وہ وہی مقام ہے جس سے وہ سفر کرتا ہے۔ بلکہ مخلوقات سے خالق کی طرف سفر کرو اور بیشک آخری منزل تمہارے رب کے پاس ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر کرنا:۔ غیر اللہ سے غیر اللہ کی طلب کی طرف سفر

کرنا ہے اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اللہ کی طرف متوجہ اور سب سے منقطع ہو گیا لیکن اس عمل سے اس کی خواہش اپنے بدن کو آرام دینا اور دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

(مَنْ اِنْقَطَعَ اِلَى اللّٰهِ كَفَاهُ كُلَّ مَؤُنَةٍ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی سب ضروریات کیلئے کافی ہوتا ہے اور اس کو اس حیثیت سے روزی دیتا ہے جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا ہے"۔ و نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَاٰتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ صَاغِرَةٌ) "جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں کو اپنے ذمے کر لیتا ہے اور اپنی غنا اس کے قلب میں قائم کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے"۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا لیکن اس کی خواہش خصوصیت حاصل کرنا ہے جیسے مخلوق میں عزت اور مقبولیت حاصل کرنی اور لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا کرنا۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اس سے اس کی خواہش کرامت اور خرق عادت کا پیدا ہونا ہے۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اس سے اس کی خواہش حور و قصور حاصل کرنا ہے۔

پس یہ سب مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر ہے اور اسکی مثال چکی کے گدھے کی طرح ہے جو دن رات چلتا رہتا ہے اور پھر بھی اپنی جگہ ہی میں رہتا ہے جس مقام سے وہ سفر کرتا ہے سارا دن چلنے کے بعد وہ اسی مقام پر پہنچتا ہے۔ پس جس شخص کا ارادہ نفسانی حظوظ حاصل کرنا ہے اس کا حال رہٹ کے گدھے کی طرح ہے۔ ہمیشہ چلتا ہی رہتا ہے اور پھر بھی اپنی ہی جگہ میں رہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ اس نے منزل مقصود کی طرف کچھ راستہ طے کیا ہے۔ حالانکہ اس کو محنت اور تھکن کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔تم صرف ایک دروازے پر ٹھہرو۔ لیکن یہ نیت نہ کرو کہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔تو تمہارے لئے دروازہ کھولدیا جائیگا۔اور ایک آقا کے سامنے جھکو۔لیکن تمہاری نیت یہ نہ ہو، کہ مخلوق کی گردنیں ہمارے سامنے جھکیں۔تو تمہارے سامن گردنیں جھک جائیں گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔(وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَ نَا خَزَائِنُہٗ) ''ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں''۔

پس اے مرید! تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ تم اپنی ہمت کو بزرگ بادشاہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند کرو اور مخلوق کے مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی طلب میں سفر کرو یا دلیل وبرہان سے شہود عیاں کے مرتبہ کی طرف سفر کرو یہی منزل مقصود اور انتہا تک پہنچنا ہے (وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی) ''بیشک آخری منزل تمہارے رب کے پاس ہے''۔

اور مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر نہ کرو اس طریقے پر کہ تم نفس کے حظوظ میں سے ایک حظ کو دوسرے کیلئے ترک کرو پس تم چکی کے گدھے کی طرح ہو جاؤ۔اور ایسے شخص کو گدھے کے ساتھ مشابہت دینا اس کی کند ذہنی اور کم سمجھی کی دلیل ہے اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ رکھتا تو اپنے نفس اور اس کی خواہشات کے حظوظ سے، اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچنے کے ارادے سے سفر کرتا۔پس اے مرید! ایک مخلوق کی طرف سے اپنے ہی جیسی دوسری مخلوق کی طرف سفر نہ کرو بلکہ مخلوق سے خالق کی طرف سفر کرو (وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی)۔

اور خالق کی طرف سفر تین امور سے ہوتا ہے۔اول:۔تمہاری ہمت کا ماسوی اللہ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر منحصر ہونا تا کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی طرف نظر کرے تو اس کو ماسوی اللہ کی محبت سے خالی پائے۔دوم:۔حقوق کے قائم کرنے اور نفسانی حظوظ سے بھاگنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔سوم:۔ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اور اسی سے مدد چاہنا اور اسی پر توکل کرنا اور جو کچھ وہ تمہارے اوپر نازل کرے اس کیلئے سر تسلیم خم کرنا۔

ہر شے سے بے نیازی کیلئے چار صفات

حضرت شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔جس شخص میں چار صفات ہوں مخلوق اس

کی محتاج ہے اور وہ ہر شی سے بے نیاز ہے۔ (۱) اللہ کی محبت۔ (۲) اللہ کے ساتھ غنا۔ (۳) صدق۔ (۴) یقین۔ عبودیت میں صدق ربوبیت کے احکام میں یقین۔ (وَمَنْ اَحْسَنُ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ) الآیۃ۔ ''یقین رکھنے والی قوم کیلئے حکم میں اللہ سے بہتر کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

پھر مصنف ؒ نے ماسوی اللہ سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہمت کو متوجہ کرنے کی طلب میں حدیث ہجرت سے جو بخاری شریف میں وارد ہے۔ استدلال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(وَانْظُرْ اِلٰی قَوْلِہٖ ﷺ : فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ فَافْھَمْ قَوْلَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ : فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ وَتَاَمَّلْ ھٰذَا الْاَمْرَ اِنْ کُنْتَ ذَا فَھْمٍ وَالسَّلَام)

''حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف نظر کرو:۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف اس کو حاصل کرنے کیلئے یا عورت کی طرف اس سے شادی کرنے کیلئے ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے۔ جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے تو نبی کریم ﷺ کے اس قول مبارک کو سمجھو۔ تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔ اور اس معاملہ میں غور کرو اگر تم سمجھ والے ہو۔ والسلام''

میں کہتا ہوں:۔ ہجرت: ایک وطن سے دوسرے وطن کی طرف اس حیثیت سے منتقل ہونے کو کہتے ہیں کہ جس وطن سے نکلا ہے اس کو چھوڑ دے اور جس وطن کی طرف منتقل ہوا ہے اسی میں سکونت اختیار کرے۔

ہجرت تین طرح سے ہوتی ہے

اور ہجرت یہاں تین امور سے ہوتی ہے:۔ (۱) معصیت کے وطن سے اطاعت کے وطن کی

طرف۔ (۲) غفلت کے وطن سے بیداری کے وطن کی طرف۔ (۳) عالم اجسام کے وطن سے عالم ارواح کے وطن کی طرف۔

پس جو شخص ان وطنوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی تک پہنچنے، یا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی معرفت تک پہنچنے کا ارادہ کر کے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اس کے ارادہ اور ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تک پہنچانے والی ہوگی۔

پس اے سننے والو! حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ قول مبارک سنو۔ ''پس اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے اور اس میں غور کرو اور اس کو اپنے قلب اور نفس پر پیش کرو۔ اور دیکھو کہ جس سے تم نے ہجرت کی ہے کیا اس کی طرف تمہاری توجہ کا کوئی شائبہ باقی ہے۔؟ یا جس کی طرف تم نے ہجرت کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت کیا اس کے سوا تمہارے اندر نفس کے حظوظ میں سے کوئی حصہ باقی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کا چاہنے والا اس کے سوا کچھ اور بھی چاہے۔ اور جس کے اندر اس کے نفس اور اس کی خواہشات کا ادنی حصہ بھی باقی ہے وہ ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ لَا يَنَالُ الْوِصَالَ مَنْ فِيهِ فَضْلَهُ

''اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو اس کیلئے تمہارا فنا ہونا شرط ہے۔ جس شخص کے اندر اس کا کوئی فضل باقی ہے وہ میرے وصال تک نہیں پہنچ سکتا''۔ اور حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

لَيْسَ يُدْرِكُ وِصَالِيْ كُلُّ مَنْ فِيهِ بَقِيَّا

''کوئی بھی شخص جس کے اندر اس کے نفس اور اس کی خواہشات کا کوئی شائبہ باقی ہے وہ میرے وصال کو نہیں پا سکتا ہے''۔

اور میں نے اپنے شیخ بازیدی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا:۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ کیا تمہارے نفس نے اس عالم سے عالم ملکوت کی طرف سفر کیا یا نہیں تو اس پر وہ اندیشہ پیش کرو جن کی وہ خواہش

کرتا تھا۔ یا یکے بعد دیگرے ان کی طرف مائل ہوتا تھا تو اگر تم ایسا پاؤ کہ وہ ان امور سے سفر کی گیا ہے اوران کی محبت اس کے دل سے نکل گئی ہے۔ اوران میں سے کسی ایک کی طرف بھی اس نے توجہ نہیں کیا۔ تو خوش ہو جاؤ کیونکہ بے شک تمہاری ارواح عالم ملکوت کی طرف سفر کر گئی ہیں۔

اور اگر تم ایسا پاؤ کہ اس نے توجہ کیا اور اس دنیا سے کسی چیز کی محبت کی طرف مائل ہوا تو اس سے جہاد کرو۔ اور اس کو اس سے بالکل نکالو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی طرف سفر کر جائے۔

اس باب کو حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے سلام پر ختم کیا کیونکہ یہ باب افراور مقام کے بیان پر شامل ہے پس یہ باب پورے کا پورا خلق کے مشاہدہ سے خالق کے مشاہدہ کی طرف قلب کے سفر کی رہنمائی کرتا ہے پس سلامتی کے ذکر کیلئے سلام پر اس کو ختم کرنا مناسب سمجھا۔

چونکہ سفر میں کسی رہنما کا ہونا لازی اور ضروری ہے ورنہ سیدھے راستے سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے لہٰذا مصنف رضی اللہ عنہ نے پانچویں باب میں صحبت، شیخ کے لوازمات اور اس آداب بیان فرمائے۔ چوتھا باب ختم ہوا۔

باب پنجم

صحبت، شیخ کے لوازمات، اور اس کے آداب زہد اور ذکر کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا: [لَا تَصْحَبْ مَنْ لَّا يُنْهِضُكَ حَالُهُ ، وَلَا يَدُلُّكَ عَلَى اللّٰهِ مَقَالُهُ] ''تم اس شخص کی صحبت نہ اختیار کرو جس کا حال تم کو آمادہ نہ کرے اور جس کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کرے''۔

کس کی صحبت اختیار کی جائے

میں کہتا ہوں:۔ وہ شخص جس کا حال تم کو آمادہ کرتا ہے اور ابھارتا اور قائم کرتا ہے۔ وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگو یعنی تم غفلت کے حال میں تھے جب اس کو دیکھا تو تمہارا حال بیداری کیلئے آمادہ ہوا یا مت دنیا کی رغبت کی حلات میں تھے جب اس کو دیکھا تو تمہارا حال زہد کیلئے آمادہ ہوا یا تم گناہوں میں مشغول تھے جب اس کو دیکھا تو تمہارا حال توبہ کی طرف مائل ہوا یا تم اللہ تعالیٰ سے جہالت کے حال میں تھے جب اس کو دیکھا تو تمہارے اندر اس کی معرفت کا شوق پیدا ہوا۔ وغیرہ

اور وہ شخص جس کا قول اللہ تعالیٰ کے اوپر تمہاری رہنمائی کرتا ہے وہ ہے:۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے غائب ہوتا ہے۔ جب وہ بات کرتا ہے تو اس کی باتیں دل میں پیوست ہو جاتی ہیں اور جب وہ خاموش ہوتا ہے۔ تو اس کا حال تم کو اللہ علام الغیوب کی طرف مائل کرتا ہے اس کا حال اس کے قول کی تصدیق کرتا ہے اور

اس کا قول اس کے علم کے موافق ہوتا ہے ایسے شخص کی صحبت اکسیر ہے حلاتوں اور حقیقتوں کو بدل دیتی ہے شیخ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:۔''اس شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جا کا حال تم کو آمادہ نہیں کرتا ہے''۔ یعنی اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس کا حال تم کو آمادہ کرتا ہے اور اس کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔

صحبت کی اہمیت

تصوف کے طریقہ میں صحبت بہت اہم شی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی عادت اور حکمت ایسی ہی جاری ہے یہاں تک کہ بعض عارف نے فرمایا ہے:۔

(مَنْ لَّا شَيْخٌ لَّهُ فَالشَّيْطَانُ شَيْخُهُ) ''جس کا کوئی شیخ نہیں ہے تو شیطان اس کا شیخ ہے''۔

ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:۔ انسان اس درخت کی طرح ہے جو خالی میدان میں اگتا ہے تو اگر اس کو کاٹا اور روکا نہ جائے یعنی کاٹ چھانٹ کر درست نہ کی جائے تو وہ غیر موزوں اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص کا کوئی شیخ نہیں ہے، اس کو اس حال میں خوش نہ ہونا چاہیئے۔

شیخ کے چار لوازمات

وہ یہ ہیں۔ (۱) صحیح علم۔ (۲) صریح ذوق۔ (۳) بلند ہمت۔ (۴) پسندیدہ ذوق۔

صحیح علم:۔ وہ ہے جس کے ذریعہ اپنے فرض کا یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اور لازی ہے کہ وہ ان مقامات و منازل کا جن کو مرید طے کرتا ہے اور نفس کے مکروں اور فریبوں کا بخوبی عالم ہو۔ اور یہ علم اس نے کسی کامل شیخ کے ہاتھ پر سلوک کو طے کر کے اور ذوق سے پایا ہو۔ تقلید سے نہیں۔ صریح ذوق:۔ کا مقصد یہی ہے۔

بلند ہمت:۔ یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہو۔ غیر اللہ سے نہیں۔

پسندیدہ حالت:۔ یہ ہے۔اپنی طاقت کے موافق استقامت یعنی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو۔ اورلازمی وضروری ہے کہ وہ حقیقت اورشریعت اور جذب وسلوک کا جامع ہو۔تاکہ اپنے جذب سے اس کو جذب کرے اور اپنے سلوک سے اس کو جذب کی حالت سے نکال کر بقا تک پہنچائے کیونکہ فقط سالک:۔ظاہری ہے۔نہ وہ جذب ہوتا ہے۔نہ حقیقت تک پہنچتا ہے۔اورصرف مجذوب:۔نہ سیر کرتا ہے۔نہ واصل ہوتا ہے۔اوراس کی صحبت کی خرابی اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔

ایسے شیخ سے بچو

اصول طریقت میں بیان کیا ہے:۔جس شخص کے اندر پانچ صفتیں ہوں۔اس کی مشیخت (شیخ ہونا) صحیح نہیں ہے۔

اول:۔ دین سے جاہل ہونا۔ دوم:۔مسلمانوں کی عزت گرانا۔سوم:۔ بیہودہ چیزوں میں داخل ہونا۔ چہارم:۔ ہر چیز میں خواہش کی پیروی کرنا۔پنجم:۔ بے پرواہ ہوکر بداخلاقی کرنا۔اور ایسے شخص کی صحبت خالص نقصان ہے۔مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

(رُبَّمَا كُنْتَ مُسِيئًا فَأَرَاكَ الْإِحْسَانَ مِنْكَ صُحْبَتُكَ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْوَأُ حَالًا مِنْكَ) ’’اکثر اوقات تم برے حال میں ہوتے ہو۔لیکن اپنے سے برے حال والے کی صحبت،تم کو تمہاری اچھائی دکھاتی ہے‘‘۔

اس عبارت کی تقدیر اس طرح ہے:۔اکثر اوقات تم اپنے حال میں برے،اور اپنے عمل میں کوتاہی کرنے والے ہوتے ہو تو جب تم اپنے سے بدتر حالت والے کی صحبت اختیار کرتے ہو تو اس برے حال والے شخص کی صحبت تم کو تمہاری نیکی دکھاتی ہے کیونکہ تم اپنے نفس کی نیکی اور اپنے ہم صحبت کی خطا اور قصور کو دیکھتے ہو تو اسکے اوپر اپنی بڑائی اور افضلیت کا اعتقاد کرتے ہو کیونکہ علم وعمل اور حال میں اپنی بڑائی اور فضیلت اور دوسرے کی خطا وقصور کو دیکھنا،نفس کی فطری عادت ہے بخلاف اس کے کہ جب تم اپنے سے اچھے شخص کی صحبت اختیار کرتے ہو تو نفس اپنا قصور اور کوتاہی دیکھتا ہے اور اس میں زیادہ بھلائی ہے۔

ایک اہم نصیحت

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ میرے دوست نے مجھ کو وصیت کی۔ اپنے قدموں کو نہ بڑھاؤ مگر ایسی جگہ جہاں تم کو اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید ہو۔ اور نہ بیٹھو مگر ایسی جگہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رہو اور اپنی صحبت کیلئے نہ منتخب کرو مگر ایسے شخص کو جس سے تمہارے یقین میں زیادتی ہو اور ایسے لوگ کم ہیں۔

نیز دوست نے ان سے یہ بھی فرمایا:۔ تم ایسے شخص کی صحبت نہ اختیار کرو جو اپنی ذات کو تمہارے اوپر ترجیح دیتا ہے کیونکہ وہ بیشک کمینہ ہے نہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو تم کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہو کیونکہ یہ کم ہے۔ ہمیشہ نہیں ہوتا ہے۔ تم اس شخص کی صحبت اختیار کرو کہ جب وہ ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جب وہ شہود میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کرتا ہے اور جب وہ گم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قائم مقامی کرتا ہے اس کا ذکر قلوب کا نور ہے اور اس کا مشاہدہ غیوب کی کنجیاں ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے:۔ تم ایسے شخص کی صحبت نہ اختیار کرو جس کیلئے تم کو کوشش سے زیادہ تکلیف اٹھانی پڑے اور نہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس کو تمہارے لئے کوشش سے زیادہ تکلیف برداشت کرنی پڑے اور معاملات میں بہتر معتدل اور درمیانی حالت ہوتی ہے اور یہ وصیت غالباً دوستوں کی صحبت کے بارے میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن شیخ کی صحبت:۔ تو جس چیز کا شیخ حکم دے یا اسکی طرف اشارہ کرے یا تم یہ سمجھتے ہو کہ شیخ اس کو پسند کرتا ہے۔ تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ امکان کے مطابق اس کی تعمیل کیلئے سبقت کرو اور اگر وہ عادتاً محال ہو تو بھی اس کے کرنے کیلئے آمادگی اختیار کرو۔

حضرت شیخ الشیوخ سیدی عربی بن احمد بن عبداللہ فقیر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے:۔ صدیق وہ ہے کہ جب اس کا شیخ حکم دے کہ تم سوئی کے ناکے میں داخل ہو جاؤ تو وہ پس وپیش نہ کرے فوراً اٹھے اور اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرے اگرچہ یہ کام اس سے انجام نہ پا سکے اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارا

ساتھی وہ ہے جس کو ہم ایک بال میں لپیٹ دیتے ہیں۔

حضرت سیدی علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:۔تم یہ جان لو اللہ تعالیٰ کے طالب کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب کرنے والی عارف باللہ کی صحبت جیسی دوسری کوئی چیز نہیں ہے اگر وہ عارف باللہ کو پائے اور اگر عارف باللہ کو نہ پائے تو اس پر واجب ہے کہ رات اور دن کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور دنیا والوں سے اس طرح کنارہ کشی کرے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے ان سے بات کرنے اور ان کیطرف دیکھنے سے پرہیز کرے کیونکہ وہ لوگ زہر قاتل ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز اتنا دور نہیں کرتی جتنا جاہل فقیر کی صحبت دور کرتی ہے۔

جاہل فقیر:۔غافل عوام سے ہزار گنہ زیادہ برا ہے۔

عارف باللہ کی صحبت:۔خلوت سے افضل ہے اور خلوت:۔غافل عوام کی صحبت سے افضل ہے اور غافل عوام کی صحبت:۔جاہل فقیر کی صحبت سے افضل ہے جاہل فقیر کی صحبت کے مثل مرید کے قلب کو سیاہ کرنے والی کوئی شی مخلوقات میں نہیں ہے۔جس طرح عارف باللہ ایک نظر یا ایک لفظ سے بندے کو اللہ سے واصل کر دیتا ہے ایسے ہی جاہل باللہ فقیر:۔اکثر اوقات ایک نظر یا ایک لفظ سے مرید کو اللہ تعالیٰ سے ضایع کر دیتا ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عبد الرحمٰن مجذوب پھر رحمت نازل فرمائے:۔وہ اپنے بعض کلام میں فرماتے ہیں:۔"بدکاروں کی صحبت ذلیل ورسوا کرتی ہے اگر چہ بظاہر وہ صحبت پاک وصاف ہو"۔

ان سے بچو

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔تین قسم کے آدمیوں سے پرہیز کرو۔(۱) غافل سرداروں۔(۲) سست قاریوں۔(۳) جاہل متصوفوں (تصوف کا دعوی کرنے والے) سے۔

حضرت شیخ زروقؒ نے اس میں علمائے ظاہر کا اضافہ کر کے چار قسم فرمایا۔اور فرمایا:۔اس لئے کہ علمائے ظاہر پر ان کے نفوس غالب ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔اس زمانے میں علمائے ظاہر کی صحبت:۔ستر غافل عوام اور جاہل فقیر کی صحبت سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف ظاہر شریعت کو جانتے ہیں اور جو شخص اس ظاہر میں ان سے اختلاف کرتا ہے اس کو خطا کار یا گمراہ سمجھتے ہیں اور اس کی تردید کی کوشش کرتے ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ نصیحت کرتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت کو چھپاتے اور دھوکا دیتے ہیں پس مرید کو چاہیئے کہ اپنی طاقت کے موافق ان کی صحبت اور انکے قریب جانے سے پرہیز کرے اور اگر کسی مسئلہ کو معلوم کرنے کی ضرورت ہو اور اہل باطن میں سے کسی ایسے شخص کو نہ پائے جس سے اس مسئلہ کو دریافت کرے تو اس کو عالم ظاہر سے ڈرتے ہوئے اور بچتے ہوئے پوچھنا چاہیئے۔ اور بچھو اور سانپ کے پاس بیٹھنے والے کی طرح اس سے ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیئے، اللہ کی قسم میں نے فقرا میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا کہ ان علمائے ظاہر کی صحبت اور قربت اختیار کر کے خصوصیت کے طریقے میں کامیاب ہو اہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے جو انہوں نے فرمایا:۔ (وَاللّٰهِ لَا اَسْئَلُهُم دُنْيَا وَلَا اَسْتَفْتِيْهِم عَنْ دِيْنٍ) ''خدا کی قسم میں ان سے نہ دنیا کے بارے میں کچھ پوچھتا ہوں۔ نہ دین کے متعلق کوئی فتوی دریافت کرتا ہوں''۔ اور یہ انہوں نے صحابہ کرام کے علما کے بارے میں فرمایا: تو اس زمانے کے علما کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ وہ دنیا کے جمع کرنے اور لباسوں کی آرائش اور دستاروں کے بڑا کرنے اور کھانے پینے اور مکانوں اور سواریوں کے بہتر اور خوبصورت بنانے میں مشغول ہیں اور انہوں نے اس کو سنت نبویہ ﷺ سمجھ رکھا ہے۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

ملت محمدی کہاں ہے

حضرت یحیٰ معاذ رازی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے علما سے فرماتے تھے۔ اے علما کی جماعت! تمہارے گھر:۔ ہامان کے گھر کی طرح ہیں۔ اور تمہاری سواریاں: قارون کی سواریوں کی طرح ہیں اور تمہارے کھانے:۔ فرعون کے کھانوں کی طرح ہیں اور تمہارے ولیمے:۔ جالوت کے

ولیموں کی طرح ہیں اور تمہارے جلسے اور محفلیں زمانہ جاہلیت کی طرح ہیں اور تم لوگوں نے اپنے مذہبوں کو شیطانی بنا دیا ہے پس ملت محمدیہ ﷺ کہاں ہے؟ (یعنی تمہارے طریقوں کو ملت محمدی سے کیا نسبت ہے)

سب سے بڑی صفت زہد

اور شیخ کے اندر جس صفت کی مضبوطی کی تحقیق کرنی ہے یعنی جس صفت کا موجود ہونا اہم اور ضروری ہے وہ دنیا میں زہد (کنارہ کشی) اختیار کرنا اور ہمت کو اس کی طرف سے ہٹا لینا ہے۔ اگرچہ اس کا عمل ظاہر میں کم ہو۔ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

(مَا قَلَّ عَمَلٌ بَرَزَ مِنْ قَلْبِ زَاهِدٍ وَلَا كَثُرَ عَمَلٌ بَرَزَ مِنْ قَلْبِ رَاغِبٍ) ''زاہد کے قلب سے جو عمل صادر ہوتا ہے۔ وہ کم نہیں ہے۔ اور راغب (دنیا کی طرف رغبت کرنے والے) کے قلب سے جو عمل صادر ہوتا ہے وہ زیادہ نہیں ہے''۔

زہد کسے کہتے ہیں

میں کہتا ہوں:۔ کسی چیز میں زہد: اس چیز کی محبت دل سے نکل جانا اور اس کی طرف سے دل کا سرد ہونا ہے۔ اور اہل تصوف کے نزدیک: ہر اس شی سے نفرت کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اور اس کے حضور سے روکے اور زہد:۔ ایک تو مال میں ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے: اس کے نزدیک سونا اور مٹی، چاندی اور پتھر، دولتمندی اور محتاجی، روکنا اور دینا، برابر ہوتا ہے۔

اور دوسرا جاہ و مرتبہ میں ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے: اس کے نزدیک عزت اور ذلت، شہرت اور گمنامی تعریف اور بدگوئی، اوپر اٹھنا اور نیچے گرنا، برابر ہوتا ہے۔

اور تیسرا:۔ مقامات و کرامات اور خصوصیات میں ہوتا ہے:۔ اس کی علامت یہ ہے: اس کے نزدیک امید اور ڈر، طاقت اور کمزوری، کشائش اور تنگی برابر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ جس حال میں چلتا ہے۔ اسی حال میں اس کے ساتھ بھی چلتا ہے۔ اور اس میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ جس طرح اس میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ پھر خالق اور اس کے حکم کے مشاہدہ

میں تمام مخلوق میں زہد ہوتا ہے۔تو جب مرید زہد میں ان مقامات پر یا اکثر مقامات پر قائم ہو جاتا ہے تو اس کے حکم کے مشاہدہ میں تمام مخلوق میں زہد ہوتا ہے تو جب مرید زہد میں ان مقامات پر یا اکثر مقامات پر قائم ہو جاتا ہے تو اس کے سب عمل حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم الشان ہو جاتے ہیں اگر چہ ظاہر میں لوگوں کے نزدیک کم ہوں۔حضرت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کا یہی مفہوم ہے:۔

تھوڑا مسنون عمل زیادہ بدعتی عمل سے بہتر ہے

(عَمَلٌ قَلِيْلٌ فِيْ سُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلٍ كَثِيْرٍ فِي بِدْعَةٍ) ''سنت کا تھوڑا عمل بدعت کے زیادہ عمل سے بہتر ہے''۔اور دنیا کی محبت اور قلب اور جسم کے ساتھ سر کے بل اس پر گرنے سے زیادہ بڑی اور عظیم الشان کون سی بدعت ہے جو نہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھی نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھی۔یہاں تک کہ فرعونوں کا گروہ ظاہر ہوا اور انہوں نے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں اور ان کو خوب مضبوط کیا اور خوب آرائش وزیبائش کی۔پس یہی حقیقی بدعت ہے تو ایسے لوگوں کا عمل حقیقت میں کم ہے اگر چہ ظاہر میں زیادہ ہو۔اس لئے کہ جسموں کی حرکت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔حقیقتاً اعتبار روحوں کے خضوع یعنی عاجزی کا ہے۔

زاہد کی عبادت: اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔راغب کی عبادت: نفس کے ساتھ نفس کیلئے ہے۔زاہد کی عبادت: زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور راغب کی عبادت: مردہ اور فنا ہو جانے والی ہے۔زاہد کی عبادت: متصل یعنی ہمیشہ جاری ہے اور راغب کی عبادت: پوری ہوئے بغیر منقطع ہو جانے والی ہے۔زاہد کی عبادت: اللہ تعالیٰ کے حضور کی مسجدوں میں ہوتی ہے جن کے بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔اور راغب کی عبادت: گندگیوں کے گھوروں پر ہوتی ہے جن کے ہٹانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ایک عارف کا قول

ایک عارف نے فرمایا: زاہد اور راغب کی مثال گندگی کے گھورے پر نماز پڑھنے

والے کی طرح ہے۔زاہد کی عبادت:۔ جو ظاہر میں کم ہونے کے باوجود حقیقت میں زیادہ ہوتی ہے اور راغب کی عبادت:۔ جو ظاہر میں زیادہ ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کم ہوتی ہے۔دونوں کی مثال:۔ دو ایسے آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے بادشاہ کے حضور میں ہدیہ پیش کیا ان میں سے ایک شخص نے ایک چھوٹا سا یاقوت صاف شفاف جس کی قیمت ساٹھ قنطار ہے ہدیہ پیش کیا اور دوسرے شخص نے ساٹھ خالی بکس پیش کیا۔تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بادشاہ یاقوت کو قبول کرے گا اور اس کے پیش کرنے والے کی عزت و احترام کرے گا۔اور بکسوں کو واپس کر دے گا اور اس کے پیش کرنے والے کو ذلیل و رسوا کرے گا اور اس کے اوپر غصہ کرے گا کیونکہ اس نے خالی لکڑی جس کی شہرت اس کی منفعت سے زیادہ ہے۔ہدیہ پیش کر کے بادشاہ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

میں نے اپنے شیخ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔:۔ دنیا میں راغب:۔ غافل ہے اگر چہ اپنی زبان سے ہمیشہ اللہ اللہ کہتا رہے۔کیونکہ زبان کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور دنیا میں زاہد:۔ ہمیشہ ذاکر ہے اگر چہ زبان سے اس کا ذکر کم ہو۔

میں کہتا ہوں:۔ بعض عارف مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی یہی تفسیر فرمائی ہے:۔

(لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا) ''وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے ہیں مگر کم''۔یعنی غفلت اور دنیا میں رغبت کے ساتھ اگر چہ ظاہر میں زیادہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔''كُوْنُوْا لِقُبُوْلِ الْعَمَلِ اَشَدَّ مِنْكُمْ اِهْتِمَامًا لِلْعَمَلِ فَاِنَّهٗ لَمْ يَقِلَّ عَمَلٌ مَعَ التَّقْوٰى وَكَيْفَ يَقِلُّ عَمَلٌ يُتَقَبَّلُ'' تم لوگ اپنے عمل کے قبول ہونے کیلئے عمل کے درست کرنے میں دوسروں سے زیادہ سخت ہو جاؤ بیشک تقویٰ کے ساتھ عمل کم نہیں ہوتا ہے اور جو عمل مقبول ہو جائے وہ کم کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔''رَكْعَتَانِ مِنْ زَاهِدٍ عَالِمٍ خَيْرٌ وَاَحَبُّ

عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْمُتَعَبِّدِيْنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ اِلٰى آخِرِ الدَّهْرِ اَبَدًا" زاہد عالم کی دو رکعت نماز، زندگی کے آخری وقت تک کوشش کر کے ہمیشہ عبادت میں رہنے والوں کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب ہے۔

ایک اہل اللہ کا قول

اور سلف صالحین میں سے ایک صالح نے فرمایا ہے:۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے تم کو نہ زیادہ نماز ادا کرنے کا فتویٰ دیا نہ زیادہ روزہ رکھنے کا۔ مگر یہ کہ وہ لوگ دنیا کے زاہد یعنی تارک تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت

بعض حدیث میں وارد ہے:۔ سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام ایک سونے والے کے پاس سے گزرے اس جگہ بہت سے لوگ عبادت کر رہے تھے، حضرت عیسی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اٹھو، اور سب لوگوں کے ساتھ تم بھی عبادت کرو۔ اس نے کہا: اے روح اللہ! میں نے عبادت کر لی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری عبادت کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے دنیا کو دنیا والوں کیلئے چھوڑ دیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا: تم سو جاؤ۔ یہ بہترین عبادت ہے۔ یا جس طرح فرمایا ہو، علیہ السلام۔

ایک شخص نے حضرت شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:۔ میں ایسا کیوں دیکھتا ہوں کہ لوگ آپ کی عزت و تعظیم کرتے ہیں اور میں نے آپ کا کوئی بڑا عمل نہیں دیکھا۔ حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صرف ایک سنت کے سبب لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر فرض کیا۔ میں نے اس سنت کو مضبوطی سے پکڑا، اس شخص نے پوچھا:۔ وہ کون سی سنت ہے؟ حضرت نے جواب دیا:۔ تم سے اور تمہاری دنیا سے نفرت کرنا ہے۔

زاہدوں کی فضیلت تین وجہوں سے ہے

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ زاہدوں کیلئے یہ فضیلت ہے تین وجہوں سے

ہے۔

پہلی وجہ: شواغل (اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں) اور شواغب (برائی پر ابھارنے والی چیزوں) سے انکا قلب خالی ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے، محبت میں صدق و اخلاص کے ساتھ وہ حاضر ہیں کیونکہ دنیا محبوب ہے وہ نہیں چھوڑی جا سکتی ہے مگر اس کیلئے جو اس سے زیادہ محبوب ہو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ ((الصدقۃ برھان)) ''صدقہ دلیل ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بندے کے محبت کی دلیل ہے۔

تیسری وجہ:۔ یہ ہے، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے اوپر وثوق و اعتماد کی دلیل ہیں۔ کیونکہ موجود کو خرچ کرنا، معبود پر اعتماد کی دلیل ہے۔ اور موجود کو روکنا: معبود سے بدظنی کی دلیل ہے۔

چونکہ ظاہری عمل کی خوبی، اور اس کی وہ مضبوطی جس سے وہ کامل اور ناقص ہوتا ہے درحقیقت وہ باطن اور اس کے احوال کی خوبی کا نتیجہ ہے لہٰذا مصنفؒ نے اپنے قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:

[حُسْنُ الْاَعْمَالِ نَتَائِجُ حُسْنِ الْاَحْوَالِ ، وَحُسْنُ الْاَحْوَالِ مِنَ التَّحَقُّقِ فِي مَقَامَاتِ الْاِنْزَالِ] ''حسن اعمال حسن احوال کے نتیجے ہیں۔ اور حسن احوال نزول کے مقامات میں قائم ہونے سے پیدا ہوتے ہیں''۔

اعمال۔احوال

میں کہتا ہوں: اعمال: کوشش اور محنت کے ساتھ جسم کی حرکت کا نام ہے۔ اور احوال: سختی اور مشقت برداشت کرنے کے ساتھ قلب کی حرکت کا نام ہے۔ اور مقامات: اطمینان کے ساتھ قلب کے سکون کا نام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:۔ مثلاً زہد کا مقام: پہلے اس کا عمل دنیا اور اسکے اسباب کے ترک کرنے کے ساتھ مجاہدہ (یعنی کوشش) کرنا ہوتا ہے۔ پھر فاقہ کی سختی برداشت کرنے میں صبر کے ساتھ مکابدہ کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ مجاہدہ اور مکابدہ حال ہو جاتا ہے پھر قلب کو سکون ہوتا ہے اور

اس میں لذت پاتا ہے تو وہ مقام ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح توکل: اسباب کے ترک کرنے کے ساتھ مجاہدہ ہوتا ہے پھر قدر کی سختیوں پر صبر کے ساتھ مکابدہ اور ایسے ہی معرفت پہلے ظاہری عمل کے ساتھ مجاہدہ ہوتا ہے۔ پھر یہ حال ہو جاتا ہے، پھر جب مشاہدہ میں روح سکون پاتی اور قائم ہو جاتی ہے، تو یہ مقام ہو جاتا ہے۔ پس احوال: وہبی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بخشش سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مقامات:۔ کسبی ہیں۔ یعنی مجاہدہ ومکابدہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی احوال:۔ اعمال کے ثواب کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرح سے بخشش اور انعام ہیں اور جب عمل ہمیشہ رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ حال شامل ہو جاتا ہے۔ تو وہ مقام ہو جاتا ہے پس احوال بدلتے رہتے ہیں جاتے اور آتے رہتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں جب قلب ساکن اور قائم ہو جاتا تو وہ مقام ہو جاتا ہے اور یہ دوام عمل سے حاصل ہوتا ہے۔

تم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مقام اور حال: ہر ایک کیلئے علم اور عمل ہے۔

پس مقام: پہلے اس سے علم کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے عمل میں کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حال ہو جاتا ہے پھر مقام ہو جاتا ہے ایسے ہی حال: پہلے اس کے ساتھ علم کا تعلق پیدا ہوتا ہے، پھر عمل کا۔ پھر وہ مقام حال ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس نزول کے مقامات میں قائم وثابت ہونے کی علامت: حسن حال ہے اور حسن حال کی علامت: حسن عمل ہے تو اعمال کی مضبوطی اور خوبی، احوال کی خوبی کا نتیجہ ہے۔ اور احوال کی مضبوطی اور خوبی، مقامات میں ثابت وقائم ہونے کا نتیجہ ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ حسن احوال: جن مقامات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نازل کرتا ہے اس میں قائم وثابت ہونے کی دلیل ہے اور حسن اعمال: حسن احوال کی دلیل ہے۔ اور مقام میں حال اور سکون کے ساتھ قائم وثابت ہونا باطنی حقیقت ہے اور اس کا اثر جسمانی اعضا کے عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے:۔ کہ جس کی حرکت قلب کی درستی یا خرابی کی دلیل ہے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ) ''بیشک آدمی کے جسم

میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔

تو جب قلب زہد کے ساتھ قائم ہو گیا اور زہد اس کیلئے حال یا مقام ہو گیا۔ تو اس کا اثر اس کے جسم پر، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین اور حرکت پیدا کرنے والے اسباب کیلئے حرکت کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (لَيْسَ الزُّهْدُ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا بِاِضَاعَةِ الْمَالِ اِنَّمَا الزُّهْدُ اَنْ تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِكَ) ''زہد: نہ حلال کو حرام کرتا ہے نہ مال کو ضائع کرنا بلکہ حقیقتاً زہد: یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اس پر اپنے ہاتھ میں ہونے والی چیزوں سے زیادہ اعتماد اور یقین رکھو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضرت ابوالحسن شاذلیؒ سے فرمایا: قلب سے دنیا کی محبت خارج ہونے کی علامت: اس کے پانے کے ساتھ اس کو خرچ کر دینا ہے اور اسکے مفقود یعنی نہ ہونے کی حالت میں راحت اور خوشی پانا اور مقام توکل میں نازل ہونے کے ساتھ قائم ہونے کی علامت: حرکت دینے والے اسباب کے وقت سکون او راطمینان ہے اور مقام معرفت میں نازل ہونے کے ساتھ قائم ہونے کی علامت: ظاہری و باطنی حسن ادب اور مخلوق کے ساتھ حسن خلق ہے اسی لئے حضرت ابوحفص حداد نے فرمایا ہے:۔ ظاہری حسن ادب: باطنی حسن ادب کا دیباچہ یعنی سرخی ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ((لَوْ خَشَعَتْ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ)) ''اگر اس کا قلب جھکتا تو اس کے جسمانی اعضا بھی جھک جاتے''۔

مصنفؒ نے اس مضمون کو پہلے بیان کیا ہے ''تَنَوَّعَتْ اَجْنَاسُ الْاَعْمَالِ بِتَنَوُّعِ وَارِدَاتِ الْاَحْوَالِ'' ''احوال کے واردات بہت قسم ہونے کی وجہ سے اعمال کی قسمیں بہت ہو گئی

ہیں۔اس مقام پر دوبارہ بیان کرنے سے اس کی زیادہ تشریح ہوگئی ہے۔

اور مرید جن اعمال کے ذریعہ مقامات کو طے کرتا ہے ان میں سب سے افضل اور اقرب ذکر ہے اسی لئے اس کا بیان اس کے اثر کے ساتھ کیا۔پس فرمایا: ((لَا تَتْرُكِ الذِّكْرَ لِعَدَمِ حُضُوْرِ قَلْبِكَ مَعَ اللّٰهِ فِيْهِ لِاَنَّ غَفْلَتَكَ عَنْ وُجُوْدِ ذِكْرِهٖ اَشَدُّ مِنْ غَفْلَتِكَ فِيْ وُجُوْدِ ذِكْرِهٖ فَعَسٰى اَنْ يَّرْفَعَكَ مِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ غَفْلَةٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ يَقْظَةٍ وَمِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ يَقْظَةٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ حُضُوْرٍ وَمِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ حُضُوْرٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ غَيْبَةٍ عَمَّا سِوَى الْمَذْكُوْرِ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ))

''ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور قلب نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرو اس لئے کہ ذکر کرنے سے تمہاری غفلت ذکر کرنے کی حالت میں تمہاری غفلت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو غفلت کے ساتھ ذکر کے درجے سے نکال کر بیداری کیساتھ ذکر کے درجہ میں پہنچا دے۔ اور پھر بیداری والے ذکر کے مقام سے اٹھا کر حضور کے ساتھ ذکر کے مقام میں پہنچا دے اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ دشوار نہیں ہے''۔

افضل ترین عمل

میں کہتا ہوں:۔اہل تصوف کے طریقے میں ذکر: ایک بڑا اور مضبوط رکن ہے اور تمام اعمال سے افضل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔((فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ)) تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔((يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا)) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو''۔اور ذکر کثیر یہ ہے کہ اس کو کبھی نہ بھولے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: جو عبادت اللہ تعالیٰ نے فرض کی اس کیلئے ایک مخصوص وقت مقرر کیا اور ان کے وقتوں کے علاوہ دوسرے وقت میں بندوں کو معذور رکھا لیکن ذکر کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مخصوص مقرر نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ) ''جب تم نماز پوری کر چکو تو کھڑے ہوئے

بیٹھے ہوئے لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو"۔

مجھے جامع اور مختصر نصیحت فرمائیے

حضرت رسول کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا ((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! کَثُرَتْ عَلَیَّ شَعَائِرُ الْاِسْلَامِ فَاَوْصِنِیْ بِاَمْرٍ اَدْرَكَ بِهٖ مَا فَاتَنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ: لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا بِذِکْرِ اللّٰهِ)) "یارسول اللہ! اسلام کے شعائر میرے اوپر زیادہ ہو گئے ہیں۔ مجھ کو کسی ایسی چیز کی وصیت فرمایئے جو مختصر ہو اور میں اس کے ذریعہ اپنی فوت شدہ اعمال کو پالوں (یعنی فوت شدہ اعمال کی تلافی ہو جائے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔ ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھو۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ((لَوْ اَنَّ رَجُلًا فِیْ حِجْرِهٖ دَرَاهِمُ یُقَسِّمُهَا وَاٰخَرُ یَذْکُرُ اللّٰهَ لَکَانَ الذَّاکِرُ لِلّٰهِ اَفْضَلُ)) "اگر کسی شخص کے پہلو میں بہت سے درہم ہوں اور وہ ان کو تقسیم کرے اور دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا افضل ہے" نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاهَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا: وَمَا ذَاكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: ذِکْرُ اللّٰهِ)) "کیا میں تم لوگوں کو، تمہارے بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے بہترین اور سب سے زیادہ پاکیزہ عمل اور تمہارے درجوں میں سب سے زیادہ بلند عمل، اور سونا اور چاندی خیرات کرنے سے تمہارے لئے بہتر عمل اور دشمن سے مقابلہ کرنے اور ان کے قتل کرنے اور تمہارے شہید ہونے سے زیدہ افضل عمل، کی خبر نہ دوں اصحاب کرام نے دریافت کیا: یارسول اللہ وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

قریب ترین سہل ترین راستہ کون سا ہے؟

وَعَنْ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ :۔ ((قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ اَیُّ الطُّرُقِ اَقْرَبُ اِلَی اللّٰهِ وَاَسْهَلُهَا عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ اَفْضَلُهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی؟ فَقَالَ : یَا عَلِیُّ عَلَیْكَ بِمُدَاوَمَةِ

ذِكْرِ اللّٰهِ فَقَالَ عَلِيٌّ: كُلُّ النَّاسِ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهِ ، فَقَالَ ﷺ : يَا عَلِيُّ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مَنْ يَقُوْلُ اللّٰهُ فَقَالَ لَهٗ عَلِيٌّ: كَيْفَ اَذْكُرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ لَهٗ ﷺ : غَمِّضْ عَيْنَيْكَ وَاسْمَعْ مِنِّىْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْ مِثْلَهَا وَاَنَا اَسْمَعُ ، فَقَالَ ﷺ : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مُغْمَضًا عَيْنَيْهِ، ثُمَّ قَالَهَا عَلٰى كَذَالِكَ)) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی ہے:۔ میں نے پوچھا:۔ یارسول اللہ! سب طریقوں میں کون سا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ قریب ہے۔ اور الہ کے بدوں پر زیادہ آسان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل ہے حضرت رسول کریم ﷺ نے جواب دیا۔ اے علی! ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اپنے اوپر لازم کرو۔ پھر حضرت علیؓ نے کہا:۔ سب لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! قیامت اس وقت قائم ہوگی۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا زمین پر باقی نہیں رہیگا۔ پھر حضرت علیؓ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! میں کس طرح ذکر کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنی آنکھوں کو بند کرو اور مجھ سے تین مرتبہ سنو۔ پھر اسی طرح تم کہو اور میں سنوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی آنکھیں بند کر کے تین مرتبہ فرمایا: لا الہ الا اللہ پھر حضرت علیؓ نے اسی طرح آنکھیں بند کر کے تین مرتبہ کہا: لا الہ الا اللہ۔

پھر حضرت علیؓ نے حضرت حسن بصری کو۔ پھر حسن بصری نے حضرت حبیب عجمی کو۔ پھر حبیب عجمی نے حضرت داؤد طائی کو۔ پھر داؤد طائی نے حضرتمعروف کرخی کو پھر معروف کرخی نے حضرت سری سقطی کو پھر سری سقطی نے حضرت جنید کو اس کلمہ کے ذکر کی تلقین کی۔ رضی اللہ عنہم۔ پھر یہ تربیت کرنے والوں کی طرفمنتقل ہوا پس اللہ تعالیٰ کے حضور میں داخل ہونے کیلئے ذکر کے دروازے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

بارگاہ خداوندی میں دخول کا دروازہ

عارفین نے فرمایا ہے:۔ بندے پر واجب ہے کہ اپنے وقتوں کو ذکر میں مستغرق یعنی ہمیشہ مشغول رکھے اور اپنی کوشش کو ذکر میں صرف کرے کیونکہ ذکر: ولایت کا فرمان ہے اور ابتدا اور انتہا

میں ضروری ہےتو جس شخص کو ذکر عطا کیا جاتا ہے اس کو ولایت کا فرمان عطا کیا جاتا ہے تو جس نے ذکر کو چھوڑ دیا اس نے ولایت کے فرمان کو چھوڑ دیا پس وہ ولایت سے معزول کر دیا گیا۔ عارفین نے فرمایا ہے:۔

وَالذِّكْرُ اَعْظَمُ بَابٍ اَنْتَ دَاخِلُهٗ   لِلّٰهِ فَاجْعَلْ لَّهُ الْاَنْفَاسَ حُرَّاسًا

''اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا دروازہ ہے جس مں تم داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچو گے۔ پس تم اپنے سانس کو اس کا محافظ بناؤ۔

پس اسم میں فنا کے مطابق ہی ذات میں فنا ہوتی ہے اور فنا فی الاسم میں کوتاہی کے مطابق فنا فی الذات میں کوتاہی ہوتی ہے تو مرید کیلئے ذکر ہر حال میں لازمی ہے اور ذکر میں حضور قلب نہ ہونے کے سبب زبانی ذکر کو ترک نہ کرے۔ بلکہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھے۔ اگر چہ اس کا قلب غافل ہو کیونکہ اس کے ذکر کرنے سے تمہاری غفلت، اس کے ذکر کرنے کی حالت میں تمہاری غفلت سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ اس کے ذکر سے تمہاری غفلت اس کی طرف سے بالکل منہ پھیر لینا ہے اور اس کے ذکر کرنے کی حالت میں کچھ توجہ اور سامنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں زبان کا مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جسم کے عضو کو زینت دینا ہے۔ اور اس کے مفقود ہونے میں معصیت میں مشغول ہونے کیلئے اس کو پیش کرنا ہے۔

کیا غافل دل کا ذکر سود مند ہے؟

ایک عارف سے پوچھا گیا:۔ جب قلب غافل ہے تو زبان کے ذکر سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا؟ تو اس عارف نے جواب دیا: اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے تم کو زبان سے ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر وہ تمہاری زبان کو غیبت مں مشغول کر دیتا، تو تم کیا کر لیتے۔ تو انسان کو چاہئے کہ زبان کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قلب کے ذکر کا دروازہ اس کیلئے کھول دے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ غفلت کے ساتھ ذکر کی حالت سے بیداری کے ساتھ ذکر کی حالت کی طرف منتقل کر دے یعنی ذکر میں مشغولی کے وقت ذکر کے معانی سے آگاہی کی طرف تم کو منتقل کر دے اور بیداری کے ساتھ ذکر کی حالت سے اللہ کے حضور کے ساتھ اور خیال

میں اس کے نقش ہو جانے کے ساتھ ذکر کی حالت کی طرف تمہیں منتقل کر دے۔ یہاں تک کہ قلب اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جائے۔ اور یہ خواص کا ذکر ہے اور پہلا عوام کا ذکر ہے پھر اگر تم حضور کے ساتھ ذکر پر ہمیشہ قائم رہے۔ تو تم کو اللہ تعالیٰ ماسوا سے غائب ہونے کے ساتھ ذکر کی طرف ترقی دے گا۔ تاکہ تمہارے قلب کو نور سے بھر دے۔ اور اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کے نور کا قرب اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ نور میں ڈوب جاتا ہے اور ماسوی اللہ سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ذاکر مذکور اور طالب مطلوب اور واصل موصول ہو جاتا ہے۔ (وماذلک علی اللہ بعزیز)۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے دشوار نہیں۔

پس کبھی وہ شخص اونچے درجے میں پہنچ جاتا ہے جو نیچے درجے میں تھا اور اس مقام میں زبان خاموش ہو جاتی ہے اور ذکر قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے اس مقام والوں کیلئے زبانی ذکر غفلت ہوتی ہے عارف شاعر نے فرمایا ہے۔

مَا اِنْ ذَكَرْتُكَ اِلَّا هَمَّ يَلْعَنُنِيْ سِرِّيْ وَقَلْبِيْ وَرُوْحِيْ عِنْدَذِكْرِكَ

''جب بھی میں نے تیراذکر کیا، تو میرے سِر اور قلب اور روح نے تیرے ذکر کے وقت میرے اوپر لعنت کرنے کا ارادہ کیا''

حَتّٰى كَانَ رَقِيْبًا مِنْكَ يَهْتِفُ بِيْ اِيَّاكَ وَيْحَكَ وَالتَّذْكَارُ اِيَّاكَ

''یہاں تک کہ گویا تیری طرف سے ایک محافظ مجھے غیب سے آواز دیتا ہے۔ تم پر تباہی ہو تم زبانی ذکر سے بچو''

اَمَا تَرَى الْحَقَّ قَدْ لَاحَتْ شَوَاهِدُهٗ وَوَاصَلَ الْكُلَّ مِنْ مَعْنَاهُ مَعْنَاكَ

''کیا تم حق تعالیٰ کو نہیں دیکھتے ہو اس کے جلوے ظاہر ہو گئے ہیں اور اس کی کجل حقیقت نے تمہاری حقیقت کو اپنے سے واصل کر لیا ہے۔

حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ترک کرنے والوں سے زیادہ غافل ہیں کیونکہ اس کا ذکر بھی اس کا ماسوی ہے۔ یعنی قلب سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر

کرنے کی حالت میں اس کے ذکر کے ترک کرنے والون سے زیادہ غافل ہے کیونکہ زبان سے اس کا ذکر کرنا اور تکلیف اٹھانا نفس کے وجود کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ شرک ہے اور شرک غفلت سے زیادہ برا ہے اور اس قول ''اس کا ذکر اس کا ماسوی ہے'' کا مفہوم یہی ہے۔ اس لئے کہ زبانی ذکر: ذاکر کے مستقل وجود کا تقاضا کرتا ہے اور فرض یہ ہے کہ ذاکر عیاں یعنی مشاہدہ کے مقام میں محو (فانی) ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذکر کی حقیقت، ذکر سے اور اس کے ماسوا ہر شی سے منقطع ہو کر مذکور کی طرف متوجہ ہونا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق: (وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا) ''اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔ اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ذکر۔ ذاکر کا اپنے مذکور میں داخل ہو جانا ہے، اور اس کے ظاہر ہونے کے وقت سر کا چھپ جانا ہے۔ اور اسی حقیقت کے بارے میں عارفین کے یہ اشعار ہیں۔

ذَكَرْتُكَ لَا اَنِّيْ نَسِيْتُكَ لَمْحَةً وَاَيْسَرُ مَا فِي الذِّكْرِ ذِكْرُ لِسَانِيْ

''میں نے تمہارا ذکر کی نہیں بلکہ میں تم کو زبان کے ذکر میں ایک لحہ کیلئے بھول گیا اور زیادہ آسان وہ ہے جو قلب کے ذکر میں ہے''۔

وَصِرْتُ بِلَا وَجْدٍ اَهِيْمُ مِنَ الْهَوٰى وَهَامَ عَلَيَّ الْقَلْبُ بِالْخَفْقَانِ

''اور میں وجد کے بغیر محبت سے پھرتا رہا ہوں۔ اور قلب بھی خفقان کے ساتھ میرے اوپر دوڑا۔

فَلَمَّا اَرَانِيْ الْوَجْدُ اَنَّكَ حَاضِرِيْ شَهِدْتُكَ مَوْجُوْدًا بِكُلِّ مَكَانٍ

''پھر جب وجد نے مجھ کو یہ دکھایا کہ تو میرے پاس حاضر ہے تو میں نے ہر جگہ تجھ کو موجود مشاہدہ کیا''۔

فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَيْرِ تَكَلُّمٍ وَشَاهَدْتُ مَوْجُوْدًا بِغَيْرِ عَيَانٍ

''تو میں نے اپنے پاس موجود سے بغیر کلام کے خطاب کیا اور آنکھوں کے بغیر اس کا مشاہدہ کیا''

اور اس مقام میں مرید فکر ونظر کی عبادت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور ایک گھڑی کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہمارے کل اوقات سب قدر ہیں: یعنی ہماری کل عبادتیں اس کی پوشیدگی اور اس میا خلاص موجود ہونے کے باعث دوگنی ہیں اس لئے کہ نہ اس سے فرشتہ آگاہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کو لکھے نہ شیطان واقف ہوت اہے کہ وہ اس کو خراب کرے اسی حقیقت کے ابرے مین ایک عارف نے فرمایا ہے: کہا گیا ہے کہ حضر تحلاج رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں۔

قُلُوْبِ الْعَارِفِيْنَ لَهَا عُيُوْنٌ تَرٰى مَا لَا يُرٰى لِلنَّاظِرِيْنَ

''عارفین کے قلوب کیلئے ایسی آنکھیں ہیں جو وہ چیزیں دیکھتی ہیں جو سب دیکھنے والوں کو نہیں دکھائی جاتی ہیں''

وَاَلْسِنَةٌ بِاَسْرَارٍ تُنَاجِیْ تَغِيْبُ عَنِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ

''اور ایسی زبانیں ہیں جو ان اسرار سے سرگوشی کرتی ہیں جو کرام کاتبین سے غائب اور پوشیدہ ہیں۔

وَاَجْنِحَةٌ تَطِيْرُ بِغَيْرِ رِيْشٍ اِلٰى مَلَكُوْتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

''اور ایسے بازو ہیں کہ پر کے بغیر اللہ رب العالمین کے ملکوت کی طرف اڑتے ہیں۔

وَاَفْئِدَةٌ تَهِيْمُ بِعِشْقِ وَجْدٍ اِلٰى جَبَرُوْتِ ذِیْ حَقٍّ يَقِيْنًا

''اور ایسے دل ہیں جو وجد کے عشق کے وجد کے ساتھ یقیناً حق تعالیٰ کے جبروت کی طرف دوڑتے ہیں''

فَاِنْ تُرِدَنْ تَبَاكُرُ ذِیْ الْمَعَانِیْ فَبَذْلُ الرُّوْحِ مِنْكَ يَقِلُّ فِيْنَا

''لو اگر تم حقیقت والے کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہو تو اپنی روح کو خرچ کرنا ہوگا اور ایسے لوگ ہمارے اندر کم ہیں''

چونکہ ذکر قلب ی زندگی کا سبب ہے اور ذکر کا ترک کرنا قلب کی موت کا سبب ہے: حدیث میں وارد ہے:

((مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ کَمِثْلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ))

"جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا ہے دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

لہٰذا مصنفؒ نے چھٹے باب میں قلب کے حیات وموت کی علامت بیان فرمائی۔ پانچواں باب ختم ہوا۔

باب ششم

قلب کے حیات اور موت کی علامت، اور سبب کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

مِنْ عَلَامَاتِ مَوْتِ الْقَلْبِ عَدَمُ الْحُزْنِ عَلٰی مَا فَاتَكَ مِنَ الْمُوَافِقَاتِ ، وَ تَرْكُ النَّدَمِ عَلٰی مَا فَعَلْتَ مِنْ وُجُوْدِ الزَّلَّاتِ۔

دل مردہ، دل نہیں ہے

''جو طاعتیں تم سے فوت ہو گئی ہیں، ان پر رنج و غم نہ ہونا اور جو گناہ تم نے کئے ہیں اس پر شرمندہ نہ ہونا، قلب کی موت کی علامت ہے''۔

میں کہتا ہوں قلب کی موت کا سبب تین چیزیں ہیں۔۱۔ دنیا کی محبت ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ۳۔ جسمانی اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آزاد چھوڑ دینا۔ اور قلب کی زندگی کا سبب تین چیزیں ہیں:۔ ۱۔ دنیا میں زہد ۲۔اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا ۳۔ اولیاء اللہ کی صحبت ۔ اور قلب کی موت کی علامت:۔ تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ جو طاعتیں فوت ہو گئی ہیں ،ان پر رنجیدہ نہ ہونا۔ ۲۔ جو گناہ تم نے کئے ہیں ان پر شرمندہ نہ ہونا ۳۔ غافل، مردہ لوگوں کے ساتھ تمہاری صحبت ۔اور یہ اس لئے کہ بندے سے عبادت کا صادر ہونا، نیک بختی کی پہچان ہے۔ اور معصیت کا صادر ہونا، بدبختی کی علامت ہے۔پس اگر قلب معرفت اور ایمان کے ساتھ زندہ ہے تو جو چیز اس کی بدبختی کا سبب ہوتی ہے وہ اس کو رنجیدہ کرتی ہے اور جو چیز اس کی نیک بختی کا سبب ہوتی ہے وہ اس کو خوش کرتی ہے۔

یا اس طرح کہو:۔ بندے سے طاعت کا صادر ہونا، اس کے مولا کی رضامندی کی علامت

ہے۔اور معصیت کا صادر ہونا، اس کے غضب کی علامت ہے۔پس زندہ قلب، اس چیز کو محسوس کرتا ہے، جو اس کے مولا کا دوست بنا دیتی ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس چیز کو محسوس کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا مولا اس پر ناراض ہوتا ہے۔تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے۔اور مردہ قلب:۔ کچھ نہیں محسوس کرتا، اس کے نزدیک طاعت، اور معصیت دونوں برابر ہوتے ہیں۔وہ طاعت سے خوش نہیں ہوتا، اور لغزش اور معصیت سے رنجیدہ نہیں ہوتا ہے۔جیسا کہ محسوس کرنے کے معاملہ میں مردے کی حالت ہوتی ہے۔حدیث شریف میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے۔

مؤمن کون ہے

حضرت نے فرمایا:۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَاتُهُ ، وَ سَاءَ تْهُ سَيِّآتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

''جس شخص کو اس کی نیکیاں خوش کرتی ہیں، اور اس کی برائیاں رنجیدہ کرتی ہیں، وہ مومن ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کی جڑ میں ہے۔اور پہاڑ کے اپنے اوپر گرنے سے ڈرتا ہے۔اور فاجر، اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح سمجھتا ہے، جو اس کے ناک پر بیٹھی ہے۔تو وہ اس کو کہتا ہے:۔ایسے تو اس کو اڑا دیتا ہے۔لیکن بندے کیلئے یہ مناسب نہیں کہ اکثر اپنے گناہ ہی کی طرف خیال رکھے۔اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس کی رجا یعنی امید کم ہو جائے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لَا يَعْظُمُ الذَّنْبُ عِنْدَكَ عَظْمَةً تَصُدُّكَ عَنْ حُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ

''تمہارے خیال میں گناہ اتنا بڑا نہ ہو جائے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے روک دے''۔

میں کہتا ہوں: خوف اور رجا کے معاملہ میں آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔اول۔اہل بدایت (ابتدا والے):۔ خوف کے پہلو کو غالب رکھنا ان کے لئے مناسب ہے۔دوم۔اہل وسط

(درمیان والے):۔ ان کے لئے خوف و رجاء کا اعتدال پر ہونا موزوں ہے۔ سوم۔ اہل نہایت (انتہا والے):۔ یہ لوگ رجا کا پلہ بھاری رکھتے ہیں۔ لیکن اہل بدایت:۔ تو اس وجہ سے کہ ان پر خوف غالب ہے۔ عمل میں کوشش کرتے ہیں۔ اور گناہوں سے باز رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی انتہا روشن ہو جاتی ہے۔ "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" "جو لوگ ہمارے اندر (یعنی ہماری طرف آنے کی) کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اور اہل وسط:۔ تو اس وجہ سے کہ ان کی عبادت، ان کے باطن کے تصفیہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ ان کی عبادت قلبی ہو گئی ہے۔ تو اگرچہ وہ خوف کے پہلو پر غالب ہو چکے ہیں۔ پھر بھی وہ جسمانی اعضاء کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

اور اس سے ان کا مقصد:۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی امید، اور اللہ تعالیٰ سے دور ہو جانے کے خوف سے باطن کی عبادت ہے۔ تو ان کا خوف اور رجا معتدل ہو جاتے ہیں (یعنی دونوں برابر برابر رہتے ہیں)۔

اور اہل نہایت:۔ یعنی واصلین۔ تو وہ اپنے لئے نہ فعل دیکھتے ہیں نہ ترک۔ وہ صرف حق تعالیٰ کا اختیار، اور پہلے سے جو کچھ قدر میں جاری ہوا۔ اس کو دیکھتے ہیں۔ اور تسلیم و رضا کے ساتھ اس کو گوارہ کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ طاعت ہوتی ہے تو اس پر شکر ادا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں۔ اور اگر معصیت ہوتی ہے تو عذر کرتے اور مؤدب ہو جاتے ہیں اور اپنے نفس کے ساتھ نہیں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس نفس کا وجود ہی نہیں ہے۔ وہ درحقیقت اس شے کو دیکھتے ہیں جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے زیادہ اس کے برداشت اور معافی اور احسان اور بھلائی کی طرف ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ انہوں نے بہت خوبی کے ساتھ یہ اشعار فرمائے ہیں۔

فَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ ۔۔۔ جَعَلْتُ الرِّجَا مِنِّيْ لِعَفْوِكَ سُلَّمَا

"جب میرا دل سخت ہوا اور میرے راستے تنگ ہوئے۔ تو تیری معافی کے لئے میں نے اپنی رجا کو

سیڑھی یعنی ذریعہ بنایا''۔

تَعَاظَمَنِیْ ذَنْبِیْ فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ　　بِعَفْوِكَ رَبِّیْ كَانَ عَفْوُكَ اَعْظَمَا

''مجھ کو اپنا گناہ بڑا معلوم ہوا تو جب میں نے اپنے گناہ کو تیری معافی کے سامنے کر دیا۔ تو تیری معافی بڑی ہو گئی''۔

فَمَا زِلْتَ ذَا جُوْدٍ وَ فَضْلٍ وَّمِنَّةٍ　　تَجُوْدُ وَ تَعْفُوْ مِنَّةً وَّ تَكَرُّمًا

''پس تو ہمیشہ بخشش اور فضل اور احسان کرنے والا ہے۔ اور احسان اور سخاوت کی بناء پر بخشتا اور معاف کرتا ہے''۔

فَيَا لَيْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَصِیْرُ لِجَنَّةٍ　　اَهَنَّا وَاِمَّا لِلسَّعِیْرِ فَانْدَمَا

''تو کاش مجھے معلوم ہوتا، کہ میں جنت کے لئے ہوں تو میں خوش ہوتا۔ یا دوزخ کے لئے ہوں۔ تو میں شرمندہ ہوتا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

''آپ فرما دیجئے:۔ اے میرے وہ بندو جو اپنے نفسوں پر حد سے بڑھ گئے۔ یعنی نافرمانی کر بیٹھے۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔ کیونکہ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

۹۹ قتل

اور اس شخص کے معاملے پر غور کرو۔ جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر ایک راہب سے دریافت کیا:۔ کیا میرے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ راہب نے جواب دیا:۔ تمہارے لئے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس نے اس راہب کو قتل کر کے ایک سو پورا کر دیا۔ پھر ایک عالم کے پاس آیا۔ اور اس سے پوچھا:۔ تو عالم نے جواب دیا:۔ تمہارے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ لیکن تم فلاں گاؤں میں چلے جاؤ۔ اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور اپنی موت کے آنے تک انہیں کے ساتھ رہو۔ تو جب وہ بیچ راستے میں پہنچا۔ اس کی موت آ گئی اور وہ مر گیا۔ تو اس کے لے جانے کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی طرف وحی فرمائی:۔ جس گاؤں کی طرف وہ جا رہا تھا۔ اور جس گاؤں سے نکل کر وہ آیا تھا۔ دونوں طرف کے راستوں کی تم لوگ پیمائش کرو۔ تو دونوں گاؤں میں سے وہ جس کے قریب ہے انہیں لوگوں میں اس کا شمار کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جس گاؤں کی طرف وہ جا رہا تھا اس کو وحی کی:۔ تو قریب ہو جا۔ اور جس گاؤں سے وہ آیا تھا۔ اس کو وحی کی:۔ تو دور ہو جا۔ تو فرشتوں کی پیمائش میں وہ گاؤں جہاں وہ جا رہا تھا ایک بالشت سے زیادہ قریب پایا گیا۔ تو اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ میں نے اس کے معنی نقل کیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عام لوگ جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ ڈرتے ہیں۔ اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ امید کرتے ہیں۔ اور خواص:۔ جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ امید کرتے ہیں اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ ڈرتے ہیں۔ لطائف المنن میں مصنف نے فرمایا ہے:۔ شیخ کے کلام کا معنی یہ ہے:۔ عوام، حکم کے ظاہر کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو ڈرتے ہیں کیونکہ سمجھ کی روشنی میں وہ عبارت سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ والے ہیں۔ اور اہل اللہ:۔ جب ڈرائے جاتے ہیں تو وہ امید کرتے ہیں کیونکہ وہ علم رکھتے ہیں۔ کہ اس ڈر کے، اور جس سے ڈرایا گیا ہے۔ اس کے ماسوا بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے اوصاف ہیں کہ اس کی رحمت اور احسان سے ناامید ہونا مناسب نہیں ہے۔ تو وہ اس کے اوصاف کرم پر امید کرتے ہیں۔ اپنے اس علم کی بناء پر کہ اس نے صرف اس لئے ڈرایا ہے کہ ان کو اپنے خیال پر جمع رکھے۔ اور اس خوف کے ذریعہ ان کو اپنی طرف لوٹائے۔ اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ اس کی مشیت کے غیب سے ڈرتے ہیں۔ جو ان کی امید کے ماسوا ہے۔ اور ڈرتے ہیں، کہ ایسا نہ ہو کہ جو امید ان کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ وہ ان کی عقلوں کی آزمائش کے لئے ہو۔ کہ آیا ان کی سمجھ امید پر ٹھہر جاتی ہے۔ یا اس کی طرف بڑھتی ہے۔ جو اس کی مشیت میں پوشیدہ ہے۔ اسی

لئے امید نے ان کے خوف کو ابھارا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ اپنے شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ان کو قبض کی حالت میں پایا۔ تو کہا:۔ اے شیخ! آپ کا کیا حال ہے۔ میں آپ کو قبض کی حالت میں دیکھتا ہوں۔ حضرت سری نے فرمایا:۔ میرے پاس ایک جوان آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے اس کو جواب دیا:۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو نہ بھولو۔ تو اس جوان نے کہا نہیں، بلکہ توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو بھول جاؤ۔ پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ حضرت جنید نے کہا: میں کہتا ہوں: جو جوان نے کہا۔ وہی درست ہے۔ کیونکہ میں جفا یعنی خطا کی حالت میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صفاء کے مشاہدہ کی طرف منتقل کر دیا۔ تو صفا کی حالت میں جفا کی یاد جفا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت سری نے اہل ابتدا کی طرف دیکھا۔ اور حضرت جنید نے اہل انتہا کی طرف دیکھا۔ اور دونوں حضرات کی بات درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر مصنفؒ نے گناہ کو چھوٹا سمجھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِنَّ مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ اِسْتَصْغَرَ فِيْ جَنْبِ كَرَمِهٖ ذَنْبَهٗ

”بے شک جو شخص اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ وہ اس کے رحم و کرم کے سامنے اپنے گناہ کو حقیر سمجھتا ہے“۔

میں کہتا ہوں: بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے گناہ کے دیکھنے ہی سے غائب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے نفس سے فنا ہو گیا۔ تو اگر اس سے حکمت کے خلاف کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اس پر نعمت کا شہود غالب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

نَبِّیءْ عِبَادِیْ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

’آپ میرے بندوں کو خبر دیجئے، کہ بے شک میں بخشنے والا، رحم کرنیوالا ہوں‘

اللہ غفور رحیم ہے

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:۔ (وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ)

''بیشک میرا عذاب، دردناک عذاب ہے'' تو درحقیقت یہ اس کے لئے ہے جس نے توبہ نہیں کیا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

''لَوْ اَذْنَبْتُمْ حَتّٰی تَبْلُغَ خَطَایَاکُمْ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ، وَلَوْ اَنَّ الْعِبَادَ لَمْ یُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِهِمْ ثُمَّ جَاءَ بِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

''اگر تم اتنا گناہ کرو کہ تمہارے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں۔ پھر تم توبہ کرو۔ تو البتہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کو قبول کرے گا اور اگر بندے گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو فنا کر کے دوسری قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتے، پھر مغفرت مانگتے، تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشتا۔ کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے''۔ اور پیاسے کے پانی کے پاس پہنچنے، اور بانجھ کے باپ بننے، اور راستہ بھولے ہوئے شخص کے منزل پر پہنچنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے توبہ کرنے والے بندے کے توبہ سے خوش رہتا ہے۔ لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے نزدیک اس کا گناہ اتنا حقیر ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکا کھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی:۔ اے داؤد میرے نیک بندوں سے کہہ دیجئے:۔ وہ دھوکا نہ کھائیں۔ بیشک اگر میں ان پر اپنا عدل و انصاف قائم کروں گا۔ تو ان کو عذاب دوں گا۔ اور یہ ان کے اوپر ظلم نہ ہوگا۔ اور میرے گناہ گار بندوں سے کہہ دیجئے:۔ وہ ناامید نہ ہوں۔ میرے نزدیک کوئی گناہ بڑا نہیں ہے۔ میں اس کو ان کے لئے بخش دوں گا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب کریم کے رحم و کرم کا چشمہ ظاہر ہوتا ہے، تو گناہ گار کو نیک کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے اپنے حزب میں فرمایا ہے:۔ الٰہی تیری معصیت نے مجھ کو طاعت کے ساتھ پکارا۔ اور تیری طاعت نے مجھ کو معصیت کے ساتھ پکارا۔ تو دونوں میں سے کس میں میں خوف کروں۔ اور کس میں امید کروں۔ اگر تو کہے کہ اس معصیت کے ساتھ خوف کروں جس کو تو نے اپنے فضل سے میرے سامنے پیش کیا تو تو نے میرے

لئے کوئی خوف نہیں چھوڑا۔ اور اگر تو کہے کہ اس طاعت کے ساتھ امید کروں، جس کو تو نے اپنے عدل کے ساتھ میرے سامنے کیا ہے تو تو نے میرے لئے کوئی امید نہیں چھوڑی۔ تو کاش مجھ کو معلوم ہوتا کہ کس طرح میں اپنے احسان کو تیرے احسان کے ساتھ دیکھوں۔ یا کس طرح تیرے فضل و کرم کو تیری نافرمانی کرنے کے باوجود، میں بھلا دوں؟ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کے کلام کا مفہوم یہ ہے:۔ بندہ جب معصیت میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قہریت اور عظمت، اور اپنے نفس کی کمزوری اور عاجزی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو وہ معصیت سے اپنے نفس کے لئے ذلت اور انکساری، اور اپنے رب کی بڑائی اور تعظیم حاصل کرتا ہے۔ اور یہ سب عبادتوں سے افضل ہے۔ تو اس کو اس کی وہ معصیت جس میں وہ مشغول ہے، پکارتی ہے۔ اس طاعت کے ساتھ جس کو وہ اس معصیت سے حاصل کرتا ہے۔ اور جب طاعت میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اکثر اس میں اپنے نفس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس کے فائدے اور حصے کی خواہش کرتا ہے۔ تو وہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ اور اس کے ادب کو خراب کرتا ہے۔ اور یہ معصیت ہے۔ تو جب وہ طاعت میں مشغول ہوتا ہے تو وہ طاعت اس کو اس معصیت کے ساتھ پکارتی ہے جس کو وہ اس سے حاصل کرتا ہے۔ تو وہ نہیں جانتا ہے کہ دونوں میں کس سے خوف کرے اور کس سے امید کرے؟ اور شیخ کا قول ''اگر تو کہے کہ اس معصیت کے ساتھ'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو اس معصیت کی صورت کی طرف نظر کرے۔ جس کو تو نے اپنے فضل کے ساتھ میرے سامنے کیا ہے۔ تو اس کا نام مٹ جاتا ہے۔ اور اس کی نشانی ختم ہو جاتی ہے اور اگر تو اس طاعت کی صورت کی طرف دیکھے۔ جس کو تو نے اپنے انصاف کے ساتھ میرے سامنے کیا ہے۔ تو وہ کمزور ہو کر مٹ جاتی ہے۔ اور صرف اللہ وہاب و کریم سے امید باقی رہ جاتی ہے جو بغیر سبب کے دیتا ہے اور حساب اور عتاب کو ڈھانپ لیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الغرض عارف نہ کسی معصیت کے ساتھ ٹھہرتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو۔ نہ کسی طاعت کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی عظیم الشان ہو اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:۔

لَا صَغِيْرَةٌ اِذَا قَابَلَكَ عَدْلُهُ، وَلَا كَبِيْرَةٌ اِذَا وَاجَهَكَ فَضْلُهُ

''کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ کا عدل تمہارے سامنے آئے اور کوئی گناہ

کبیرہ نہیں ہے اگر اس کا فضل و کرم تمہارے ساتھ ہو"۔

میں کہتا ہوں:۔ صغیرہ گناہ:۔ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید اور حدیث شریف میں کوئی وعید (دھمکی) نہیں آئی ہے۔ اور کبیرہ گناہ:۔ وہ ہے جس کے لئے قرآن یا سنت میں عذاب کا وعدہ کیا گیا، یا حد مقرر کی گئی۔ اور اس کے سوا دوسری تعریف بھی کی گئی ہے لیکن یہ ظاہری حکم کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی مشیت کے اعتبار سے تو اس کو حلم و عفو، اور عدل و انصاف کے لحاظ سے کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے جو خیال اور گمان کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ) "اور ان کے لئے وہ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان نہیں کرتے تھے" تو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو۔ اس کو گناہ نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔

فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا"۔

اور اگرچہ اعمال، علامات ہوتے ہیں۔ لیکن بعض مقامات میں اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ لہذا بعض مقامات میں امید اور خوف کا برابر ہونا۔ اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رضا و تسلیم واجب اور ضروری ہے۔ کیونکہ تمہارے رب کے کلمات سچائی اور انصاف کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں۔ کوئی اس میں تبدیلی کرنے والا نہیں ہے تو اگر حق سبحانہ تعالیٰ اپنے انصاف اور جلال کے ساتھ تم سے پیش آئے گا۔ تو سارے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جائیں گے اور اگر حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور احسان و جمال کے ساتھ تم سے پیش آئے گا۔ تو تمہارے سب کبیرہ گناہ بھی صغیرہ ہو جائیں گے۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل بندوں کے ساتھ شامل ہوگا۔ تو ان کے لئے کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔ اور اگر ان کے اوپر اپنا انصاف جاری کرے گا تو ان کے لئے کوئی نیکی باقی نہ رہے گی۔ اور کہا گیا ہے اگر مومن کی امید اور اس کا خوف وزن کیا جائے تو کسی ایک کا پلہ دوسرے پر بھاری نہ ہوگا۔ بلکہ مومن دو بازو والی چڑیا کی طرح ہے۔ یا جیسا کہا گیا یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں:۔ اس شخص کے قصہ پر غور کرو۔ جس

کے سامنے ننانوے ورق اعمال نامہ پھیلایا جائے گا۔ ہر ورق حد نگاہ تک لمبا ہو گا۔ پھر اس کے مقابلہ میں انگلیوں کے برابر ایک رقعہ نکالا جائے گا۔ اس میں اس کی ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت لکھی ہوگی۔ تو نامہ اعمال کے یہ سب ورق اس کے مقابلے میں ہلکے ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حلم اور رحم کی عظمت اور اس کے کرم و احسان کی شمولیت کی دلیل ہے۔ چونکہ مصنفؒ نے قلب کے موت کی علامت بیان کی۔ لہٰذا ان اعمال کو بھی بیان کیا جو قلب کی زندگی کا سبب ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

لَا عَمَلٌ اَرْجٰی لِلْقُلُوْبِ مِنْ عَمَلٍ يَغِيبُ عَنْكَ شُهُوْدُهٗ ، وَيَتَحَقَّرُ عِنْدَكَ وُجُوْدُهٗ

''جس عمل کا دیکھنا تم سے غائب ہو۔ اور تمہاری نگاہ میں وہ حقیر ہو۔ اس سے زیادہ کوئی عمل قلب کی زندگی کے لئے امید افزا نہیں ہے''۔

میں کہتا ہوں: جو عمل، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اور اس میں اس کے ماسوا سے غائب ہونے کی حالت ہو۔ اور اس میں اپنے حصوں اور خواہش کا لحاظ نہ ہو۔ اور اپنے اختیار اور قوت سے بری ہو۔ ایسے عمل سے زیادہ کوئی عمل قلب کی زندگی کے لئے مفید اور امید افزا نہیں ہے۔ تو جب قدرت ایسا عمل اس کے اوپر ظاہر کرے۔ تو وہ اس کے دیکھنے سے غائب ہو۔ اور اس کی نگاہ میں وہ حقیر ہو۔ چونکہ اس کے قلب میں اس کے مولا کی عظمت جلوہ گر ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کے نزدیک اس کے ماسوا کل شے حقیر ہو گئی ہے۔ پس اس قسم کے عمل سے قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور علام الغیوب کے مشاہدے سے حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ یقین کی روح، اور عارفین کے قلوب کی حیات ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دوست بنانا چاہتے ہے تو اس کو عمل کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ اور عمل کو اس کی نگاہ سے حقیر کر دیتا ہے۔ پس وہ ہمیشہ جسمانی اعضاء کے عمل میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قلوب کے عمل کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ تو جسمانی اعضاء مشقت سے آرام پا جاتے ہیں۔ اور ادب کے ساتھ عظمت کے مشاہدہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔

اللہ کے دوست کی علامت

حضرت نہر جوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کے احوال میں

دوست بنالیا ہے۔ اس کی علامات یہ ہیں۔ وہ اپنے اخلاص میں کمی، اور اپنے اذکار میں غفلت، اور اپنے صدق میں کوتاہی، اور اپنے مجاہدہ میں خرابی، اور اپنے فقر میں رعایت کی کمی دیکھتا ہے۔ اس کے کل احوال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں اور اپنے ارادہ اور سیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی محتاجی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور جب دل زندہ ہو جاتا ہے تو واردات الٰہیہ کی تجلی کا مقام بن جاتا ہے۔ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

اِنَّمَا اَوْرَدَ عَلَیْکَ الْوَارِدَ لِتَکُوْنَ بِهٖ عَلَیْهِ وَارِدًا

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور اس لئے وارد کیا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ تم اس کے حضور میں داخل ہو جاؤ"۔

میں کہتا ہوں: وارد، نور الٰہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے قلب میں ڈالتا ہے۔ جس کو دوست رکھتا ہے۔ اور ابتداء، اور وسط، اور انتہا، کی مطابقت سے۔ یا اس طرح کہو:۔ طالبین، اور سایرین، اور واصلین کی مطابقت سے اس نور کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ وارد الانتباہ:۔ یہ وہ نور ہے جو تم کو غفلت کی تاریکی سے نکال کر ہوشیاری کے نور کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور یہ ابتدا والے طالبین کے لئے ہے۔ تو جب اپنی نیند سے بیدار، اور اپنی غفلت سے ہوشیار ہوتا ہے۔ تو اپنے رب کی طلب کے لئے اپنے قدم پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ پس اپنے جسم اور قلب کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور پورے طور پر اس کی طرف جمع ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ وارد الاقبال:۔ یہ وہ نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب میں ڈالتا ہے۔ تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے حرکت دیتا ہے۔ اور اس کے ماسوا سے اس کو غائب کر دیتا ہے۔ تو وہ ہمیشہ اس کے ذکر میں مشغول، اور اس کے ماسوا سے غائب رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قلب نور سے بھر جاتا ہے۔ اور مذکور کے ماسوا سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو وہ نور کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ اور اغیار کی قید سے نکل جاتا ہے۔ اور آثار کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم:۔ وارد الوصال:۔ یہ وہ نور ہے جو بندے کے قلب پر غالب ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ظاہر اور باطن پر چھا جاتا ہے۔ تو وہ اس کو اس کے نفس کی قید سے نکالتا ہے۔ اور اس کو اس کے ظاہر کے دیکھنے سے غائب کرتا ہے۔ مصنفؒ نے پہلی قسم یعنی وارد الانتباہ کی طرف اپنے مذکورہ قول:۔

"اِنَّمَا اَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ الخ" سے اشارہ فرمایا:۔

یعنی اس نے تمہارے اوپر بیداری اور ہوشیاری کا نور "وارد انتباہ" روشن کیا۔ تا کہ اس کے ذریعہ تم اس کی طرف سیر کرو۔ اور اس کے حضور میں داخل ہو جاؤ۔ اگر وہ تمہارے اوپر یہ نور نہ وارد کرتا۔ تو البتہ تم اپنی غفلت کے وطن میں مستی کی نیند سے سوتے ہوئے ہمیشہ حسرت میں باقی رہتے۔ پھر مصنفؒ نے دوسری قسم "وارد الاقبال" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِيَتَسَلَّمَكَ مِنْ يَدِ الْاَغْيَارِ وَلِيُحَرِّرَكَ مِنْ رِقِّ الْاٰثَارِ"

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور وارد کیا۔ تا کہ تم کو اغیار یعنی ماسوا کے ہاتھ سے بچائے اور تم کو مخلوقات کی غلامی سے آزاد کرے"۔

یعنی تمہارے اوپر وارد اقبال کو وارد کیا۔ تا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس کرے، اور جب تم ذکر میں مشغول ہو کر اس کے ماسوا سے غائب ہو جاتے ہو۔ تو وہ تم کو اغیار کے چوروں کے بچا لیتا ہے۔ حالانکہ اغیار نے تم کو تمہاری خواہش کی مضبوط رسی سے باندھ دیا تھا۔ اور تم کو تمہارے حظوظ اور تمناؤں کے قید خانہ میں قید کر دیا تھا۔ اور نیز، تا کہ تم کو مخلوقات کی غلامی سے آزاد کرے۔ اس کے بعد کہ وہ تمہارے اوپر دھوکے کی زیب و زینت ظاہر کر کے قبضہ کر چکی تھی تو جب تم اغیار کے ہاتھ سے نجات پا جاتے ہو تو انوار کے مشاہدہ کی طرف پہنچتے ہو۔ اور جب مخلوقات کی غلامی سے آزاد ہوتے ہو۔ تو اسرار کے مشاہدہ کی طرف ترقی کرتے ہو۔ پس انوار، صفات کے انوار ہیں اور اسرار، ذات کے اسرار ہیں۔ تو انوار، فنا فی الصفات والوں کے لئے اور اسرار، فنا فی الذات والوں کے لئے ہیں۔

پھر مصنفؒ نے تیسری قسم "وارد الوصال" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ "اَوْرَدَ

عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِيُخْرِجَكَ مِنْ سِجْنِ وُجُوْدِكَ اِلٰى فِضَاءِ شُهُوْدِكَ'' ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور وارد کیا۔ تا کہ تم کو تمہارے وجود کے قید خانہ سے نکال کر تمہارے مشاہدہ کے وسیع فضاء میں پہنچادے''۔

یعنی تمہارے اوپر وارد اقبال کی ہوائیں چلانے کے بعد، وارد الوصال کو وارد کیا۔ تا کہ تم کو تمہارے وجود کے دیکھنے کی قید سے نکال کر تمہارے رب کے مشاہدہ کی فضاء میں پہنچائے۔ کیونکہ تمہارا اپنے وجود کو دیکھنا، اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے تم کو روکنے والا ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ تم اس کا مشاہدہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اس کا ماسوا کا بھی مشاہدہ کرو۔ تمہارے وجود ایسا گناہ ہے کہ اس کے مشابہ دوسرا گناہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ حضرت جنیدؒ نے خوب فرمایا:۔

وُجُوْدِیْ اَنْ اَغِیْبَ عَنِ الْوُجُوْدِیْ　　بِمَا یَبْدُوْ عَلَیَّ مِنَ الشُّهُوْدِ

''میرا وجود یہ ہے کہ میں اپنے وجود سے اس شہود کے ساتھ جو مجھ پر ظاہر ہوتا ہے غائب ہو جاؤں''۔

پس نفس سے فنا ہونا اور نفس کا زوال، مخلوق سے فنا ہونے اور اس کے زوال سے زیادہ دشوار ہے۔ تو جب نفس فنا اور زائل ہو جاتا ہے۔ تو مخلوق بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا ہے۔ اور کبھی مخلوق فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن نفس کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لئے مصنفؒ نے مخلوق کی قید غلامی کو انسان کے وجود کی قید پر مقدم رکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر مصنفؒ نے ان واردات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ اَلْاَنْوَارُ مَطَايَا الْقُلُوْبِ وَالْاَسْرَارِ ''انوار، قلوب و اسرار کی سواریاں ہیں''۔

دلوں کی سواریاں

میں کہتا ہوں:۔ نور: ایک نکتہ ہے جو بندے کے قلب میں اسم یا صفت کی حقیقت سے واقع ہوتا ہے۔ پھر اس کی حقیقت پورے قلب میں سرایت کر جاتی ہے یہاں تک کہ وہ حق اور باطل کو واضح طور پر دکھاتی ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس کے سبب سے پیچھے رہنا ممکن نہیں ہے۔ یہ حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے۔ اور سرّ:۔ قلب سے زیادہ باریک اور صاف ہے۔ اور سب روح کا نام ہے۔ روح:۔ جب تک نافرمانیوں، گناہوں، خواہشات اور عیوب سے تاریک رہتی ہے۔ اس کا نام

''نفس'' رکھا جاتا ہے اور جب وہ ان مکروہات سے رک جاتی، اور اونٹ کے بندھنے کی طرح بندھ جاتی ہے تو اس کو عقل کہتے ہیں۔ پھر جب تک وہ غفلت اور حضور میں بدلتی رہتی ہے تو اس کو قلب کہا جاتا ہے۔ پھر جب وہ مطمئن اور ساکن ہو جاتی ہے اور بشریت کی مشقت سے آرام پا جاتی ہے۔ تو اس کو روح کہتے ہیں۔ پھر جب وہ ظاہر کی تاریکی سے صاف و مصفیٰ ہو جاتی ہے۔ تو اس کو سر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔ جس وقت وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اور وہ جبروت کا سر ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے قدس کے حضور میں پہنچانا چاہتا ہے اور اپنی محبت کے محل کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو انوار کے واردات سے سواریوں کی طرح اس کی مدد کرتا ہے۔ پھر وہ اس کو عنایت کی پالکی میں بٹھا کر، ہدایت کی ہلکی ہلکی ہوا اس پر چلاتے ہوئے، رعایت کی مدد سے گھیرے ہوئے، ان پر سوار کر کے لے جاتا ہے۔ پس روح عالم بشریت سے عالم روحانیت کی طرف کوچ کر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ (قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) ''آپ فرما دیجئے! روح، میرے رب کے حکم میں سے ہے''۔

پس انوار، جو واردات ہیں:۔ قلوب کی سواریاں ہیں۔ ان کو علام الغیوب کے حضور تک لے جاتے ہیں۔ اور وہی اسرار کی بھی سواریاں ہیں۔ ان کو عزیز و جبار کے جبروت تک لے جاتے ہیں۔ پس سلوک ہدایت ہے اور جذب عنایت ہے۔ پس واردات انتباہ و اقبال:۔ سلوک کی سواری ہے۔ اور وارد وصال: جذب کی سواری ہے۔ تو وہ انوار، جو قلوب کی سواریاں ہیں، اور ان کو سلوک کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو وہ اس میں انتباہ و اقبال کے نور کی لذت کے ساتھ لے جائے جاتے ہیں۔ تو ان کا سلوک گویا جذب ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ انوار جو ان کو اسرار کی سواریوں پر لے جاتے ہیں۔ تو وہ ان کو سلوک سے ملے ہوئے جذب کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو وہ سلوک اور جذب کے درمیان ہوتے ہیں۔ اور یہ لے جانا بہت عظیم الشان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلوں کا لشکر

پھر مصنف ؒ نے ان سواریوں پر سیر کی کیفیت، اور جو چیز سیر سے روکتی ہے۔ اس کی کیفیت

بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلنُّوْرُ جُنْدُ الْقَلْبِ، كَمَا اَنَّ الظُّلْمَةَ جُنْدُ النَّفْسِ، فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّنْصُرَ عَبْدَهٗ اَمَدَّهٗ بِجُنُوْدِ الْاَنْوَارِ، وَ قَطَعَ عَنْهُ مَدَدَ الظُّلَمِ وَالْاَغْيَارِ۔

''نور، قلب کا لشکر ہے۔ جیسا کہ ظلمت نفس کا لشکر ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو انوار کے لشکروں سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس سے ظلمتوں اور اغیار کی مدد کو منقطع کر دیتا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ ظلمت: ایک نکتہ ہے۔ جو وہم و گمان کی بناء پر خواہش سے نفس میں واقع ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اندھا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ تا کہ حق کی جگہ پر باطل کو قائم کرے۔ تو وہ باطل بندے کے پاس آتا ہے اور اس کو بصیرت سے خالی کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں: پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ نفس، اور عقل، اور قلب اور روح اور سر ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ نورانی ربانی لطیفہ ہے۔ جو اس ظلمانی جسمانی قالب میں امانت رکھی گئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے احوال کے مختلف ہونے اور اس کے طریقوں کے منتقل ہونے کے ساتھ اس کے نام بدلتے رہتے ہیں۔ اس کی مثال بارش کے پانی کی طرح ہے۔ جو درخت کی جڑ میں پہنچتا ہے۔ پھر اس کی شاخوں میں چڑھتا ہے۔ پھر پتا ظاہر کرتا ہے۔ پھر کلیاں۔ پھر پھل بنتا ہے جو بڑھتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تو پانی ایک ہے۔ لیکن اس کے طریقوں کے مختلف ہونے کے ساتھ اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی ساحلی نے اپنی کتاب بغیہ میں بیان کیا ہے اور میں نے اس کے بارے میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے۔ جس کو دوسری کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

پس اس بناء پر قلب کا نفس کے ساتھ جنگ کے لئے مقابلہ کرنا، ظلمت کے وطن، نفس کے مقام سے، نور کے وطن قلب اور اس کے مابعد کے مقام کی طرف، روح کے منتقل ہونے کی سختی سے، کنایہ ہوتا ہے۔ تو قلب نفس سے جنگ کرتا ہے تا کہ اس کو اس کی اصل کی طرف منتقل کرے۔ اور نفس رکتا ہے۔ اور بشریت کی زمین [illegible] انوار قلب کی

مدد کرتے ہیں۔ اور اس کو قریب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ترقی کر کے اپنی اصل کے حضور میں پہنچتا ہے اور وہی اس کا وطن ہے۔ اور گویا کہ وہ انوار اس حیثیت سے اس کے لشکر ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور نفس کی ظلمت پر غالب ہوتا ہے۔ اور یہ انوار پہلے کے بیان کئے ہوئے واردات ہیں۔

اور نفس جب خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی لذت چکھتا ہے تو وہ خواہشات گویا کہ نفس کے لشکر ہیں۔ اور وہ ظلمت اس حیثیت سے ہیں کہ انہوں نے اس کو حق تعالیٰ سے حجاب میں کر دیا ہے اور عرفان کے آفتابوں کے مشاہدہ سے روک دیا ہے تو جب نفس اپنی ظلمتوں اور خواہشوں کے لشکر کے ساتھ کسی نافرمانی، یا خواہش کی طرف بڑھتا ہے تو قلب اس کی طرف اپنے انوار کے لشکروں کے ساتھ بڑھتا ہے۔ اور پھر دونوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر عنایت اور مہربانی، اور اسکی مدد کرنا چاہتا ہے تو انوار کے لشکروں کے ذریعہ اس کے قلب کی مدد کرتا ہے۔ اور نفس کی طرف اغیار کی مدد کو منقطع کر دیتا ہے۔ پس نور ظلمت پر غالب ہو جاتا ہے اور نفس شکست کھا کر منہ پھیر لیتا ہے۔ یعنی بھاگتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی رسوائی اور ذلت چاہتا ہے تو اغیار کے ساتھ اس کے نفس کی مدد کرتا ہے اور اس کے قلب سے انوار کی شعاعیں ختم کر دیتا ہے تو حکم کے ساتھ مدد کیا ہوا اپنے منہ پر آتا ہے۔ اور شے کے ساتھ رسوا کیا ہوا۔ اس کے برعکس۔

انوار کی تین قسمیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ انوار کی امداد کی تین قسمیں ہیں۔ اول:۔ یقین ،جس میں شک کی آمیزش نہ ہو۔ دوم:۔ علم جس کے ساتھ بصیرت اور بیان ہو۔ سوم:۔ الہام، جو عیاں مشاہدہ کے بعد جاری ہوتا ہے۔ اور ظلمت کی امداد کی تین قسمیں ہیں:۔ اول: یقین کی کمزوری دوم: جہالت کا غلبہ۔ سوم: نفس پر شفقت اور ان سب کی اصل:۔ نفس سے راضی ہونا۔ اور راضی نہ ہونا ہے۔ اور اس کا مظہر تین ہیں جو اس سے مرتب ہوتی ہیں اور وہ معصیت، اور شہوت، اور غفلت ہے۔ اور ان کی ضد جو تیسرے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ تو تم بخوبی سمجھو۔ اور

جب کہ نور قلب کا لشکر ہے۔ اور وہ اشیاء کی حقیقتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ تو حق کی تمیز باطل سے ہو جاتی ہے۔ پس حق کو ثابت کرتا، اور باطل کو مٹا دیتا ہے۔ تو قلب، واضح دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے میں کامیاب ہوتا ہے اور نفس، اپنی ظلمتوں کے لشکر کے شکست کھانے کے ساتھ شکست کھا جاتا ہے۔ کیونکہ نور کے ظاہر ہونے کے ساتھ ظلمت باقی نہیں رہتی ہے۔

نور کا کام

چنانچہ مصنف ؒ نے اس حقیقت کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

"اَلنُّوْرُ لَهُ الْكَشْفُ ، وَالْبَصِيْرَةُ لَهَا الْحُكْمُ ، وَالْقَلْبُ لَهُ الْإِقْبَالُ وَالْإِدْبَارُ"

''نور کا کام، کشف یعنی ظاہر کرنا ہے اور بصیرت کا کام، سمجھ کر اور تمیز کر کے فیصلہ کرنا ہے۔ اور قلب کا کام، آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ نور کی شان یہ ہے کہ وہ امور کو ظاہر کرتا ہے اور ایسا واضح کرتا ہے کہ اس کی اچھائی اس کی برائی سے جدا ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے اور کھلی ہوئی بصیرت کی شان یہ ہے کہ وہ اچھائی معلوم کر کے اچھا ہونے کا، اور برائی معلوم کر کے برا ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب اس چیز کی طرف بڑھتا ہے جس کی خوبی ثابت ہو جاتی ہے اور اس چیز سے پیچھے ہٹتا ہے جس کی برائی ثابت ہو جاتی ہے۔ یا اس طرح کہو:۔ اس کی طرف بڑھتا ہے جس میں اس کا فائدہ ہے۔ اور اس سے منہ پھیرتا ہے جس میں اس کا نقصان ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:۔ ایک شخص اندھیرے گھر میں داخل ہوا۔ اس میں بچھو اور سانپ ہیں۔ اور سونا، اور چاندی کے سکے ہیں۔ تو وہ اندھیرے کی وجہ سے نہیں جانتا ہے:۔ کس کو لے۔ اور کس کو چھوڑے۔ اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس میں فائدہ ہے اور کس میں نقصان ہے۔ تو جب اس میں چراغ لے جاتا ہے۔ تب وہ فائدہ منداور نقصان دہ کو دیکھتا ہے اور یہ تمیز کرتا ہے کہ کس سے پرہیز کرنا ہے اور کیا لینا ہے۔ اسی طرح گناہگار مومن کا قلب ہے وہ معصیت کی تلخی اور طاعت کی شیرینی میں تمیز نہیں کرتا ہے۔ پھر جب تقویٰ کی روشنی حاصل کر لیتا ہے تو اپنے لئے فائدہ منداور نقصان دہ چیزوں کو پہچان لیتا ہے۔ اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے (تقویٰ اختیار کرو گے) تو وہ تم کو ایک فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والا نور) عطا کرے گا''۔ اور دوسری جگہ فرمایا:۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ

''کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ آدمیوں میں چلتا ہے'' اور تیسری جگہ فرمایا:۔

''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ''

''جس شخص کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے پائے ہوئے نور پر قائم ہے''۔ اور یہ نور جو امور کی حقیقت کو کھولتا ہے۔ وہی واردات کا نور ہے۔ جو بیان کیا گیا۔ اور یہی نور علام الغیوب کی طرف لے جانے والی قلوب کی سواریاں ہیں۔

اول: وارد الانتباہ کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ یہ غفلت کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور ہوشیاری کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ غفلت کے برابر ہونے اور ہوشیاری کے اچھا ہونے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس وقت قلب:۔ اپنے رب کے ذکر کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو اس کے رب سے غافل کرتی ہیں۔ پیچھے ہٹتا ہے۔ اور یہ طالبین کا نور ہے۔

دوم:۔ وارد الاقبال کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ یہ اغیار کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور معارف و اسرار کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ اغیار کے نقصان کا، اور اسرار کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اسرار کی خوبی کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اغیار کی ظلمت سے پیچھے ہٹتا ہے اور یہ سائرین کا نور ہے۔

سوم:۔ وارد الوصال کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ مخلوق کی ظلمت اور حفاظت کی چادر کو دور کرتا ہے اور خالق کے تجلیات کے نور کو ظاہر کرتا ہے تو قلب اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں آگے بڑھتا ہے اور اس کے ماسوا کی طرف توجہ کرنے سے روگردانی کرتا ہے اور یہ واصلین کا نور ہے اور یہی مواجہت کا نور ہے۔ اور اس کے پہلے کا نور، توجہ کا نور ہے۔ اگر تم چاہو تو اس طرح کہو: اسلام کا نور۔ ایمان

کا نور۔ احسان کا نور۔

اسلام کا نور:۔ کفر و نافرمانی کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور فرماں برداری اور یقین کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ کفر و نافرمانی کی برائی اور یقین و فرمان برداری کے نور کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اپنے رب کی طاعت کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو اس کے رب سے دور کرتی ہیں منہ پھیرتا ہے۔

اور ایمان کا نور:۔ شرک خفی کی ظلمتوں کو دور کرتا ہے۔ اور اخلاص اور کامل صدق کی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ شرک اور اس کے نقصان کی برائی، اور اخلاص اور اس کے فائدے کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اپنے رب کی توحید کی طرف بڑھتا ہے اور شرک اور اس کی برائی سے منہ پھیرتا ہے۔

اور احسان کا نور:۔ ماسوا کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ مخلوق کی ظلمت کی برائی، اور خالق کے نور کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے ماسوا سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ شریعت کا نور۔ طریقت کا نور۔ حقیقت کا نور۔ پس شریعت کا نور۔ بیکاری اور کوتاہی کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور مجاہدہ اور آمادگی کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ بیکاری کی برائی اور مجاہدہ کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جسمانی اعضاء کے مجاہدہ کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اپنے حظوظ اور خواہشات کی پیروی سے روگردانی کرتا ہے۔ اور طریقت کا نور:۔ گناہوں اور عیوب کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور پاکیزگی اور اس کے نتیجہ علم غیب کی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ عیوب کی برائی، اور پاکیزگی و علم غیب کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ ان چیزوں کی طرف بڑھتا ہے جو تصفیہ کا سبب ہوتی ہیں اور تخلیہ اور تحلیہ سے روکنے والی چیزوں سے پیچھے ہٹتا ہے۔ اور حقیقت کا نور حجاب کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور احباب کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یا اس طرح کہو:۔ مخلوقات کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور شہود و عیاں کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر قلب حجاب میں داخل ہو کر احباب کے مشاہدے کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو

احباب کے ساتھ ادب کی رعایت کو ختم کرتی ہیں۔ روگردانی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ رکھے۔ اس دنیا میں بھی اور دارالسلام میں بھی۔ آمین۔ اور چونکہ کل نور اور سر اور خیر کی اصل، اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ اور کل ظلمت اور حجاب اور بعد کی اصل، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اور قلب کی حیات کی علامت، طاعت سے اس کا خوش ہونا۔ اور نافرمانی صادر ہونے پر اس کا رنجیدہ ہونا ہے۔ لہذا مصنفؒ نے تم کو طاعت سے، جو قلوب کے نور کا سبب اور غیوب کی کنجیاں ہیں۔ خوش ہونے کی وجہ سے آگاہ کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا تُفْرِحْكَ الطَّاعَةُ لِاَنَّهَا بَرَزَتْ مِنْكَ، وَافْرَحْ بِهَا لِاَنَّهَا بَرَزَتْ مِنَ اللّٰهِ اِلَيْكَ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

”تم کو طاعت اس وجہ سے خوش نہ کرے کہ وہ تم سے ظاہر ہوئی ہے۔ بلکہ تم اس سے اس لئے خوش ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اس کی توفیق سے) تمہاری طرف صادر ہوئی ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اسی سے لوگوں کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔“

میں کہتا ہوں:۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَاتُهٗ، وَسَاءَتْهُ سَيِّئَاتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

حالت سے خوش ہونے والوں کی اقسام

”جس شخص کو اس کی نیکیاں خوش کرتی ہیں اور اس کی برائیاں رنجیدہ کرتی ہیں وہ مومن ہے“۔

اور طاعت سے خوش ہونے میں آدمی تین قسم کے ہیں۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو طاعت سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ نعمتوں کی امید رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے بچتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس کے صادر ہونے کو اپنی طرف سے اپنے نفس کے لئے دیکھتے ہیں۔ وہ اس طاعت میں اپنے اختیار اور طاقت سے بری نہیں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول:۔ (ایاک نعبد) والوں میں سے ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو طاعت سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ رضامندی اور قبولیت کا عنوان یعنی دیباچہ ہے۔اور قرب اور وصول الی اللہ کا سبب ہے۔تو وہ بادشاہ کریم کی طرف سے ہدیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تک لے جانے والی سواریاں ہیں۔ وہ لوگ اپنے نفس کے لئے نہ ترک دیکھتے ہیں نہ فعل نہ طاقت دیکھتے ہیں نہ اختیار۔ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ازلی قدرت کے ساتھ لے جائے جاتے ہیں اور اصلی مشیت کے ساتھ پھرائے جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول:۔ (اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) والوں میں سے ہیں۔ پس پہلی قسم کے لوگوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔اور دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

تیسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔جن کی خوشی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔اس کے سوا کسی شے کے ساتھ نہیں۔ وہ اپنے نفسوں سے فنا ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہیں۔تو اگر ان سے کوئی طاعت ظاہر ہوتی ہے۔تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں۔اور اگر ان سے کوئی معصیت ظاہر ہوتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے سامنے معذرت کرتے ہیں۔اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو ان کی خوشی کم نہیں ہوتی ہے۔اور اگر کوئی طاعت یا بیداری ظاہر ہوتی ہے تو ان کی خوشی زیادہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) والوں میں سے ہیں۔اور وہ لوگ عارفین باللہ ہیں۔ پس اے مرید! اگر تم سے کوئی طاعت یا احسان ظاہر ہو۔تو تم اس حیثیت سے خوش نہ ہو کہ وہ تم سے ظاہر ہوئی ہے۔ ورنہ تم اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنیوالے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ تم سے، اور تمہاری طاعت سے، اور اپنے ماسوا کی اطاعت کرنیوالے کی محتاجی سے غنی اور بے نیاز ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

''وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ''

''جو شخص کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے لئے کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام عالم سے بے نیاز ہے''۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مَازَادَ ذَالِكَ فِيْ مَلْكِيْ شَيْئًا“ (الحدیث)

”بے شک اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور تمہارے انسان اور جن سب کے سب ایک شخص کے پرہیز گار قلب پر جمع ہو جائیں تو یہ میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہ کرے گا“۔ بلکہ اے مرید تم طاعت سے اس حیثیت سے خوش ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف ہدیہ ہے۔ اور وہ اس کی دلیل ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کے مظہر ہو۔ تو خوشی در حقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

”قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوْا“

”آپ فرما دیجئے! کہ ہدایت اور توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ تو ان لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیے“۔

اللہ تعالیٰ کا فضل:۔ اس کی ہدایت اور توفیق ہے اور اس کی رحمت: اس کا منتخب کرنا اور قریب کرنا ہے۔ اور کہا گیا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کا فضل، اسلام ہے۔ اور اس کی رحمت، قرآن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کا فضل، دین کی ہدایت ہے۔ اور اس کی رحمت، جنت نعیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کا فضل:۔ دلیل و برہان کی توحید ہے اور اس کی رحمت، عیان و مشاہدہ کی توحید ہے۔ اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور چونکہ طاعت سے خوش ہونے، سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ طاعت کی طرف دیکھنے کی شاخ ہے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا:۔

قَطَعَ السَّائِرِيْنَ لَهٗ وَالْوَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ، عَنْ رُؤْيَتِ اَعْمَالِهِمْ، وَ شُهُوْدُ اَحْوَالِهِمْ، اَمَّا السَّائِرُوْنَ: فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَحَقَّقُوا الصِّدْقَ مَعَ اللّٰهِ فِيْهَا، وَاَمَّا الْوَاصِلُوْنَ: فَلِاَنَّهٗ غَيَّبَهُمْ بِشُهُوْدِهٖ عَنْهَا“۔

”اللہ تعالیٰ نے سائرین اللہ، اور واصلین الی اللہ کو، اپنے اعمال کے دیکھنے سے، اور احوال کے مشاہدہ کرنے سے منقطع (غائب) کر دیا ہے۔ لیکن سائرین:۔ تو اس وجہ سے کہ انہوں نے عمل میں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق کو نہیں پایا۔ اور واصلین:۔ تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے مشاہدہ میں اس سے غائب کر دیا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ قَطَعَ کے معنی ہیں، غَیَّب، اگر اس کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو زیادہ آسان اور واضح ہوگا۔ کیونکہ قطع، کے ساتھ تعبیر کرنے میں معنی میں خرابی اور عبارت میں نقص ہے۔ تو اگر اس طرح کہا جائے تو بہتر ہے:۔

''غَيَّبَ السَّائِرِيْنَ لَهُ عَنْ رُؤْيَتِ اَعْمَالِهِمْ وَاَحْوَالِهِمْ، وَالْوَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ عَنْ رُؤْيَتِ وُجُوْدِهِمْ، اَمَّا السَّائِرُوْنَ فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَحَقَّقُوْا فِيْهَا الصِّدْقَ مَعَ اللّٰهِ، وَاَمَّا الْوَاصِلُوْنَ فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَشْهَدُوْا مَعَ اللّٰهِ سِوَاهُ''

''اللہ تعالیٰ نے سائرین للہ (اپنے لئے سیر کرنے والوں) کو، اپنے ظاہری اعمال کے دیکھنے، اور باطنی احوال کے مشاہدہ سے غائب کر دیا ہے۔ اور واصلین الی اللہ (اپنی طرف پہنچنے والوں) کو ان کے وجود کے دیکھنے سے غائب کر دیا ہے۔ لیکن سائرین، تو اس لئے کہ انہوں نے اپنے اعمال و احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق کو نہیں پایا۔ اور واصلین، تو اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا کا مشاہدہ نہیں کیا''۔

یعنی سائرین اور واصلین کو، اللہ تعالیٰ نے اپنے ظاہری اعمال کے دیکھنے اور باطنی احوال کے مشاہدہ کرنے سے غائب کر دیا ہے۔ لیکن سائرین:۔ تو اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفسوں کو تہمت لگاتے رہتے ہیں۔ تو جب ان سے کوئی احسان صادر ہوتا ہے۔ یا ان کے لئے کوئی آگاہی یا وجدان ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ اس کو انتہائی خرابی اور نقصان میں دیکھتے ہیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہیں کہ ان اعمال یا احوال پر وہ بھروسہ کریں۔ یا ان کی طرف متوجہ ہوں۔ تو وہ اپنے اعمال اور احوال سے غائب ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پس صدق جو اخلاص کا مغز اور سر ہے اس میں نہیں پاتے ہیں۔ تو نہ ان کو دیکھتے ہیں، نہ ان کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

قبولیت عمل کی علامت

ایک عارف سے دریافت کیا گیا: عمل کے قبول ہونے کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب

دیا: تمہارا عمل کو بھول جانا اور اس کی طرف سے اپنی نظر کو بالکل منقطع کر لینا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے:۔

"اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ"

"پاکیزہ کلمے اور عمل صالح اس کی طرف چڑھتے ہیں اور وہ ان کو اٹھا لیتا ہے"

حضرت امام زین العابدینؒ نے فرمایا ہے: تمہارے اعمال کے ساتھ تمہاری رویت کا شامل ہونا، اس کے مقبول نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ مقبول عمل تم سے اٹھا لیا جاتا۔ اور غائب کر لیا جاتا ہے اور تمہاری رویت کا اس سے منقطع ہونا، اس کے منقطع ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن واصلین: تو اس لئے کہ وہ اپنے نفسوں سے فانی اور اپنے معبود کے مشاہدہ میں غائب ہیں۔ تو ان کے حرکات و سکنات سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اس کے سوا کا بھی مشاہدہ کرو۔ پس اگر ان پر کوئی طاعت ظاہر ہوتی ہے یا ان سے کوئی احسان صادر ہوتا ہے تو وہ اس میں اللہ واحد منان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(حکایت) حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ جب نیشاپور گئے۔ تو انہوں نے ابو عثمان کے مریدین سے پوچھا۔ آپ لوگوں کے شیخ آپ لوگوں کو کیا حکم دیتے تھے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ہمارے شیخ اپنے اوپر طاعت کو لازم رکھنے اور اس کے دیکھنے میں کمی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت واسطی نے فرمایا:۔ انہوں نے تمہیں خالص مجوسیت کا حکم دیا۔ انہوں نے تم کو طاعت سے اس کے جاری کرنے اور پیدا کرنے والے کے مشاہدہ میں غائب ہونے کا حکم کیوں نہیں دیا۔

حضرت قشیریؒ نے فرمایا ہے:۔ حضرت مصنفؒ نے مریدین کو خود بینیوں سے بچانا، اور آداب پر رہنمائی کرنا چاہا ہے۔ تم کو جاننا چاہیے: شیخ کے کلام میں سائرین، دوسری قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی خوشی طاعت کے ساتھ اس لئے ہے کہ وہ مقبولیت کا عنوان ہے۔ اور اس کے ساتھ خوشی سے اس کی رویت لازم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس سے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور طاعت سے اس کی رویت اللہ پر اعتماد کی وجہ سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اور واصلین:۔ تیسری قسم کے

لوگ ہیں جن کی خوشی اللہ کے ساتھ ہے۔اس کے سوا کسی شے کے ساتھ نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔یہاں چھٹا باب ختم ہوا۔

اس باب کا حاصل یہ ہے:۔قلوب کا علاج،اس کی صحت،اور مرض،اور موت،کی علامت۔ اور اس کا انوار کی مدد حاصل کرنا۔اور اس کا واردات سے ملنا۔یہاں تک کہ اپنے اعمال واحوال کے مشاہدہ سے غائب ہو جائے۔اور اپنے شہود کی فضاء میں اپنے ظاہر سے گم ہو جائے۔اسی میں اس کی عزت اور شرف ہے۔اور اس کی ضد یعنی مخلوق کی رویت میں اس کی ذلت ہے۔مصنفؒ نے چھٹے باب کی ابتداء میں اسی کا بیان کیا ہے۔

باب ہفتم

قلب کی ذلت، بلندی ہمت، حسن آداب خدمت کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

"مَا بَسَقَتْ اَغْصَانُ ذُلٍّ اِلَّا عَلٰی بَذْرِ طَمْعٍ"

"ذلت کی شاخیں لمبی نہیں ہوتی ہیں مگر حرص کے بیج سے"۔

میں کہتا ہوں:۔ جو کچھ مخلوق کے ہاتھوں میں ہے، اس کے ساتھ قلب کے تعلق ہونے، اور غیر اللہ کی طرف توجہ ہونے کو حرص کہتے ہیں۔ اور یہی ذلت کے درخت کی جڑ ہے۔ یعنی ذلت کے درخت کی شاخیں صرف حرص کے ذریعہ لمبی ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے فرمایا ہے:۔ اللہ کی قسم! میں نے مخلوق سے ہمت بلند کرنے (اٹھا لینے) ہی میں عزت دیکھی ہے۔ اور درحقیقت حرص ہی ذلت کی جڑ ہے۔ کیونکہ حریص نے اللہ غالب و برتر کو ترک کر کے ذلیل بندے کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ تو وہ بھی اس کی طرح ذلیل ہو گیا۔ اور سخی اللہ تعالیٰ کو ترک کر کے محتاج بندے سے تعلق پیدا کیا۔ تو وہ بھی اسی کی طرح محتاج ہو گیا۔ اللہ غنی و کریم کی طرف اپنی ہمت کے بلند کرنے کو ترک کیا۔ اور حقیر و کمینہ مخلوق کی طرف اپنی ہمت کو جھکایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی ہمت کے مطابق ہی روزی دیتا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے ماسوا سے آزاد بندہ ہوتے ہوئے، مخلوق کا اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات کا بندہ ہو گیا۔ کیونکہ جب تم نے کسی شی کی محبت، اور اس میں حرص کی۔ تو تم اس کے بندے ہو گئے۔ اور جب تم نے کسی شے سے اپنے کو ناامید کر لیا۔ اور اپنی

ہمت کو اس سے اٹھالیا۔ تو تم اس سے آزاد ہو گئے۔ اور اسی کے متعلق ایک شاعر نے اشعار کہا ہے:۔

اَبَتِ الْمَطَامِعُ اَنْ تَهَشَّمَنِیْ   اِنِّیْ لِمِعْوَلِهَا صَفًا صَلْدُ

طمع کے مقامات نے مجھ کو مجبور اور عاجز کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں ان کے بسولے کے لئے بے گھاس کا چٹیل میدان ہوں۔

اَلْعَبْدُ حُرٌّ مَا عَصٰی طَمْعاً   وَالْحُرُّ مَهْمَا طَاعَهٗ عَبْدٌ

جب طمع کی نافرمانی کی تو غلام آزاد ہو گیا۔ اور جب طمع کی فرماں برداری کی تو آزاد غلام ہو گیا۔

مصنفؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ اے بندے تم ابراہیمی ہو جاؤ۔ اور تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:۔ "لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" "میں ڈوبنے یعنی فنا ہونے والوں کی محبت نہیں کرتا ہوں۔ اور کل ماسوی اللہ فانی ہے۔ خواہ موجودہ حال میں ہو، یا امکانی مستقبل میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ) "اس نے تمہارے باپ ابراہیم کے دین کو پسند کیا"۔ پس مومن پر ملت ابراہیمی کی پیروی کرنی واجب ہے۔ اور مخلوق سے ہمت کو اٹھا لینا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ کیونکہ جس روز ان کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے سامنے آئے اور فرمایا:۔ کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔ اگر آپ اپنے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ سے میری کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور اگر آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھتے ہیں تو ہاں ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:۔ تو اللہ تعالیٰ سے مانگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ میرے مانگنے سے، اس کو میرے حال کا علم ہونا ہی میرے لئے کافی ہے۔ پس غور کرو:۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ہمت مخلوق سے کس طرح اٹھائی۔ اور بادشاہ حقیقی کی طرف اس کو متوجہ کیا۔ کہ نہ جبرائیلؑ سے فریاد کی۔ نہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو جبرائیلؑ سے اور اپنے سوال سے زیادہ اپنے قریب دیکھا۔ تو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نمرود اور اس کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور اپنی بخشش اور فضل سے ان پر انعام کیا۔ اور اپنے سامنے ہونے کی وجہ سے ان کو غالب کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی کل

چیزوں سے دشمنی اور نفرت کرنی، اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمت پھیرنی، حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق "فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ" "بے شک اللہ رب العالمین کے سوا وہ سب میرے دشمن ہیں"۔

اور غنا کے متعلق اگر تم معلوم کرنا چاہتے ہو تو وہ ماسویٰ سے ناامید ہو جانے میں ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ میں اپنے نفس کے لئے اپنے فائدے سے ناامید ہو چکا ہوں۔ تو دوسرے کے فائدے سے اس کے نفس کے لئے میں کیوں ناامید نہ ہوں گا۔ اور اگر اپنے غیر کے لئے میں نے امید کیا تو اپنے لئے کیوں نہ امید کروں گا۔ اور یہی وہ کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو حاصل ہو گیا۔ اس کو ایسی غنا حاصل ہوئی جسمیں فنا نہیں ہے اور ایسی عزت حاصل ہوئی جسکے ساتھ ذلت نہیں ہے اور ایسا خرچ کرنا حاصل ہوا جس کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ اللہ کے متعلق سمجھ رکھنے والوں کا کیمیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ ایک آدمی نے میرے ساتھ صحبت اختیار کی۔ اور وہ میرے لئے بار گراں تھا۔ لیکن میں اس سے خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ تو وہ خوش ہوا۔ میں نے اس سے دریافت کیا:۔ اے صاحبزادے: تمہاری کیا حاجت ہے۔ اور تم نے کیوں میری صحبت اختیار کی ہے؟ اس نے کہا: میرے بزرگ! مجھ کو لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں۔ تو میں اس کے سیکھنے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے اس سے کہا: تم نے سچ کہا۔ اور جن لوگوں نے تم کو خبر دیا۔ انہوں نے بھی سچ کہا۔ لیکن تمہارے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ تم اس کو قبول نہ کرو گے۔ اس نے کہا میں ضرور قبول کروں گا۔ تو میں نے کہا:۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا۔ تو ان کو دو قسم پر پایا۔ ۱۔ دشمن ۲۔ اور دوست پھر میں نے دشمنوں کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا۔ ان کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا کانٹا مجھے چبھائیں جس کے چبھانے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا ہے۔ تو میں نے ان کی طرف سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ پھر میں نے دوستوں سے تعلق قائم کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھ کو کسی ایسی چیز کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں جس کے فائدہ پہنچانے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نہیں کیا ہے۔ تو میں نے اپنی امید ان سے منقطع کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق

قائم کیا۔تو مجھ سے کہا گیا:۔تم اس امر کی حقیقت تک نہیں پہنچو گے۔ جب تک جیسے تم نے ہمارے غیر سے امید کو منقطع کیا ہے۔ہم سے بھی اپنی یہ امید منقطع نہ کرلو۔کہ ہم نے تمہارے لئے ازل میں جو کچھ مقدر کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی ہم تم کو کچھ دیں گے۔ پھر دوبارہ جب کیمیا کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔مخلوق کو اپنے قلب سے نکال دو۔اور اپنے رب سے اپنی یہ امید منقطع کرلو کہ وہ تم کو تمہارے مقدر کے علاوہ بھی کچھ دے گا۔ بندے کے علم کی زیادتی، یا ہمیشہ اس کا ورد میں مشغول ہونا، اس کی سمجھ کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا غنا، اور اپنے قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ، اور طمع کی غلامی سے اس کا پرہیز کرنا۔اور ورع کے زیور سے اس کا آراستہ ہونا، اس کے نور اور سمجھ کی دلیل ہے۔اور انہیں سے اعمال بہتر، اور احوال پاکیزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

”اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً“

”ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اس کے لئے زینت بنائی ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرتا ہے“۔

پس حسن اعمال:۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ ہونا ہے اور سمجھ وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا، اس کو کافی سمجھنا، اس پر بھروسہ کرنا، اسی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنا، اور ہمیشہ اس کے سامنے ہونا۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ رکھنے کا نتیجہ ہے۔اور اپنے نفس میں ورع کے وجود کو تم اس سے زیادہ تلاش کرو جتنا تم اس کے ماسوا کو تلاش کرتے ہو۔اور مخلوق میں طمع کرنے سے تم پاک ہو جاؤ۔ کیونکہ ان میں طمع کرنے والا، اگر سات سمندروں کے پانی سے بھی پاک ہونا چاہے تو وہ اس کو پاک نہیں کر سکتے۔لیکن صرف ان سے ناامید ہونا، اور ان سے ہمت اٹھا لینا اس کو پاک کر دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے اور ایک جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں قصہ بیان کرنے والوں کو قصہ بیان کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔پھر انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کو دیکھا تو فرمایا۔اے نوجوان! میں تم سے ایک بات دریافت کروں گا۔اگر تم

نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو تمہیں رہنے دوں گا۔ ورنہ تم کو بھی تمہارے ساتھیوں کی طرح باہر کر دوں گا۔ اور انہوں نے حضرت حسنؓ کے چہرے پر تقویٰ اور ہدایت کی علامت دیکھ لی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔ آپؓ جو چاہیں دریافت فرمائیں۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا؟ دین کی بنیاد کیا ہے؟ حضرت حسنؒ نے جواب دیا: ورع۔ پھر دریافت فرمایا؟ دین کا فساد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: طمع۔ حضرت علی نے فرمایا۔ تم بیٹھو۔ تمہارے جیسے لوگ آدمیوں کو خطاب کر سکتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ حضرت ابوالعباس مرسیؒ کو کہتے ہوئے سنا:۔ میں اپنے ابتدائی حال میں اسکندریہ میں مقیم تھا۔ میں اپنے پہچاننے والوں میں سے ایک شخص کے پاس آیا اور اس سے میں نے اپنی ضرورت کی ایک چیز آدھے درہم میں خریدی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ شاید وہ مجھ سے قیمت نہ لے۔ تو ہاتف غیب نے مجھ کو آواز دی۔ دین میں سلامتی مخلوق میں طمع چھوڑ دینے سے ہوتی ہے۔

نیز میں نے ان کو کہتے سنا: حریص، کبھی آسودہ نہیں ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ طمع کے کل حروف ط، م، ع خالی یعنی بغیر نقطہ کے ہیں۔

پس اے مرید! تم مخلوق سے اپنی ہمت کے اٹھانے کو اپنے اوپر لازم کرو۔ اور روزی کے معاملہ میں ان کے سامنے ذلیل نہ ہو۔ کیونکہ روزی کی قسمت تمہارے وجود سے پہلے مقدر ہو چکی ہے اور تمہارے ظاہر ہونے سے پہلے وہ ثابت ہو چکی ہے۔ اور بعض مشائخ نے جو فرمایا ہے۔ اس کو غور سے سنو:۔ تمہارے دونوں جبڑوں کے لئے جو کچھ چبانا مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کا چبانا ان کے لئے ضروری ہے تو تم اس کو عزت کے ساتھ کھاؤ۔ ذلت کے ساتھ نہ کھاؤ۔ حضرت ابوالحسن وراقؒ نے فرمایا ہے:۔ جس نے اپنے نفس کو دنیا کی کسی چیز کی محبت سے وابستہ کیا۔ تو اس نے اس کو طمع کی تلوار سے قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی شے میں طمع کیا۔ وہ اس کے لئے ذلیل ہوا۔ اور اس کی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔ حضرت ابوبکر وراقؒ نے فرمایا ہے: اگر طمع سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو وہ کہے گی:۔ مقدر میں شک کرنا۔ پھر اگر پوچھا جائے۔ تیری کمائی کیا ہے؟ تو وہ کہے گی: ذلت حاصل کرنا۔ پھر اگر پوچھا جائے کہ تیرا انجام کیا ہے؟ تو کہے گی۔ محروم ہونا کامل اور اس حقیقت کے

بارے میں ایک عارف کے اشعار ہیں:

اِضْرَعْ اِلَی اللّٰهِ لَا تَضْرَعْ اِلَی النَّاسِ وَاقْنَعْ بِعِزٍّ فَاِنَّ الْعِزَّ فِی الْیَاسِ

''اللہ کے سامنے عاجزی کرو۔ آدمیوں کے سامنے عاجزی نہ کرو۔ عزت کے ساتھ قناعت کرو۔ اور عزت ناامیدی میں ہے''۔

وَاسْتَغْنِ عَنْ کُلِّ ذِی قُرْبٍ وَّ ذِی رَحِمٍ اِنَّ الْغَنِیَّ مَنِ اسْتَغْنٰی عَنِ النَّاسِ

''کل عزیز واقارب سے بے نیاز ہو جاؤ۔ بے شک غنی وہ ہے جو آدمیوں سے بے نیاز ہو جائے''۔

اور چونکہ طمع کا سبب وہم اور پریشانی ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے طمع کے بعد ہی اس کا ذکر فرمایا:

مَا قَادَكَ شَیْءٌ مِثْلَ الْوَهْمِ ''وہم کی طرح کسی چیز نے تم کو نہیں کھینچا یعنی غلام نہیں بنایا''۔

میں کہتا ہوں:۔ وہم: ابتدائی وسوسہ ہے اور وہ شک سے کمزور ہوتا ہے۔ اور یہاں وہم سے مراد ''یقین کا مخالف'' ہے اور وہ ظن اور شک پر صادق ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں: مخلوق میں طمع کرنے، اوران کے سامنے خوشامد کرنے، اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے، اس کے لئے ذلیل ورسوا ہونے کی طرف، وہم کی طرح کسی چیز نے نہیں کھینچا۔ یعنی جب تم نے یہ وہم کیا کہ بے شک ان کے ہاتھ میں کچھ نفع یا نقصان ہے۔ یا کچھ دینے اور روک دینے کا اختیار ہے تو تم نے ان میں حرص کیا۔ اوران کے سامنے ذلت اختیار کی۔ اوران کے اوپر بھروسہ کیا۔ اوران سے خوف کیا۔ اور اگر تم کو یہ یقین ہوتا کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اوران کی ذات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اور وہ اپنی ذات کو بھی نفع پہنچانے سے عاجز ہیں۔ تو اپنے غیر کو کس طرح نفع پہنچانے کی قدرت ان کو ہوسکتی ہے؟ تو تم اپنی امید ان سے منقطع کر لیتے اور اپنی ہمت ان سے اٹھا لیتے۔ اور اللہ رب الارباب کے ساتھ وابستہ کر دیتے۔ اور اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو چھوڑ دیتے۔ یا تم اس طرح کہو: تم کو عیان د شہود کے حضور سے کسی شے نے نہیں کھینچا۔ مگر مخلوقات کے وجود کے وہم نے۔ اگر وہم کا حجاب تم سے چاک ہو جاتا۔ تو آنکھوں کے نہ ہونے کے باوجود عیاں یعنی مشاہدہ واقع ہو جاتا۔ اور جب یقین کا نور روشن ہوتا، تو مخلوقات کے وجود کو ڈھانپ لیتا۔ مصنفؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ غیر اللہ سے تعلق کی کشش نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے سے روک دیا ہے۔ کیونکہ جب ان کے قلوب نے

اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ان کو اس تعلق نے اس چیز کی طرف کھینچ لیا۔ جس سے انہوں نے تعلق قائم کیا۔ تو وہ دوبارہ اسی کی طرف لوٹ گئے اور اسی پر متوجہ ہو گئے۔ پس جس شخص کی تعریف اور صفت یہ ہو جو بیان ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حضور حرام اور ممنوع ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچنے کا گمان نہ کرو۔ جب کہ کوئی شے تمہارے پیچھے سے تم کو کھینچتی ہو۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سمجھو:۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ○

''جس دن نہ مال فائدہ دے گا، نہ اولاد، مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے گا''۔ اور قلب سلیم:۔ وہی ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کے ساتھ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ ''وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' اور البتہ تم لوگ ہمارے پاس تنہا آئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ تنہا پیدا کیا'' اس آیۃ کریمہ سے بھی یہ ہی سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے تمہارا آنا، درست نہیں ہوتا ہے۔ جب تک تم اس کے ماسوا سے جدا ہو کر تنہا نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

''اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى'' ''کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ پس آپ کو پناہ دی''۔ اس آیۃ کریمہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ تم کو اپنی طرف اس وقت تک پناہ نہیں دیتا ہے جب تک تمہارا یتیم ہو جانا درست نہ ہو۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ'' بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے۔ وہ طاق کو دوست رکھتا ہے''۔ یعنی وہ ایسے قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوقات کی دوئی سے جفت نہ ہو۔ پھر مصنف ؒ نے فرمایا: بعض عارفین نے فرمایا ہے: اگر مجھے یہ تکلیف دی جائے کہ میں غیر اللہ کو دیکھوں تو میں نہ دیکھ سکوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر موجود ہی نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کا مشاہدہ کروں۔

تو حاصل یہ ہوا کہ وہم نے عوام و خواص کو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں کر دیا ہے۔ لیکن خواص الخواص:۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ سے کسی شے نے حجاب میں نہیں کیا۔ لیکن عوام: تو ان کو وہم نے مخلوق کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی طرف کھینچا ہے اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے سے ان کو روک

دیا ہے۔تو وہ دوستوں کے مراقبے،اور ساتھیوں میں دشمنوں کی عداوت میں مشغول ہو گئے۔تو حقیقی دوست اور محافظ اللہ تعالیٰ کی محبت اور مراقبہ ان سے فوت ہو گیا۔لیکن خواص: تو ان کو وہم نے مخلوقات کے ثابت ہونے،اور انوار کے ساتھ ٹھیرنے کی طرف کھینچا۔تو انہوں نے اسی پر قناعت کر لیا۔اور اس سے آگے کی طرف توجہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ سے قناعت کرنا محرومی ہے۔اور خبر: عیاں مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔

میں نے اپنے شیخ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: اللہ کی قسم،آدمیوں کو صرف وہم نے اللہ تعالیٰ سے حجاب میں کیا ہے۔اور وہم عدمی شی ہے۔اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔لیکن خواص الخواص: تو انہوں نے وہم کے حجاب کو پھاڑ دیا۔اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اور فہم حاصل ہوا۔پس وہ کسی شی سے متعلق نہیں ہوئے۔اور انہیں اللہ تعالیٰ سے کسی شی نے حجاب میں نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے ہم کو ان کے گروہ میں شامل فرمائے۔آمین۔اور چونکہ وہم سے طمع پیدا ہوتی ہے اور طمع سے ذلت اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔اور یقین سے ورع پیدا ہوتا ہے۔اور ورع سے عزت اور آزادی پیدا ہوتی ہے۔لہذا مصنفؒ نے اس سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "اَنْتَ حُرٌّ مِمَّا اَنْتَ عَنْهُ اٰئِسٌ ، وَ عَبْدٌ لِّمَا اَنْتَ فِيْهِ طَامِعٌ" ۔ جس سے تم ناامید ہو۔اس کی بندگی اور غلامی سے تم آزاد ہو۔اور جس کے تم حریص ہو،اس کے تم بندے اور غلام ہو"۔

میں کہتا ہوں: بے شک انسان اس کی بندگی سے آزاد ہوا،جس کی طرف سے وہ ناامید ہوا۔ کیونکہ جب وہ اس شے سے ناامید ہوا۔تو اپنی ہمت اس کی طرف سے اٹھالی۔اور اس کو بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دی۔تو جب اس نے اپنی ہمت بادشاہ حقیقی کے ساتھ وابستہ کر دی۔تو حق سبحانہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس کے لئے مسخر اور فرماں بردار کر دیا۔تو کل چیزیں اس کا غلام اور اس کے حکم کی فرماں بردار ہو گئیں۔ جب تک تم نے خالق کا مشاہدہ نہیں کیا۔اس وقت تک تم مخلوق کے ساتھ ہو۔لیکن جب تم نے خالق کا مشاہدہ کیا۔تو مخلوقات تمہارے ساتھ ہو گئیں۔تو جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔وہ اس کے ماسویٰ کی بندگی سے آزاد ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اسی کا بندہ ہے جس سے وہ طمع کرتا ہے۔اس لئے کہ کسی شی کی حرص کا لازمی تقاضا:۔ اس کی محبت،اس کے

سامنے عاجزی، اوراس کی فرماں برداری ہے۔تو وہ اس کے حکم اور منع کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی شے سے تمہاری محبت، تم کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اور یہی عبودیت کی حقیقت ہے۔ اور اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:۔

اَلْعَبْدُ حُرٌّ مَا قَنَعْ وَالْحُرُّ عَبْدٌ مَّا طَمِعْ

''بندہ آزاد ہے جب تک قناعت کرتا ہے۔اور آزاد بندہ غلام ہو گیا جب اس نے طمع کی۔''

بد بخت انسان

وہ انسان کتنا بدترین اور بد بخت ہے، جس کو اس کا مالک بادشاہ بنانا چاہتا ہے اور وہ غلام رہنا چاہتا ہے۔ اور اس کا مالک اس کو آزاد رکھنا چاہتا ہے اور وہ بندہ رہنا چاہتا ہے۔ اس کے مالک نے اس کے لئے مخلوق کو اس کے حکم اور منع کا فرماں بردار بنا کر پیدا کیا۔ لیکن وہ خود مخلوق کی فرماں برداری کرتا، اور کمترین شے کی عبادت کرتا ہے۔ حضرت مصنفؒ اپنی کتاب تنویر میں، اللہ تعالٰی کی مناجات میں، ہاتف غیب کی زبان سے فرماتے ہیں:۔ بے شک اے بندے! میں نے تیرا مرتبہ اس سے بلند کیا، کہ تو اپنے نفس کے حکم میں مشغول ہو۔ تو اے وہ شخص جس کو میں نے بلند کیا۔ اپنا مرتبہ ضائع نہ کر۔ اور اے وہ شخص! جس کو میں نے عزت دی۔ تو اپنے کو میرے غیر کے حوالے کر کے ذلیل نہ ہو۔ تجھ کو مبارک ہو۔ کہ تو ہمارے نزدیک اس سے بہت بلند ہے کہ ہمارے غیر کے ساتھ مشغول ہو۔ میں نے تجھ کو اپنے حضور کے لئے پیدا کیا۔ اور اسی کی طرف تجھ کو دعوت دی۔ اور اپنی عنایت کی کشش سے میں نے تجھ کو اسی کے لئے کھینچا۔ پس اگر تو اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا۔ تو میں تجھ کو حجاب میں کردوں گا۔ اور اگر تو اس کے خواہشات کی پیروی کرے گا۔ تو میں تجھ کو اپنے دروازے سے بھگا دوں گا۔ اور اگر تو اپنے نفس سے جدا ہو گیا۔ تو میں تجھ کو اپنا قرب عطا کروں گا۔ اور اگر تو نے میرے ماسوا سے منہ پھیر کر مجھ سے محبت کی۔ تو میں تجھ سے محبت کروں گا۔

پس حاصل یہ ہے کہ اشیاء کی محبت اور اس میں طمع، ذلت اور رسوائی اور مخلوقات کی عبادت و بندگی کا سبب ہے۔ کسی عارف شاعر نے بہت خوب اشعار فرمائے ہیں:

رَأَيْتُ الْقِنَاعَةَ رَأْسَ الْغِنَا فَصِرْتُ بِاَذْيَالِهَا مُمْتَسِكْ

''میں نے قناعت کو غنا کی بنیاد دیکھا۔ تو میں نے اس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔''

فَأَلْبَسَنِیْ عِزُّھَا حُلَّةً   یَمِرُّ الزَّمَانُ وَلَا تَنْتَھِكُ

''تو قناعت نے مجھ کو ایسا لباس پہنایا، جس پر زمانہ گزرے گا، لیکن وہ بوسیدہ اور پرانا نہ ہو گا''۔

فَصِرْتُ غَنِیًّا بِلَا دِرْھَمٍ   اَتِیْهُ عَلَی النَّاسِ تِیْهَ الْمَلِكْ

''پس میں بغیر درم کے غنی ہو گیا ہوں۔ میں آدمیوں پر بادشاہ کی طرح فخر کرتا ہوں۔

اکسیر اعظم

میں کہتا ہوں:۔ عقلمندوں کے نزدیک یہی غناء اکبر اور اکسیر ہے۔ اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس کا نام ورع ہے۔ یعنی ورع خاص۔ اور وہ ماسوا سے ہمت کا اٹھالینا ہے۔ لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم کرے۔ تم یہ معلوم کرو کہ ورع خاص کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ پس بے شک ان لوگوں کے جملہ ورع میں سے، غیر اللہ کے ساتھ سکون پانے، غیر اللہ کی محبت کی طرف مائل ہونے، غیر اللہ کے فضل و خیر کی طمع کے ساتھ اپنی طمع بڑھانے سے ان کا پرہیز کرنا ہے۔ اور ان کے ورع میں سے واسطوں، اور سببوں کے ساتھ خوف سے، شرکا وار باب سے، ان کا پرہیز کرنا ہے۔ اور ان کے ورع میں عادتوں کے ساتھ ٹھہرنے، طاعتوں پر بھروسہ کرنے، تجلیات کے انوار میں سکون سے ان کا پرہیز کرنا ہے۔ اور ان کے ورع میں سے دنیا کی آزمائشوں، اور آخرت کے ساتھ ٹھہرنے، سے ان کا پرہیز کرنا ہے۔ وہ دنیا سے وفا کی بناء پر اور آخرت سے صفائی کی بناء پر پرہیز کرتے ہیں۔

حکایت

حضرت شیخ عثمان بن عاشوراء نے فرمایا ہے:۔ میں نے موصل جانے کے ارادہ سے بغداد سے سفر کیا۔ تو میں چل رہا تھا۔ تو دنیا اس کی عزت اور مرتبہ اور بلندی، اور اس کے سواریوں، اور لباسوں، اور اس کی دل لبھانے والی صورتوں کے ساتھ میرے اوپر پیش کی گئی۔ تو میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر جنت اس کے حور و قصور اور اس کی نہروں اور پھلوں کے ساتھ پیش کی گئی۔ تو میں اس

کے ساتھ بھی نہیں مشغول ہوا۔ تب مجھ سے فرمایا گیا:۔ اے عثمان! اگر پہلے کے ساتھ تو ٹھہر جاتا، تو میں دوسرے سے تجھ کو حجاب میں کر دیتا۔ اور اگر دوسرے کے ساتھ ٹھہر جاتا تو میں اپنے سے تجھ کو حجاب میں کر دیتا۔ تو لے۔ میں تیرے لئے ہوں۔ اور دنیا و آخرت سے تیرا حصہ تیرے پاس پہنچے گا۔

حکایت

حضرت شیخ عبدالرحمٰن مغربی نے فرمایا ہے:۔ اور وہ مشرقی اسکندریہ میں مقیم تھے:۔ میں نے ایک سال حج کیا۔ جب میں حج کر کے فارغ ہوا تو اسکندریہ واپس آنے کا ارادہ کیا۔ تو مجھے غیب سے یہ آواز سنائی دی آئندہ سال پھر ہمارے پاس آنا۔ تو میں نے اپنے دل میں سوچا جب آئندہ سال پھر یہاں آنا ہے تو میں اسکندریہ واپس نہ جاؤں گا۔ پھر یمن جانے کا خیال ہوا۔ تو میں روانہ ہو کر عدن پہنچا۔ میں ایک روز سمندر کے کنارے چل رہا تھا۔ اور تاجر اپنا سامان تجارت نکالے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا۔ ایک شخص دریا پر مصلیٰ بچھائے ہوئے پانی پر چل رہا تھا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا: میں نہ دنیا کے لائق ہوا نہ آخرت کے۔ تو فوراً مجھے غیب سے یہ آواز سنائی دی۔ جو شخص نہ دنیا کے لائق ہے نہ آخرت کے وہ میرے لائق ہے۔

ورع

حضرت ابوالحسن نے فرمایا ہے:۔ ورع:۔ ان لوگوں کے لئے بہترین طریقہ ہے جنہوں نے اپنی میراث میں جلدی کی اور اپنے ثواب کو مقرر کیا ہے۔ تو ان کو ورع نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ سے لینے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل کرنے کی طرف واضح دلیل کی بناء پر پہنچایا۔ پس وہ اپنے عام اوقات اور تمام احوال میں نہ تدبیر کرتے ہیں، نہ اختیار کرتے ہیں، نہ ارادہ کرتے ہیں، نہ فکر کرتے ہیں، نہ نظر کرتے ہیں نہ بات کرتے ہیں، نہ پکڑتے ہیں، نہ چلتے ہیں، نہ حرکت کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے۔ جس حیثیت سے وہ علم رکھتے ہیں۔ علم نے ان کو حقیقت امر پر جمع کر دیا۔ پس وہ عین جمع میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تو وہ نہ اعلیٰ میں جدا ہوتے ہیں نہ ادنیٰ میں۔ لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ تو اللہ

تعالیٰ ان کو اس سے، ان کے اوپر شریعت کے احکام کی حفاظت کے ساتھ ان کے ورع کے ثواب کے لئے بچاتا ہے اور جس شخص کے علم اور عمل کی میراث نہیں ہے۔ تو وہ دنیا کے ساتھ محجوب ہے۔ یا دعویٰ میں مصروف ہے اور اس کی میراث اللہ تعالیٰ کے مخلوق کے سامنے عزت حاصل کرنا، اور اپنے جیسے لوگوں پر بڑائی چاہنا، اور فخر کرنا، اور اپنے علم سے اللہ تعالیٰ پر دلیل قائم کرنا ہے۔ تو یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ اور اس سے میں اللہ بزرگ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور عقلمند لوگ اس ورع سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور جس نے اپنے علم وعمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو کر اور اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر، اور اس کی مخلوق کے ساتھ تواضع کر کے راستہ کا توشہ نہیں بنایا۔ تو وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے بہت سے صالحین کو ان کی صلاحیت کی وجہ سے ان کے اصلاح کرنے والے سے منقطع کر دیا ہے۔ جیسا کہ بہت سے فساد کرنے والوں کو ان کے فساد کے سبب ان کے ایجاد کرنے والے سے منقطع کر دیا ہے۔ "فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ"۔ پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے اولیائے کرام کے راستہ کو سمجھنے کی توفیق دے۔ اور اپنے دوستوں کی پیروی کرنے کے ساتھ تمہارے اوپر احسان فرمائے۔ تم اس پر غور کرو۔ یہی وہ ورع ہے۔ جس کو شیخ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے: کیا تمہاری سمجھ ورع کے اس قسم تک پہنچ سکتی ہے؟ کیا شیخ کے اس قول کو تم نہیں دیکھتے ہو؟ اس ورع نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ سے لینے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل کرنے کی طرف واضح دلیل کی بناء پر پہنچایا ہے۔ پس یہ ابدال اور صدیقین کا ورع ہے۔ نہ کہ فصاحت سے باتیں کرنے والوں کا ورع ۔ جو برے گمان اور وہم کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ یہ ورع جو شیخ نے بیان کیا ہے۔ یہ خواص، یا خواص الخواص کا ورع ہے۔ اور یہی طمع کے مقابلہ میں ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ کے قول میں گزر چکا ہے "دین کی صلاح ورع، اور دین کا فساد طمع ہے۔ عوام کا ورع نہیں، جو مشتبہ اور حرام کا ترک کرنا ہے۔ کیونکہ وہ پوری طرح طمع کا مقابلہ نہیں کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل: یقین کی درستی، اور اللہ رب العالمین کے ساتھ

مکمل تعلق، اور اس کی طرف سکون، اور اس کے اوپر ارادے کا مضبوطی سے جم جانا، اور اس کے ساتھ اطمینان قلب ہے۔ اس درجہ پر کہ اس کی توجہ اس کے ماسوا سے کسی شے کی طرف نہ ہو۔ پس یہی ورع ہے جو فساد پیدا کرنے والی طمع کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والا ہر عمل، اور نیک بختی پیدا کرنے والا ہر حال درست ہوتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ ؒ نے فرمایا ہے:۔ ورع کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم۔ ظاہر میں ورع:۔ وہ یہ ہے کہ تم کوئی حرکت نہ کرو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔ دوسری قسم۔ باطن میں ورع:۔ وہ یہ ہے کہ تمہارے قلب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ داخل ہو۔ بیان کیا گیا ہے: کسی صوفی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جن لوگوں کی یہ صفت ہے ان میں سے کسی کو دیکھے۔ تو وہ ان کی تلاش میں کوشش کرنے لگے اور ان کے پاس تک پہنچنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی: اپنے مال میں سے کچھ لیتے۔ اور فقیروں اور مسکینوں کے پاس جاتے اور جس کو دیتے۔ اس سے کہتے۔ اسے لو۔ لیکن یہ تمہارے لئے نہیں ہے وہ لوگ ان سے مال لے لیتے تھے۔ اور وہ ان میں کسی سے اپنے مقصد کے مطابق جواب نہیں سنتے تھے۔ اسی طرح وہ برابر کرتے رہے۔ ایک روز وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے مقصد کو حاصل کر لیا اور یہ اس طرح کہ انہوں نے ان میں ایک شخص سے کہا: اسے لو، لیکن یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تو اس نے ان کو جواب دیا: میں اس کو لیتا ہوں۔ لیکن تم سے نہیں۔ تو اگر بندے کی توجہ مخلوق کی طرف ہو۔ یا روزی آنے کے پہلے، یا اس کے بعد ان کی طرف نظر جاتی ہو۔ تو اس ورع کا تقاضا، اور ادب کے حق میں واجب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس میں سے کچھ نہ دے۔ جو اس حال میں اس کے پاس آتا ہے۔ تا کہ اپنے ہم جنس کی طرف دیکھنے کی وجہ سے اس کے نفس کی سزا ہو جائے۔ جیسا کہ ایوب حمال کا واقع حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے ساتھ واقع ہوا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

حکایت

اور جیسا کہ حضرت شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے ان کے پاس ایک بوجھ ڈھونے والا شخص گیہوں یا ستو لے کر آیا۔ تو ان کے نفس نے ان سے جھگڑا کیا اور کہا: کیا دیکھتے ہو کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو انہوں نے نفس کو جواب دیا: اے اللہ کے دشمن! میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں

سے آیا ہے۔ اور اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ یہ کسی فقیر کو دے دو۔ یہ اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے کیا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے پہلے مخلوق کو دیکھا۔

بیان کیا گیا ہے: سب سے بڑھ کر حلال وہ ہے جس نے دل میں خطرہ نہیں کیا۔ اور نہ کسی عورت یا مرد سے تم نے سوال کیا۔

حضرت شیخ عبدالعزیز مہدوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ ورع:۔ یہ ہے کہ تم نہ کوئی حرکت کرو نہ سکون۔ مگر تم حرکات وسکون میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو۔ تو جب اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حرکت وسکون ختم ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی رہا۔ پس حرکت اس کا ظرف ہے جو اس میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ ہم نے کسی شے کو نہیں دیکھا۔ مگر اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ پس جب اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ وہ چیز ختم ہو گئی۔ نیز یہ بھی فرمایا:۔ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مطلق حلال وہ ہے جو واسطوں کے ختم ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے لیا جائے۔ اور یہ توکل کا مقام ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: حلال وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عبادؒ سے منقول ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عزت دینا چاہتا ہے۔ اور اس بلند مقام پر پہنچانا چاہتا ہے تو اس سے وہم اور بیقراری کے باگ ڈور کو کاٹ دیتا ہے۔ اور اس کو طمع کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔ پھر اس کو اپنی طرف احسانات کی مہربانیوں، یا امتحانات کی زنجیروں کے ذریعہ کھینچتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ فرمایا:

مَنْ لَّمْ یُقْبِلْ عَلَی اللّٰہِ بِمُلَاطِفَاتِ الْاِحْسَانِ، قِیْدَ اِلَیْہِ بِسَلَاسِلِ الْاِمْتِحَانِ

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف احسان کی مہربانیوں سے نہیں بڑھتا ہے۔ وہ اس کی طرف امتحان کی زنجیروں سے کھینچا جاتا ہے“

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تین قسم میں تقسیم کیا ہے: اہل شمال۔ اہل یمین۔ سابقون۔

اہل شمال۔ (بائیں بازو والے): ان کے بارے میں کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل نہیں بڑھنا ہے۔

اہل یمین۔ (دائیں بازو والے): ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف کچھ توجہ ہے۔لیکن ان کے لئے خصوصیت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ظاہر شریعت پر قناعت کر لیا ہے۔اور طریقت کے سلوک اور حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔اور دلیل و برہان کے ساتھ ٹھہر گئے۔اور مشاہدہ وعیاں کی طرف پہنچنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔تو ان کے بارے میں بھی کچھ کلام نہیں ہے۔

سابقون۔ (آگے بڑھنے والے): یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف، اس کی طرف متوجہ ہو کر اور اس کی معرفت کے طالب ہو کر، بڑھے۔اور ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں: جو اللہ کی طرف اس کے انعام اور احسان کا شکر ادا کرتے ہوئے بڑھے۔ یہ لوگ مقام شکر والے ہیں۔دوسری قسم: وہ لوگ ہیں: جو مصیبتوں اور سختیوں کے ذریعہ امتحان کی زنجیروں میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔ یہ لوگ مقام صبر والے ہیں۔ پہلے مقام والے: اللہ تعالیٰ کی طرف رضامندی اور خوشی سے بڑھے۔اور دوسرے مقام والے: اللہ تعالیٰ کی طرف مجبوراً بڑھے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعاً وَّ كَرْهاً) ”جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ خوشی سے اور مجبوری سے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔“

حضرت ابو مدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کا مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ وہ بندوں کو اپنی طاعت کے لئے روزی کی کشائش، اور ہمیشہ معاف کرنے کے ذریعہ بلاتا ہے تا کہ وہ لوگ اس کی طرف اس کی نعمت کے ذریعہ رجوع کریں۔لیکن اگر نعمتیں پانے کے باوجود اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔تو وہ ان لوگوں کو بدحالی میں مبتلا کرتا ہے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد خوشی سے یا مجبوری سے بندوں کو اپنی طرف جوع کرانا ہے۔

پس ایک گروہ ایسا ہے:۔جن پر اللہ تعالیٰ نعمتوں کو وسیع کر دیتا ہے۔اور ان سے مصیبتوں اور زحمتوں کو پھیرتا ہے۔اور ان کو تندرستی عطا کرتا ہے۔اور مال و عافیت سے ان کی مدد کرتا ہے۔تو وہ لوگ ان نعمتوں کا حق ادا کرتے اور اس کے شکر کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مشتاق ہوتے ہیں۔تو یہ نعمتیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کی سواریاں، اور اس

کی طرف آنے کے لئے معاون ہوتی ہیں۔ اور وہ لوگ ان نعمتوں کو اپنے قلب سے باہر کر کے اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ) ''میرے بندوں میں شکر گزار کم ہیں''۔ اور اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔

مومن کی سواری

نِعْمَةُ الدُّنْيَا مَطِيَّةُ الْمُؤْمِنِ ، عَلَيْهَا يَبْلُغُ الْخَيْرَ، وَبِهَا يَنْجُوْا مِنَ الشَّرِّ

''دنیا کی نعمت مومن کی سواری ہے۔ اس پر سوار ہو کر وہ بھلائی تک پہنچتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ وہ برائی سے نجات پاتا ہے''۔ یا جیسا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: حضرت نبی کریم ﷺ نے دنیا کو مومن کو لے جانے والی سواری بنایا۔ مومن کو دنیا کے لئے سواری نہیں بنایا کہ وہ اس کو اٹھانے اور لے جانے کی تکلیف گوارہ کرے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ دنیا مومن کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کے لئے اس سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اس کے قلب میں نہیں ہے کہ وہ اس کی طلب میں زحمت اور مشقت کا مرتکب ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور دوسرا گروہ ایسا ہے: اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے ان کی مدد کی۔ ان کے لئے مال اور عافیت کو وسیع کیا۔ اور ان سے زحمتوں کو دور کیا۔ تو ان نعمتوں نے ان کو اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے سے باز رکھا۔ اور اس کے حضور کی طرف سیر کرنے سے روک دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ان سے چھین لیں۔ اور ان کو مصیبتوں اور سختیوں میں مبتلا کیا۔ تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف امتحان کی زنجیروں میں بندھ کر بڑھے۔

''عَجِبَ رَبُّكَ مِنْ قَوْمٍ يُسَاقُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ''

''ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تعجب کیا۔ جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں لے جائے جاتے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے شکر گزار دولتمند اور صابر فقیر کی ایک ہی قسم کے لفظ سے تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں فرمایا: وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ''اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطا فرمایا۔ وہ بہترین بندہ ہے۔ بے

شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑا رجوع کرنے والا ہے۔''

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے حق میں فرمایا:۔

''اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○

''ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔ وہ بہترین بندہ ہے۔ بے شک وہ اللہ کی طرف بڑا رجوع کرنے والا ہے''۔ ایک عارف نے فرمایا ہے: اگر مجھے نعمت عطا کی جائے اور میں شکر ادا کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ مجھے مصیبت میں مبتلا کیا جائے اور میں صبر کروں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ شاکر غنی کو صابر فقیر پر ترجیح دیتے تھے اور یہی حضرت ابن عطا اور ابوعبداللہ ترمذی حکیم رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں: شکر: اہل جنت کی صفت ہے۔ اور فقر، ایسا نہیں ہے۔ مصنف ؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے: فقیر صابر، ہی غنی شاکر ہے۔ اور اس کے برعکس اس لئے کہ غنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو جب قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغنی ہو گیا تو ایسا قلب رکھنے والا ہی شاکر غنی ہے۔ اور ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی ہاتھ بھرپور ہوتا ہے۔ لیکن قلب فقیر ہوتا ہے۔ اور کبھی قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوتا ہے لیکن ہاتھ فقیر ہوتا ہے۔ اور کبھی ہاتھ بھی بھرپور ہوتا ہے اور قلب بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا سے غنی ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے بیان کیا ہے:۔ ایک شخص دنیا میں زاہد، اور اعمال میں مجاہد مغرب میں رہتے تھے۔ وہ سمندر سے مچھلیوں کا شکار کرتے تھے۔ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اور جو کچھ وہ شکار کرتے تھے۔ اس میں سے کچھ صدقہ کر دیتے تھے اور کچھ خود کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص نے ملک مغرب کے کسی شہر کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس سے زاہد نے فرمایا: جب تم فلاں شہر میں پہنچو۔ تو میرے فلاں بھائی کے پاس جاؤ۔ اور ان کو میری طرف سے سلام عرض کرو۔ اور ان سے دعا طلب کرو۔ کیونکہ بے شک وہ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہیں۔ اس شخص نے بیان کیا ہے:۔ میں نے سفر کیا۔ جب اس شہر میں پہنچا۔ تو میں نے ان کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ تو لوگوں نے میری رہنمائی ایک عالیشان گھر کی طرف کی۔ جو بادشاہوں کے رہنے کے لائق

تھا۔ میں نے اس پر تعجب کیا۔ پھر میں نے ان کو تلاش کیا۔ تو مجھ کو بتایا گیا:۔ وہ بادشاہ کے پاس گئے ہیں۔ میرا تعجب اور زیادہ ہوا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ اس شان سے تشریف لائے:۔ نہایت شاندار گھوڑے پر سوار، بہترین لباس پہنے ہوئے۔ گویا کہ اپنی سواری پر وہ بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ تو میرا تعجب پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ میں نے لوٹ جانے، اور ان کے پاس نہ ٹھیرنے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے سوچا کہ میرے لئے شیخ کی مخالفت ممکن نہیں ہے۔ لہذا میں نے ان سے ملاقات کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دی۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو غلاموں، خادموں اور اعلیٰ قسم کے سازوسامان کو دیکھ کر میں خوفزدہ ہو گیا۔ پھر میں نے ان سے کہا: آپ کے فلاں بھائی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: تم ان کے پاس سے آئے ہو؟ میں نے کہا: ہاں تو انہوں نے کہا: جب تم ان کے پاس واپس جانا تو ان سے کہنا۔ تم کب تک دنیا میں مشغول رہو گے؟ اور کب تک اس کی طرف متوجہ رہو گے؟ اور کب تک تم دنیا سے اپنی رغبت کو منقطع نہ کرو گے؟ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو پہلے سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے۔ تو جب میں سفر سے واپس آیا۔ تو شیخ نے دریافت فرمایا:۔ کیا تم نے میرے فلاں بھائی سے ملاقات کی؟ میں نے کہا: ہاں شیخ نے دریافت کیا:۔ انہوں نے تم سے کیا فرمایا؟ میں نے کہا: کچھ نہیں۔ شیخ نے کہا: جو کچھ انہوں نے فرمایا۔ وہ تم کو مجھ سے ضرور کہنا ہوگا۔ تو جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا۔ میں نے شیخ کے سامنے بیان کر دیا۔ شیخ وہ باتیں سن کر بہت روئے۔ پھر فرمایا: میرے فلاں بھائی نے سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو دھو کر دنیا سے پاک کر دیا ہے۔ اور دنیا کو ان کے ہاتھ میں اور ان کے ظاہر پر رکھ دیا ہے۔ اور میں اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اور اس کی طرف میری کچھ توجہ باقی ہے۔ حضرت مصنفؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان کیا ہے۔

پس اولیاء کے احوال نہ فقر کے ساتھ ضبط کئے جا سکتے ہیں نہ غنا کے ساتھ۔ اس لئے کہ ولایت قلبی امر ہے۔ اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے احسان کی مہربانیوں کے ذریعہ بڑھا۔ اس کے اوپر اس کے اس کرم و احسان کا شکر واجب ہے جو اس نے اس کی طرف بھیجا۔ ورنہ اس کی

ناشکری اور نافرمانی کے باعث وہ کرم واحسان زائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ مصنفؒ نے اپنے قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النِّعَمَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِزَوَالِهَا، وَمَنْ شَكَرَهَا فَقَدْ قَيَّدَهَا بِعِقَالِهَا

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادانہیں کیا۔اس نے اس کو زائل ہونے کے لئے پیش کر دیا۔اور جس نے اس کا شکرادا کیا۔اس نے اس کو رسیوں سے مضبوط باندھ لیا۔''

میں کہتا ہوں:۔ حکیموں کے اقوال اس حقیقت پر متفق ہیں۔کہ شکر: موجود کو قید کرنے والا۔ اور غیر موجود کو شکار کرنے والا ہے۔نیز یہ بھی فرمایا ہے: جس کو نعمتیں عطا کی گئیں۔اور اس نے شکر ادا نہیں کیا۔تو وہ اس سے اس طرح چھین لی گئیں کہ وہ سمجھ بھی نہ سکا۔تو جس نے نعمت کا شکرادا کیا۔ اس نے اس کو مضبوط رسی سے باندھ لیا۔اور جس نے اس کی ناشکری کی۔اس نے اس کو زائل ہونے کے لئے پیش کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ **إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ** ''اللہ تعالیٰ اس حال کو نہیں بدلتا ہے جس کا تعلق قوم سے ہے۔جب تک کہ وہ لوگ اس حال کو نہ بدلیں جس کا تعلق ان کے نفسوں سے ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم سے وابستہ نعمتوں کو نہیں بدلتا ہے۔جب تک وہ لوگ اپنے نفسوں سے وابستہ شکر کو نہ بدل دیں۔اور شکر کا بدلنا: نافرمانی اور ناشکری میں انکا مشغول ہونا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے:۔ شکر:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کرے۔اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے:۔شکر:۔نعمت دینے والے سے اس کی نعمت کے سبب دل کا خوش ہونا ہے۔یہاں تک کہ اس کا اثر جسم کے اعضاء تک پہنچ جائے۔تو وہ احکام کی ادائیگی میں کشادہ ہو جائیں۔اور منع سے رک جائیں۔لطائف المنن میں مصنفؒ نے فرمایا ہے:شکر کی تین قسمیں ہیں:

اول:۔زبان کا شکر۔ دوم:ارکان یعنی جسمانی اعضاء کا شکر۔سوم: قلب کا شکر۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا اور ظاہر کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**۔ اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔

دوم: ارکان یعنی جسمانی اعضاء کا شکر۔

ارکان کا شکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ عمل کرنا ہے۔اِعْمَلُوْ اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا۔ اے داوٗد کی اولاد شکر کی بجا آوری پر عمل کرو۔

سوم: قلب کا شکر: یہ اعتراف کرنا ہے۔ کہ کل نعمتیں خواہ وہ تم سے متعلق ہوں، یا دوسرے لوگوں سے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ) ''جو نعمت تمہارے ساتھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔ پہلی قسم کے شکر کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:۔ (اَلتَّحَدُّثُ بِالنِّعَمِ شُکْرٌ) ''نعمتوں کا بیان کرنا شکر ہے''۔ دوسری قسم کے شکر کے بارے میں یہ حدیث ہے:۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ ، فَقِيْلَ لَهٗ اَتَتَكَلَّفُ كُلَّ ذَالِكَ وَ قَدْ غَفَرَاللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ فَقَالَ:۔ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا

حضرت نبی کریم ﷺ نماز میں کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک میں ورم ہو گیا۔ تو آپ سے عرض کیا گیا:۔ آپ یہ سب تکلیفیں کیوں گوارا فرماتے ہیں جب کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: آنکھوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جب ان سے نیکی دیکھو۔ تو اس کا علان کرو۔ اور جب ان سے کوئی برائی دیکھو تو چھپا لو۔ پھر سائل نے دریافت کیا۔ کانوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ان سے کوئی نیک بات سنو تو اسے محفوظ رکھو۔ اور اگر کوئی بری بات سنو تو اسے دفن کر دو۔ پھر سائل نے دریافت کیا: ہاتھوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جو چیز تمہاری نہیں اس کو نہ پکڑو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق سے ان کو نہ روکو۔ پھر سائل نے پوچھا۔ پیٹ کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کا نیچے کا حصہ صبر ہو، اور اوپر کا حصہ علم ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ شرمگاہ کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے وہی جواب دیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝) ''جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے

مباشرت کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے'' پھر اس نے دریافت کیا:۔ پاؤں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر کوئی ایسی چیز دیکھو جو قابل رشک ہو تو ان کو استعمال کرو۔ اور اگر ایسی چیز دیکھو جو باعث گناہ ہو تو ان کو روک لو۔

شکر کی اقسام

اور تم کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ شکر کے معاملہ میں آدمی تین قسم کے ہیں۔ ۱۔عوام ۲۔ خواص ۳۔خواص الخواص۔

عوام کا شکر:۔ صرف نعمتوں پر ہوتا ہے اور خواص کا شکر نعمتوں اور زحمتوں دونوں پر ہوتا ہے اور خواص الخواص کا شکر: نعمت اور زحمت کے مشاہدہ سے، نعمت دینے والے کے مشاہدہ میں غائب ہونا ہے۔ اور ان نعمتوں کی جن پر شکر واقع ہوتا ہے۔ تین قسمیں ہیں: ۱۔ دنیاوی۔ جیسے تندرستی، آرام، مال حلال۔ ۲۔ دینی: جیسے علم، عمل، تقویٰ، معرفت۔ ۳۔ اخروی: جیسے کم عمل پر بڑی بخشش کے ذریعے زیادہ ثواب ملنا۔ اور دینی نعمتوں میں، سب سے بڑی نعمت جن پر شکر بجالانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اسلام۔ ایمان۔ معرفت کی نعمت ہے اور اس کا شکر یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر واسطہ اور اختیار اور طاقت کے احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ''لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب کیا۔ اور تمہارے قلوب مین اس کو زینت دی۔ اور تمہارے لئے کفر اور گناہ و نافرمانی کو مکروہ یعنی قابل نفرت کر دیا'' پھر فرمایا:۔ (فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةً) ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت سے ایسا ہوا''۔

حضرت ابوطالب مکی رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام کرنے کے بعد فرمایا:۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو شک اور گمراہی کی طرف پھیر دے۔ جیسے ہماری نیتوں کو اعمال کی طرف پھیرتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اور کس کی پناہ لے سکتے ہیں؟ اور کس شے سے ہم اطمینان اور امید حاصل کر سکتے ہیں؟ تو یہ بڑی نعمتوں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت:۔ ایمان کی نعمت کا شکر ہے۔ اور معرفت سے جہل:۔ ایمان کی نعمت سے ایسی غفلت ہے جو سزا کا سبب ہے۔ اور ایمان کا دعویٰ اس طرح کرنا کہ

وہ معقول کسب سے۔ یا طاقت اور اختیار کی طاعت سے ہے۔ یہ ایمان کی نعمت کی ناشکری ہے۔ اور مجھے ایسے شخص سے ایمان کے سلب ہونے کا خوف ہے۔ جس نے ایسا وہم کیا۔ کیونکہ اس نے ایمان کی نعمت کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا۔

پھر بندہ اگر نعمتوں کے شکر سے غافل ہو جائے۔ لیکن ان نعمتوں کی صورت اس کے نزدیک برابر موجود رہے تو اس سے وہ دھوکا نہ کھائے۔ کیونکہ یہ کبھی استدراج کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ فرمایا:

(خِفْ مِنْ وُجُوْدِ اِحْسَانِہٖ اِلَیْكَ، وَ دَوَامَ اِسَاءَ تِكَ مَعَہٗ، اَنْ یَّكُوْنَ ذَالِكَ اِسْتِدْرَاجاً۔ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ)

تمہاری ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باوجود، تمہارے ساتھ اس کے احسان کے موجود ہونے سے تم خوف کرو۔ ممکن ہے یہ استدراج ہو۔ بہت جلد ہم ان سے ایک ایک نعمت اس طرح چھین لیں گے کہ وہ سمجھ بھی نہ سکیں گے۔

استدراج کی تعریف

استدراج:۔ کے معنی۔ احسان کی شکل میں مشقت اور تکلیف کا پوشیدہ ہونا ہے۔ مستدرج:۔ وہ شخص ہے جس سے ایک ایک کر کے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ **(سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْن)** یعنی ہم انہیں نعمتوں کے ذریعہ پکڑیں گے اور ان کو کھینچ کر عذاب تک پہنچا دیں گے۔ اس طریقہ پر کہ وہ سمجھ بھی نہ سکیں گے۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

پس اے مرید! تم اپنے ساتھ تندرستی، اور فراغت اور روزی کی وسعت کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ احسان کرنے، اور ہمیشہ ظاہری اور باطنی مدد کرنے سے، باوجودیکہ تم غفلت اور کوتاہی کے ساتھ ہمیشہ اس کی نافرمانی اور ناشکری کرتے ہو۔ ڈرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْن)** ”ہم عنقریب انہیں اس حیثیت سے پکڑیں گے کہ وہ سمجھ نہ سکیں گے

آئینہ استدراج کی تفسیر

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اس آیۃ کریمہ کا مفہوم یہ ہے:۔ ہم ان کو نعمتوں کے ساتھ بڑھاتے ہیں۔ اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ تو جب نعمت کی طرف مائل ہو کر نعمت دینے والے سے حجاب میں ہو جاتے ہیں۔ تو پکڑ لئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عطار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کوئی خطا کرتے ہیں۔ تو ہم ان کو نئی نعمت عطا کرتے ہیں۔ اور ہم ان کو اس خطا پر استغفار کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ (وَاُمْلِیْ لَھُمْ) ''ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں''۔ یعنی عافیتوں اور نعمتوں میں ان کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اچانک ان کو پکڑ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ) جب وہ لوگ غافل ہو گئے اس عذاب سے جس کی ان کو یاد دلائی گئی تھی۔ تو ہم نے ان کے اوپر نعمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ اور ان کے اوپر ظاہری روزیوں کو کشادہ کر دیا۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئیں۔ اس سے خوش ہوئے۔ اور اپنے کو ان نعمتوں کا مالک سمجھ کر مضبوطی سے قائم ہو گئے۔ تو ہم نے اچانک ان کو ہلاکت کے ساتھ پکڑ لیا۔ پس اب وہ لوگ ہر بھلائی سے مایوس ہیں۔ اور اپنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے:۔ کہ ان کی طرف ایک ایسا شخص بھیجتا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور جب وہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے، اور اس کی بات کو رد کر دیتے ہیں۔ تو ان کے اوپر ظاہری نعمتوں کو کشادہ کر دیتا ہے۔ تو جب وہ مطمئن ہو جاتے، اور انہیں نعمتوں کی خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اچانک ان کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور یہ سزا سب سزاؤں میں بہت سخت ہوتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:(وَاَعْظَمُ شَيْءٍ حِيْنَ يَفْجَؤُكَ الْبَغْتُ)

''سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ عذاب تمہارے پاس اچانک آ جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ"

"کافرلوگ یہ نہ خیال کریں۔ کہ ہم ان کو جومہلت دیتے ہیں۔ وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ہم نہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں۔ اوران کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے"۔

ظاہری وباطنی نعمتوں پرشکرواجب ہے

پس انسان پرواجب ہے کہ جب کوئی نعمت ظاہری ہویاباطنی، حسی ہویامعنوی، محسوس کرے۔ تواس کاحق پہچانے۔اور بیان، اوراعتقاد، اورعمل سے اس کاشکراداکرنے میں جلدی کرے۔

پس بیان کاشکر: زبان سے حمداورشکرکرناہے۔اوراعتقادکاشکر:۔نعمت میں نعمت دینے والے کامشاہدہ کرنااورنعمت کی نسبت اسی کی طرف کرنااورزبان سے شکرکرتے ہوئے قلب کاواسطہ سے غائب ہوناہے۔ (مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ) "جس نےانسان کاشکرادانہیں کیا۔اس نےاللہ تعالیٰ کاشکرادانہیں کیا"۔

(اَشْكُرُكُمْ لِلنَّاسِ اَشْكُرُكُمْ لِلّٰهِ) "تم میں سےانسان کازیادہ شکراداکرنے والا،اللہ تعالیٰ کا بھی زیادہ شکراداکرنے والا ہے"۔توجب انسان سے کہا: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَا۔ 'اللہ تعالیٰ تم کوبہترجزادے' تواس نےاس کاشکراداکیا۔

اورعمل کاشکر:۔اس نعمت کااللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرناہےجیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔تواگراس واجب پرقائم نہیں ہوا۔تواس کے لئےنعمت کے چھن جانے، اورسزامیں گرفتار ہونے کاخطرہ ہےاوریہ بہت براہے۔حاصل یہ ہے: کہ شکر: نعمت دینے والے کےساتھ،اور اس کےساتھ،جس کے ہاتھوں سےنعمت ملی ہے۔ادب کےساتھ پیش آناہے۔تواگروہ ادب کو خراب کرتاہےتوادب سکھایاجاتاہےاورکبھی اس کوباطن میں ادب سکھایاجاتاہےاوراس کواس کاعلم نہیں ہوتا۔جیساکہ مصنفؒ نےاپنےقول میں بیان فرمایا:۔

مِنْ جَهْلِ الْمُرِيْدِ اَنْ يُّسِيْءَ الْاَدَبَ فَتُؤَخَّرَ الْعُقُوْبَةُ عَنْهُ، فَيَقُوْلَ:۔ لَوْ كَانَ هٰذَا سُوْءَ اَدَبٍ لَقُطِعَ الْاِمْدَادُ وَاُوْجِبَ الْبِعَادُ، فَقَدْ يُقْطَعُ الْمَدَدُ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ،

وَلَو لَمْ یَکُنْ اِلَّا مَنْعَ الْمَزِیْدُ۔ وَقَدْ تُقَامُ مَقَامَ الْبُعْدِ وَاَنْتَ لَا تَدْرِیْ، وَلَو لَمْ یَکُنْ اِلَّا اَنْ یُّخَلِّیْکَ وَمَا تُرِیْدُ۔

یہ مرید کا جہل ہے: کہ اگر وہ بے ادبی کرے اور اس کو سزا دینے میں تاخیر کی جائے تو وہ کہے: اگر یہ بے ادبی ہوتی تو امداد منقطع ہو جاتی۔ اور بعد (دوری) واجب ہو جاتی۔ تو کبھی اس سے مدد اس طریقے پر منقطع کی جاتی ہے۔ کہ وہ سمجھ بھی نہیں پاتا اور اگر یہ نہیں ہوتا ہے تو اس کی آگے ترقی روک دی جاتی ہے اور کبھی تم بعد کے مقام پر قائم کر دیئے جاتے ہو اور تم کو معلوم بھی نہیں ہوتا ہے اور اگر یہ بھی نہیں ہوتا ہے تو وہ تم کو چھوڑ دیتا ہے۔ جو تمہارا دل چاہے کرو''۔

میں کہتا ہوں: سچے مرید کے لئے تاکید کی گئی چیزوں میں سے ایک یہ ہے: ہر شے میں اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ رکھے۔ اور ہر شے کے لئے تعظیم ضروری سمجھے۔ اور ہر شے میں حرمت کی حفاظت کرے۔ تو اگر ان چیزوں سے کسی میں کوتاہی، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی سرزد ہو جائے تو ذلت اور انکساری کے ساتھ عذر اور توبہ میں جلدی کرنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ توبہ کو دوسرے وقت کے لئے ٹال دیتا ہے تو اس سے امداد رک جاتی ہے۔ اور اس کا بھگانا اور دور کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ تو وہ اپنے نفس کے لئے دلیل پکڑتا، اور کہتا ہے:۔ اگر یہ بے ادبی ہوتی۔ تو مجھ سے امداد منقطع ہو جاتی۔ اور یہ اس کا بدترین جہل ہے۔ جو اس کو سزا تک پہنچاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل نہ ہو جائے۔ اور یہ مرید کا جہل اس وجہ سے ہے کہ اس نے اپنی بے ادبی کے وقت اپنے نفس کی حمایت کی۔ اور اپنے قلب کے نقصان کا خیال نہیں کیا۔ اس لئے کہ اگر وہ نفس کی فریب کاریوں سے واقف اور باخبر ہوتا۔ تو اسی کو تہمت لگاتا اور اس کی حمایت نہ کرتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا عارف ہوتا تو اپنے قلب کے نقصان کو سمجھتا۔ تو اس نے جہالت اور جہل دونوں کو جمع کر لیا۔ اور جہالت: تو وہ بے ادبی ہے جو اس سے صادر ہوئی۔ اور جہل: اپنے نفس کی طرف سے بحث کرنا، اور بے ادبی کے صادر ہونے سے انکار کرنا ہے۔ اور جو اس نے سزا کو محسوس نہ کرنے کی وجہ سے یہ دلیل قائم کی: اگر یہ بے ادبی ہوتی تو میں امداد کے رکنے کو محسوس کرتا۔ اور اگر بھگانا اور دور کرنا لازم ہوتا تو میں آگے نہ بڑھتا تو اس سے مدد موقوف ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ سمجھتا نہیں ہے۔ اور

اس کی مثال:۔ وہ درخت ہیں۔ جن کی نشوونما پانی پر منحصر ہے۔ جب ان کے پاس پانی کا پہنچنا رک جاتا ہے تو ان کے اوپر پیاس کا اثر فوراً ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ تو جیسے جیسے مدت دراز ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ خشک ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح مرید کا قلب مدد کے رک جانے کو جلدی محسوس نہیں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وہم میں ڈوب جاتا ہے اور ظاہر کے ساتھ چلتا ہے۔ تو اگر اس کے پاس نیکی کی طرف بڑھنے والی قوت ہوتی ہے۔ تو وہ توبہ کرتا ہے۔ اور جو بے ادبی کی ہے۔ اس کو درست کرتا ہے۔ تو مدد اس کی طرف پھر لوٹ آتی ہے۔ اور اگر نیکی کی طرف بڑھنے والی قوت اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ جاتا۔ اور اپنے بعد میں قائم ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کے بعد نعمت کے چھن جانے سے سلامتی طلب کرتے ہیں۔ اور اگر صرف اتنی ہی سزا ہو کہ اس کو مزید سیر یا ترقی سے روک دیا جائے۔ تو یہی بہت ہے۔ کیونکہ جو شخص زیادتی میں نہیں ہوتا۔ وہ نقصان میں ہوتا ہے اور جس کا آنے والا دن آج سے برا ہو۔ وہ گھاٹے میں ہے۔ اور دلیل کرنے میں اس کا یہ قول بھی ہے۔ اگر یہ بے ادبی ہوتی تو دوری کا سبب ہوتی۔ لیکن کبھی وہ دوری کے مقام پر قائم کر دیا جاتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ وہ قرب کے مقام پر ہے۔ کیونکہ قرب اور بعد کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور قرب میں جو مقام بھی ہے اس کے بعد والا مقام اس سے بہت بڑا ہے یہاں تک کہ پہلا مقام قرب اپنے بعد کے مقام کی نسبت سے بعد ہے۔ اور اگر یہ بعد بھی نہ ہو۔ بلکہ وہ تم کو صرف تمہارے ارادے کے ساتھ چھوڑ دے تو طرد اور بعد میں یہی سزا بہت ہے۔ اس لئے کہ بندے کو اس کی خواہشات کے ساتھ چھوڑ دینا۔ اس کی طرف سے بے توجہ ہونے کی علامت ہے۔ اور بندے کو اس کی خواہشات اور مرغوبات سے نکالنا۔ عنایت کرنے، اور متوجہ ہونے کی علامت ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر مہربانی کرتا ہے۔ اور اس کو اپنے حضور تک پہنچانا چاہتا ہے۔ تو نفس کی مرغوب کل چیزوں کو اس پر سے منتشر کر دیتا ہے اور خوشی سے یا ناگواری سے اس کو چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اس دنیا سے مایوس کر دیتا ہے۔ اور اس دنیا کی کسی چیز کی طرف اس کی رغبت باقی نہیں رہتی ہے۔ تو اس وقت وہ اس کو اپنے حضور کے لئے پسند کرتا اور اپنی محبت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ تو اب نہ اس کو اپنے نفس کی خبر رہتی ہے نہ غیر

اللہ کے ساتھ اس کو قرار ہوتا ہے۔

اور اس کی اصل :۔ سیدنا حضرت موسیٰ ؑ کا واقعہ ہے۔ چونکہ اپنے عصا کے ساتھ ان کی محبت اور اس کی طرف ان کی رغبت کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسٰى ؟ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ اُخْرٰى) اَيْ حَوَائِجُ اُخَرُ (قَالَ) لَهٗ (اَلْقِهَا يَا مُوسٰى فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى) فَلَمَّا فَزَّعَنْهَا وَقَطَعَ يَاْسَهٗ مِنْهَا (قَالَ) لَهٗ (خُذْهَا وَلَا تَخَفْ)

'اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس سے سہارا لیتا ہوں۔ اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لئے دوسرے فائدے اور حاجتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔ تو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔ تو اب وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ تو جب حضرت موسیٰ ؑ اس سے بھاگے اور ان کی امید اس سے منقطع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا۔ اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو۔ کیونکہ وہ تم کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع ہوئے ہو۔ اور فقیر سے کہا جاتا ہے: اے فقیر! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو فقیر کہتا ہے: یہ میری دنیا ہے میں اس سے سہارا لیتا ہوں۔ اور اس سے اپنی حاجتوں کو پوری کرتا ہوں تو اس کو حکم دیا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے اس کو ڈال دے۔ تو اب وہ سانپ بن کر دوڑتا ہے۔ جو اس کو ڈستا تھا اور اس کو محسوس نہیں ہوتا تھا۔ تو جب وہ اس سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو حکم دیا جاتا ہے: اس کو پکڑ لے۔ اور مت ڈر کیونکہ اب تو اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ پکڑتا ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ آداب جن کی عدم رعایت پر سزا ملتی ہے

اور آداب کے وہ مقامات، جن میں مرید خرابی اور کوتاہی کرتا ہے۔ تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ تین ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ آداب۔ ۲۔ شیخ کے ساتھ آداب۔ ۳۔ بھائیوں کے ساتھ آداب۔

عوام کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ آداب:۔ اس کے حکم پر عمل کرنا۔ اور اس کی منع سے پرہیز کرنا۔ اور اس کے رسول ﷺ کے آداب: سنت کی اتباع، اور اہل بدعت سے دور رہنا۔ تو جب وہ لوگ حکم کی تعمیل میں کوتاہی۔ اور منع سے مخالفت کرتے ہیں۔ تو انہیں ظاہر میں فوراً سزا دی جاتی ہے۔ یا باطن اور ظاہر میں تاخیر سے مقررہ وقت پر سزا دی جاتی ہے۔

خواص کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ آداب: اس کے ذکر کی کثرت کرنی۔ اس کے حضور کا مراقبہ کرنا۔ اور اس کی محبت کو ہر شے پر مقدم رکھنا ہے۔ شیخ نے اس میں اضافہ فرمایا:۔ حدود کی حفاظت کرنا۔ عہدوں کو پورا کرنا۔ بادشاہ ودود اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا۔ موجود سے راضی رہنا۔ اور طاقت اور کوشش سے حاصل کی ہوئی چیز کا خرچ کرنا ہے۔ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ آداب:۔ ان کی محبت کو ہر شے پر مقدم رکھنا۔ اور ان کی ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا۔ اور ان کے اخلاق سے اپنے کو آراستہ کرنا ہے۔ تو جب وہ اس کے ذکر میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یا ان کے قلوب اس کے حضور کے غیر کی طرف پھر جاتے ہیں۔ یا ان کی محبت اس کے سوا کسی شے کی طرف مائل ہوتی ہے یا پہلے بیان کی ہوئی چیزوں سے کسی چیز میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یا جو عہد انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا، اس کو توڑتے ہیں۔ تو ان کو ظاہر میں مار، یا قید، یا زبان سے تکلیف کے ساتھ سزا دی جاتی ہے۔ یا باطن میں سزا دی جاتی ہے اور یہ زیادہ سخت ہے۔ جیسے مدد کا منقطع ہونا۔ اور طرد کا لازم کرنا۔ یا بعد کے مقام پر قائم کرنا۔

خواص الخواص کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ آداب:۔ اور وہ واصلین ہیں۔ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع سے رہتے ہیں۔ اور ہر شے کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جلال اور جمال کی تجلیات میں، یا مخلوقات کے اختلاف یا طریقوں کی تبدیلی کے ساتھ ہمیشہ اسی کی معرفت سے متعلق رہتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آداب:۔ ان کے موافق حقیقت میں قائم ہوتے، اور ان کی امت کی تعظیم، اور ان کے نور کے مشاہدہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ جیسا کہ

حضرت ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ میری تیس سال کی مدت سے، رسول اللہ ﷺ ایک لمحہ کے لئے بھی میری نگاہوں سے غائب نہیں ہوئے اور اگر وہ مجھ سے غائب ہوتے تو

میں اپنے کومسلمانوں میں شمار نہ کرتا۔ تو جب عارف گزرے ہوئے آداب سے کسی میں کوتاہی کرتا ہے۔ خواہ اس کے حق میں یا اس کے غیر کے حق میں۔ تو اس کو ظاہر میں یا باطن میں سزادی جاتی ہے۔ اور وہ اکثر فوراً بیدار ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ فوت ہوا ہے۔ اس کا تدارک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ) ''جو لوگ پرہیز گار ہیں۔ جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ پس وہ فوراً دیکھنے لگتے ہیں۔

پس یہ جملہ آداب اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہیں:۔ جو عوام۔ اور خواص۔ اور خواص الخواص۔ کے لئے ہیں۔ یا اس طرح کہو:۔ طالبین۔ اور سائرین۔ اور واصلین کے لئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیخ کے آداب

اور شیخ کے آداب:۔ آٹھ ہیں۔ چار ظاہری۔ اور باطنی۔ چار ظاہری آداب یہ ہیں:۔

پہلا ادب:۔ اس کے حکم کی تعمیل کرنی۔ اگر چہ اس کے سامنے اس کے خلاف ظاہر ہو۔ اور اس کے منع سے پرہیز کرنا۔ اگر چہ اس میں اس کی موت ہو۔ کیونکہ شیخ کی غلطی مرید کے درست سے بہتر ہے۔

دوسرا ادب:۔ اس کے سامنے بیٹھنے میں سکون اور وقار کا لحاظ رکھنا۔ پس۔ نہ اس کے سامنے ہنسے۔ نہ اس کی آواز پر اپنی آواز بلند کرے۔ اور جب تک اس کی اجازت نہ ہو بات نہ کرے۔ یا کسی قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو۔ جیسا کہ مذاکرہ پست و نرم اور آہستہ آواز کے ساتھ۔ نہ اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ نہ اس کے سامنے کھائے۔ نہ اس کے ساتھ سوئے۔ نہ اس کے قریب سوئے۔ ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے شیخ کے ساتھ مریف کے آداب یہ ہیں نہ اس کے ساتھ کھائے ن اس کے ساتھ سوئے نہ اس کے سامنے ہنسے نہ اس کے بستر میں سوئے، نہ اس کے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے۔ اور شیخ کی مجلس میں ایک بات بھی نہ کرے۔ اور شیخ کے بارے میں بات کرنا سب سے بڑی بے ادبی ہے۔ اور جو چیز بھی ان اوصاف کے مشابہ ہو۔ وہ

شیخ کی عدم تعظیم اور تحقیر کی طرف لے جاتی ہے اور یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ اور بخشش کے بعد چھن جانے اور سامنا ہونے کے بعد بھگانے سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے:۔ تم اپنے عمل کو نمک بناؤ۔ اور اپنے ادب کو آٹا۔ اور شاعر نے فرمایا ہے:۔

اَدَبُ الْعَبْدَ تُذَلِّلُ　　وَالْعَبْدُ لَا یَدَعُ الْاَدَبَ

''بندے کا ادب عاجزی ہے۔ اور بندہ ادب کو نہیں چھوڑتا ہے''۔

فَاِذَا تکَامَلَ ذُلُّهٗ　　نَالَ الْمَوَدَّةَ وَاقْتَرَبْ

''جب اس کی عاجزی مکمل ہو جاتی ہے تو وہ دوستی کو پالیتا ہے اور قریب ہو جاتا ہے۔

تیسرا ادب:۔ اس کی خدمت گزاری کی طرف، حتی الامکان اپنی جان، اور مال، اور قول سے سبقت میں جلدی کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ والوں کی خدمت، اللہ تعالیٰ کے وصال کا سبب ہے۔

سیدی عبداللہ ھبلی زجلی رضی اللہ عنہ نے سلوک سے متعلق اپنے ایک نظم میں فرمایا ہے:۔

اِنَّ الْخَدِیْمَ ظَنَّهٗ جَمِیْلٌ　　دَلَّ عَلٰی فَلَاحِهٖ دَلِیْلٌ

خادم کا بہتر گمان اس کی کامیابی　　کی بڑی دلیل ہے

اَهَّلَ نَفْسَهٗ لِخِدْمَةِ الرِّجَالِ　　لِکَیْ یَنَالَ مِنْ حَبِیْبِهِ الوِصَالَ

اس نے اپنے نفس کو اہل اللہ کی خدمت کے لئے آمادہ کیا تا کہ اپنے دوست کا وصال حاصل کرے۔

ذُلُّ الْمَحِبِّ فِی طَلَبِ الْقُرْبِ　　عِزٌّ عَزِیْزٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحُبِّ

قرب کی طلب میں محبت کرنے والے کی ذلت۔ ایسی عزت ہے جو محبت والوں کے نزدیک محبوب ہے۔

اَتٰی بُیُوْتَ الْقُرْبِ مِنْ اَبْوَابِهَا　　فَفُتِّحَتْ لَهٗ اِذَا بَاَسْرِهَا

وہ قرب کے گھروں میں اس کے دروازوں سے آیا۔ تو اس کے لئے دروازے کھول دیئے گئے۔ اب وہ ہر دروازے سے داخل ہو سکتا ہے۔

طُوْبیٰ لَهٗ بُشْریٰ لَهٗ اسْتَفَادَ وَنَالَ خَیرَ قُرْبَةٍ وَ سَادَ

اس کے لئے بہتری اور خوشخبری ہے جس نے فائدہ حاصل کیا۔ اور قرب کی بھلائی پائی اور سردار ہوا۔ پھر فرمایا:

مَقَامَكَ اَعْرِفْ اَیُّهَا الْخَدِیْمُ فَاِنَّهٗ مُفْخِمٌ عَظِیْمٌ

اے خادم تو اپنے مقام کو پہچان۔ کیونکہ وہ بہت بلند اور عظیم الشان ہے

اَمْسَیْتَ لِلْمَخْدُوْمِ فِی جِوَارِهٖ مُشَارِكًا كَذَالِكَ فِیْ اَسْرَارِهٖ

تو مخدوم کے لئے اس کا پڑوسی ہو گیا۔ اور اس طرح اس کے اسرار میں تو شریک ہو گیا۔

لَا تَغْتَبِطْ سِوَی مَقَامِكَ الرَّفِیْعِ فَالْخَیْرُ كُلُّهٗ لِدَیْكَ جَمِیْعُ

اپنے بلند مقام کے سوا کچھ آرزو نہ کر۔ کیونکہ ساری بھلائی تیرے پاس جمع ہے۔

چوتھا ادب:۔ اس کی مجلس میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو بار بار پہنچنا۔ اس لئے کہ اس کے پاس بار ہا پہنچنے کے اندازے سے وصول قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ کی مدد، نہر یا رہٹ کی طرح جاری رہتی ہے۔ تو جب نہر، یا رہٹ سے غافل ہوتا ہے۔ تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ اور پانی اس کی طرف سے منقطع ہو کر دوسری طرف بہہ جاتا ہے۔ نیز بار بار پہنچنا محبت کے زیادہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور محبت کی زیادتی کے مطابق ہی پینا ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کے بارے میں ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

لَا مَحَبَّةَ اِلَّا بِاُصُوْلٍ ۔ وَلَا وُصُوْلَ اِلَّا غَالِیْ

وَلَا شَرَابَ اِلَّا مَخْتُوْمٌ ۔ وَلَا مَقَامَ اِلَّا عَالِیْ

''محبت اصول کے ساتھ ہے پہنچنا بھاری ہے۔ شراب مہر لگی ہوئی ہے۔ اور مقام بلند ہے''۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی الجمل رضی اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا:۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے طالب کو عارف باللہ کی صحبت سے زیادہ کوئی شے قریب نہیں کرتی ہے۔ اگر اس کو پا جائے۔ پھر فرمایا:۔

عارف باللہ کی صحبت:۔ عزلت سے افضل ہے۔ اور عزلت:۔ غافل عوام کی صحبت سے افضل

ہے۔اور غافل عوام کی صحبت:۔ جاہل فقیر کی صحبت سے افضل ہے۔جس طرح عارف باللہ ایک نظر یا ایک لفظ سے مرید کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے۔اسی طرح جاہل باللہ فقیر ایک نظر یا ایک لفظ سے اکثر مرید کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے اور اس سے زیادہ بھی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ سیدی مجذوب پر رحمت نازل کرے انہوں نے فرمایا ہے:۔ غیر صالح: کی صحبت ذلیل کرتی ہے اگر چہ صاف ہو۔

شیخ کے باطنی آداب چار ہیں

چار باطنی آداب یہ ہیں۔

اول:۔ اس کے کمال کا اعتقاد رکھنا اور یہ کہ وہ شیخ ہونے اور تربیت دینے کا اہل ہے۔اس وجہ سے کہ وہ شریعت وحقیقت اور جذب وسلوک کا جامع ہے اور یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہے۔

دوم:۔ اس کی تعظیم کرنا۔اور اس کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھنا۔وہ غائب ہو۔یا حاضر۔اور اس کی محبت کی تربیت اپنے قلب میں کرنا ہے اور یہ اس کے صدق کی دلیل ہے۔اور صدق کے مطابق ہی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے۔پس جس شخص کو صدق حاصل نہیں ہے۔اس کو سیر بھی حاصل نہیں ہوتی ہے۔اگر چہ وہ شیخ کے ساتھ ہزار سال رہے۔

سوم: اپنے عقل اور مرتبہ،اور علم وعمل سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔مگر جو کچھ اس پر اس کے شیخ کی طرف سے وارد ہو۔ جیسا کہ ہمارے شیخ طریقت حضرت شاذلی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ سے ملاقات کے وقت کیا۔تو ان کے طریقے میں یہ ان کی سنت ہے۔پس اس طریقہ،شاذلیہ میں جو شخص بھی اپنے شیخ کے پاس آئے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کے پاس پہنچنے سے پہلے اپنے علم وعمل سے غسل کر لے۔تاکہ اس کی کامل مدد کی دریا سے پاک وصاف پانی حاصل کرے۔

چہارم: اس کے پاس سے اس کے غیر (دوسرے شیخ) کی طرف انتقال کے وقت ہے۔اور یہ ان کے نزدیک کل بری چیزوں سے برا ہے۔اور یہ ارادت کے بیج کو خراب کرنے کا سبب ہے۔پس ارادت کا درخت اپنی اصل کی خرابی کی بناء پر خراب ہو جاتا ہے۔اور یہ سب تربیت کے شیخ کے ساتھ ہے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔لیکن اہل ظاہر شیخ کے پاس سے اہل باطن شیخ کی طرف،اگر مل

جائے، منتقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

پیر بھائیوں کے آداب چار ہیں

بھائیوں کے آداب:۔چار ہیں

اول:۔ان کی عزت وحرمت کی حفاظت ہے۔خواہ وہ غائب ہوں یا حاضر۔تو نہ کسی کی غیبت کرے۔نہ کسی کو حقیر سمجھے۔نہ یہ کہے کہ میرے شیخ کے مریدین میں فلاں شخص کامل ہے۔اور فلاں شخص ناقص ہے۔یا فلاں شخص عارف ہے۔یا فلاں شخص عارف نہیں ہے۔یا فلاں شخص کمزور ہے۔اور فلاں شخص طاقتور ہے۔یا اس کے علاوہ کیونکہ یہ خالص غیبت ہے۔اور غیبت بالا جماع حرام ہے۔خاص کر اولیائے کرام کے حق میں۔کیونکہ ان کے گوشت زہر قاتل ہیں۔جیسا کہ علماوصالحین کے گوشت۔پس مرید کو اس بری خصلت سے اپنے کو بچانا چاہیے۔اور ان لوگوں سے جن کی طبیعت ایسی ہو، اسی طرح بھاگنا چاہیے۔جس طرح شیر سے بھاگتا ہے۔کیونکہ جو شخص اس سے دلچسپی رکھتا ہے۔وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ اولیائے کرام انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔تو جس شخص نے ان میں فرق اور امتیاز کیا۔اس نے اپنے اوپر ان کے فیض کو حرام کرلیا۔اور انکی نعمت کی ناشکری کی۔ایک صوفی نے فرمایا ہے: جس شخص کو فقرا نے توڑ دیا۔اس کو شیخ نہیں جوڑ سکتا۔اور جس شخص کو شیخ نے توڑ دیا۔اس کو فقرا جوڑ دیتے ہیں۔اور یہ درست اور تجربہ کیا ہوا ہے کیونکہ ایک ولی کی ایذا رسانی بہت سے اولیائے کرام کی ایذا رسانی کی طرح نہیں ہے۔جس شخص کو شیخ توڑ دیتا ہے۔اس کے بارے میں اخوان شفاعت کرتے ہیں۔تو شیخ کا قلب جڑ جاتا ہے۔بخلاف فقرا کے قلوب کے۔کہ جب وہ تبدیل ہوجاتے ہیں۔تو ایسا کم ہوتا ہے کہ وہ جڑنے پر متفق ہوں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوم:۔ان کی خیر خواہی کرے۔اس طرح کہ ان کے جاہل کو تعلیم دے۔ان کے گمراہ کو ہدایت کرے۔ان کے کمزور کو طاقت پہنچائے۔اگرچہ اس کے لئے ان کے پاس سفر کر کے جانا پڑے۔کیونکہ ان میں ابتدا والے بھی ہیں۔اور انتہا والے بھی ہیں۔قوی بھی ہیں۔ضعیف بھی ہیں۔پس ہر ایک کو ان کے مرتبہ کے مطابق نصیحت کرے۔لوگوں سے ان کی سمجھ کے موافق خطاب کرے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

سوم:۔ ان سے تواضع کرنا۔ ان کے ساتھ اپنے نفس سے انصاف چاہنا۔ حتی الامکان ان کی خدمت کرے۔ کیونکہ قوم کا خادم ان کا سردار ہوتا ہے۔ تو جس شخص کو کوئی ایسا کام درپیش ہو، جس سے فرصت نہ پا سکے۔ اس کی امداد واجب ہے۔ تاکہ وہ اس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو۔ اگرچہ یہ ہلکا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (تعاونو علی البر و التقوی) ''تم لوگ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو''۔ تو جو چیز بھی فقیر کے دل کو مشغول کرتی ہے۔ اس کا دور کرنا جہاد اور نیکی ہے۔

چہارم:۔ ان کے اندر صفائی اور خلوص دیکھے، اور ان کے کمال کا اعتقاد رکھے۔ پس کسی کو ناقص نہ خیال کرے اگرچہ اس سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو بظاہر نقص کا باعث ہو۔ کیونکہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ عذروں کو تلاش کرتا ہے۔ تو اس کے لئے ستر عذر تلاش کرنا چاہیے۔ پھر بھی اگر اس سے اس کے نقص کا سبب دور نہ ہو۔ تو اس کو اپنے نفس میں دیکھنا چاہیے۔ ''المومن مراۃ اخیہ'' مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے''۔

جو چیز دیکھنے والے کے اندر ہے وہی آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ تو اہل صفا کو صرف صفا و خلوص نظر آتا ہے۔ اور ملاوٹ والے ملاوٹ دیکھتے ہیں۔ اہل کمال صرف کمال دیکھتے ہیں۔ اور اہل نقص کو نقص ہی دکھائی دیتا ہے اور اس بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(خَصْلَتَانِ لَيْسَ فَوْقَهُمَا شَيْءٌ مِّنَ الْخَيْرِ :۔ حُسْنُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ، وَ حُسْنُ الظَّنِّ بِعِبَادَ اللّٰهِ وَخَصْلَتَانِ لَيْسَ فَوْقَهُمَا شَيْءٌ مِّنَ الشَّرِّ :۔ سُوْءُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ، وَ سُوْءُ الظَّنِّ بِعِبَادِ اللّٰهِ)۔

دو خصلتیں ایسی ہیں، جن سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔ اور دو خصلتیں ایسی ہیں۔ جن سے بڑی کوئی برائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ برا گمان رکھنا۔

(وباللہ التوفیق)

پس یہ سب آداب:۔ وہ ہیں جن کا لحاظ اور خیال رکھنا، فقیر پر واجب ہے۔ خواہ وہ طالب ہو،

یا سائر ہو، یا واصل ہو۔ اور پہلے باب کی ابتداء میں آٹھ آداب کا بیان گزر چکا ہے۔ ان میں بعض آداب عارف کے لئے ہیں، اور بعض سائر کے لئے۔ لہذا ان کو پھر دیکھنا اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ طریقت کُل کا کُل ادب ہے۔ یہاں تک کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ اپنے عمل کو نمک بناؤ۔ اور اپنے ادب کو آٹا۔

تصوف نام ہے ادب کا

حضرت ابوحفص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تصوف:۔ کُل آداب ہیں۔ ہر وقت کے لئے آداب ہیں۔ ہر حال کے لئے آداب ہیں۔ ہر مقام کے لئے آداب ہیں۔ تو جس نے ادب کو لازم پکڑا۔ وہ اللہ والوں کے مقام تک پہنچ گیا۔ اور جس نے ادب کی بے حرمتی کی۔ وہ قرب کے مقام سے دور رہا۔ اور قبولیت کے مرتبہ سے مردود ہوا۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ ظاہری اور باطنی آداب کو اپنے اوپر لازم کرو۔ کیونکہ جس نے ظاہری ادب کی بے ادبی کی اس کو ظاہر میں سزا دی گئی اور جس نے باطنی ادب کی بے ادبی کی۔ اس کو باطن میں سزا دی گئی۔ مباحث اصلیہ میں فرمایا ہے:۔

وَالْاَدَبُ الظَّاهِرُ لِلْعَيَانِ　　دَلَالَةُ الْبَاطِنِ فِي الْاِنْسَانِ

آنکھوں کے سامنے ظاہری ادب　　انسان کے اندر باطنی ادب کی دلیل ہے

وَهُوَ اَيْضًا لِلْفَقِيْرِ سَنَدٌ　　وَلِلْغَنِيِّ زِيْنَةٌ وَّ سُوْدَدٌ

اور وہ فقیر کیلئے سند کی حیثیت رکھتا ہے　　اور دولتمند کیلئے زینت اور سرداری ہے

وَقِيْلَ مَنْ يَّحْرَمُ الْاَدَبْ　　فَهُوَ بَعِيْدٌ مَاتَدَانِيْ وَاقْتَرَبْ

بیان کیا گیا ہے: جو شخص ادب سے محروم رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہے۔

وَقِيْلَ مَنْ تَنْسِبُهُ الْاَنْسَابُ　　فَاِنَّمَا تُطِلْقُهُ الْاٰدَابُ

بیان کیا گیا ہے:۔ نسب کی نسبت سے منسوب ہونا۔ اکثر آداب کی بجا آوری سے محروم کر دیتے ہیں۔

فَالْقَوْمُ بِالْاٰدَابِ حَقًّا سَادُوْا　　مِنْهُ اسْتَفَادَ الْقَوْمُ مَا اسْتَفَادُوْا

پس صوفیائے کرام آداب ہی کے باعث سردار ہوئے۔　　اور جو کچھ بھی فائدہ حاصل کیا۔ آداب

ہی سے کیا۔

بلحاظ ادب آدمیوں کے تین طبقات ہیں

حضرت ابوحفص سراج رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:۔ آداب کے لحاظ سے آدمیوں کے تین طبقے ہیں:۔

۱۔ اہل دنیا ۲۔ اہل دین ۳۔ اہل دین میں اہل خصوصیت

اہل دنیا:۔ تو ان کے اکثر آداب:۔ فصاحت و بلاغت میں، بادشاہوں کی خبر و توجہ نفقہ ہے یا نہیں؟ طلب نفقہ، عربی اور دوسری زبان کے اشعار میں ہے۔

اہل دین:۔ ان کے اکثر آداب:۔ علوم کے یاد کرنے، نفسوں کی ریاضت کرنے، جسمانی اعضاء کو ادب دینے، طبیعتوں کی درستی کرنے، حدود شرعیہ کی حفاظت کرنے، خواہشات کو ترک کرنے، شبہوں سے پرہیز کرنے، نیکیوں کی طرف سبقت کرنے میں ہیں۔

اہل دین میں اہل خصوصیت:۔ ان کے آداب:۔ قلوب کی حفاظت، اسرار کی رعایت، ظاہر و باطن کا یکساں ہونا ہیں۔ تو مریدین:۔ علوم کے ذریعہ۔ اور درمیان والے:۔ آداب کے ذریعہ۔ اور عارفین:۔ ہمتوں کے ذریعہ ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ اور مصنف ؒ نے مرید کے لئے جو جہل کا لازم ہونا بیان کیا ہے۔ وہ اس کے اپنے نفس کے لئے دلیل قائم کرنے اور اس کی طرف سے مدافعت کرنے کے ساتھ مقید ہے۔ جس کو مصنف ؒ نے بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ اس حال میں، مقدمہ اور نتیجہ تیار کرنے کے لحاظ سے بحث و تکرار کرنے والا ہے۔ اور اس کے اوپر عارفین کا یہ قول صادق آتا ہے۔ جس قوم کو بحث و تکرار کرنا سکھایا گیا، وہ عمل سے محروم ہو گئی۔ لیکن اگر وہ اپنی بے ادبی کا اعتراف کرے۔ اور اپنے نفس سے انصاف کرے۔ تو یہ اس کے حق میں نہ جہل ہو گا نہ جہالت۔ عارفین نے فرمایا ہے:۔ بے ادبی اگر ادب تک پہنچا دے تو وہ ادب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

من جملہ آداب میں یہ بھی ہے

اور جملہ آداب سے یہ ہے:۔ کسی مقام کو جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو قائم کیا

ہے، حقیر نہ سمجھے۔ وہ جب تک بھی اس مقام میں قائم رہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ فرمایا:۔

"اِذَا رَاَیْتَ عَبْداً اَقَامَهُ اللّٰهُ بِوُجُوْدِ الْاَوْرَادِ، وَاَدَامَهُ عَلَیْهَا مَعَ طُوْلِ الْاِمْدَادِ، فَلَا تَسْتَحْقِرُوْنَ مَا مَنَحَهُ مَوْلَاهُ ، لِاَنَّكَ لَمْ تَرَ عَلَیْهِ سِیْمَا الْعَارِفِیْنَ، وَلَا بُهْجَةَ الْمُحِبِّیْنَ ، فَلَوْ لَا وَارِدٌ مَّا کَانَ وِرْدٌ"۔

"جب تم کسی بندے کو دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اوراد (ظاہری ذکر) میں قائم کیا ہے۔ اور امداد کی زیادتی کے ساتھ اس کو ہمیشہ اس میں مشغول رکھا۔ یعنی استقامت عطا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جو عطا کیا تم اس کو اس وجہ سے حقیر نہ سمجھو کہ تم نے اس میں عارفوں کی نشانی نہیں دیکھی۔ اور محبین کی خوبی نہیں پائی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے اوپر نہ ہوتا تو ورد میں اس کی مشغولیت نہ ہوتی"۔

شیخ یعنی مصنفؒ نے اس باب کی تاکیدی چیزوں میں یعنی آداب کے سلسلہ میں یہاں جو بیان کیا۔ وہ یہ ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے کسی شے کو حقیر نہ سمجھے۔ خواہ وہ کسی حال پر ہو۔ پس یہ مناسب نہیں ہے کہ "مقتدر" سے جھگڑا کیا جائے۔ اور نہ یہ کہ "قہار" سے مخالفت کی جائے۔ اور نہ یہ کہ "حکیم" پر اعتراض کیا جائے۔ تو جب کسی بندے کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اوراد یعنی ظاہر کے ذکر میں مشغول کیا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، اور ذکر کی کثرت، اور تلاوت، اور مجاہدہ کی کثرت اور اس کے ساتھ ہمیشہ مشغول رہنے میں اس کو استقامت عطا کی ہے۔ اور یہ اس کو باطن میں تقویت دینی، اور ظاہر میں شواغل (مشغولیتوں) اور شواغب (فتنوں) سے اس کو دور رکھنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر ذوق کے علم، اور قلب کے عمل کا دروازہ نہیں کھولا ہے۔ تو تم ہرگز اس کے حال کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے؟ اس وجہ سے حقیر نہ سمجھو کہ تم نے اس کے اندر عارفین کی نشانی (مثلاً سکون و اطمینان قلب، اور جسمانی اعضاء کا آرام) نہیں دیکھی۔ جو روحوں پر رضا و تسلیم کی ہوائیں چلنے کے باعث ان کو حاصل ہوتی ہے۔

عارفین کی تین علامتیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عارفین کی نشانی تین ہیں:۔ اول:۔ ہر حال میں اور ہر طریقہ پر اپنے معروف کے ماسویٰ سے منہ پھیر لینا۔ دوم: حظوظ کے ترک اور حقوق کے قائم کرنے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا۔ سوم:۔ اس کے قضا و قدر کے احکام میں اس سے راضی رہنا۔ نیز اس کے حال کو اس وجہ سے بھی حقیر نہ سمجھو کہ تم نے اس کے اندر محبین کی خوبی نہیں دیکھی۔ مثلاً اپنے محبوب سے خوش رہنا، اور کثرت سے اس کا ذکر کرنا۔ اور اس کے شکر میں قائم رہنا، اور اس کی محبت پر رشک کرنا۔ اور اس کی محبت اور مرضی کی طلب میں سبقت کرنا، اور اس کی عظمت کے سامنے عاجزی کرنا، اور اس کے غلبہ کے سامنے ذلیل رہنا۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:۔

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوٰى فَلَيْسَ الْهَوٰى سَهْلٌ　　　اِذَا رَضَى الْمَحْبُوْبُ صَحَّ لَكَ الْوَصْلُ

تم جس کو محبت کرتے ہو، اس کے سامنے ذلت اختیار کرو۔ کیونکہ محبت کرنا آسان نہیں ہے۔ جب محبوب راضی ہوگا۔ تو تمہارے لئے وصل درست ہوگا۔

تَذَلَّلْ لَهٗ تَحْظٰى بِرُؤْيَا جَمَالِهٖ　　　فَفِيْ وَجْهِ مَنْ تَهْوٰى الْفَرَائِضُ وَالنَّفَلُ

جس کے جمال کے دیدار سے تم کو لطف حاصل کرنا ہے اس کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔ کیونکہ تمہارے محبوب کے سامنے ہی فرض و نفل ہے۔ تو تم کیسے حقیر سمجھو گے اس شخص کو جس کی خدمت ہمیشہ رہتی ہے۔ اور جس کے اوراد متصل (لگاتار) رہتے ہیں؟ پس اگر اس کے اس کے باطن میں فضلِ الٰہی نہ ہوتا تو اپنے اوراد کے ہمیشہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا۔ تو اگر فضل الٰہی نہ ہوتا تو ورد نہ ہوتا۔ پس وارد:۔ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف آئے۔ اور ورد:۔ وہ ہے جو تمہاری طرف سے اس کی طرف پیش ہو۔ (وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا) ''اور اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم میں سے کوئی کبھی پاکیزہ نہ ہوتا۔ (وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَا تَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا) ''اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگ شیطان کی پیروی

کرتے مگر تھوڑے لوگ''۔ (یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ) ''وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور یہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں'' (ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوْا) ''پھر وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا تا کہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ تو پہلے عنایت یعنی توفیق ہوتی ہے۔ پھر ہدایت ملتی ہے اور سب معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

تحقیق میں ہے:۔ یہاں صرف توفیق کی سبقت ہے۔ اور کچھ اختیار اور قوت نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

گناہ سے نفرت نا کہ گنہگار سے

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ مومنوں کی عزت کرو۔ اگر چہ وہ نافرمان فاسق ہوں۔ اور ان کے اوپر حدود قائم کرو۔ اور ان سے جدائی ان کے ساتھ رحم کی بناء پر اختیار کرو۔ نہ کہ ان کو گندہ سمجھ کر۔ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کی عزت اس کی نسبت کے لحاظ سے مقرر ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ جھوٹا ہے تو معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جس سے وہ اپنے کو منسوب کرتا ہے ہمارا کام اس پر اس کے حق کو قائم کرنا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس پر قائم اور ثابت ہو جائے۔ ہم اس کے ساتھ آقا کے اس غلام کی طرح ہیں۔ جو اپنے آقا کے لڑکے کو آقا کے حکم سے مارتا ہے۔ وہ اس کو ادب سکھاتا ہے۔ حقیر نہیں سمجھتا۔ حضرت ابوالحسن جرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار ہیں:۔

اِرْحَمْ بُنَیَّ جَمِیْعَ الْخَلْقِ کُلَّھِمْ وَانْظُرْ اِلَیْھِمْ بِعَیْنِ اللُّطْفِ وَالشَّفْقَةِ

''اے بیٹے! سب مخلوق پر رحم کرو۔ اور ان کی طرف مہربانی اور شفقت کی نظر سے دیکھو۔''

وَقِّرْ کَبِیْرَھُمْ وَارْحَمْ صَغِیْرَھُمْ وَرَاعِ فِیْ کُلِّ خَلْقٍ حَقَّ مَنْ خَلَقَهٗ

''ان کے بڑوں کی عزت کرو اور ان کے چھوٹوں پر رحم کرو۔ اور ہر مخلوق میں خالق کے حق کی رعایت کرو''۔

اور اوراد میں ہمیشہ قائم رہنا۔ اعضاء کی خدمت ہے۔ اور اہل خدمت کی شان ہے۔ اور وہ عابد اور زاہد لوگ ہیں۔ اور اس سے قلوب کے عمل کی طرف منتقل ہونا، اہل محبت اور معرفت کی شان

ہے۔اور وہ عارفین ہیں۔اور سب اللہ کے بندے اور اس کی عنایت والوں سے ہیں۔تو ان کو صرف جاہل یا مردود ہی حقیر سمجھ سکتا ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔ (قَوْمٌ اَقَامَهُمُ الْحَقُّ لِخِدْمَتِهٖ، وَقَوْمٌ اِخْتَصَّهُمْ بِمَحَبَّتِهٖ، كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا) ''ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لئے قائم کیا۔اور ایک گروہ کو اپنی محبت کے ساتھ خاص کیا۔اور ہم اِن کی اور ان کی تمہارے رب کی بخشش سے مدد کرتے ہیں۔اور تمہارے رب کی بخشش محدود نہیں ہے۔

عنایت الٰہی کے ساتھ مخصوص دو قسم کے افراد ہیں

میں کہتا ہوں: عنایت کے ساتھ مخصوص بندوں کی دو قسمیں ہیں:۔ایک قسم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کی طرف متوجہ کیا اور ان کو اسی میں قائم کیا۔اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔ان میں سے ایک قسم: وہ لوگ ہیں جو رات کی نفلوں، اور دن کے روزوں کے لئے آدمیوں سے علیحدہ ہو کر جنگلوں، اور چٹیل میدانوں میں گزر کرتے ہیں۔اور یہ عابدین اور زاہدین ہیں۔ان میں سے دوسری قسم:۔وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے قائم کرنے اور شریعت کی حفاظت کی طرف متوجہ کیا ہے۔اور یہ علما و صالحین ہیں۔اور ان میں سے تیسری قسم:۔وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد، اور اپنے کلمات کے بلند کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ اور یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔اور ان میں سے چوتھی قسم:۔وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملک کی درستی اور بندوں کے آرام کے لئے قائم کیا ہے اور یہ امراء و بادشاہ ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے ساتھ قائم اور اپنی معرفت کے ساتھ مخصوص کیا۔اور یہ عارفین کاملین ہیں۔انہوں نے سیدھے راستے کا سلوک کیا۔اور عین حقیقت تک پہنچ گئے۔اور دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔اہل خدمت:۔اجر کے طالب ہیں۔اور اہل محبت سے پردے اٹھا لئے گئے ہیں۔اہل خدمت:۔اپنا اجر دروازے کے باہر سے لیتے ہیں۔اور اہل محبت:۔احباب کے ساتھ مناجات میں ہیں۔اہل خدمت:۔ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب حائل ہے اور اہل محبت:۔ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب اٹھا دیا گیا ہے۔اہل خدمت

:۔اہل دلیل و برہان سے ہیں۔ اور اہل محبت : اہل مشاہدہ وعیاں سے ہیں۔اہل خدمت :۔ان سے حظوظ نفس جدا نہیں ہوتے ہیں۔اور اہل محبت :۔ان کے اوپر فیوض الہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ اہل خدمت: ان کی محبت بہت سی چیزوں میں تقسیم ہے۔اور اہل محبت :۔ان کی محبت ایک ذات میں جمع ہے۔پس اس وجہ سے اہل خدمت ، ہمیشہ اپنی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔اور اہل محبت، اپنے محبوب کے مشاہدہ تک پہنچ جاتے ہیں۔پس اگر اہل خدمت حظوظ کو چھوڑ دیں۔اور اپنی محبت ایک محبوب میں منحصر کر دیں۔تو وہ بھی اپنے محبوب تک پہنچ جائیں گے۔اور یقین کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے اور خدمت کی مشقت سے آرام پا جائیں گے۔لیکن حکیم مطلق کی حکمت نے ان کو خدمت میں قائم کیا ہے۔تو بہر حال ان کی تعظیم واجب ہے۔اور اس سے ان کے اوپر اہل محبت و معرفت کی فضیلت نہ ہونا لازم نہیں ہوتا ہے۔غور کرو۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا) ”غور کرو۔ کس طرح ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔اور البتہ آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے“۔یہ آیت ان کے بعض کی بعض پر فضیلت کی دلیل ہے۔لیکن بادشاہ کے سب غلام قابل عزت و تعظیم ہیں۔بادشاہ یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ تم اس کے کسی بھی غلام کو حقیر سمجھو۔اگر چہ وہ لوگ اس کے نزدیک مختلف درجے کے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت بایزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب سے واقف ہے۔تو ان میں سے جو،معرفت کے برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ان کو عبادت میں مشغول کر دیا۔

حضرت ابوالعباس دینوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں۔جن کو اس نے اپنی معرفت کے لئے مناسب نہیں سمجھا۔تو ان کو اپنی خدمت میں مشغول کر دیا۔اور اس کے کچھ بندے ایسے ہیں۔جو اس کی خدمت کیلئے موزوں نہیں ہیں۔تو ان کو اپنی محبت کیلئے اہل بنا دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔زاہد: دنیا سے اللہ تعالیٰ کا شکار ہے۔اور عارف:۔جنت سے اللہ تعالیٰ کا شکار ہے۔یعنی زاہد کو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے شکار کر کے اپنے قبضے میں کیا۔اور اس کو جنت میں داخل کیا اور عارف کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے شکار کر کے اپنے حضور میں

داخل کیا۔ ظاہر کی جنت سے اس کو شکار کیا۔ اور حقیقت کی جنت میں اس کو رکھا۔ اور وہ معرفت کی جنت ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: پاک ہے وہ ذات۔ جس نے ایک جماعت کو اپنی خدمت کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان کو اس میں مشغول کیا۔ اور ایک جماعت کو اپنی محبت کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان کو اس میں مشغول کیا۔ اہل خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جلال اور ہیبت کی صفت کے ساتھ تجلی کی۔ تو وہ مخلوق سے متنفر ہو گئے۔ ان کے قلوب اس طرف جھکے ہوئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حضور سے ان پر وارد ہوتا ہیں۔ ان کے بدن لاغر، اور ان کے رنگ زرد ہو گئے۔ ان کے پیٹ دب گئے۔ اور شوق سے ان کے جگر پگھل گئے۔ اور رونے اور فریاد کرنے کے ذریعے انہوں نے تاریکیوں کو دور کیا۔ اور مجاہدہ کے ذریعہ انہوں نے دنیا کو دین میں بدل دیا۔ وہ جنت کی طرف راغب ہیں۔ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ اور متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اور اہل محبت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمال اور محبت کی صفت کے ساتھ تجلی کی۔ تو وہ قرب کے لذیذ شراب سے مست ہو گئے۔ معبود برحق نے ان کو اپنی طرف مشغول کر کے عابدین وزاہدین میں ہونے سے روک دیا۔ وہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ میں مشغول ہو گئے۔ اور ہر ظاہر و باطن سے حجاب میں ہو گئے۔ انہوں نے نعمتوں اور انعام میں زہد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں ساتواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس باب کا ماحصل یہ ہے۔ ہمت کو بلند کرنا، نعمت کا شکر ادا کرنا، خدمت میں حسن ادب، عزم کا دوامِ خدمت سے منتقل ہو کر محبت اور معرفت تک پہنچنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ کسی بندے کو اپنی معرفت تک لیجائے، اور اس کو اس کی خدمت کی مشقت سے منتقل کرے۔ تو اس پر واردات الٰہیہ غالب ہوتے ہیں۔ پھر اس کو ربانی حضور کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور یہ وھبی ہیں، نہ کہ کسبی اور یہ اچانک ہی آتے ہیں۔ حضرت مصنفؒ نے آٹھویں باب کی ابتداء اسی کے بیان سے کی ہے۔

باب ہشتم

واردات الٰہیہ کے بیان میں

(اعمال اور عامل کی قدر کا میزان)

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

قَلَّ مَاتَاتِی الْوَارِدَاتُ الْاِلٰھِیَّۃُ اِلَّا بَغْتَۃً صِیَانَۃً لَّھَا لِئَلَّا یَدَّعِیْھَا الْعِبَادُ بِوُجُوْدِ الْاِسْتِعْدَادِ

''واردات الٰہی بہت کم آتے ہیں مگر اچانک۔ تاکہ ان کی اس سے حفاظت ہو کہ بندے اس کا دعویٰ اپنی قابلیت کے وجود کے ساتھ کریں''۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ وارد:۔ وہ ہے، کہ جو شے بندے کی برداشت سے باہر ہے، اس کے بہترین خواطر قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔ اور واردات:۔ خواطر سے عام ہیں۔ کیونکہ خواطر خطاب کی نوع کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ یا اس چیز کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، جو خطاب کی نوع کے معنی کو شامل ہو۔ اور واردات:۔ خوشی اور غم، اور قبض و بسط کے اور اس کے علاوہ دوسرے حالات کے وارد ہوتے ہیں۔ اور وارد، حال کے قریب ہے۔

واردات الٰہیہ و شیطانیہ کے بارے میں سوال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے الٰہی واردات، اور شیطانی مظاہروں کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو انہوں نے فرمایا:۔ وارد الٰہی، نہ استعداد و صلاحیت سے آتا ہے نہ کسی سبب سے جاتا ہے۔ اس کے آنے کے لئے نہ کوئی طریقہ مقرر ہے، نہ کوئی وقت۔ اور شیطانی مظاہرہ:۔

غالباً اس کے خلاف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ واردات سے یہاں ایک خاص قسم مراد ہے:۔ اور وہ الٰہی خوشبوئیں ہیں جو اس کی رحمت کی نسیم (ہلکی ہوا) قلوب وارواح واسرار پر پہنچاتی ہیں۔ پس قلوب علام الغیوب کے حضور میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور ارواح، عزیز جبار کے جبروت میں گم ہو جاتی ہیں۔ تو وہ خوشی وسرور میں مدہوش ہو جاتی ہیں۔ اور شوق وخوشی میں ناچنے لگتی ہیں:۔

اِذَا اهْتَزَّتِ الْاَرْوَاحُ شَوْقاً اِلَی اللّقَا

تَرَقَّصَتِ الْاَشْبَاحُ یَا جَاهِلَ الْمَعْنیٰ

''اے حقیقت سے ناواقف! جب روحیں ملاقات کے شوق میں جھومتی ہیں تو جسم ناچنے لگتے ہیں''۔

اور یہ الٰہی واردات کم، لیکن اچانک واقع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کسب سے نہیں پائے جاتے بلکہ کریم وہاب کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کوشش اور محنت سے پائے جاتے تو عابدین اور زاہدین آمادگی واستعداد کے واجب ہونے کی وجہ سے اس کا دعویٰ کرتے۔ تو اس وقت یہ کسبی چیز ہوتی۔ پس احوال اور واردات صرف وھبی یعنی عطیہ الٰہی ہیں:۔

(یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ)

''وہ اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل والا ہے''۔

اچانک واردات آنے کی حکمتیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ واردات کے اچانک آنے میں تین حکمت ہے:۔ پہلی حکمت: وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانے۔ دوسری حکمت: وہ ان کے قدر ومرتبے کے اندازہ کرے اور اس کی وجہ سے خوشی زیادہ ہو۔ تیسری حکمت:۔ اس پر غیرت یعنی رشک ہو۔ اور اس کی عزت کرے۔ کیونکہ عزیز کی طرف سے آئی ہوئی چیز عزیز ہوتی ہے۔

پس بے شک یہ الٰہی واردات، اور خاص بخششیں، حکیم اور غفار اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔

جنہیں وہ عطا نہیں کرتا۔ مگر حفاظت وامانت والوں کو۔ نہ کہ ظاہر کرنے اور خیانت کرنے والوں کو۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

جہالت کی دلیل

(مَنْ رَأَيْتَهُ مُجِيْباً عَنْ كُلِّ مَا يُسْئَلُ ، وَ مُعَبِّرًا عَنْ كُلِّ مَا شَهِدَ، وَذَاكِرًا لِكُلِّ مَا عَلِمَ، فَاسْتَدِلْ بِذَالِكَ عَلَى وُجُوْدِ جَهْلِهِ) جب تم کسی شخص کو دیکھو۔ کہ وہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ اور ہر مشاہدے کو بیان کرتا ہے۔ اور جو علم اس کے پاس ہے۔ اس کا ذکر کرتا ہے تو تم اس کو اس کے جہالت کی دلیل سمجھو''۔

میں کہتا ہوں: اس کے ہر سوال کا جواب دینے والا ہونے میں، اس کی جہالت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اس حال سے اس کا بہت بڑا عالم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَمَا أُوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلاً) ''اور تم کو علم سے تھوڑا دیا گیا ہے۔'' تو اس سے بڑی جہالت کیا ہوسکتی ہے؟ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اختلاف کرتا ہے۔ نیز یہ کہ اس میں تکلف بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (قُلْ لَّآ اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ) ''آپ فرما دیجئے! میں اس پر تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں۔ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اَنَا وَاَتْقِيَاءُ اُمَّتِيْ بُرَاءُ مِنَ التَّكَلُّفِ) ''میں اور میری امت کے متقین تکلف سے بری ہیں''۔ اور تکلف کرنے والا بناوٹ اور نمائش سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ جاہل باللہ کی شان ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ عالم باللہ ہوتا تو اس کے علم کو کافی سمجھتا۔ اور اپنی قدر پہچانتا۔ بعض اخبار میں وارد ہے:۔ (عَاشَ مَنْ عَرَفَ قَدْرَهُ) ''جس شخص نے اپنی قدر پہچانی۔ اس نے راحت حاصل کی''۔

علم نافع کیا ہے؟

بعض عارفین سے علم نافع کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: علم نافع:۔ یہ ہے کہ تم اپنی قدرت ومنزلت کو پہچانو۔ اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھو۔

بعض محققین نے فرمایا ہے:۔ جب عالم نے کہہ دیا: میں نہیں جانتا ہوں تو اس کا یہ کلام درست ہوا۔

مسائل پوچھنے والوں کے اسلاف کا طریقہ

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ سلف صالحین، ایسے تھے۔ کہ جب ان سے کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو وہ اس کو دوسرے کے پاس بھیج دیتے۔ اور دوسرے بزرگ، تیسرے کے پاس۔ اور تیسرے، چوتھے کے پاس۔ اس طرح وہ سوال کرنے والا، پھر پہلے ہی کے پاس پہنچتا۔ بعض محققین ایسے تھے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا۔ تو سائل سے فرماتے: تم یہ مسئلہ لے کر قاضی کے پاس جاؤ۔ اور اس کے گلے میں باندھو۔ یعنی اس کے حوالہ کرو۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے بتیس مسئلے دریافت کئے گئے تو انہوں نے صرف تین کا جواب دیا:۔ باقی کے لئے فرمایا: میں نہیں جانتا ہو تو سائل نے ان سے پوچھا: لوگوں سے ہم کیا کہیں گے؟ امام نے فرمایا: لوگوں سے تم کہنا: مالک نے کہا ہے: میں نہیں جانتا۔ نیز ہر سائل کے سوال کا جواب دینا، اس وجہ سے بھی جہالت اور نقصان دہ ہے۔ کہ کبھی سائل عیب جوئی، اور نکتہ چینی کے لئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہوتا اور کبھی وہ مسئلہ جس کے متعلق وہ پوچھتا ہے اس کے لائق نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا اور اس کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب اس کو حیرت یا انکار میں مبتلا کرے گی۔

نا اہل کو حکمت نہ سکھاؤ

حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

”لَا تُؤْتُوا الْحِكْمَةَ غَيْرَ اَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهَا، وَلَا تَمْنَعُوْهَا اَهْلَهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ“

”تم لوگ نا اہل کو حکمت نہ بتاؤ۔ کیونکہ اس طرح تم حکمت پر ظلم کرو گے۔ اور حکمت کو اس کے اہل سے نہ روکو۔ کیونکہ ایسا کر کے تم اس کے اہل پر ظلم کرو گے۔ اور اس کے بارے ایک شاعر کے بہت خوب اشعار ہیں:

سَاكْتُمُ عِلْمِيْ عَنْ ذَوِي الْجَهْلِ طَاقَتِيْ وَلَا اَنْثُرُ الدُّرَّ النَّفِيْسَ عَلَى الْبُهْمِ

''میں اپنے علم کو اپنی طاقت بھر جاہلوں سے چھپاؤں گا۔اور قیمتی موتی جانوروں پر نہ بکھیروں گا۔

فَاِنْ قَدَّرَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ بِلُطْفِهٖ وَلَاقَيْتُ اَهْلاً لِلْعُلُوْمِ وَلِلْحِكَمِ

پس اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے مقدر کیا ۔ اور علوم و حکمتوں کے اہل سے میری ملاقات ہوئی۔

بَذَلْتُ عُلُوْمِيْ وَاسْتَفَدْتُ عُلُوْمَهُمْ وَاِلَّا فَمَخْزُوْنٌ لَدَيَّ وَ مُكْتَتَمٖ

تو میں اپنے علوم کو خرچ کروں گا۔اور ان کے علوم سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ورنہ وہ علوم میرے ہی پاس پوشیدہ رہیں گے۔

فَمَنْ مَّنَحَ الْجُهَّالَ عِلْماً اَضَاعَهٗ وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ فَقَدْ ظَلَمَ

تو جس نے نااہل جاہلوں کو علم سکھایا۔اس نے اس کو ضائع کیا۔اور جس نے مستحقین کو محروم رکھا۔اس نے ظلم کیا۔

آدمی کی سمجھ کے مطابق بات کرو حضرت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔آدمیوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو۔کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ وہ ناسمجھی سے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائیں۔

ایک ہی سوال کے مختلف جواب

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا:۔آپ سے دو شخص ایک ہی سوال پوچھتے ہیں۔تو آپ ایک شخص کو جو جواب دیتے ہیں۔دوسرے کو اس کے خلاف جواب دیتے ہیں۔تو فرمایا:۔ جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اُمِرْنَا اَنْ نُّخَاطِبَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ)

''ہم کو حکم دیا گیا ہے۔کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل و سمجھ کے مطابق خطاب کریں''۔

ایک شخص نے ایک عالم سے کچھ سوال کیا۔عالم نے جواب نہیں دیا۔تو اس شخص نے کہا۔کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

(مَنْ کَتَمَ عِلْمًا نَافِعاً اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلَجَامٍ مِّنَ النَّارِ)

''جو شخص علم نافع کو چھپائے گا۔ قیامت کے دن اس کو آگ کا لگام پہنایا جائے گا''۔ عالم نے اس سے کہا تم لگام کو چھوڑ دو۔ اور اپنا راستہ پکڑو۔ اگر میرے پاس اس کا مستحق کوئی شخص آئے گا۔ اور میں اس کو چھپاؤں گا تو وہ مجھ کو وہ لگام پہنائے گا۔

احوال و واردات کو چھپانے کی حکمتیں

لیکن جو کچھ کرامات میں سے مشاہدہ کیا، اور جن مقامات پر پہنچا، اور انوار و اسرار سے جو کچھ مزہ چکھا۔ اس کے بیان کرنے میں اس کی جہالت کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور، باطنی ذوق اور ربانی اسرار ہیں۔ اس کو ذوق اور اسرار والے ہی سمجھتے ہیں۔ تو اس کا بیان ان لوگوں سے کرنا جو نہ اس کو سمجھتے ہیں، نہ اس کا ذوق رکھتے ہیں۔ اسی کے مطابق جہالت ہے۔ نیز وہ امانت ہے۔ اور بادشاہ کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے۔ اور بادشاہ کا سرّ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ تو جس نے اس کو ظاہر کیا وہ خائن ہے۔ اور نکالنے اور سزا دینے کا مستحق ہے۔ اور اب وہ امین (امانت دار) ہونے کے لائق نہیں ہے۔ پس اسرار کا چھپانا، نیک لوگوں کی شان ہے۔ اور اسرار کا ظاہر کرنا، برے لوگوں کی شان ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے:۔ آزاد لوگوں کے قلوب اسرار کے قبور ہیں۔ ایک شاعر کا شعر ہے:۔

لَا یَکْتُمُ السِّرَّ اِلَّا کُلُّ ذِیْ ثِقَۃٍ فَالسِّرُّ عِنْدَ خِیَارِ النَّاسِ مَکْتُوْمٌ

''بھید کو ہر قابل اعتماد شخص چھپاتا ہے۔ کیونکہ اچھے لوگوں کے نزدیک بھید چھپایا ہی جاتا ہے''۔ اور اس کے ظاہر کرنے میں، اس کے عمل، اور اس کے باطنی فائدے کی کمی ہے۔ کیونکہ ان احوال اور الٰہی واردات کا فائدہ ظاہر کا محو کرنا، اور باطن کا ظاہر کرنا، یا شک کو مٹانا، اور یقین کو مضبوط کرنا ہے تو جب اس کو ظاہر کر دیا تو اس کے اعمال کمزور اور اس کے فوائد کم ہو گئے۔ اور سب بھلائی چھپانے میں ہے۔ حدیث میں ہے:۔ (اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی قَضَاءِ حَوَائِجِکُمْ بِکِتْمَانِھَا) ''تم لوگ اپنی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے چھپانے کے ذریعہ مدد چاہو۔ یا نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس طرح فرمایا ہو۔

احوال واسرار کے افشاء کے نقصانات

اور جن احوال کا چھپانا واجب ہے۔ ان میں نفس کی عادتوں اور فائدوں کو منقطع کرنا شامل ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے نفس کی عادت کو منقطع کرتا ہے۔ وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ظاہر کرنے میں نفس کے فریب کا خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا ذکر قوت اور دلیری کے ساتھ کیا جائے۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ جب اس کی فریب کاریوں کو قتل کیا جاتا ہے تو وہ فوراً اس کو زندہ کرتا ہے۔ نیز اس میں اخلاص کی کمی، اور ریا کی شمولیت بھی ہے اور یہ ہلاکت کا باعث ہے۔ العیاذ باللہ۔

اور جن حقیقتوں، اور علوم و معارف کا اس کو علم ہے۔ اس کے ذکر کرنے میں اس کی جہالت اس لئے ہے کہ اس نے ان کی قدر نہیں پہچانی۔ اور ان کو حقیر سمجھا۔ کیونکہ اگر وہ اس کے نزدیک عزیز اور عالی قدر ہوتیں۔ تو وہ ان کو دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرتا۔ اس لئے کہ خزانے کا مالک خزانے کو ظاہر نہیں کرتا ہے۔ ورنہ فوراً اسے چھین لیا جائے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ کے اشعار میں غور کرو:۔

اُحْضُرْ لِسِرِّكَ وَدُكُّوا فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ قَامَهٗ
وَخَلِّ الْخَلَائِقَ يَشْكُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَه

''اپنے بھید کو دفن کرنے کے لئے گڑھا کھودو۔ اور ستر قد آدم کے برابر زمین کے نیچے اس کو دفن کرو۔ اور مخلوق کو چھوڑ دو۔ وہ قیامت تک شکایت کرتے رہیں''۔

اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (وَلَا تُؤْتُو السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ) ''اپنے مال نادانوں کو نہ دو''۔ تو ایسے علم کی کتنی حفاظت کرنی چاہیے۔ جو قیمتی اور پوشیدہ موتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

''اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَا يَعْرِفُهٗ اِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ، فَاِذَا اَظْهَرُوْهُ اَنْكَرَهٗ اَهْلُ الْغِرَّةِ بِاللّٰهِ''

''بعض علم پوشیدہ موتی کی طرح ہیں۔جس کو صرف اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے ہی جانتے ہیں۔تو اگر وہ اس کو ظاہر کردیں۔تو اللہ تعالیٰ سے غافل لوگ اس کا انکار کریں گے''۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے:

''حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِرَابَیْنِ مِنْ عِلْمٍ۔ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِی النَّاسِ، وَاَمَّا الْآخَرُ فَلَو بَثَثْتُہٗ لَقُطِعَ مِنِّیْ ھٰذَا الْبُلْعُوْمِ''۔

''میں نے حضرت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دو تھیلے (دو قسم) علم حاصل کیا ہے۔ایک قسم:۔میں نے لوگوں میں پھیلایا۔اور دوسری قسم:۔اگر میں ظاہر کروں۔تو میری گردن کاٹ دی جائے۔

حضرت زین العابدین سیدنا علی ابن حسین ابن علی رضی اللہ عنہم نے حسب ذیل اشعار فرمائے ہیں۔

یَا رُبَّ جَوْھَرَ عِلْمٍ لَو اَبُوْحُ بِہٖ　　لَقِیْلَ لِیْ اَنْتَ مِمَّنْ یَّعْبُدُ الْوَثَنَا

''علم کے بہت ایسے جوہر ہیں کہ میں اگر ان کو ظاہر کروں تو لوگ مجھ کو بت پرستوں میں شمار کریں گے۔''

وَلَا اسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُّسْلِمُوْنَ دَمِیْ　　یَرَوْنَ اَقْبَحَ مَا یَاْتُوْنَہٗ حَسَنَا

''اور مسلمان میرے خون کو حلال سمجھیں گے۔اور جس کے پاس بہتر سمجھ کر آتے ہیں اس کو بہت برا سمجھیں گے۔

اِنِّیْ لَاَ کْتُمُ مِنْ عِلْمِیْ جَوَاھِرَہٗ　　کَیْ لَا یَرَی الْحَقَّ ذُو جَھْلٍ فَیَفْتِتَنَا

''میں اپنے علم کے ان جوہروں کو چھپاؤں گا تاکہ جاہل حق کو نہ دیکھنے کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑے۔

حضرت روزابادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔میں نے یہ علم اشارہ سے سیکھا۔کیونکہ وہ پوشیدہ عبارت ہے۔حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔حقیقتیں،کبھی لوگوں کو اسی طرح نقصان پہنچاتی ہیں۔جس طرح گلاب اور مشک،گبروندا کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ کبھی ماہر عارف کو ناواقف لوگوں کے سامنے باریک عبارت،لطیف اشارہ، باریک غزل کی صورت میں حقیقتوں کو بیان کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔اس طریقے پر کہ سننے والے کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔حضرت جنید رضی اللہ عنہ،حاضرین کے سامنے حقیقتیں بیان

فرماتے تھے۔اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو فرمایا علم کا پہلو بہت محفوظ ہے۔نااہل اس کو نہیں پا سکتا۔یا اس طرح فرمایا:۔ہمارا علم محفوظ ہے نااہل اس کو نہیں پا سکتا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

پس تمام سوالوں کا جواب دینا، اور مشارات کا بیان کرنا، اور علوم کو ظاہر کرنا، دنیاوی زندگی کی حدتک، مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کرنے، اوران کے درمیان اپنے لئے عزت و تعظیم بڑھانے کا باعث ہوتا ہے۔کیونکہ جس کی خوبی اور افضلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔اس کی خدمت واجب ہو جاتی ہے۔اور عوام کی شان ہے کرامت اور بزرگی والے کی تعظیم کرتی ہے۔تو وہ اپنے علم وعمل کا پھل اس دنیائے فانی میں چن لیتا ہے۔اور آخرت میں صدیقین کے درجے اس سے فوت ہو جاتے ہیں۔اسی لئے مصنفؒ نے اس کے چھپانے، اور اللہ کے علم پر قناعت کرنے کا حکم دیا۔تاکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن اس کے اوپر جزا حاصل ہو۔اسی حقیقت کی طرف اپنے اس قول میں تنبیہ فرمائی۔

اخروی انعام کا یہ دنیا ظرف نہیں بن سکتی

"اِنَّمَا جُعِلَ الدَّارُ الْآخِرَةُ مَحَلًّا لِجَزَاءِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، لِاَنَّ هٰذِهِ الدَّارَ لَا تَسِعُ مَا يُرِيْدُ اَنْ يُّعْطِيَهُمْ ، وَلِاَنْ اَجَلَّ اَقْدَارُهُمْ عَنْ اَنْ يُّجَازِيَهُمْ فِي دَارٍ لَا بَقَاءَ لَهَا"

''اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو بدلہ دینے کی جگہ عالم آخرت مقرر کی گئی ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جتنا کچھ دینا چاہتا ہے۔اس کی گنجائش کے لئے یہ دنیا کافی نہیں ہے۔اوراس لئے بھی کہ ان کے مرتبے اس سے زیادہ بلند ہیں کہ ان کو فنا ہو جانے والی جگہ میں بدلہ دے''۔

میں کہتا ہوں:۔اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارغرور (دھوکا کا گھر) فرمایا۔اوراس کے لئے ہلاک اور برباد ہونے کا فیصلہ کیا۔پس یہ دنیا پست وحقیر، زائل وفانی ہے۔

دنیا کی وجہ تسمیہ

اوراس کا نام دنیا، یا تو اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ عنقریب فنا ہونے والی ہے۔یا اس وجہ سے کہ وہ حقیر اور پست ہے۔تو یہ دنیا تنگ زمانہ، اور تنگ مکان والی ہے۔اور آخرت کو دارقرار (ہمیشہ قائم رہنے کا گھر) فرمایا۔اوراس کو انوار کے ظاہر ہونے، اسرار کے منکشف ہونے، فرحت وخوشی، نعمت و

سرور، احباب کے مشاہدہ، حجاب کے دور ہونے کا مقام بنایا۔ اس کی نعمت ہمیشہ رہنے والی، اور اس کا وجود ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مومن بندوں کے لئے بدلہ دینے کا مقام، اور انبیاء علیہم السلام، اور صدیقین کے لئے جائے قیام بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کو ایسی جگہ بدلہ دے جس کو باقی نہیں رہنا اور تنگ زمانہ، اور تنگ مکان والی ہے۔ جو کدورتوں، تبدیلیوں، ذلتوں رسوائیوں کی جگہ ہے۔ اور چونکہ وہ تنگ ہے۔ اس وجہ سے جو انعامات اور بخششیں اللہ تعالیٰ ان کو دینا چاہتا ہے۔ وہ اس دنیا میں نہیں سما سکتیں۔ نہ زمانہ کے اعتبار سے، نہ جگہ کے اعتبار سے۔ کیونکہ ادنیٰ درجہ کا جنتی اس دنیا سے دس گنا زیادہ کا مالک ہوگا۔ تو اعلیٰ درجے کا جنتی، اس دنیا سے کتنے گنا زیادہ کا مالک ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ''کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ اس کے لئے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کتنی نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے۔ جو وہ دنیا میں کرتے تھے''۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى۔ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ) ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو کچھ تیار کیا ہے۔ اس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، اور نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا''۔

اور اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن اور مقرب بندوں کی قدر و منزلت کو اس سے بلند کیا ہے کہ ان کو ایسی جگہ بدلہ دے جس کے لئے بقا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی آبادی، ویران۔ اور اس کا وجود بے حقیقت اور فریب ہے۔ جیسا کہ بعض اخبار (احادیث) میں ہے:۔ اگر دنیا، فنا ہونے والی سونے کی ہوتی اور آخرت، باقی رہنے والے ٹھیکرے کی تو عقلمند باقی رہنے والی آخرت کو اختیار کرتا۔ اور فنا ہونے والی دنیا کو چھوڑ دیتا۔ لیکن خاص کر اس حال میں کہ معاملہ الٹا ہے، یعنی آخرت، باقی رہنے والے سونے کی ہے۔ اور دنیا، فنا ہونے والے ٹھیکرے کی ہے۔ تو اس کو وہی شخص اختیار کرتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بدبختی اور دکھ کا فیصلہ کر دیا ہے اور دوسری حدیث شریف میں ہے:۔

(اَلَا وَاِنَّ السَّعِیْدَ مَنِ اخْتَارَ بَاقِیَةً یَدُوْمُ نَعِیْمُهَا عَلٰی فَانِیَةٍ لَا یَنْفَكُّ عَذَابُهَا، وَقَدَّمَ لِمَا یَقْدُمُ عَلَیْهِ مِمَّا هُوَ الْاٰنَ فِیْ یَدِهٖ، قَبْلَ اَنْ یُّخَلِّفَهٗ لِمَنْ یَسْعَدُ بِاِنْفَاقِهٖ، وَقَدْ شَقِیَ بِجَمْعِهٖ وَاحْتِكَارِهٖ)

''خبردار رہو! بے شک نیک بخت وہ ہے جس نے باقی رہنے والی آخرت کو، جس کی نعمت ہمیشہ رہے گی، فنا ہونے والی دنیا پر جس کا عذاب ختم نہ ہوگا، اختیار کیا۔ اور جہاں وہ جائے گا، وہاں کے لئے، جو کچھ اب اس کے قبضہ میں ہے۔ اس میں آگے بھیجدیا۔ اس وقت سے پہلے کہ اس کو اپنے پیچھے اس شخص کے لئے چھوڑ جائے۔ جو اس کو خرچ کر کے خوش ہوگا۔ حالانکہ اسی مال کو جمع کرنے کے سبب وہ بدبخت ہوا ہے''۔

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آنحضرت فرماتے تھے:۔

''حَلُّوْا اَنْفُسَكُمْ بِالطَّاعَةِ وَالْبِسُوْهَا قِنَاعَ الْمَخَافَةِ وَاجْعَلُوْا اٰخِرَتَكُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَسَعْیَكُمْ لِمُسْتَقَرِّكُمْ، وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ عَنْ قَلِیْلٍ رَاحِلُوْنَ وَاِلَی اللّٰهِ سَائِرُوْنَ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكُمْ هُنَالِكَ اِلَّا صَالِحُ عَمَلٍ قَدَّمْتُمُوْهُ اَوْ حُسْنُ ثَوَابٍ جَزَیْتُمُوْهُ، اِنَّكُمْ اِنَّمَا تَقْدُمُوْنَ عَلٰی مَا قَدَّمْتُمْ وَتُجَازَوْنَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتُمْ فَلَا تَخْدَعَنَّكُمْ زَخَارِفُ دُنْیَا دَنِیَّةٍ عَنْ مَرَاتِبِ جَنَّاتٍ عَالِیَةٍ فَكَاَنْ قَدْ كُشِفَ الْقِنَاعُ وَارْتَفَعَ الْاِرْتِیَابُ وَلَاقٰی كُلُّ امْرِئٍ مُسْتَقَرَّهٗ وَعَرَفَ مَثْوَاهُ وَمُنْقَلَبَهٗ''

''تم لوگ اپنے نفسوں کو طاعت سے آراستہ کرو۔ اور ان کو خوف کا برقع پہناؤ۔ اور اپنی آخرت کو اپنے نفسوں کے لئے بناؤ۔ اور اپنی کوشش کو اپنے ٹھکانے کے لئے خرچ کرو۔ اور یقین کے ساتھ جان لو:۔ تم قلیل یعنی دنیا سے کوچ کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے والے ہو، اور وہاں تم کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی۔ مگر وہ جو تم نے پہلے کر کے بھیجا ہے یا وہ بہتر ثواب جو تم نے دنیا میں بدلہ دیا ہے درحقیقت تم لوگ صرف اس طرف بڑھو گے جو تم نے پہلے سے کر کے بھیجا ہے اور تم کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم نے پہلے دنیا میں کیا ہے پس تم کو حقیر دنیا کی نمائشی زینتیں فریب دے کر

بلند جنتوں کے مرتبوں سے روک نہ دیں پس گویا پردہ کھل گیا اور شک وشبہ مٹ گیا اور ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا اور ہر شخص نے اپنے ٹھکانے اور لوٹنے کی جگہ کو پہچان لیا''

پھر اس آخرت کے گھر میں بدلہ اس دنیا کے عمل پر اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو۔ اور اس کا مقبول ہونا پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کی علامتیں ہیں۔ جس کے ذریعے وہ معلوم کی جاتی ہیں۔

عمل کے قبول ہونے کی نشانی

چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں انہیں کی طرف اشارہ فرمایا:۔

مَنْ وَجَدَ ثَمرَةَ عَمَلِهِ عَاجِلاً فَهُوَ دَلِيْلٌ عَلَى وُجُوْدِ الْقُبُوْلِ اٰجِلاً

''جس شخص نے اپنے عمل کا پھل اس دنیا میں پالیا۔ تو یہ آخرت میں اس کے عمل کے مقبول ہونے کی دلیل ہے''۔

عمل کا پھل

میں کہتا ہوں:۔ عمل کا پھل:۔ طاعت کی لذت، اور مناجات کی شیرینی، اور مراقبہ سے قلب کا مانوس ہونا، اور مشاہدہ سے، روح کی فرحت، اور کلام کرنے سے سرّ کا خوش ہونا ہے۔ (قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ) ''ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا گھاٹ جان لیا ہے''۔

اور اس پھل کے وجود کی دلیل:۔ اس کی طرف بڑھنا، اور اس کی رغبت اور آرزو کرنا، اور اس پر مداومت کرنا، اور اس میں مدد کی زیادتی ہے۔ اور یہ ہدایت کے دل میں اتر جانے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى) ''اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں زیادتی کرتا ہے''۔ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے قصیدۂ ہمزیہ میں ہے:۔

وَاِذَا حَلَّتِ الْعِبَادَةُ قَلْباً نَشِطَتْ لِلْعِبَادَةِ الْاَعْضَاءُ

جب قلب میں ہدایت اتر جاتی ہے، تو اعضائے جسمانی عبادت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

تو جب ہم کسی شخص کو اعمال کی زیادتی، اور احوال کی ترقی میں دیکھتے ہیں۔ تو ہم سمجھ لیتے ہیں اس نے اپنے عمل کا پھل پالیا۔ تو اس کے لئے اس کے عمل کے قبول ہونے کی بشارت ہے۔ اور جس شخص کو

ہم اس کے اعمال سے جدا، اوراس کے احوال میں کمی دیکھتے ہیں تو ہم اس کے لئے اس کے اعمال کے قبول نہ ہونے کا خوف کرتے ہیں۔

عمل کے پھل کے مزید اثرات

اور عمل کے پھل کے دلائل یہ بھی ہیں:۔مخلوق سے وحشت، بادشاہ حقیقی سے انسیت، اللہ کے علم کے ساتھ کفایت کرنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسویٰ سے بے نیاز ہونا۔حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ فرمایا:۔حیات طیبہ،کلمہ کا جاری ہونا،احسان کی خوشی کے سامنے رنج و غم کا ختم ہونا۔

پس پہلے کی یعنی حیات طیبہ کی دلیل:۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً) ''جو شخص بھی مرد ہو یا عورت نیک عمل کرتا ہے۔اور وہ مومن ہے تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے''۔

بیان کیا گیا ہے:۔ پاکیزہ زندگی،قناعت ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے:۔وہ رضا وتسلیم ہے۔ اور تحقیق یہ ہے:۔وہ معرفت ہے۔ اور دوسرے کی یعنی کلمہ کے جاری ہونے کی دلیل:۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ"

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے،اور اعمال صالحہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا''۔ تو کلمہ کا جاری ہونا،خلافت ہے''۔ نیز یہ بھی فرمایا:۔ (وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا) ''جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کو امام بنایا۔اور وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے ہیں''۔

اور تیسرے کی یعنی رنج وغم دور ہونے کی دلیل:۔ اس کی ذات میں ہے۔اس لئے کہ عمل کی لذت رنج وغم کو بھلا دیتی ہے۔کیونکہ یہ جنت کی نعمتوں سے مشابہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شان میں فرمایا:۔ (وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ) ''اور وہ کہیں گے! سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور طاعت کی لذت کے ساتھ ٹھہرنے سے ڈرانے کا بیان، اور اس کا کہ وہ زہر قاتل ہے۔ عنقریب آئے گا۔

اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ جاننے کا معیار

اور جب کہ مصنف ؒ نے اعمال کی قدر و منزلت کا میزان بیان کیا۔ تو لوگوں کی قدر و منزلت کا میزان بھی بیان کیا۔ یا تم اس طرح کہو۔ جب مردود عمل سے مقبول کا میزان بیان کیا۔ تو مردود عامل سے محبوب عامل کا میزان بھی بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا: (اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَعْرِفَ قَدْرَكَ عِنْدَهٗ فَانْظُرْ فِيْمَا ذَا يُقِيْمُكَ؟) ''اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کو جاننا چاہتے ہو تو غور کرو کہ اس نے تم کو کس حال میں قائم کیا ہے؟''۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اپنی مخلوق کی دو قسم بنائی:۔ بد بخت، اور نیک بخت۔ اور نیک بختوں کی بھی دو قسم بنائی ہے۔ اہل قرب، اور اہل بعد۔ یا تم اس طرح کہو:۔ اہل یمین، اور مقربین یعنی سابقون۔

پس اگر تم اپنے متعلق یہ جاننا چاہتے ہو: کیا تم بد بختوں میں ہو یا نیک بختوں میں؟ پس اپنے قلب میں غور کرو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے وجود کی تصدیق کرتے ہو۔ اور اس کو اس کی بادشاہت میں ایک مانتے ہو۔ اور جس کی اُس نے تمہیں پہچان کرائی، یعنی اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کے تم مطیع و فرماں بردار ہو۔ تو تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے لئے نیکی پہلے ہی مقدر ہو چکی ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو۔ یا اس کے وجود میں شک کرتے ہو یا اس کے ساتھ اس کے غیر کے شریک ہونے کا اعتقاد کرتے ہو یا تم اس کے رسول پر یقین نہیں کرتے تو تم بد بختوں میں سے ہو۔ پھر اگر تم نے اپنے کو نیک بختوں میں پایا اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہو: کیا تم اہل قرب میں سے ہو، یا اہل بعد میں سے؟ تو غور کرو۔ پس اگر تم ان لوگوں میں ہو، جو اس کی مخلوق سے اس پر استدلال کرتے ہیں تو تم اہل بعد یعنی اصحاب یمین میں سے ہو۔ اور اگر تم ان لوگوں میں ہو، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر پر استدلال کرتے ہیں۔ تو تم اہل قرب یعنی مقربین میں سے ہو۔ پھر اگر تم نے یہ معلوم کر لیا۔ کہ تم اصحاب یمین میں سے ہو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت جاننا چاہتے

ہو: کیا تم مکرمین، یعنی عزت والوں میں ہو، یا مہانین، یعنی ذلت والوں میں ہو؟ تو غور کرو۔ پس اگر تم اس کے حکم کی تعمیل، اور اس کے منع سے پرہیز کرتے ہو۔ اور اس کے پسندیدہ کاموں میں سبقت کرتے، اور اس کے اولیاء سے محبت کرتے ہو۔ تو تم مکرمین میں سے ہو۔ اور اگر اس کے حکم کی تعمیل میں غفلت، اور اس کے منع میں سستی ولا پرواہی کرتے ہو۔ اور اس کی طاعت میں کاہلی، اور اس کی حرمتوں کی رسوائی وتوہین، اور اس کے اولیاء سے دشمنی کرتے ہو۔ تو خدا کی قسم، تم محروم ومردود، اور ذلیل ورسوا ہونے والوں میں سے ہو۔ مگر یہ کہ اللہ رب العالمین کی عنایت اور مہربانی تمہارے شامل حال ہو جائے۔ اور اگر تم کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ تم اہل قرب میں سے ہو۔ اور تم مقام شہود میں پہنچ گئے ہو۔ اور تم اس کے ساتھ اس کے غیر پر استدلال کرتے ہو۔ تو اس کے ماسوا کو نہ دیکھو۔ پس اگر تم واسطہ کا اقرار کرتے ہو، اور حکمت کو ثابت کرتے ہو، اور ہر حق والے کو اس کا حق دیتے ہو۔ تو تم مقربین کاملین میں سے ہو۔ اور اگر تم حکمت سے انکار کرتے ہو۔ اور واسطہ سے غائب ہو، تو اگر تم مجذوب مغلوب ہو، تو تم اس مقام میں ناقص ہو۔ اور اگر تم ہوش وعقل میں ہو۔ تو تم ساقط یعنی پستی میں گرنے والے ہو۔ مگر یہ کہ تمہارا ہاتھ کوئی شیخ واصل باللہ یا عارف کامل پکڑ لے۔

اہل اور ترازو

یہاں ایک دوسری میزان بھی ہے جس کے ذریعے تم اپنے متعلق معلوم کر سکتے ہو کہ تم قرب میں ہو یا بعد میں۔ پس اگر تم نے کسی تربیت کرنے والے شیخ کو پایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے انوار کو ظاہر کیا۔ اور اپنے اسرار کی خصوصیتوں پر تم کو آگاہ کیا۔ پس تم قطعی ویقینی بالفعل یا بالامکان اہل قرب میں سے ہو۔ شیخ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیاء کے پہچاننے کی کوئی ایسی دلیل نہیں بنائی۔ جو ان کے پہچان کی حقیقی اور یقینی دلیل کی حیثیت رکھتا ہو۔ وہ جس شخص کو اپنے پاس پہنچانا چاہتا ہے صرف اس کو اپنے اولیاء کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

اور اگر تم نے تربیت کرنے والے شیخ کو نہیں پایا اور کہنے والوں کے اس قول نے تم کو فریب میں رکھا ''اولیاء کا وجود ختم ہو گیا'' تو تم قطعی عام مسلمانوں میں اہل یمین سے ہو۔'' اور اکثر

ایسے ہی لوگ ہیں۔ اوران کے لئے کوئی حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

"یَقُوْلُ اللّٰہُ تبَارَکَ وَ تَعَالیٰ : اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا، خَلَقْتُ الْخَیْرَ وَ الشَّرَّ ، فَطُوْبیٰ لِمَنْ خَلَقْتُہٗ لِلْخَیْرِ وَ اَجْرَیْتُ الْخَیْرَ عَلٰی یَدِہٖ، وَوَیْلٌ لِمَنْ خَلَقْتُہٗ لِلشَّرِّ وَاَجْرَیْتُ الشَّرَّ عَلٰی یَدِہٖ"

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے بھلائی اور برائی کو پیدا کیا۔ تو اس کے لئے خوشخبری ہے۔ جس کو میں نے بھلائی کے لئے پیدا کیا اوراس کے ہاتھ پر بھلائی کو جاری کیا۔ اورافسوس ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے برائی کے لئے پیدا کیا۔ اوراس کے ہاتھ پر برائی کو جاری کیا''۔ اوردوسری حدیث میں ہے:۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْلَمَ مَا لَہٗ عِنْدَاللّٰہِ فَلْیَنْظُرْ مَا لِلّٰہِ عِنْدَہٗ

''جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس کیا ہے تو اس کو یہ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے پاس کیا ہے''۔ اورایک روایت میں ہے (مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْلَمَ مَنْزِلَتَہٗ عِنْدَاللّٰہِ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ مَنْزِلَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ قَلْبِہٖ، فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُنْزِلُ الْعَبْدَ حَیْثُ اَنْزَلَہُ الْعَبْدُ مِنْ نَّفْسِہٖ) ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدرومنزلت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اس کو یہ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرومنزلت اس کے دل میں کیسی اور کتنی ہے''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اسی حیثیت سے جگہ دیتا ہے، جس حیثیت سے بندے نے اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس میں جگہ دی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی) ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا۔ اورتقویٰ اختیار کیا۔ اور دین کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کے آرام کی جگہ تک پہنچنے کے لئے آسانی پیدا کریں گے''۔

پھر مصنفؒ نے دوسری میزان بیان کی تم اس کے ذریعہ مقربین، اورشکر گزار اغنیا والوں کو پہچان سکتے ہو۔ چنانچہ فرمایا۔

مَتٰی رَزَقَکَ الطَّاعَۃَ وَالْغِنٰی بِہٖ عَنْھَا فَاعْلَمْ اَنَّہٗ اَسْبَغَ عَلَیْکَ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً

''جب اللہ تعالیٰ نے تم کو طاعت کی، اور اپنے ساتھ توکل کی بنا پر طاعت سے بے نیازی کی توفیق عطا کی تو تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تمہارے اوپر مکمل کر دی''۔

میں کہتا ہوں:۔ طاعت، ظاہر میں رسوم شریعت ہیں۔ اور باطن میں اللہ تعالیٰ پر توکل کے باعث طاعت سے بے نیاز ہونا۔ یہ حقیقت کے مشاہدے ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر جسمانی اعضاء کی طاعت، اور تمہارے باطن میں اپنے اوپر توکل کے باعث طاعت سے بے نیازی کو جمع کر دیا۔ تو اس نے تمہارے اوپر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو مکمل کر دیا۔ اور یہ ان عارفین مقربین کی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسویٰ سے بے نیاز ہیں وہ اپنے معبود کے مشاہدے کے باعث اپنی عبادت کے دیکھنے سے، اور اپنے معلوم کے علم کو کافی سمجھنے کے باعث اپنے علم کے دیکھنے سے، اور اپنے اصلاح کرنے والے پر توکل کے باعث اپنی درستی سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن نے اپنے حزب کبیر میں فرمایا ہے:۔ ہم تجھ سے تیرے ماسویٰ سے فقر، اور تیرے ساتھ غنا طلب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم تیرے سوا کچھ مشاہدہ نہ کریں۔

پس یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی، اور اس کی ذات میں اس کے ماسوا سے غائب ہیں۔ ان کی عبادت اللہ کے ساتھ، اور اللہ کے لئے، اور اللہ کی طرف سے، نعمت کا شکر قائم کرنے، اور حکمت کے وظیفوں کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

اللہ کے محبوب ترین بندے

اور حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰہِ الْاَغْنِیَاءُ الْاَخْفِیَاءُ الْاَتْقِیَاءُ) ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب بندے ماسویٰ سے بے نیاز، مخلوق سے پوشیدہ، پرہیزگار لوگ ہیں''۔

اور جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے:۔

''لَیْسَ الْغِنٰی بِکَثْرَةِ الْعَرَضِ ، اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ''

''مال اور سامان کی زیادتی غنا نہیں ہے۔ بلکہ غنا صرف نفس کا غنا ہے''۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے

ساتھ غنا ہے۔اور یہی حقیقی نعمت ہے۔

نعمت کی مختلف تعبیریں

پس ظاہری نعمت:۔ اعضاء کو شریعت کے ساتھ آراستہ کرنا۔اور باطنی نعمت:۔ حقیقت کے ساتھ اسرار کو روشن کرنا ہے۔اور کہا گیا ہے:۔ ظاہری نعمت : کفایت اور عافیت ہے۔اور باطنی نعمت:۔ ہدایت اور معرفت ہے۔اور کہا گیا ہے ظاہری نعمت اس کے حکم کی مخالفت سے بدن کا آرام ہے۔اور باطنی نعمت: اس کے حکم کی مخالفت سے اس کا محفوظ رہنا ہے۔اور نعمت ہونے کی حیثیت سے نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی رنج کا سبب نہ ہو۔اور بعد میں اس کا نتیجہ شرمندگی نہ ہو۔اور کہا گیا ہے:۔نعمت عظمیٰ نفس کے دیکھنے سے نکل جانا ہے۔اور کہا گیا ہے:نعمت: وہ ہے جو تم کو حقیقتوں تک پہنچادے۔اور تعلقات سے تم کو پاک کردے۔اور مخلوق سے تم کو منقطع کردے۔اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

یہاں آٹھواں باب ختم ہوا۔اور اس باب کا حاصل

خلاصہ

واردات الٰہی کے ساتھ آداب کی تحقیق ہے۔کیونکہ واردات خاص بخششیں ہیں۔پس جو شخص واردات کے انوار کی مدد چاہتا ہے اس کے اوپر ان کے اسرار کا چھپانا واجب ہے تاکہ اس کے ثواب کا بدلہ آخرت کے لئے موقوف ہو، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔اور اس حالت میں اس کا اخلاص ثابت ہوتا ہے۔اور اس کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔تو وہ طاعت اور ایمان کی شیرینی چکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بڑی ہوتی ہے۔پس اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماسوا سے غائب کردیتا ہے اور اس کے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کردیتا ہے اور جب وہ تم کو اپنے ساتھ غنی کردیتا ہے۔تو تم اس کی طلب سے بے نیاز ہو جاتے ہو۔اور اگر طلب کرنا ضروری ہو تو تم اس سے وہی طلب کرو جو وہ تم سے طلب کرتا ہے۔مصنفؒ نے نویں باب کی ابتداء میں اس کو بیان کیا ہے۔

باب نہم

عارف کے کمال کی علامت، طلب کے آداب، بسط وقبض، منع وعطا کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔ (خَيْرُ مَا تَطْلُبُهُ مِنْهُ مَا هُوَ طَالِبُهُ عَنْكَ) ''اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں بہتر یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ تم سے طلب کرتا ہے۔ وہی یعنی اس کی توفیق تم اس سے طلب کرو''۔

اللہ کا ہم سے کیا مطالبہ ہے

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی استقامت ہے۔ اور اس کا مرجع ظاہر میں عبودیت کا ثابت ہونا، اور باطن میں معرفت کا کامل ہونا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے۔ وہ ظاہری جسمانی اعضاء کی احکام شریعت کی پابندی کے ذریعے، حکمت کے طریقے کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اصلاح کرنی ہے۔ اور قلوب اور باطنی اسرار کی حقیقت کے ذریعے، قدرت کے وظیفوں کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اصلاح کرنی ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے، وہ اس کے حکم کی تعمیل کرنی، اور اس کے منع سے پرہیز کرنا، اور اس کے ذکر کی کثرت کرنی، اور اس کے غلبہ واختیار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور ہر حال میں راضی رہنا ہے۔ پس عارف کے لئے بڑا کمال یہ ہے: کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم

پر توکل کر کے ہر شے سے بے نیاز ہو جائے۔ اور صرف حال کے سوال کو کافی سمجھے۔ زبان سے نہ طلب کرے۔ اور اگر اس کے اندر طلب کا وارد ظاہر ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس سے جس چیز کا طالب اللہ تعالیٰ ہے، اسی کی توفیق طلب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا طالب ہے اس کا بیان پہلے گزرا۔

بعض احادیث میں ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَسْئَلُ الْخَلْقَ عَنْ ذَاتِہٖ، وَ صِفَاتِہٖ، وَلَا عَنْ قَضَائِہٖ وَقَدَرِہٖ، وَلٰکِنْ عَنْ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ) ''اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اپنی ذات وصفات کی معرفت کے بارے میں سوال نہ کرے گا۔ اور نہ اپنی قضا وقدر کے بارے میں سوال کرے گا۔ بلکہ اپنے حکم اور منع کے بارے میں سوال کرے گا''۔

میں کہتا ہوں:۔ اس لئے کہ حکم اور منع اس کے کسب میں ہے۔ اور اس کے کرنے کی اس کو تکلیف دی گئی ہے۔ اور ذات وصفات کی معرفت، اور قضا وقدر کے ساتھ رضا وتسلیم اعمال کے بدلے میں بخششیں، اور حکم کی تعمیل کے نتیجے ہیں۔ تو جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ تو وہ اس کو پہلے اپنی معرفت عام عطا کرتا ہے۔ اور وہ دلیل کی معرفت ہے۔ پھر جب اس کی پیاس بڑھ جاتی ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کسی شیخ کو مقرر کرتا ہے جو اس کی دستگیری کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس شیخ کے ذریعہ اس شخص کو اپنی خاص معرفت عطا کرتا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جب کوئی حاجت تمہارے سامنے آئے، تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے طلب کئے بغیر پیش کرو۔ یعنی اس کے توکل پر چھوڑ دو۔ اس طرح کہ تمہارے پیش نظر اپنا کوئی فائدہ نہ ہو۔ ورنہ تم اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ)

''اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس کی خواہش نہ کرو۔ مردوں کے لئے ان کے کئے ہوئے کاموں کا حصہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے کئے ہوئے کاموں کا حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو''۔ اور اس کا فضل اس کے ساتھ غنا ہے:۔ یعنی اس پر توکل کر کے ماسویٰ اللہ سے بے نیاز ہو جانا۔

حضرت جنیدؒ کی ایک دعا

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ ہے:۔اے اللہ! میرا ہر سوال اسی کے لئے ہے جس کے لئے تو نے مجھے سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس تو میرے سوال کو اپنے لئے محبت کا سوال بنادے۔ اور تو مجھے ان لوگوں میں نہ کر جو اپنے سوال سے حظوظ (فوائد) کے مقامات کا ارادہ کرتے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں میں کر، جو تیرے حق کے واجب کے ساتھ قائم ہونے کا سوال کرتے ہیں۔

پھر جب تم اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ تو وہی چیز طلب کرو۔ جس کا وہ تم سے طالب ہے اور وہ طاعت اور استقامت ہے۔ اگرچہ قضا و قدر تمہارے موافق نہ ہو۔ اور سوال کرنے سے پہلے تم اس سے روک دیئے گئے ہو۔

پس اگر تم اپنے قلب کے ساتھ طاعت اور استقامت کی طرف نہیں بڑھے لیکن اس کے نہ ہو سکنے پر اپنے نفس کے ساتھ افسوس کیا، تو یہ دھوکا میں مبتلا ہونے کی علامت ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا: (اَلْحُزْنُ عَلَى فُقْدَانِ الطَّاعَةِ مَعَ عَدْمِ النُّهُوْضِ اِلَيْهَا مِنْ عَلَامَاتِ الْاِغْتِرَارِ) "طاعت کے بجالانے کی طرف توجہ اور کوشش نہ کرنے کے باوجود، طاعت کے نہ ہونے پر افسوس کرنا، دھوکا و فریب میں مبتلا ہونے کی علامتوں میں سے ہے"۔

صادقین کا افسوس

میں کہتا ہوں: حزن، کے معنی ہیں، کسی چیز کے لئے افسوس کرنا۔ پس اگر کسی چیز کو تم نے حاصل نہیں کیا۔ اور اس کے حاصل نہ کرنے پر تم شرمندہ ہو۔ یا دکھ ظاہر کرتے ہو۔ ایسی چیز کے لئے جس کے حاصل کرنے سے تم روک دیئے گئے۔ اور تم اس کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوئے۔ تو اگر تمہارا افسوس ایسی چیز پر ہے جس کے حاصل کرنے سے تم روک دیئے گئے۔ لیکن تم اس چیز تک پہنچانے والے اسباب و ذرائع کی طرف بڑھتے اور کوشش کرتے ہو۔ تو یہ صادقین کا افسوس ہے۔ اور اسی کے بارے میں حضرت شیخ ابوعلی دقاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ افسوس کرنے والا ایک ماہ میں اتنا راستہ طے کر لیتا ہے۔ جتنا دوسرا شخص سالوں میں بھی نہیں طے کرتا ہے۔ اور اگر تم اس چیز تک پہنچانے والے اسباب و ذرائع کی طرف توجہ اور کوشش نہیں کرتے ہو تو یہ کاذبین کا افسوس

ہے۔ اور اگر تم اس طاعت پر افسوس کرتے ہو، جو فوت ہو گئی ہے اور جس کا پورا کرنا ممکن ہو، اس کے پورا کرنے کی تم کوشش کرتے ہو تو یہ صادقین کا افسوس ہے۔ اور اگر تم اس کے پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہو۔ تو یہ کاذبین کا افسوس ہے۔

ہائے افسوس کی کمی کہو

حضرت رابعہ عدویہ نے ایک شخص کو ''ہائے افسوس'' کہتے ہوئے سنا۔ تو اس سے فرمایا:۔ تم یہ کہو! ''ہائے افسوس کی کمی'' کیونکہ اگر تیرا افسوس سچا ہوتا، تو تجھ کو سانس نہ لینے دیتا۔

رونا کسے کہتے ہیں؟

حضرت ابوسلیمان دارانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ رونا، آنکھ سے آنسو بہانے کا نام نہیں ہے۔ حقیقتاً رونا یہ ہے کہ جس کام پر تم روئے ہو، اس کو ترک کر دو۔

اور بیان کیا گیا ہے:۔ آدمی کے رونے سے تم دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی عشاء کے وقت اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔ حالانکہ جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اور بکری کے خون میں ان کا کرتہ آلودہ کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لائے اور کہا کہ ان کو بھیڑیئے نے کھا لیا۔ پس جو طاعت فوت ہوئی ہے، اس کے پورا کرنے کے لئے توجہ اور کوشش نہ کرنے کے باوجود، طاعت کے نہ ہونے پر افسوس کرنا۔ دھوکا میں مبتلا ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔ اور دھوکا، ایسی چیز کی طرف مائل ہونا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ پس یہ دھوکا دینے والے کو قبول کرنا اور اس کے دھوکا وفریب کی فرماں برداری کرنا ہے۔

افسوس کی تین اقسام ہیں

پس افسوس کی تین قسمیں ہیں:۔ کاذبین کا افسوس۔ صادقین کا افسوس۔ صدیقین سائرین کا افسوس۔

کاذبین کا افسوس:۔ طاعت کے لئے توجہ اور کوشش نہ کرنا اور فوت شدہ طاعت کو پورا نہ کرنے کے ساتھ افسوس کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

صادقین کا افسوس:۔ عمل اور اعتدال میں کوشش، اور غور وفکر کے ساتھ افسوس کرنا اور فوت شدہ طاعتوں کے پورا کرنے کیلئے باقی ماندہ وقتوں کو غنیمت جاننا ہے۔

صدیقین سائرین کا افسوس:۔ وقتوں کے فوت ہونے، یا کسی قسم کی غفلت واقع ہونے، یا حظوظ وخواہشات کی طرف مائل ہونے پر افسوس کرنا ہے۔ لیکن ان کا افسوس ہمیشہ قائم نہیں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی چیز کے ساتھ ٹھہرتے نہیں۔ اور نہ ان کے اوپر کوئی شے قابض ہوتی ہے۔

اور واصلین: تو ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ افسوس اور غم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ) ”خبردار، بےشک اولیاء اللہ، نہ ان کے اوپر کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ غم وافسوس میں مبتلا ہوتے ہیں، اور نہ مبتلا ہونگے“۔

اس لئے کہ رنج اور افسوس کسی چیز کے کھوئے جانے، یا کسی مقصد کے فوت ہونے پر ہوتا ہے۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پالیا۔ وہ کیا چیز کھوئے گا۔ اور کون سا مقصد فوت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَقَالُوْا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ) ”وہ قیامت کے روز کہیں گے: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہم سے رنج وغم کو دور کر دیا“۔ اور اس مقام میں پہنچنے پر رونا بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جنت میں رونا نہیں ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ایک جماعت کو پڑھتے اور روتے ہوئے دیکھا۔ تو فرمایا:۔ پہلے اسی طرح ہم بھی تھے۔ پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اور رونا بند ہو گیا۔ اور ادب اور پوشیدگی کے لحاظ سے تمکین کو قلب کی سختی کے ساتھ تعبیر کی۔ کیونکہ قلب ابتداء میں رقیق اور نرم ہوتا ہے۔ نصیحتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ اور احوال اس کو حرکت میں لاتے ہیں۔ پھر جب وہ برابر انہیں احوال کے ساتھ رہتا ہے تو مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور کسی چیز کا اثر قبول نہیں کرتا ہے۔ اور سخت ومضبوط پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ) ”اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر انہیں مضبوط اور اپنی جگہ پر جما ہوا خیال کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بادل کی طرح قیامت کے دن اڑیں گے“۔

اطاعت سے روگردانی اور خواہشات کی طرف میلان کرنے والے نفس کے دوعلاج

(تنبیہ) حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص کا نفس طاعتوں کی طرف سبقت کرنے کے لئے اس کا ساتھ نہ دے۔ اور ہمیشہ خواہشات کی طرف مائل ہو۔ تو اس کے علاج کے دوطریقے ہیں:۔

ایک طریقہ:۔ یہ ہے، کہ اسلام کی ہدایت، اور ایمان کی محبت عطا کرنے کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ تا کہ اس کا اسلام اور ایمان قائم اور محفوظ رہے۔

دوسرا طریقہ:۔ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے، عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ کہتا رہے۔ (یَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ) ''اے میرے رب مجھے سلامت اور محفوظ رکھ)۔

اور اگر ان دونوں طریقوں کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دے گا تو اس کے لئے بدبختی لازمی وضروری ہے۔ وباللہ التوفیق۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تم کو استقامت کا کمال عطا کردے۔ اور تم اپنی فوت شدہ طاعتوں کے لئے نادم ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، تو تمہارا انجام اللہ تعالیٰ تک جو تمہارا دوست اور تمہارے قریب ہے، پہنچنا، اور اس سے سرگوشی کرنا ہوگا۔ اور اس مقام میں پہنچنے کے بعد زبانیں، عبارت یعنی بیان سے عاجز ہو جاتی ہیں۔ اور اشارے ختم ہو جاتے ہیں۔ (یعنی وہاں جو حالت ہوتی ہے وہ نہ زبان سے بیان کی جا سکتی ہے، نہ اشارے سے سمجھائی جا سکتی ہے) جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

عارف کون ہے

مَا الْعَارِفُ مَنْ اِذَا اَشَارَ وَجَدَ الْحَقَّ اَقْرَبَ اِلَيْهِ مِنْ اِشَارَتِهٖ، بَلِ الْعَارِفُ مَنْ لَّا اِشَارَةَ لَهٗ لِفَنَائِهٖ فِيْ وُجُوْدِهٖ وَانْطِوَائِهٖ فِيْ شُهُوْدِهٖ

''عارف وہ شخص نہیں ہے کہ جب وہ اشارے کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اشارہ سے اپنی طرف زیادہ قریب پائے۔ بلکہ عارف وہ ہے جس کے لئے اشارہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں فنا اور اس کے مشاہدہ میں محو ہے''۔

میں کہتا ہوں: اشارہ، عبارت سے زیادہ لطیف اور پوشیدہ ہے۔ اور رمز، اشارہ سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ پس امور تین ہیں: عبارتیں۔ اشارے۔ رموز۔ اور ہر ایک اپنے پہلے سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ پس عبارت، واضح کرتی ہے۔ اور اشارہ، ظاہر کرتا ہے۔ اور رمز، محبوب حقیقی کے سامنے ہونے کے باعث فرحت بخشتا ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے:۔ ہمارا علم، سب کا سب اشارہ ہے۔ تو جب وہ بیان کی شکل اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا سرّ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جب زبان کی فصاحت بیانی کے سبب عبارت بن جاتا ہے، تو اس کا سرّ قلب پر نہیں ظاہر ہوتا ہے۔

پس صوفیائے کرام کے اشارے، ان کی غزلیات اور محبوب کے ساتھ ان کے اشارے وکنایے ہیں۔ جیسے کہ سلمیٰ اور لیلیٰ کا ذکر، اور شراب اور عیار، اور چالاک، ہمنشین وغیرہ الفاظ جن کا ذکر ان کے اشعار اور غزلیات میں ہیں اور جیسے کہ چاند، اور ستارے اور سورج اور بدر کامل، اور ظاہر ہونے والے، اور طلوع ہونے والے، کا ذکر، اور جیسے کہ سمندروں، دریاؤں اور ڈوبنے وغیرہ کا ذکر۔ جو ان کی اصطلاحوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

رموز:۔ وہ محبوب اور حبیب کے درمیان اسرار ہیں۔ جو ان کے سوا دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

انہیں اسرار میں سے قرآن مجید میں سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں۔

اور انہیں اسرار میں سے حدیث شریف میں جیسے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا کلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ: ''اُرِیْدُ اَنْ اَدْعُوْكَ لِاَمْرٍ، قَالَ وَمَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هُوَ ذَاكَ'' میں چاہتا ہوں: تم کو ایک کام کے لئے بلاؤں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا:۔ یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا:۔ وہ یہ ہے''۔

پس آپ ﷺ نے ایسے کام کے لئے رمز کیا، جو آپ ﷺ کے اور حضرت صدیق

درمیان ہے۔ اوران دوحضرات کے سوا کوئی اوراس کو سمجھ نہیں سکتا ہے۔ نیز حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:۔ (یَا اَبَابَکْرٍ اَتَعْلَمُ یَوْمَ یَوْمَ) ''لفظ یوم دومرتبہ (قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَاَلْتَنِیْ عَنْ یَوْمِ الْمَقَادِیْرِ) ''اے ابوبکر کیا تم اس دن کو جانتے ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ہاں یارسول اللہ! آپ نے مجھ سے مقداروں کے (اندازوں) دن کے بارے میں دریافت فرمایا ہے''۔ تو یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اوران کے دوست رسول اللہ ﷺ کے درمیان رموز ہیں۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے حزبِ کبیر کی شرح میں فرمایا ہے: حکما کے رموز میں عقلیں حیران ہوگئی ہیں تو علماء کرام کے رموز میں ان کا کیا حال ہوگا؟ پھر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے رموز میں ان کی حیرانی کتنی ہوگی؟ تو رب العالمین کی حقیقتیں سمجھنے کی خواہش وہ کس طرح کرتا ہے؟

اشارات:۔ تو صوفیائے کرام میں اہل اشارہ حضرات اس کو سمجھتے ہیں۔

اور اشارہ کو سمجھنے اور نہ سمجھنے کے لحاظ سے آدمیوں کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو صرف ظاہری عبارت کو دیکھتے ہیں۔ اور اس سے آگے کچھ نہیں سمجھتے ہیں اور وہ عام لوگوں میں سے جاہلین ہیں۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جو مقصود کو سمجھتے ہیں۔ اور اشارے کے بعد، یعنی اشارے کو سننے کے بعد حق کو پالیتے ہیں۔ اور وہ سائرین میں ابتداوالے ہیں۔

تیسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو اشارہ کو سمجھتے ہیں اور مشار الیہ یعنی حق تعالیٰ کو اپنے اشارہ سے اپنے زیادہ قریب پاتے ہیں اور وہ مرتبہ تمکین میں پہنچنے سے پہلے ذات میں فنا ہونے والے ہیں اور اسی لئے تم اس قسم کے لوگوں کو سماع کے وقت وجد میں آکر حرکت کرتے، اچھلتے، کودتے، ہوئے پاتے ہو اور ان کے اوقات خوشگوار ہوتے ہیں۔ اور جتنا وہ ذکر کے وقت وجد کی حالت میں ہوتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ان کی روحیں حیران و سرگرداں ہوتی ہیں۔ کیونکہ اشارہ عبارت سے زیادہ ہیجان و جوش میں لاتا ہے۔

اس کے برعکس متمکنین ہیں:۔ ان کے قدم جم چکے ہیں۔ ان کے قلوب مطمئن و پرسکون ہو چکے ہیں۔ ان کا وصال ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا وہ اشارہ اور اشارہ کرنے والے سے بے نیاز ہو گئے

ہیں۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا: اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ پہلے سماع میں حرکت کرتے، اور وجد میں آتے تھے۔ اور اب ہم آپ کو کسی چیز سے حرکت کرتے نہیں دیکھتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: (وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ) "تم پہاڑ کو دیکھ کر اسے جامد یعنی اپنی جگہ پر جما ہوا سمجھتے ہو حالانکہ وہ بادل کی طرح چلتا ہے"۔

اور یہی وہ عارف ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود مین فنا ہونے، اور اس کے مشاہدہ میں محو ہونے کی وجہ سے اشارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یا تم اس طرح کہو: اس کے وصال کے ثابت ہونے، اور مشاہدہ میں قائم ہونے کی وجہ سے، اس کو اشارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے وجود کے اس کے محبوب کے وجود میں فنا ہونے، اور اس کی ذات کے اس کے مشہود کی ذات میں محو ہونے کی وجہ سے مُشیر (اشارہ کرنے والا) خود مشارٌ الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) ہو گیا ہے۔

اور وحدت الوجود کیا چیز ہے جس کی حضرت مجددؒ نے زبردست نفی کی ہے؟

یا اس طرح کہو: اس کے وہم کے زائل ہونے، اور اس کے علم کے ثابت ہونے کے باعث اس کو اشارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وحدت ثابت ہو گئی، اور غیریت ختم ہو چکی ہے:

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمَرُ فَتَشَابَهَا وَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ

شیشہ کا پیالہ بھی لطیف ہے اور شراب بھی لطیف ہے۔ پس دونوں ایسا مشابہ ہو گئے کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔

فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدْحٌ وَكَاَنَّمَا قَدْحٌ وَلَا خَمْرٌ

تو گویا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں ہے۔ اور گویا کہ پیالہ ہے اور شراب نہیں ہے

تو پیالہ سے مراد جسم، اور شراب سے مراد روح ہے۔

یا تم اس طرح کہو: اس کی حس کے ختم ہو جانے، اور اس کے نشان کے مٹ جانے کی بناء پر ایسی حالت ہے۔ پس برتن ٹوٹ گیا یعنی ظاہر ختم ہو گیا، اور باطن ظاہر ہو گیا۔

وَطَاحَ مَقَامِیُ فِیُ الرَّوَاسِمِ کُلُّھَا ۔ فَلَسْتُ اَرٰی فِیُ الْوَقْتِ قُرْبًا وَّلَا بُعْدًا

اور میرا مقام کل کا کل، نشانیوں میں گم ہو گیا۔ تو میں اس وقت نہ قرب دیکھتا ہوں نہ بعد۔

فَنَیْتُ بِہٖ عَنِّیُ فَبَانَ بِہٖ غَیْبِیُ ۔ فَھٰذَا ظُھُوْرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَا قَصْدًا

میں اس کے ساتھ اپنے وجود سے فنا ہو گیا۔ تو میرا غائب ہونا اس کے ساتھ ظاہر ہوا۔ تو یہ حق تعالیٰ کا ظاہر ہونا ہے، جو قصد وارادہ سے فنا ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

اَحَاطَ بِنَا التَّعْظِیُمِ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۔ وَعَادَتْ صِفَاتُ الْحَقِّ مِمَّا یَلِیُ الْعَبْدَا

تعظیم نے ہر طرف سے ہمیں گھیر لیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی صفات بندے کی صفات ہو گئیں۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے افعال کو اپنے افعال کے ساتھ، اور ان کی صفات کو اپنی صفات کے ساتھ، اور ان کی ذات کو اپنی ذات کے ساتھ فنا کر دیا ہے۔ اور اپنے اسرار میں سے ایسے اسرار کا ان کو حامل بنایا ہے، جس کے تحمل سے اولیاء بھی عاجز ہیں۔

حضرت شیخ ابن مشیش قطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ (اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے ہم کو فیضیاب کرے)

محبت کی شراب نے صفات کو صفات کے ساتھ، اخلاق کو اخلاق کے ساتھ، انوار کو انوار کے ساتھ، اسموں کو اسموں کے ساتھ، تعریفوں کو تعریفوں کے ساتھ، اور افعال کو افعال کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور ملانے سے مراد شراب کی مناسبت سے تغیر و تبدیلی ہے۔

عارف کے وصف میں حضرت جنیدؒ کا فرمودہ

امامِ طریقت ابو القاسم حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے عارف کے وصف میں بیان فرمایا ہے:۔

عارف:۔ ایسا بندہ ہے جو اپنے نفس سے دور رہنے والا، اپنے ربّ کے ذکر میں ہمیشہ مشغول، اس کا حق ادا کرنے میں قائم، اپنے قلب سے اسی کی طرف دیکھنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے انوار نے اس کے قلب کو جلا دیا ہو۔ اور اس کی محبت کے جام سے صاف شراب اس نے پی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پردہ غیب سے اس کے سامنے تجلی کی ہو۔ تو اگر وہ بات کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ،

اور اگر وہ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور اگر وہ حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، اور اگر سکون اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی معیت میں، پس وہ اللہ کے ساتھ، اور اللہ کیلئے، اور اللہ کی معیت میں، اور اللہ کی طرف سے، اور اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

پس راسخ و متمکن حقیقی عارف کی یہ صفات ہیں:۔ اس کی زبان بیان سے عاجز ہوتی ہے۔ اور وہ اشارہ اور اشارہ کرنے والے سے بے نیاز ہوتا ہے تو جب اس سے کوئی اشارہ یا بیان صادر ہوتا ہے تو وہ کسی وجد کے فیضان، یا کسی فقیر کی ہدایت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اور متمکنین سے جو اشارے صادر ہوئے ہیں وہ اسی پر محمول کئے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت شیخ العباس رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:۔

اَعِنْدَكَ عَنْ لَيْلیٰ حَدِيْثٌ مُّحَرَّرٌ   بِاِيْرَادِهٖ يُحْيِ الرَّمِيْمَ وَ يَنْشُرُ؟

کیا تمہارے پاس لیلیٰ کی کوئی لکھی ہوئی بات ہے جو اپنے بیان کرنے کے ساتھ بوسیدہ ہڈی کو زندہ کر دیتی اور اٹھاتی ہے؟

فَعَهْدِیْ بِهَا الْعَهْدُ الْقَدِيْمُ وَاِنَّنِیْ   عَلیٰ كُلِّ حَالٍ فِیْ هَوَاهَا مُقَصِّرُ

پس میرا عہد اس کے ساتھ پرانا عہد ہے اور بے شک میں ہر حال میں اس کی محبت میں کوتاہی کرنے والا ہوں۔

وَقَدْ كَانَ الطَّيْفُ قِدْمًا يَزُوْرُنِیْ   وَلَمَّا يَزُرْ مَا بَالَهٗ يَتَعَذَّرُ؟

اور نیند میں اس کا خیال بہت زمانے سے میری زیارت کرتا تھا یعنی نیند میں برابر اس کا خیال آتا تھا۔ اور جب اس کا خیال میری زیارت کرتا تھا تو کیا اس کے حال میں دشواری ہوتی تھی؟

وَهَلْ بَخِلَتْ حَتّیٰ بِطَيْفِ خِيَالِهَا   اَمْ اعْتَلَّ حَتّیٰ لَا يَصِحَّ التَّصَوُّرُ؟

اور اب کیا وہ بخیل ہو گئی اتنا کہ نیند میں اس کا خیال بھی نہیں آتا یا مجبور ہوئی اتنا کہ تصور بھی درست نہیں ہوتا ہے۔

وَمِنْ وَجْهِ لَيْلیٰ طَلْعَةُ الشَّمْسِ تَسْتَضِیْ   وَفِی الشَّمْسِ اَبْصَارُ الْوَرٰی يَتَحَيَّرُ

اور لیلیٰ کے چہرے سے آفتاب روشنی حاصل کرتا ہے اور آفتاب میں مخلوق کی آنکھیں چندھیا جاتی

ہیں۔

وَمَا احْتَجَبَتْ اِلَّا بِرَفْعِ حِجَابِهَا وَمِنْ عَجَبٍ اَنَّ الظُّهُوْرَ تَسَتُّرٗ

اور وہ پوشیدہ نہیں ہوئی مگر حجاب کے اٹھ جانے کی وجہ سے اور تعجب یہ ہے کہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونا ہے۔

ایسے ہی میں نے شیخ کی تحریر میں پایا ہے اور وہ اکثر اشعار میں لیلیٰ کی مثال بیان کرتے تھے۔ مصنف ؒ نے اس کو اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان فرمایا ہے۔

پس حضرت مصنف ؒ کا قول ''عارف وہ نہیں ہے آخر تک'' یعنی عارف کامل، راسخ متمکن وہ نہیں ہے جو اشارے کا محتاج ہو۔

لیکن سائر:۔ تو وہ اشارے کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اشارہ سے یا اشارہ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف زیادہ قریب پاتا ہے۔ اور اشارہ:۔ اس کے لئے مدد اور اس کی غذا ہے۔ جیسا کہ عبارت:۔ متوجہین کے لئے مدد اور غذا ہے۔

اور عنقریب وہ عبارت آئے گی جو محتاج سننے والوں کے لئے غذا ہے۔ اور جتنا تم کھا سکتے یعنی برداشت کر سکتے ہو اتنا ہی تمہارا حصہ ہے۔

اور مصنف ؒ کا قول ''جب اشارہ کیا۔ یا کرے'' یعنی ''اس کے لئے اشارہ کیا گیا یا اشارہ کیا جائے''۔

اور مصنف ؒ کا قول۔ ''بلکہ عارف وہ ہے جس کے لئے اشارے کی حاجت نہیں ہے'' یعنی وہ اپنی ذات کے لئے اشارے کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن دوسرے کے لئے کبھی اس کو اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور عارف کامل اشارہ سے اس لئے بے نیاز ہے۔ کہ اشارہ اور عبارت بھوکے کی غذا ہے۔ اور وہ آسودہ اور بے نیاز ہو چکا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اس لئے کہ اشارے کا تقاضا جدائی اور دوری ہے۔ اور وہ جمع کر لیا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس کی طرف اشارہ زیادہ کیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہے۔

حضرت ابن عریف نے اس کی صفات میں بیان فرمایا ہے:۔ اشارہ:۔ بعد یعنی دوری کا اعلان ہے۔اور عین مرض کی وضاحت ہے۔اور عین مرض دوری اور جدائی ہے۔

حضرت روز بادی نے فرمایا ہے:۔ اشارہ:۔ ان احوال سے جدا ہونا ہے جن کو وجد شامل ہے۔اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔اور فی الحقیقت اشارہ کے ساتھ علتیں ہوتی ہیں۔اور علتیں حقیقتوں سے دور ہوتی ہیں۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ ہر اشارہ جس کے ذریعہ اشارہ کیا جائے جدائی اور دوری ہے۔ان کے اس قول کی دلیل سے ''یہاںتک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اشارہ کریں''۔ اور اشارہ و مشیر سے اللہ تعالیٰ کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اس کی طرف طریقہ کی نفی کی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور احتمال یہ ہے کہ مصنفؒ نے اشارہ سے مراد قلب یا فکر کا اشارہ وجود کی طرف لیا ہو۔کیونکہ قلب جب موجود کی طرف کلی طور پر اشارہ کرتا ہے۔تو فنا ہو جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے لئے اپنے اشارہ سے زیادہ قریب پاتا ہے۔یعنی وہ اپنے اشارہ سے پہلے ہی فنا ہو چکا ہے۔اور یہ سائرین کا حال ہے۔

لیکن واصل:۔ تو وہ اس کی مخلوق کے لئے اشارہ کا محتاج نہیں ہے۔کیونکہ اس کی فنا ثابت ہو چکی ہے۔اور اس کا وجود اس کے محبوب کے وجود میں گم ہو گیا ہے۔تو اس کو اس کے حال کے قائم اور مقام کے ثابت ہونے کی وجہ سے اشارہ کی حاجت نہیں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

فنا کیا ہے؟

حضرت ابوسعید بن اعرابی سے فنا کے بارے میں دریافت کیا گیا۔تو انہوں نے فرمایا:۔ فنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال بندے پر ظاہر ہو۔اور وہ اس کو دنیا،اور آخرت،اور احوال،اور درجات،اور مقامات،اور اذکار بھلا دے۔اس کو ہر شے سے،اور اس کی عقل،اور اس کے نفس،اور اشیاء سے اس کی فناء،اور فنا سے اس کی فنا سے فنا کر دے۔اس لئے کہ وہ اس کی تعظیم میں غرق ہوتا ہے۔

چونکہ بندے سے مطلوب عبودیت کے وظیفوں کے ساتھ قائم رہنا، اور ربوبیت کی عظمت کی معرفت ہے۔قلوب نے اس کے حاصل کرنے کا شوق کیا۔اور اس کے پانے کے لئے حرص کی۔اور اس کے لئے اپنی تمناؤں تک پہنچنے کی امید قائم کی۔پس حضرت مصنفؒ نے رجاء صادق (سچی امید) اور امنیہ (جھوٹی تمنا) کی علامت بیان فرمائی:

رجاء کیا ہے؟

"اَلرِّجَاءُ مَا قَارَنَهُ عَمَلٌ وَإِلَّا فَهُوَ اُمْنِيَّةٌ"

"رجا وہ ہے۔جس کے ساتھ عمل ہو۔ورنہ وہ امنیہ (جھوٹی تمنا) ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے:۔ رجا:۔ ایسی طمع کی جانے والی چیز سے قلب کا تعلق ہے جو آئندہ حاصل ہونے والی ہے۔اس عمل کے انجام دینے کے ساتھ، جس کے صلہ میں وہ چیز حاصل ہونے والی ہے۔اور اسی مفہوم کے قریب وہ طمع ہے، جس کے ساتھ وہ عمل ہو، جو طمع کی جانے والی چیز کے حاصل ہونے کا سبب ہو۔

امنیہ:۔ وہ خواہش اور تمنا ہے، جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔پس اگر وہ تمنا قطعی اور یقینی ارادہ کے ساتھ ہو، تو وہ تدبیر ہے۔اور وہ بہت ہی برا ہے۔اس کو حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں: جس شخص نے یہ امید کی کہ وہ ظاہری نعمت جیسے حور و قصور کو حاصل کرے تو اس پر کوشش، اور طاعت اور نفل نیکیوں کی طرف دوڑنا واجب ہے۔

عمل کے بغیر جنت کی طلب ایک طرح کا گناہ ہے

حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ بغیر عمل کے جنت طلب کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔اور بغیر سبب اور ذریعہ کے شفاعت کی امید کرنا دھوکا کی ایک قسم ہے۔اور بغیر طاعت کے رحمت کی امید کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

بیان کیا گیا ہے: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ گناہ کے اصرار کے ساتھ امید درست ہے تو اسی طرح اس کو یہ گمان رکھنا چاہیے کہ محتاجی کے ساتھ نفع، اور سمندر سے آگ کا بھڑکنا درست ہے۔

پس جو شخص علوم کے حاصل ہونے ، اور سمجھ کے خزانوں کے کھلنے کی امید کرتا ہو۔ تو اس کے لئے پڑھنا پڑھانا ، اور محقق اور عالم اہل علم کی مجلس میں بیٹھنا ، اور اس کے ساتھ تقویٰ اور ورع سے اپنے کو آراستہ کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ) ''اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو علم عطا کرے۔ تو اگر یہ کیا تو وہ سچا طالب ہے اور اپنی امید تک پہنچے گا ورنہ وہ جھوٹا ہے۔ اور جاہل باقی رہے گا۔

بعض محققین نے فرمایا ہے:۔ جو شخص پورے طور پر اپنے کو علم کے حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے وہ علم کو پورے طور پر حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو پورے طور پر اپنے کو علم کے حاصل کرنے میں نہیں لگاتا وہ نہ پورا علم حاصل کر سکتا ہے نہ تھوڑا۔

حدیث شریف میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے۔

''اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ ، وَاِنَّمَا الْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ، مَنْ يَّطْلُبُ الْخَيْرَ يُؤْتَهُ، وَمَنْ يَّتَقِ الشَّرَّ يُوْقَهُ''

''علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور حلم برداشت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص نیکی طلب کرتا ہے، اس کو نیکی دی جاتی ہے اور جو برائی سے بچتا ہے اس کو بچایا جاتا ہے۔'' اور تقویٰ سے ایسی سمجھ پیدا ہوتی ہے جو اصول کے موافق ہوتی ہے اور سینوں کو کھول دیتی ہے، اور عقل کو وسیع کرتی ہے۔

اور جو شخص مقامات کو پانے ، اور منزلوں میں ثابت ہونے ، اور محبین کے وجد ، اور عارفین کے ذوق کی امید کرتا ہو تو اس کے لئے ایسے مردوں کی صحبت میں جو اہل سرّ و حال ہوں ، سر کو جھکانا ، اور نفس کو ہلاک کرنا ، اور وہ لوگ جن اعمال کے بجالانے کی ہدایت اس کو دیں ، ان کو ذلت و محتاجی ، اور عاجزی و انکساری کے ساتھ بجالانا واجب ہے۔

پھر اگر اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو نہ پائے گا۔ تو اس کو اپنی طلب میں سچائی پیدا کرنی چاہیے۔ جب اس کی طلب سچی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو مکمل خوش کر دے گا۔ اور

اپنے وقتوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مستغرق رکھنا چاہیے۔ اور خاموشی اور عزلت کو اپنے اوپر لازم کرنا چاہیے اور اپنا گمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اس کے بندوں کے ساتھ نیک رکھنا چاہیے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی دستگیری کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنْکُمْ)

''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں بھلائی معلوم کرے گا۔ تو تم کو اس سے زیادہ بھلائی عطا کرے گا۔ جو تم سے لی گئی ہے''۔

قواعد میں فرمایا ہے:۔ کسی چیز کی طلب کا قاعدہ یہ ہے اس کی طرف توجہ اور ارادہ کرنے سے اس کا حاصل کرنا زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صوفیائے کرام کے علوم کی حقیقتیں عطیہ الٰہی اور خاص بخششیں ہیں۔ عادتاً طلب کرنے والے کو نہیں عطا کی جاتی ہیں۔

کسود کار کا قاعدہ

پس اس کے قاعدہ اور طریقہ کی رعایت لازمی اور ضروری ہے۔ اور وہ تین ہیں۔

اول: جو علم اسے حاصل ہے۔ اپنے امکان کے موافق اس پر عمل کرنا۔

دوم: ہمت کے موافق اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لینا۔

سوم: سنت کی اصل کی طرف رجوع ہونے کے وقت حقیقتوں میں غور کرنا۔ تاکہ سمجھ جاری ہو جائے، اور غلطی دور ہو جائے، اور علم و سمجھ کے دروازے کا کھلنا آسان ہو جائے۔

ہم نے تصوف کس طرح حاصل کیا حضرت جنیدؒ

حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: ہم نے تصوف قیل وقال، بحث و تکرار سے حاصل نہیں کیا بلکہ درحقیقت ہم نے اس کو فاقہ سے، بیداری سے، اور اعمال کی پابندی سے حاصل کیا ہے۔ یا جس طرح فرمایا ہو۔

حدیث شریف میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے:

(مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ)

''جوشخص اپنے علم پرعمل کرتا ہے جواس کو حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے علم کا وارث بناتا ہے جواس کو معلوم نہیں ہے''۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب نفوس گناہوں کے ترک پر یقین کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں سیر کرتے ہیں اور اس کے مالک کی طرف عجیب و غریب علوم کے ساتھ رجوع کرتے ہیں اس کے بغیر کہ کوئی عالم ان کو علم سکھائے۔

پس جوشخص ان مذکورہ امور کے پانے کی امید کرتا ہے اور ان کے اسباب اور بنیادی اصول کے حاصل کرنے کی ابتداء کرتا ہے تو یہ اس کے مقصد کی کامیابی کی علامت ہے۔اور اس کی امید سچی ہے۔

وصل یار آرزو کی بات نہیں

اور جوشخص ان امور کی ان کے حاصل کرنے کے اسباب میں کوشش اختیار کئے بغیر خواہش کرتا ہے تو یہ صرف تمنا یعنی دھوکا وحماقت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اے اللہ کے بندو! ان تمناؤں سے بچو۔ کیونکہ یہ احمقوں کے جنگل ہیں۔جن میں وہ لذت اور شیرینی محسوس کرتے ہیں۔لیکن اللہ کی قسم، کسی بندے نے تمناؤں کے ذریعے دنیا وآخرت میں کوئی بھلائی نہیں پائی۔

اور چونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ جوشخص کسی چیز کی امید کرتا،اور اکثر اس کی خواہش کرتا ہے تو وہ اس کو طلب کرتا ہے۔لہذا حضرت مصنفؒ نے بندے کو جو کچھ امید اور طلب کرنی چاہیے۔اس میں افضل اور بہتر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ عارفین سے کیا چاہتے ہیں؟

مَطْلَبُ الْعَارِفِيْنَ مِنَ اللهِ تَعَالٰى اَلصِّدْقُ فِي الْعُبُوْدِيَّةِ ، وَالْقِيَامُ بِحُقُوْقِ الرَّبُوْبِيَّةِ

''اللہ تعالیٰ سے عارفین کا مطلوب ومقصود، بندگی میں سچائی اور ربوبیت کے حقوق کے ساتھ قائم ہونا ہے''۔

میں کہتا ہوں: عارفوں کا مطلوب ومقصود، بندگی میں سچائی کا ثابت ہونا ہے۔اس حیثیت

سے کہ ان میں دنیا اور نفس کا کچھ شائبہ باقی نہ رہے اس لئے کہ مکاتب (تحریر شدہ آزاد) ایسے غلام کو کہتے ہیں جس کے ذمہ ایک درم بھی باقی نہ ہو۔ تو جب تک بندہ اپنے کو گھیرنے والی چیزوں (دنیاوی فوائد) میں گرفتار ہے اور اپنی ذات کے بت خانہ میں گھرا ہوا ہے اس سے فوائد جدا نہیں ہوتے خواہ وہ فوائد دنیاوی ہوں یا اخروی۔ پس اس وقت تک اس کی بندگی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر اپنے فوائد اور خواہشات کی بندگی قائم ہے تو وہ اس کی بندگی میں سچا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے نفس کے فائدے کا غلام ہے۔ تو جب وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو اس کے فوائد اور خواہشات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ پس اس کی بندگی متفق یعنی درست نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ مخلوقات سے آزاد ہو جائے۔ اور اہل عرفان میں سے آزاد لوگوں کے مقام پر ثابت قدمی اور مضبوطی سے جم جائے تو اس وقت وہ مکمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور اس کے ماسوا سے آزاد ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلاً فِيْهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُوْنَ) اَیْ مُتَخَاصِمُوْنَ (وَرَجُلًا سَلَماً لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً)

اللہ تعالیٰ ایک ایسے غلام کی مثال بیان کرتا ہے۔ جس کے مالک ہونے میں کئی مختلف مزاج اشخاص شریک ہیں اور اس غلام کے بارے میں ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ اور ایک ایسے غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو مکمل صرف ایک شخص کا غلام ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں۔ یعنی یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ایک آقا کا خالص اور مکمل غلام، مشترک غلام سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا، زیادہ عزیز، اور زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مسلم اور خالص بندہ اپنے مولائے حقیقی کی محبت سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا ہے۔

بندۂ دینار و درہم تباہ ہوا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تَعِسَ) اَیْ خَابَ وَ خَسِرَ: (عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْخَمِيْصَةِ، اِذَا اُعْطِىَ رَضِىَ، وَاِذَا لَمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ)

’’دینار اور درم، اور کھانے کپڑے کا بندہ ناکام اور تباہ ہوا۔ جب اس کو عطا کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جب نہیں عطا کیا جاتا ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ وہ تباہ ہوا۔ اور اوندھے منہ گرا۔ اور جب اس کو کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہیں نکالتا ہے‘‘۔ یعنی جب اس کو کوئی کانٹا چبھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نہ نکالے گا۔ اور یہ اس شخص کے لئے بددعا ہے۔ جو اپنی خواہشات پر اوندھے منہ گر کر فائدہ اٹھاتا، اور اس سے نہ نکلتا ہو۔

طالب حور و قصور اور طالب مولا میں بڑا فرق ہے

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اس شخص کے درمیان جو حور و قصور چاہتا ہے اور اس شخص کے درمیان جو اللہ تعالیٰ کا حضور، اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے حجاب دور کرنا چاہتا ہے، بہت بڑا فرق ہے۔

اس بناء پر عارفین کا مقصود و مطلوب اپنی خواہشات کی غلامی سے آزاد ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی بندگی میں ثابت و قائم ہونا ہے۔ اور ادب و تعظیم کے ساتھ ربوبیت کے حقوق کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ جب تک ربوبیت کے حقوق کے ساتھ قائم ہونا حاصل نہ ہو۔ بندگی میں سچائی ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ نفس جب اپنے فوائد چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ تو روح زندہ ہوتی ہے۔ اور روح جب زندہ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو پہچانتی ہے۔ اور جب پہچانتی ہے تو یقین کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال کی ہیبت کے سامنے جھک جاتی ہے۔ اور یہی ربوبیت کے حقوق کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ اور یہی عارفین کی مراد، اور سائرین کا مقصود، اور مریدین و طالبین کا نصب العین ہے۔

عارف کی مراد

بعض عارفین سے دریافت کیا گیا: عارف کی مراد کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: جو اس کے معروف یعنی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ یعنی عارف اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا کوئی ارادہ نہیں کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے سوا کچھ تمنا نہیں کرتا ہے۔ بعض عارفین سے پوچھا گیا: آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

پس اس طریقے سے عارف کے لئے اس کی فنا ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کی فنا ثابت ہونے کے ساتھ اس کی بقاء ثابت ہوتی ہے۔ کسی عارف کا شعر ہے:

لَوْ قِيلَ مَا تَمَنّٰى وَالْعَبْدُ يُعْطٰى مَنَاهُ ۔۔۔ لَقُلْتُ مُنْيَةُ قَلْبِىْ فِىْ بَقَاهُ

اگر مجھ سے پوچھا جائے: تمہاری تمنا کیا ہے۔ اور یہ یقین ہو کہ بندے کی تمنا پوری کی جائے گی تو میں کہوں گا میرے دل کی تمنا اس کا باقی رہنا ہے۔ یعنی اس کا اپنے مولائے حقیقی کے ارادہ کے ساتھ باقی رہنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وصال کی خوشبو

پس جب بندہ اللہ تعالیٰ سے وہی چیز طلب کرتا ہے، جس چیز کا طالب اس سے اللہ تعالیٰ ہے، یعنی طاعت کے کمال کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ، اس کے ظاہر کی استقامت، اور گزری ہوئی غفلتوں پر افسوس، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اس کے باطن کی استقامت، اور اس کے مشاہدہ میں فنا ہونا، تو اس کا ظاہر بندگی کے وظیفوں کے ساتھ قائم، اور اس کا باطن ربوبیت کے حقوق میں ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر جب بندہ، مطلوب کی قبولیت، اور تمنا و مرغوب کے حاصل ہونے کو محسوس کرتا ہے، تو اس کا قلب خوش ہوتا ہے، اور اس کی روح تازہ ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اقبال (سامنے ہونے) کی نسیم (ہلکی و خوشگوار ہوا) اور وصال کی خوشبو کو سونگھتا ہے۔ تو اس کے اوپر بسط کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور اکثر اوقات بسط اس کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے روک دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بسط کی حالت سے نکال کر قبض کی حالت میں کر دیتا ہے۔ پھر اس کو ان دونوں حالتوں (بسط و قبض) سے نکال کر اپنی طرف کوچ کراتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

بَسَطَكَ كَىْ لَا يُبْقِيَكَ مَعَ الْقَبْضِ، وَقَبَضَكَ كَىْ لَا يَتْرُكَكَ مَعَ الْبَسْطِ، وَ اَخْرَجَكَ عَنْهُمَا كَىْ لَا تَكُوْنَ لِشَىْءٍ دُوْنَهٗ۔

"اللہ تعالیٰ تم کو بسط کی حالت میں کرتا ہے۔ تا کہ وہ تم کو قبض کی حالت میں باقی نہ رکھے۔ اور تم کو قبض کی حالت میں کرتا ہے تا کہ تم کو بسط کی حالت میں نہ چھوڑے۔ اور پھر تم کو ان دونوں

حالتوں سے نکالتا ہے۔ تاکہ تم اس کے سوا کسی شئے کے لئے نہ رہو۔

بسط

میں کہتا ہوں: بسط:۔ وہ خوشی کی حالت ہے جو قلوب اور ارواح پر طاری ہوتی ہے یا محبوب حقیقی کے مشاہدہ کے قرب کے سبب، یا اس کے جمال کے سبب، یا اس کے کمال کے اوصاف سے حجاب کے اٹھنے، اور ان کے سامنے اس کی ذات کی تجلی کے سبب، یا بغیر سبب کے۔

قبض

قبض:۔ وہ غم اور تنگی کی حالت ہے، جو قلب پر طاری ہوتی ہے۔ یا پسندیدہ چیزوں کے فوت ہونے کے سبب، یا مطلوب کے حاصل نہ ہونے کے سبب، یا بغیر کسی سبب کے۔ اور یہ دونوں حالتیں آگے پیچھے، رات اور دن کے آگے پیچھے آنے کی طرح سالک کے اوپر آتی ہیں۔

پس عوام:۔ جب ان کے اوپر خوف غالب ہوتا ہے تو وہ غمگین اور تنگ دل ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے اوپر امید غالب ہوتی ہے تو وہ خوش دل ہوتے ہیں۔

اور خواص: جب اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اپنے جمال کی صفت کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو ان کے قلب کو بسط وفرحت ہوتی ہے اور جب ان کے سامنے اپنے جلال کی صفت کے ساتھ تجلی کرتا ہے۔ تو ان کے قلب کو قبض اور تنگی ہوتی ہے۔

اور خواص الخواص:۔ تو ان کے نزدیک جلال اور جمال دونوں برابر ہیں۔ پس واردات کے احوال ان کے اندر کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور اس کے سوا کسی شی کے لئے نہیں ہیں۔ پس عوام اور خواص کے مالک احوال ہیں۔ اور وہ احوال کے قبضے میں ہیں۔ اور خواص الخواص: احوال کے مالک ہیں اور احوال ان کے قبضے میں ہیں۔

پس اے سالک! تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے۔ کہ تم کو اغیار سے نکالا اور تم کو اسرار کے حضور میں پہنچایا۔ پس جب تم کو قبض لاحق ہوتا ہے۔ اور تمہارے اوپر خوف غالب ہوتا ہے۔ اور تم اس کے قہر وغلبہ کے نیچے سکونت رکھتے ہو۔ اور اس کے حکم کے ساتھ مانوس ہو جاتے ہو۔

تو تم کو قبض کی حالت سے نکال کر بسط کی حالت میں پہنچاتا ہے۔ تا کہ تمہارا قلب جل نہ جائے۔ اور تمہارا جسم پگھل نہ جائے۔ پھر جب بسط تم کو روک لیتا ہے۔ اور تم اس سے خوش ہوتے ہو۔ اور اس کے جمال کے ساتھ مانوس ہو جاتے ہو۔ تو تمہارے اوپر قبض کی حالت طاری کرتا ہے۔ تا کہ تم کو بسط کے ساتھ نہ چھوڑ دے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم بے ادبی میں مبتلا ہو جاؤ اور غضب اور تباہی کی طرف چلے جاؤ اس لئے کہ بسط کی حالت میں ادب کے ساتھ بہت کم لوگ ٹھیرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے جلال اور جمال کے مشاہدہ کے درمیان تم کو سیر کراتا ہے۔ تو جب تم اس کے جلال کے وصف کے نشان کا مشاہدہ کرتے ہو، تو قبض اور تنگ دلی کی حالت میں ہوتے ہو۔ اور جب اس کے جمال کے وصف کے اثر کا مشاہدہ کرتے ہو، تو بسط اور فرحت کی حالت میں ہوتے ہو۔ پھر وہ تمہارے لئے دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور تمہارے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیتا ہے۔ تو تم اس کی ذات کے کمال، اور صفات کے مشاہدہ میں پاک ہو جاتے ہو۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدہ کے سبب تم جلال اور جمال کے اثر سے غائب ہو جاتے ہو۔ تو نہ اس کا جلال تم کو اس کے جمال سے حجاب میں کرتا ہے۔ نہ اس کا جمال تم کو اس کے جلال سے حجاب میں کرتا ہے۔ نہ اس کی ذات تم کو اس کی صفات سے روکتی ہے۔ نہ اس کی صفات تم کو اس کی ذات سے روکتی ہے۔ تم اس کے جمال کا مشاہدہ اس کے جلال میں کرتے ہو۔ اور اس کے جلال کا مشاہدہ اس کے جمال میں کرتے ہو۔ اور اس کی ذات کا مشاہدہ اس کی صفات میں، اور اس کی صفات کا مشاہدہ اس کی ذات میں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جلال اور جمال کے مشاہدہ کے اثر سے تم کو اس لئے نکالا ہے تا کہ تم ہر حال میں اللہ کے بندے ہو جاؤ اور اس نے تم کو ہر شئی سے اس لئے نکالا ہے تا کہ تم ہر شئی سے آزاد ہو جاؤ۔ اور ہر شئی میں اسی کے بندے رہو۔ ایک عارف کے اشعار ہیں۔

حَرَامٌ عَلٰی مَنْ وَحَّدَ اللّٰہُ رَبَّہٗ وَاَفْرَدَہٗ اَنْ تَحْتَذِیَ اَحَدًا رِفْدًا

جس شخص نے اپنے رب اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین کیا اور اس کو یکتا مانا اس کے اوپر حرام ہے کہ کسی کو اس کے مثل بڑا سمجھے۔

فَیَا صَاحِبِیْ قِفْ بِیْ عَلَی الْحَقِّ وَقْفَۃً اَمُوْتُ بِھَا وَجْدًا وَ اَحْیَابِھَا وَجْدًا

پس اے میرے ساتھی میرے ساتھ اللہ تعالیٰ پر پوری طرح ٹھیر جا۔ (یعنی) ہر شے سے منقطع ہو کر

اس کے لئے خالص ہو جا) جس کے ساتھ میں وجد کی حالت میں مرتا اور جیتا ہوں۔

وَقُلْ لِمُلُوْكِ الْاَرْضِ تَجْهَدُ جَهْدَهَا فَذَا لْمَلِكُ مَلِكٌ لَا يُبَاحُ وَلَا يُهْدَا

''اور زمین کے سب بادشاہوں سے کہہ دو: وہ اپنی پوری کوشش کر ڈالیں پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی برابری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ایسا بادشاہ ہے جو نہ ظاہر ہوتا ہے نہ اس کا پتہ ونشان بتایا جا سکتا ہے''۔

حضرت فارس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: پہلے قبض ہوتا ہے پھر اس کے بعد بسط ہوتا ہے۔ پھر نہ قبض ہوتا ہے نہ بسط۔ کیونکہ قبض اور بسط وجود میں ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن فنا اور بقاء کے ساتھ وہ ظاہر نہیں ہوتے ہیں۔ اور تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قبض اور بسط دونوں کے لئے آداب ہیں۔ پس جب کوئی شخص ان دونوں میں بے ادبی کرتا ہے۔ تو اس کو بارگاہ کی حضوری سے دروازے کی طرف ہٹا دیا جاتا ہے یا جانوروں کی سیاست کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

قبض کے آداب

پس قبض کے آداب: اطمینان، اور وقار، اور قضاوقدر کے احکام کے ماتحت سکون یعنی رضا و تسلیم، اور اللہ واحد قہار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس لئے کہ قبض رات کے مشابہ ہے۔ اور بسط دن کے مشابہ ہے۔ اور رات کی شان: نیند، اور سکون وآرام ہے۔

پس اے مرید! صبر کرو۔ اور قبض کی رات کی تاریکی میں سکون اختیار کرو۔ یہاں تک کہ بسط کے دن کا آفتاب تمہارے اوپر روشن ہو جائے۔ کیونکہ رات کے بعد دن کا آنا لازمی ہے اور دن کے بعد رات کا آنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ) ''اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے''۔

یہ اس قبض کے آداب ہیں جس کا سبب نہ معلوم ہو۔ لیکن اگر قبض کا سبب تم کو معلوم ہو، تو تم اس میں مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرو۔ اور اللہ کریم ووہاب کی بارگاہ میں پناہ لو۔ کیونکہ، کیا اس نے تمہیں اچھے حال کے سوا کبھی برے حال میں رکھا؟ اور کیا تمہارے پاس احسان کے سوا کچھ اور بھیجا؟

پس وہ ذات پاک، جس کی طرف سے تمہارے پاس قضا وقدر کے احکام آئے ہیں وہی ہے

جس نے تم کو اختیار و ارادہ کی خوبی عطا کی ہے۔ تو جس ذات سبحانہ، وتعالیٰ نے مرض نازل کیا ہے، اسی کے قبضہ قدرت میں شفاء ہے۔

اے اپنے نفس کی فکر میں مبتلا ہونے والے! اگر تم اپنا مرض اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے، تو تم کو آرام مل جاتا۔ کیونکہ قلب کو جو رنج و غم پہنچتا ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ تم نے اس کو مشاہدہ و عیاں سے باز رکھا ہے۔

قبض کیوں طاری ہوتی ہے

حاصل یہ ہے: کہ قبض کا سبب: اللہ تعالیٰ سے غفلت، اور ماسویٰ کی طرف دیکھنا ہے۔ لیکن اہل صفا و خلوص: تو وہ صفا و خلوص کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ اسی لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ہے:۔

مَنْ اَصَابَهُ هَمٌّ اَوْ غَمٌّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُ اَللّٰهُ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً ، فَاِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُ هَمَّهُ وَ غَمَّهُ

غمزدہ کیا پڑھے؟

''جس شخص کو کوئی فکر یا غم پہنچے۔ تو اس کو کہنا چاہیے:۔ ''اَللّٰهُ اَللّٰهُ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً''۔ اللہ اللہ میں اس کے ساتھ کسی شی کو شریک نہیں کرتا ہوں''۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی فکر اور غم کو دور کر دے گا''۔ یا جس طرح فرمایا ہو علیہ الصلوۃ والسلام۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

پس غور کرو۔ کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقبوض (جس کو قبض لاحق ہو) کو کس طرح دوا کی طرف رہنمائی کی یعنی دوا بتائی۔ اور وہ توحید کا مشاہدہ یا شہادت، اور شرک سے غائب ہونا ہے۔ پس ہم کو حضرت نبی کریم ﷺ نے قول کی ہدایت فرمائی، اور مراد اس سے معنیٰ ہے۔ گویا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو پہچانو، اور اس کو ایک یقین کرو۔ اور ماسویٰ سے منہ پھیر لو۔ تو تمہارا قبض بسط میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور تمہاری مصیبت نعمت سے بدل جائے گی۔

دوائے غم

اور ایسے ہی دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

(مَا قَالَ اَحَدٌ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَاؤُكَ، اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتُ بِهٖ نَفْسَكَ، اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ، اَوْ عَلَّمْتَهٗ، اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، اَوْ اِسْتَاثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ، وَنُوْرَ بَصَرِیْ، وَجِلَاءَ حُزْنِیْ، وَذِهَابَ هَمِّیْ وَ غَمِّیْ، اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَ غَمَّهٗ، وَ اُبْدِلَ مَكَانَ هَمِّهٖ فَرْحًا وَ سُرُوْرًا)

جب کوئی شخص اس طرح دعا کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کی فکر اور اس کے غم کو دور کر دیتا ہے۔ اور اس کی فکر اور غم کو خوشی اور سرور میں تبدیل کر دیتا ہے:۔دعا یہ ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ سے هَمِّیْ وَ غَمِّیْ تک"

"اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں، اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے قبضہ اور اختیار میں ہے۔ تیرا حکم میرے بارے میں جاری ہونے والا ہے۔ اور تیری قضاء یعنی تیرا فیصلہ میرے حق میں درست اور انصاف پر مبنی ہے۔ میں تیرے ان مبارک ناموں کے وسیلے سے، جن کے ساتھ تو نے اپنے کو موسوم کیا (جو تو نے اپنا نام رکھا) ہے۔ جن کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا جن کی اپنی مخلوق میں سے کسی کو تعلیم دی ہے۔ یا جن کو تو نے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ خاص کیا ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یعنی بھیک مانگتا ہوں: کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور رونق اور میری آنکھوں کا نور، اور میرے غم کی صفائی، اور میری فکر کی دوری کا ذریعہ بنا دے۔"

پس حضرت نبی کریم ﷺ نے پہلی حدیث میں ربوبیت کے مشاہدہ یا شہادت کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور دوسری حدیث میں عبودیت کے ساتھ قائم ہونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور وہ صبر و رضا ہے۔ اس لئے کہ بندے کی شان یہ ہے کہ اپنے مولا کے احکام پر صبر کرے، یعنی ثابت قدمی سے قائم رہے۔ اور اپنے قہر کے اوصاف سے جو درد و غم اس کے اوپر نازل کرے، اس پر راضی رہے اور سر تسلیم خم رکھے۔

بسط کے آداب

اور بسط کے آداب:۔ جسم کے اعضاء کا نافرمانی، اور سرکشی سے روکنا ہے۔ خصوصاً زبان کو۔ کیونکہ نفس جب خوش ہوتا ہے۔ تو اتراتا ہے۔ اور ہلکا، اور آسان پسند، اور جلد باز ہو جاتا ہے۔ پس اکثر اوقات وہ ایسے الفاظ کے ساتھ بات کرتا ہے، جس کی اس کو اجازت نہیں دی گئی ہے۔ پس اپنی بے ادبی کے سبب جدائی کے گڑھوں میں گرتا ہے۔ اور بسط کی حالت میں قدموں کی لغزش اکثر اسی وجہ سے ہوتی ہے۔

پس جب مرید بسط کو محسوس کرے۔ تو اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کو خاموشی کا لگام لگائے اور اطمینان، اور وقار کے زیور سے آراستہ ہو۔ اور اپنی خلوت میں داخل ہو۔ اور اپنے گھر میں رہنا لازم پکڑے۔ کیونکہ بسط اور قوت کی حالت میں فقیر کی مثال جوش کھانے والے دیگ اور آگ کی طرح ہے۔ تو اگر اس کو جوش کھاتے ہوئے چھوڑ دے گا۔ تو اس کا سالن گر جائے گا۔ اور دیگ خالی باقی رہے گا۔ اور اگر اس کو جوش کھانے سے روک دے گا اور آگ کو بجھا دے گا۔ تو پورا سالن باقی رہے گا۔ اسی طرح قوت اور بسط کی حالت میں فقیر کا نور قوی، اور دل جمع ہوتا ہے۔ تو جب وہ حرکت کرتا ہے، اور پکڑتا ہے۔ اور اپنی قوت کی پیروی کرتا ہے، تو وہ سرد ہو جاتا ہے اور اپنی کمزوری کی طرف لوٹتا ہے۔ اور یہ صرف اس کی بے ادبی کے سبب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عارفین بسط سے زیادہ ڈرتے ہیں

اسی بناء پر عارفین قبض سے زیادہ بسط سے ڈرتے ہیں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے: (اَلْعَارِفُوْنَ اِذَا بَسَطُوْا اَخْوَفُ مِنْھُمْ اِذَا قُبِضُوْا) ''عارفین جب بسط کی حالت میں ہوتے ہیں۔ تو قبض کی حالت سے زیادہ خائف ہوتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں: ہر وہ شخص جس پر حقیقتوں کے مشاہدے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وہ عارف ہے۔ پس اگر وہ حقیقت کے مشاہدے میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ تو وہ واصل متمکن ہے۔ ورنہ وہ سائر ہے۔ اور عارف، جب بسط کی حالت میں ہوتا ہے تو قبض کی حالت سے زیادہ خائف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قبض کی شان یہ ہے کہ نفس کو اس کے فائدوں سے روک دیتا ہے۔ نیز اس کی شان سکون ہے۔

اور سکون مکمل ادب ہے۔ اور بسط کی شان یہ ہے کہ نفس کو آزاد، اور خوش کرتا ہے۔ تو نفس اکثر اوقات بسط میں اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ تو بسط کے آداب کی کمی کی وجہ سے قدم ثابت ہونے کے بعد پھسل جاتا ہے۔ اسی لئے مصنف ؒ نے فرمایا:

وَلَا يَقِفُ عَلٰى حُدُوْدِ الْاَدَبِ فِي الْبَسْطِ اِلَّا قَلِيْلٌ

''بسط کی حالت میں ادب کے حدود پر کم لوگ ٹھیرتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں: وہ کم لوگ: اطمینان، اور تمکین والے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ مضبوط پہاڑوں کی طرح ہیں۔ نہ ان کو قبض حرکت دیتا ہے۔ نہ بسط۔ وہ احوال کے مالک ہیں۔ ان کو قبض اور بسط اعتدال کی حالت سے باہر نہیں کرتی ہے۔ بخلاف سائرین کے اگرچہ وہ عارفین ہوں۔ کیونکہ بے شک احوال، اکثر اوقات سائرین میں اثر کرتے ہیں۔ تو بسط کا حال ان پر وارد ہوتا ہے۔ اور ان کو ادب کی حد سے باہر کر دیتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے: فرش پر ٹھہرو۔ اور بسط سے بچو۔

ایک شخص نے حضرت ابومحمد حریری ؒ سے کہا: میں محبت کے فرش پر تھا لیکن میرے اوپر بسط کی راہ کھول دی گئی تو میں پھسل گیا اور اپنے مقام سے حجاب میں ہو گیا تو اب اس مقام تک پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟ جس مقام پر میں تھا۔ اس مقام تک پہنچنے میں آپ میری رہنمائی فرمایئے۔ تو حضرت ابومحمد نے روکر فرمایا: اے میرے بھائی! اس سرزمین کے قہر میں سب لوگ مبتلا ہیں۔ میں تمہیں ان لوگوں میں سے بعض کے اشعار سناتا ہوں۔ اور وہ اشعار پڑھنے لگے۔

قِفْ بِالدِّيَارِ فَهٰذِهٖ اٰثَارُهُمْ تَبْكِي الْاَحِبَّةُ حَسْرَةً وَّ تَشَوُّقًا

''ان مقامات میں ٹھیرو۔ کیونکہ یہی ان کے نشانات ہیں۔ حسرت وشوق سے احباب روتے ہیں۔''

كَمْ قَدْ وَقَفْتُ بِرَبْعِهَا مُسْتَخْبِرًا عَنْ اَهْلِهَا اَوْ سَائِلًا اَوْ مُشْفِقًا

''اور میں بار بار ان نشانات کے مقام میں ان کے اہل کی خبر معلوم کرتے ہوئے، یا ان کو پوچھتے ہوئے، یا ان کی آرزو کرتے ہوئے ٹھیرا ہوں۔''

فَاَجَابَنِیْ دَاعِیَ الْھَوٰی فِیْ رَسْمِھَا فَارَقْتَ مَنْ تَھْوٰی فَعَزَّ الْمُلْتَقٰی

''پس مجھے محبت کی دعوت دینے والے نے اپنے نشان میں جواب دیا تو میں نے اپنے محبوب کو جدا کر دیا اور تو اس سے جدا ہو گیا پس دونوں کا ملنا دشوار ہو گیا''

پھر مصنف ؒ نے بسط کی حالت میں ادب کے مقام پر نہ ٹھہرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْبَسْطُ تَأْخُذُ النَّفْسُ مِنْهُ حَظَّهَا بِوُجُوْدِ الْفَرَحِ وَ الْقَبْضُ لَا حَظَّ لِلنَّفْسِ فِيْهِ

''بسط میں خوشی کے موجود ہونے کے سبب نفس اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے اور قبض میں نفس کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

میں کہتا ہوں: یہ اس لئے ہے کہ بسط جمال ہے۔ اور قبض جلال ہے۔ اور جمال کی شان یہ ہے کہ پورے جمال کے ساتھ آئے۔ تو وہ جمال کہاں ہے؟ وہ تو عین جلال ہے۔ وہ تمہارا دوست کہاں ہے؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے۔ وہ نفع کہاں ہے؟ وہ تو نقصان ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو جگہ نفس کے لئے موافق اور لائق ہوتی ہے۔ وہی جگہ قلب کے خسارہ اور روح کے حجاب کی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جس مقام میں کہ نفس زندہ ہوتا ہے۔ اس مقام میں قلب مردہ ہو جاتا ہے۔ اور جس مقام میں نفس مردہ ہوتا ہے۔ اس میں قلب اور روح زندہ ہوتی ہے۔

اسی کے بارے میں حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:۔

اَلْمَوْتُ فِيْهِ حَيَاتِيْ وَفِيْ حَيَاتِيْ قَتْلِيْ

مر جانے میں میری زندگی ہے ۔ اور میری زندگی میں میری موت ہے۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

اِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ لَا يَنَالُ الْوِصَالَ مَنْ فِيْهِ فَضْلَهٗ

اگر تم ہمارا وصال چاہتے ہو تو اس کے لئے تمہاری موت شرط ہے۔ جس شخص کے اندر اس کا کچھ فضل یعنی اس کے نفس کا کچھ شائبہ باقی ہے وہ ہمارے وصال کو نہیں پا سکتا ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط میں تحریر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نفس کا مزہ نہ چکھائے۔ کیونکہ اگر تم نے اس کو چکھ لیا تو پھر اس

کے بعد کبھی کسی بھلائی کا مزہ نہ چکھو گے۔

حضرت ابو علی دقاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: قبض، تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور بسط، اللہ تعالیٰ کے اوپر تمہارا حق ہے۔ اور تمہارا اپنے رب کے حق میں مشغول ہونا، اپنے نفس کے فائدے میں مشغول ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ سب سائرین کے لئے ہے۔

لیکن واصلین متمکنین: ۔ تو ان کے اندر جلال اور جمال کچھ اثر نہیں کرتے۔ نہ ان کو قبض حرکت میں لاتا ہے، نہ بسط۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں۔ ان کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور ان کی عبودیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور ان کا وارد ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور ان کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور اس کے سوا کسی شی کے لئے نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: خوف، مجھ کو قبض کی حالت میں کرتا ہے۔ یعنی تنگ کرتا ہے، اور رجاء مجھ کو بسط کی حالت میں کرتا ہے، یعنی کشادہ کرتا ہے اور حقیقت، مجھ کو جمع کرتی ہے۔ اور حق، مجھ کو جدا کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ مجھے خوف کے ساتھ قبض کی حالت میں کرتا ہے۔ تو مجھے میرے وجود سے فنا کر دیتا ہے۔ اور جب رجا کے ساتھ مجھے بسط کی حالت میں کرتا ہے۔ تو وہ میرے وجود کو میری طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور جب وہ حقیقت کے مشاہدے کے ساتھ مجھے جمع کرتا ہے۔ تو مجھے اپنے حضور میں حاضر کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنے حق کے ساتھ مجھے جدا کرتا ہے تو مجھے میرے غیر کے وجود کا مشاہدہ کراتا ہے۔ تو مجھے اپنے سے حجاب میں کر دیتا ہے۔

پس وہ ان سب حالات میں مجھے حرکت دینے والا ہے۔ نہ کہ سکون دینے والا۔ اور میرے اندر وحشت پیدا کرنے والا ہے۔ نہ کہ انسیت۔ اور ایسا میرے اپنے وجود کا مزہ چکھنے کے لئے حاضر ہونے کے باعث ہے۔ پس کاش کہ مجھے میرے وجود سے فنا کر کے مجھے فائدہ پہنچائے۔ یا مجھے میرے وجود سے غائب کر کے مجھے راحت عطا کرے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا قول: ''خوف مجھ کو قبض کی حالت میں کرتا ہے''۔ اس لئے ہے

کہ بندہ خوف کی حالت میں اس بے ادبی کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سرزد ہوئی ہے تو اس کے لئے غم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور رجا کی حالت میں اس احسان کا مشاہدہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو عطا کیا گیا ہے تو اس کے لئے رجا اور بسط کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اور حضرت جنیدؒ کا قول: ''حقیقت مجھ کو جمع کرتی ہے''۔ یعنی مجھ کو اپنے نفس سے بے نیاز کرتی، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع کرتی ہے۔ تو ہم کچھ مشاہدہ نہیں کرتے سوائے اس حالت کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ تو نہ قبض ہوتا ہے نہ بسط۔

اور حضرت جنیدؒ کا قول: ''حق مجھے جدا کرتا ہے''۔ حق سے مراد وہ حقوق ہیں، جو عبودیت کے لئے لازم ہیں۔ تو حقوق کے ادا کرنے کی طرف بندہ اس وقت سبقت کرتا ہے۔ جب وہ کسی قسم کی جدائی مشاہدہ کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی سبقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔

اور حضرت جنیدؒ کا قول:۔ جب وہ مجھے قبض کی حالت میں کرتا ہے۔ تو مجھے میرے وجود سے فنا کرتا ہے''۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ میرے سامنے اپنے اسم پاک ''جلیل'' یعنی جلال کی صفت کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو میرا جسم تجلی کرنے والے کی ہیبت و خوف سے پگھل جاتا ہے۔ ''اور جب وہ رجا کے ساتھ مجھے بسط کی حالت میں کرتا ہے'' اس طریقے پر کہ میرے سامنے اپنے اسم پاک ''جمیل'' یا ''رحیم'' یعنی جمال کی صفت کے ساتھ تجلی کرتا ہے۔ ''تو وہ میرے نفس اور وجود کو میرے اوپر لوٹا دیتا ہے۔ اور جب مجھے اپنی طرف حقیقت کے مشاہدہ کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ تو وہ مجھے میرے وہم کے زائل ہونے کے باعث اپنے ساتھ حضور عطا کرتا ہے۔ اور جب اپنی حکمت کے وظیفوں سے اس حق کے ساتھ مجھے جدا کرتا ہے، جس کا قائم کرنا اس نے میرے اوپر واجب کیا ہے۔ تو وہ مجھے میرے غیر کا مشاہدہ کراتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ میری طرف سے ادب ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی مشاہدہ اتنا قوی ہوتا ہے۔ کہ وہ ادب کا مشاہدہ اس کی طرف سے اسی کی طرف کرتا ہے۔

اور حضرت جنید کا قول: ''تو وہ مجھے اپنے سے حجاب میں کر دیتا ہے''۔ اس لئے کہ بندہ حقوق کے آسمان، یا فوائد کی زمین کی طرف نزول کی حالت میں کبھی مراقبہ کے مقام کی طرف رجوع کرتا

ہے۔لیکن یہ لازمی نہیں ہے۔اور عنقریب اس کے بارے میں مصنف ؒ کا بیان آئے گا۔

بلکہ وہ اس حالت میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف نزول کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں حق کے لئے نزول کی حالت میں بندے کے لئے مطلق حجاب نہیں ہے۔

اور حضرت جنید کا قول ''پس وہ ان سب حالات میں، مجھ حرکت دینے والا ہے۔ نہ کہ سکون دینے والا'' یعنی اللہ تعالیٰ جب بندے کو خوف کے ساتھ قبض کی حالت میں کرتا ہے۔ یا رجا کے ساتھ بسط کی حالت میں کرتا ہے۔ یا اس کو حقیقت کے ساتھ جمع کرتا ہے یا اس کو حق کے ساتھ جدا کرتا ہے۔ تو وہ اس کو حرکت دیتا ہے تا کہ اس کو اپنی طرف سیر کرائے۔ اور اس کو اپنی طرف جمع کرے۔ نہ یہ کہ اس کو ایک مقام میں ٹھہرادے۔ اور اس کو اس کے نفس کے عالم سے وحشت یعنی نفرت کرنے والا بنادیتا ہے۔ نہ کہ اس کے اپنے بشری عالموں میں موجود ہونے کے سبب انسیت کرنے والا، کہ اس انسیت کے سبب اپنے وجود کا مزہ چکھے۔ تو جب اس کو اس کے وجود سے غائب کر دیتا ہے۔ تو وہ اس کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا: کاش کہ وہ مجھ کو میرے وجود سے فنا کر دے۔'' یعنی میرے وجود کے مشاہدے سے۔ پھر مجھ کو اپنے مشاہدہ سے فائدہ پہنچائے۔ یا مجھ کو میرے ظاہر سے غائب کر دے۔ تا کہ غائب ہونے کی حالت میں میرے اوپر سے ان حقوق کے ساقط ہونے کے باعث جو مجھ کو اس سے جدا کرتے ہیں، مجھے راحت عطا کرے۔

اور گویا کہ وہ سلامتی کی طلب کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ ان چیزوں میں نہ مبتلا ہو جائیں، جو ملامت کا سبب ہوتی ہیں۔

اور کمال:۔ درحقیقت عبودیت، اور ربوبیت کے مشاہدے میں جمع ہونا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبض وبسط کے اسباب

پھر حضرت مصنف ؒ نے قبض اور بسط کے اسباب بیان کئے۔ اور وہ عطا یعنی بخشش، اور منع یعنی محرومی ہے۔ چنانچہ فرمایا: (رُبَّمَا اَعْطَاكَ فَمَنَعَكَ ، وَرُبَّمَا مَنَعَكَ فَاَعْطَاكَ) اکثر اوقات

اللہ تعالیٰ تم کو نعمتیں عطا کرتا ہے۔ پس وہ تم کو محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ تم کو نعمتوں سے محروم کرتا ہے۔ پس وہ تم کو عطا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: نفس امارہ، اور نفس لوامہ، اکثر اوقات نعمتوں کے عطا کرنے سے بسط کی حالت میں یعنی خوش ہوتے ہیں۔ اور نعمتوں کے منع یعنی محرومی سے قبض کی حالت میں یعنی غمگین اور تنگدل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عطا میں ان کا فائدہ اور ان کی خواہش ہے۔ تو ان کا خوش ہونا لازمی ہے۔ اور منع میں ان کے مواد کا ختم ہونا، اور ان کے فوائد کا چھوٹ جانا ہے۔ تو اس سے انکے غمگین ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے رب سے جاہل ہیں۔ اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ منع عین عطا ہے۔ اور عطا عین منع ہے۔ اور اس کا بیان عنقریب آگے آئے گا۔

پس اے فقیر! تم اپنے مولائے حقیقی کو سمجھو۔ اور جو کچھ اس نے تم کو عطا کیا ہے۔ تم اس میں اس کو اتہام نہ لگاؤ۔

پس بعض اوقات وہ تم کو وہ چیزیں عطا کرتا ہے، جو تمہارا نفس چاہتا ہے تو تم کو اس کے سبب اپنے پاکیزہ بارگاہ سے روک دیتا ہے اور اکثر اوقات وہ ان چیزوں سے تم کو منع (محروم) کرتا ہے جو تمہارا نفس چاہتا ہے تو اس کے سبب اپنی بارگاہ میں تمہارے حضور اور محبت کو مکمل کر دیتا ہے۔

بعض اوقات تم کو دنیا کی چیزیں اور ان کی ظاہری زینت عطا کرتا ہے اور تم کو اپنی بارگاہ کی زینت اور خوشی سے منع کر دیتا ہے اور اکثر اوقات تم کو دنیا کی زینت اور خوشی سے محروم کر دیتا ہے تو تم کو اپنے حضور کا مشاہدہ عطا کرتا، اور اس کے منظر سے لطف اندوز کرتا ہے۔

بعض اوقات وہ تم کو جسم کی غذا عطا کرتا ہے تو تم کو روح کی غذا سے محروم کر دیتا ہے۔ اکثر اوقات وہ تم کو مخلوق کی طرف توجہ عطا کرتا ہے تو تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ تم کو مخلوق کی طرف توجہ سے محروم کرتا ہے تو تم کو بادشاہ حقیقی کی طرف توجہ، اور اس کی محبت عطا کرتا ہے۔

بعض اوقات تم کو علوم عطا کرتا ہے۔ اور تمہارے لئے سمجھ کے خزانے کھول دیتا ہے تو اس کے

باعث تم کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے حجاب میں کر دیتا ہے اور اکثر اوقات تم کو علوم کی زیادتی سے محروم کر دیتا ہے تو حی وقیوم اللہ کی محبت عطا کرتا ہے پھر تم کل معلوم اور غیر معلوم کا احاطہ کر لیتے ہو۔ یعنی ہر شی کا علم تم کو حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات وہ تم کو دنیا کی عزت عطا کرتا ہے اور آخرت کی عزت سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات وہ تم کو دنیا کی عزت سے محروم کر دیتا ہے۔ اور آخرت کی عزت عطا فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ مخلوق کے پاس تم کو عزت دیتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس عزت سے تمہیں محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات مخلوق کے پاس عزت سے تمہیں محروم کرتا ہے۔ تو بادشاہ حقیقی اللہ کے تمہیں عزت عطا کرتا ہے۔

بعض اوقات تم کو مخلوق کی خدمت سپرد کرتا ہے تو خالق کے مشاہدے سے تم کو محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ تم کو مخلوق کی خدمت سے محروم کرتا۔ اور خالق کے مشاہدے سے سرفراز فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ تمہیں ملک میں اختیار عطا کرتا ہے تو تم کو ملکوت میں داخل ہونے سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات وہ تمہیں ملک میں اختیار سے محروم کر کے ملکوت کے مشاہدہ سے سرفراز فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ تم کو ملکوت کے انوار میں مشغول کر کے جبروت کے دریا کی طرف ترقی سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات ملکوت کے انوار کو تم سے پوشیدہ کر کے جبروت کے حضور میں تم کو داخل فرماتا ہے۔ اکثر اوقات وہ تم کو قطبیت کے بلند مقام پر فائز کر کے وحدانیت کے مشاہدے سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات تم کو قطبیت سے محروم کر کے سرّ وحدانیت کے مشاہدہ سے فیضیاب کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اتنی نعمتیں تم کو عطا کرتا ہے جن کا شمار علام الغیوب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

محرومی ہی عطا ہے

حضرت ابن عربی حاتمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب تمہیں منع (محروم) کر دیا جائے۔ تو

یہی اس کی عطا ہے۔ اور جب تمہیں عطا کیا جائے تو یہی اس کا منع ہے۔ پس تم حاصل کرنے پر چھوڑ دینے کو بہتر سمجھ کر اختیار کرو۔ اور اس کا گواہ یعنی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ) ''یہ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو۔ اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو''۔

پس جب تم نے اسے سمجھ لیا۔ تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت منع ہی عطا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔

مَتٰی فُتِحَ لَکَ بَابُ الْفَھْمِ فِی الْمَنْعِ عَادَ الْمَنْعُ ھُوَ عَیْنُ الْعَطَاءِ

''جب منع میں تمہارے لئے سمجھ اور معرفت کا دروازہ کھول دیا گیا تو منع عین عطا ہو گیا''۔

میں کہتا ہوں: اے بندے ! جب تم کو اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت حاصل ہو گئی۔ اور اس کی رحمت اور مہربانی، اور اس کی بخشش و کرم، اور اس کی قدرت کے اثر، اور اس کے علم کے احاطہ کا تم کو یقین ہو گیا۔ تو تم کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ جب تم نے اس سے کسی شے کے لئے سوال کیا۔ یا کسی چیز کا ارادہ کیا۔ یا تم کو کسی چیز کی حاجت ہوئی۔ اور اس نے تم کو اس سے منع (محروم) کر دیا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس چیز سے تم کو منع تمہارے اوپر رحمت اور احسان کی بناء پر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے بخیلی، یا عاجزی، یا جہالت، یا غفلت کی وجہ سے تم کو منع نہیں کیا ہے کیونکہ وہ ان عیوب سے پاک ہے۔ بلکہ اس نے ایسا تمہاری طرف اچھی نظر رکھنے کے باعث، تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پوری نظر رکھنے والا، اور بہترین انجام کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ، وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

اور ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناگوار سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو پسند کرو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اور ہر چیز کی حقیقت اور انجام اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے ہو۔

پس بعض اوقات ہم کسی کام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس کو اپنے لئے بہتر خیال کرتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لئے مصیبت اور وبال جان بن جاتا ہے۔ اور بعض اوقات فوائد، سختیوں، اور مصیبتوں کی شکل میں آتے ہیں۔ اور مصیبتیں فوائد کی صورت میں نازل ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات احسانات، زحمتوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور زحمتیں، احسانوں میں۔ اور اکثر اوقات ہم کو دشمنوں کے ہاتھوں سے فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اور دوستوں کے ہاتھوں سے مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات خوشی نقصانات کی طرف سے، اور نقصان خوشیوں کی طرف سے آتا ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہم نے اپنے حزب میں فرمایا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا عَجَزْنَا عَنْ دَفْعِ الضُّرِّ عَنْ اَنْفُسِنَا مِنْ حَیْثُ نَعْلَمُ بِمَا نَعْلَمُ، فَکَیْفَ لَا نَعْجُزُ عَنْ ذَالِکَ مِنْ حَیْثُ لَا نَعْلَمُ بِمَا لَا نَعْلَمُ

''اے اللہ! جن چیزوں کا ہم کو علم ہے۔ ان کا علم رکھتے ہوئے بھی ہم ان کے نقصان کو اپنی ذات سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ تو جن چیزوں کا ہم کو علم نہیں ہے ان کا علم نہ رکھنے کی حالت میں ہم ان کے نقصانات کو کس طرح دور کر سکیں گے؟''

پس اے مرید! جب تمہارے لئے منع میں اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اس میں جو بھلائی اور برائی ہے۔ اور تمہاری طرف جو اچھی نظر ہے۔ اس کو جان لو گے تو منع تمہارے حق میں عین عطا ہو جائے گا۔

محرومی عینِ عطا کی مثال نمبر ۱

اس کی مثال: اس بچے کی طرح ہے جو بہترین کھانا، یا حلوا، یا شہد دیکھتا ہے۔ لیکن اس میں زہر ملا ہوتا ہے۔ اور اس کا باپ جانتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ تو جب بچہ اس کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تو اس کا باپ اس کو روک دیتا ہے۔ بچہ علم نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے لئے روتا ہے۔ اور اس کا باپ علم رکھنے کی وجہ سے غصہ کے ساتھ اس کو روکتا ہے۔ تو اگر بچہ اس میں زہر ملے ہونے کی سمجھ رکھتا، تو اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتا۔ اور اپنے باپ کی خیر خواہی، اور اپنے ساتھ اس کی شفقت اور محبت کو معلوم کرتا۔

محرومی عینِ عطا کی دوسری مثال

دوسری مثال: اس شخص کی طرح ہے جس نے بہترین قسم کا کھانا تیار کیا۔ اور اس میں تھوک، اور ناک کا نیٹا اور گندگی ملا دیا اور اس شخص کے سامنے یہ کھانا رکھا جو اس کے ان چیزوں کے ملانے سے ناواقف ہے تو جو شخص بھی اس کھانے کو دیکھے گا اس میں ملائی ہوئی چیزوں سے واقف نہ ہونے کی بناء پر اس کا نفس اس کی طرف بڑھے گا۔ اور اس کے کھانے کی خواہش ہوگی لیکن اگر اس کھانے میں ملائی ہوئی گندی چیزوں سے وہ واقف ہو جائے تو اس کا نفس اس کھانے کی طرف نہ بڑھے گا تو جب اس کو کوئی ایسا شخص اس کھانے سے منع کرتا ہے۔ جو اس میں ملائی ہوئی چیزوں سے واقف ہے تو وہ نا سمجھی کی وجہ سے اس کو الزام لگاتا، اور اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ بندہ ہے جو دنیا، اور اس کی ریاست، دسرداری، یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جس میں اس کا نقصان ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں سے، اس پر اپنی رحمت و شفقت، اور مہربانی کی بناء پر منع (محروم) کر دیتا ہے۔ تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھتا ہے تو اپنا معاملہ اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دیتا ہے۔ اور وہ اس کو ان چیزوں میں الزام نہیں لگاتا ہے، جس کا فیصلہ اس نے اس کے لئے اس کی تقدیر میں کر دیا ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت نہیں رکھتا ہے۔ تو وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ اور اکثر اوقات ناراض ہوتا ہے۔ پھر جب بعد میں اس کا راز اس پر کھلتا ہے تب اس منع میں جو بھلائی ہے، اس کو معلوم کرتا ہے۔ لیکن صبر کا درجہ اس سے فوت ہو جاتا ہے۔

صبر کب حاصل ہوگا

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلیٰ) ''صبر، صرف پہلے صدمہ کے وقت ہے۔ یعنی جب مصیبت آئے، اس وقت صبر کرنے سے صبر کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں نہیں

ایک بزرگ کی حکایت

اور ان بزرگ کے حال پر غور کرو جو میدان میں خیمہ ڈال کر رہتے تھے اور عارفین میں سے تھے۔ ایک دن اچانک ان کا گدھا، اور کتا، اور مرغا مر گیا۔ تو ان کے گھر والوں نے ان کے پاس آ

کرخبر دیا: تو جب گدھا مرا تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ہمارا گدھا مر گیا۔ بزرگ نے فرمایا: اچھا ہوا۔ پھر جب کتا مرا۔ تو ان لوگوں نے آکر ان سے کہا۔ کتا بھی مر گیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا ہوا۔ پھر مرغا مرا۔ ان لوگوں نے ان سے کہا۔ مرغا بھی مر گیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا ہوا۔ تو گھر والوں نے غصہ ہو کر کہا۔ اس میں کیا اچھائی ہے۔ ہماری پونجی ختم ہوگئی۔ اور ہم خاموش دیکھ رہے ہیں؟ پھر ایسا ہوا۔ کہ اسی رات میں کچھ عرب بدوؤں نے اس قبیلہ پر جو اسی میدان میں رہتے تھے، ڈاکہ ڈالا۔ اور جو کچھ مال اور سامان ان لوگوں کے پاس تھا۔ سب لوٹ کر چل دیئے اور ڈاکو، خیموں کا پتا، گدھوں کے چیخنے، اور کتوں کے بھونکنے، اور مرغ کی بانگ سے لگاتے تھے۔ تو ان کا خیمہ محفوظ رہ گیا۔ کیونکہ ان کی موجودگی کا راز فاش کرنے والا کوئی باقی نہیں تھا۔

پس غور کرو، کہ اللہ کی اپنے اولیا پر کتنی اچھی نظر ہوتی ہے۔ اور ان کے کاموں کی تدبیر کیسے بہتر طریقے پر کرتا ہے۔ اور مرد عارف پہلی ہی مرتبہ کس طرح سمجھ لیتا ہے جو اس میں راز ہے۔ پس یہی اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت ہے۔ اللہ ہم کو اس میں سے پورا حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا ہے: صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں بچہ کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت، اور ان کی تدبیر کی سرپرستی کرتا ہے اور ان کو ان کے نفسوں کے سپرد نہیں کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ کی عدم معرفت

اور اللہ تعالیٰ کی سمجھ نہ ہونے کا سبب، اشیاء کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جانا، یعنی ان کے ظاہر میں مشغول ہو جانا، اور ان کے باطن کی طرف نظر نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کو بیان فرمایا ہے:۔

(اَلْاَكْوَانُ ظَاهِرُهَا غِرَّةٌ ، وَ بَاطِنُهَا عِبْرَةٌ) "مخلوقات کا ظاہر دھوکا، اور ان کا باطن نصیحت ہے"۔

میں کہتا ہوں: مخلوقات کا ظاہر دو وجہوں سے دھوکا ہے۔

پہلی وجہ:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات (دنیا) کے ظاہر میں حسن وزینت اور خوبصورتی بنائی

ہے۔اور جن کی نفوس خواہش کرتے ہیں۔مثلاً قسم قسم کے کھانے پینے کی چیزیں، پہننے کے کپڑے، سواریاں،اور نکاحوں اور مکانوں،اور باغوں،اور باغیچوں، کی خواہش،اور مال واولاد کی زیادتی،اور اصحاب واحباب،اور خاندان اور فوجوں کی کثرت وغیرہ،سب لوگ ان کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کی مشغولیت پر منہ کے بل گرتے ہیں۔اور رات اور دن،اور مہینے،اور سال،اسی کوشش میں گزرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے اوپر موت اچانک آ پہنچتی ہے تو شرمندگی اور حسرت ان کا آخری انجام ہوتی ہے اور اب شرمندگی سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ قلم نامۂ اعمال لکھ کر خشک ہو گیا۔اب وہ بغیر زاد راہ کے سفر کرتے ہیں۔اور بغیر تیاری اور سامان کے بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچتے ہیں۔تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھگانے اور دور کرنے کے لائق ہوتے ہیں۔
اور اسی وجہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دنیا کے مکر و فریب،اور اس کی نمائشی زینت،اور اس کے ظاہر میں مشغول ہونے سے ڈرایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيَاتِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ o قُلْ اَءُ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَالِكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اتَّقَوا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ o

”لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت زینت بنا دی گئی ہے۔یعنی لوگوں کو خوشنما معلوم ہوتی ہے۔مثلاً عورتیں،اور بیٹے اور سونے، چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر،نشان کئے ہوئے گھوڑے، اور دوسرے مویشی،اور کھیتی، یہ سب دنیاوی زندگی کی فائدے کی چیزیں ہیں۔اور آخرت کی بھلائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔آپ فرما دیجئے! کیا میں تم لوگوں کو ان چیزوں سے بہتر چیز بتاؤں؟ تو سنو۔ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔اور ان کے لئے پاک وصاف بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا مندی ہے۔اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والا ہے“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاًo

''بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اس کے لئے زینت بنائی ہے۔ تا کہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون سب سے بہتر عمل کرتا ہے''۔ یعنی کون سب سے زیادہ زہد اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

(وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجاً مِّنْهُمْ) اَیْ اَصْنَافاً مِّنْهُمْ (زَهْرَةَ الْحَيَاتِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ)

''آپ ہرگز دنیاوی زندگی کی اس زینت کی طرف اپنی آنکھیں نہ اٹھائیں جس سے ہم نے ان میں سے بہت قسم کے لوگوں کو اس لئے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہے تا کہ ہم ان کو اس میں آزمائیں''۔

جس کو خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اولیاء اللہ کے بارے میں دریافت کیا گیا جن کے اوپر نہ کوئی خوف ہے، نہ وہ غمگین ہوتے ہیں نہ ہوں گے۔ تو آنحضرت نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ نَظَرُوْا اِلٰى بَاطِنِ الدُّنْيَا حِيْنَ نَظَرَ النَّاسُ اِلٰى ظَاهِرِهَا، وَاهْتَمُّوْا بِاٰجِلِ الدُّنْيَا حِيْنَ اهْتَمَّ النَّاسُ بِعَاجِلِهَا، فَاَمَاتُوْا مِنْهَا مَا خَشَوْا اَنْ يُّمِيْتَهُمْ ، وَ تَرَكُوْا مِنْهَا مَا عَمِلُوْا اَنْ سَيَتْرُكَهُمْ، فَمَا عَارَضَهُمْ مِن نَّائِلِهَا عَارِضٌ اِلَّا رَفَضُوْهُ، وَلَا خَادَعَهُمْ مِنْ رَفْعَتِهَا خَادِعٌ اِلَّا وَضَعُوْهُ، خَلَقَتِ الدُّنْيَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَلَمْ يُجَدِّدُوْهَا وَ خَرِبَتْ بُنْيَانَهُمْ فَمَا يَعْمُرُوْنَهَا وَمَاتَتْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَمَا يُحْيُوْنَهَا بَلْ يَهْدِمُوْنَهَا فَيَبْنُوْنَ بِهَا اٰخِرَتَهُمْ وَ يَبِيْعُوْنَهَا لِيَشْتَرُوْا بِهَا مَا يَبْقٰى لَهُمْ وَ نَظَرُوْا اِلٰى اَهْلِهَا مَرْعٰى قَدْ خَلَتْ بِهِمُ الْمَثُلَاتُ فَمَا يَرَوْنَ اَمَاناً دُوْنَ مَا يَرْجُوْنَ، وَلَا خَوْفاً دُوْنَ مَا يَجِدُوْنَ۔

''اولیاء اللہ وہ ہیں، جنہوں نے دنیا کے باطن کی طرف دیکھا۔ جب کہ لوگوں نے اس کے ظاہر کی طرف دیکھا۔ اور انہوں نے دنیا کے آجل یعنی آخرت کے لئے کوشش کی جب کہ لوگوں نے

اس کے عاجل یعنی اسی دنیا کے وقتی فوائد کے لئے کوشش کی۔ پس دنیا کی جس چیزوں کے متعلق ان کو یہ خوف ہوا، کہ وہ انہیں مار ڈالے گی، اس کو انہوں نے مار ڈالا۔ اور دنیا کی جس چیز کے بارے میں انہوں نے سمجھا کہ وہ ان کو عنقریب چھوڑ دے گی اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ پس دنیا کے عطیات میں سے ملنے والی کوئی چیز جو انکے سامنے آئی اسکو انہوں نے چھوڑ دیا اور اس کی ترقیوں اور درجات میں سے کوئی فریب دینے والی چیز، جو ان کے فریب دینے کے لئے آئی۔ تو اس کو انہوں نے رکھ دیا۔ یعنی ہاتھ نہیں لگایا۔ دنیا ان کے دلوں میں بوسیدہ (پرانی) ہوگئی۔ تو انہوں نے اس کی تجدید نہیں کی۔ اور اس نے ان کی دیوار گرادی۔ تو وہ تعمیر نہیں کرتے ہیں اور دنیا ان کے سینوں میں مرگئی۔ تو وہ اس کو زندہ نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس کو منہدم کر دیتے ہیں۔ پھر اسی پر اپنی آخرت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور دنیا کو بیچ کر اس کے بدلے میں وہ چیز خریدتے ہیں جو ان کے لئے باقی رہے گی یعنی آخرت۔ اور دنیا والوں کو وہ پچھاڑ کھا کر گرا ہوا دیکھتے ہیں ان کے اوپر سختیاں گزر چکی ہیں۔ تو اب وہ اپنی امیدوں میں امن ہی دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ پاتے ہیں، اس میں کوئی خوف نہیں ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کا مکتوب حضرت سلمانؓ کے نام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس خط میں جو انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ فرمایا ہے:۔

اِنَّمَا مَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْحَيَّةِ لَيِّنٌ مَسُّهَا قَاتِلٌ سَمُّهَا، فَاَعْرِضْ عَنْهَا وَ عَمَّا يُعْجِبُكَ مِنْهَا لِقِلَّةِ مَا يَصْحَبُكَ مِنْهَا، وَدَعْ عَنْكَ هُمُوْمُهَا لِمَا تَيَقَّنْتَ مِنْ فِرَاقِهَا، وَكُنْ اَسَرَّ مَا تَكُوْنَ فِيْهَا اَحْذَرَ مَا تَكُوْنُ مِنْهَا فَاِنَّ صَاحِبَهَا كُلَّمَا اطْمَانَّ فِيْهَا اِلٰى سُرُوْرٍ اَشْخَصَ مِنْهَا اِلٰى مَكْرُوْهٍ

دنیا سانپ کی طرح ہے

”فی الحقیقت دنیا کی مثال سانپ کی طرح ہے۔ چھونے میں نرم محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا زہر قاتل ہے۔ پس تم دنیا سے، اور دنیا کی ان تمام چیزوں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، منہ پھیر لو۔ اس وجہ سے کہ وہ تمہارے ساتھ تھوڑی ہی مدت تک رہے گی۔ اور دنیا کی فکروں کو اپنے دل

سے دور کر دو۔ کیونکہ تم اس کے جدا ہونے کا یقین کر چکے ہو۔اور جب تک دنیا میں رہو،خوش رہو۔ اوراس کی طرف سے جو کچھ تمہارے سامنے آئے،اس سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اہل دنیا جب اس کی کسی خوشی سے مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے۔تو وہ کسی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پس حق سبحانہ، تعالیٰ نے دنیا اور دنیا میں شامل ہونے والی تمام چیزوں کے ظاہر کو فتنہ (آزمائش) اوراس کے باطن کو نصیحت بنائی ہے۔تو جو شخص اس کے ظاہر میں مشغول ہوا۔ وہ دھوکا میں مبتلا ہوا۔اور جو اس کے باطن تک پہنچا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوا۔ پس غافل اور دنیا پرست لوگ دنیا کے وقتی فوائد، اور ظاہری زینت میں مشغول ہوئے۔تو اس نے ان کو اپنی نمائشی زینت کے فریب میں مبتلا کیا۔اور اپنے دھوکے میں پھنسائے رکھا۔ یہاں تک کہ موت نے اچانک ان کو پکڑ لیا۔اور بیدار اور ہوشیار لوگ اس کے باطن میں پہنچے۔تو انہوں نے پہچان لیا۔ کہ وہ جلد چھوٹنے والی اور بہت تھوڑا دن ساتھ رہنے والی ہے۔تو وہ زادراہ (راستے کا سامان) جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔اور آخرت کے لئے سامان تیار کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوپر دنیا اور آخرت میں کوئی خوف نہیں ہے۔اور نہ وہ دنیا میں کسی غم میں مبتلا ہوتے ہیں۔نہ آخرت میں مبتلا ہوں گے۔

سلف صالحین کا معمول

سلف صالحین یعنی بزرگان متقدمین کا معمول یہ تھا:۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ جب دنیا ان کے سامنے آتی۔تو وہ فرماتے تھے: یہ ایسا گناہ ہے جس کی سزا جلد ملے گی۔اور جب ان کے سامنے فقر آتا۔تو وہ فرماتے تھے: مرحبا (شاباش، مبارک ہو) یہ صالحین کی سنت ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات (دنیا) کے ظاہر کو اپنا سر (راز) چھپانے، اور اپنی حکمت ظاہر کرنے کے لئے دھوکا بنایا ہے اور یہ اس طرح کہ:

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کے مظاہر میں تجلی کی۔تو اس کی حکمت کے ظاہر ہونے کے ساتھ،اس کا سر پوشیدہ ہو گیا۔

یا تم اس طرح کہو: مخلوقات (دنیا) کا ظاہر ظلمت، اوراس کا باطن نور ہے۔تو جو شخص ظلمت میں ٹھہر گیا وہ محجوب ہو گیا۔اور جو شخص نور کے مشاہدہ میں پہنچ گیا۔ وہ عارف اور محبوب ہو گیا۔ یا اس

طرح کہو: مخلوقات کا ظاہر حس (محسوس) ہے۔ اور اس کا باطن حقیقت۔ پس جو شخص محسوس میں مشغول ہو گیا۔ وہ ... مل رہ گیا۔ اور جو شخص حقیقت میں پہنچ گیا۔ وہ عارف ہو گیا۔

یا تم اس طرح ... دنیا کا ظاہر ملک ہے۔ اور اس کا باطن ملکوت ہے تو جو شخص ملک میں ٹھہر گیا۔ وہ عوام اہل یمین سے ہے۔ اور جو ملکوت کے مشاہدہ میں پہنچ گیا۔ وہ خواص مقربین میں ہو گیا۔

میں نے اپنے قصیدہ تائیہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں:

اِذَا حُبِسَتْ نَفْسٌ فِی سِجْنِ الْهَوٰی الَّذِیْ تُقَیَّدُ بِهِ الْعَقْلُ فِی قَهْرِ قَبْضَةٍ

"جب کوئی نفس خواہش کے قید خانہ میں بند ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ عقل بھی قبضہ کے قہر میں مقید ہو جاتی ہے"۔

وَاَشْغَلَهَا عِلْمَ الصَّوَانِ لِحِكْمَةٍ فَلَمْ تَرَ اِلَّا الْكَوْنَ فِی كُلِّ وِجْهَةٍ

"اور اس کو حفاظت کا علم حکمت کی بنا پر مشغول کر دیتا ہے۔ تو وہ ہر طرف صرف مخلوق ہی مخلوق دیکھتا ہے"۔

فَذَالِكَ عَيْنُ الْمُلْكِ وَهْمٌ ثُبُوْتُهٗ وَ نَاظِرُهٗ مَحْجُوْبٌ فِی سِجْنِ ظُلْمَةٍ

"تو یہی حقیقتاً ملک ہے۔ اور اس کا وجود وہم ہے۔ اور اس کی طرف دیکھنے والا ظلمت کے قید خانے میں گرفتار ہے۔"

وَاِنْ نَفَذَتْ رُوْحُ الْمُقَدَّسِ سِرُّهٗ اِلٰی دَرْكِ نُوْرِ الْحَقِّ فَاضَ بِقُدْرَةٍ

"اور اگر روح جس کا سر پاکیزہ ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے نور کے ادراک تک پہنچ جائے تو وہ قدرت سے فیض یاب ہوتی ہے"۔

فَذَا مَلَكُوْتُ اللّٰهِ يُسْمٰى بِوُسْعِهٖ وَعَارِفُهٗ يَحْظٰى بِفَتْحِ بَصِيْرَةٍ

"پس یہی اللہ تعالیٰ کا ملکوت ہے۔ جس میں وہ اپنی وسعت کے مطابق بلند کی جاتی ہے اور اس کا عارف بصیرت کے کھلنے سے لطف حاصل کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت مصنف ؒ نے ظاہر میں مشغول ہونے والے، اور باطن کی طرف پہنچنے والے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَالنَّفْسُ تَنْظُرُ اِلٰی ظَاهِرِ غِرَّتِهَا وَالْقَلْبُ يَنْظُرُ اِلٰی بَاطِنْ عِبْرَتِهَا

''پس نفس اس کے دھوکا میں مبتلا کرنے والے ظاہر کی طرف دیکھتا ہے۔ اور قلب اس کے نصیحت کرنے والے باطن کی طرف دیکھتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ نفس اس کے دھوکا میں مبتلا کرنے والے ظاہر کی طرف اس لئے دیکھتا ہے کہ اس میں اس کی خواہشات اور فوائد کے سامان ہیں۔ تو نفس کو اس میں سے نہیں نکال سکتا ہے۔ مگر بے قرار کرنے والا شوق، یا بھگانے والا خوف، یا اللہ تعالیٰ کی عنایت، جو شیخ کامل کے وسیلے سے، جس کے پاس ظاہر کو بدل دینے والی اکسیر ہو۔ یا بغیر وسیلے کے (وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ) اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے''۔

اور قلب، اس کے نصیحت کرنے والے باطن کی طرف نظر کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں عرفان کا نور ہے۔ جو حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔ اور مفید اور مضر میں تمیز کرتا ہے۔ اور یہ تقویٰ اور تصفیہ کا نتیجہ ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ قلب، باطن کی طرف اس لئے دیکھتا ہے کہ اس میں بصیرت کی آنکھ ہے۔ جو صرف حقیقت یعنی باطن کو دیکھتی ہے۔ بخلاف بصر کی آنکھ (سر کی آنکھ) کے جو صرف محسوس یعنی ظاہر کو دیکھتی ہے۔

تو حاصل یہ ہوا:۔ اہل نفوس:۔ اشیاء کے ظاہر میں مشغول ہو گئے۔ اور اس کے وقتی اور فوری فائدوں سے دھوکا کھا گئے۔ اور آنے والے وقت یعنی آخرت کے لئے تیاری نہیں کیا۔ پس وہ عمل سے باز رہے۔ اور جھوٹی تمناؤں، اور لمبی امیدوں نے ان کو دھوکے میں رکھا۔

علماء سوء کی مثال بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خبر وارد ہوئی ہے۔ وہ فرماتے تھے۔

''وَيْلَكُمْ يَا عُلَمَاءَ السُّوْءِ مَثَلُكُم كَمَثَلِ قَنَاتِ حَشٍّ ظَاهِرُهَا جَصٌّ وَ بَاطِنُهَا نَتْنٌ''

''اے علماء سوء! تمہارے لئے تباہی ہو۔ تمہاری مثال ایسے بیت الخلاء (پاخانہ) کی چھت اور دیوار کی طرح ہے جس کا ظاہر یعنی باہر کی طرف چونے سے قلعی کیا ہوا سفید اور چمکدار نظر آتا ہے۔ اور اس کا باطن یعنی اندر گندہ اور بدبو سے بھرا ہوا ہے۔

اور اہل باطن:۔ اشیاء کے ظاہر میں نہیں مشغول ہوئے۔ بلکہ وہ اس کے باطن میں پہنچے۔ اور آنے والے مقررہ وقت یعنی آخرت کے لئے تیاری کی۔ اور اس کے وقتی فائدوں کے دھوکے میں نہیں مبتلا ہوئے۔ پس محنت اور کوشش میں مشغول ہو گئے۔ اور زادراہ کی تیاری میں لگ گئے۔ اور وہ عابدین اور زاہدین ہیں۔

اور اہل ارواح و اسرار: تو وہ نہ دنیا کے موجودہ ظاہر میں مشغول ہوئے۔ نہ اس کے باطن یعنی آخرت کے ساتھ ٹھہرے۔ بلکہ وہ آگے بڑھ کر ملکوت کے نور کی طرف پہنچے۔ تو وہ قلوب کی صفائی اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی حضوری کی تیاری میں مشغول ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ حضوری کے لائق ہو گئے۔ اور فکر و نظر یعنی مشاہدہ کے باغیچوں میں سیر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

(اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

''یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ خبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی جماعت والے ہی کامیاب ہیں۔ (اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ) ''یہی لوگ مقربین ہیں۔ جو نعمت کے باغوں میں ہیں۔ یا ہوں گے۔ (فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ) ''اقتدار والے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے پاس مقام صدق میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان کرم سے ہم کو ان لوگوں میں شامل کرے آمین اور یہ لوگ اور جو لوگ ان سے تعلق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز ہیں۔ انہوں نے عزیز و غالب اللہ تعالیٰ کی طاعت سے عزت حاصل کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو عزیز بنا دیا۔ جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

غیر فانی عزت

اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ عِزٌّ لَا يَفْنٰى فَلَا يَسْتَعِزَّنَّ بِعِزٍّ يَفْنٰى

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں ایسی عزت حاصل ہو جو فنا نہ ہو۔ تو تم ایسی عزت کی طلب نہ کرو جو فنا ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ جو عزت فنا نہیں ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے ماسوا سے غنا کے ساتھ عزت حاصل ہونی، یا اس شخص کی قربت اور صحبت سے عزت حاصل ہونی ہے۔ جس کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت، اس کی تعظیم و تکریم اور اس کی ہیبت، اور اس کی محبت اور معرفت اور ہر شی میں اور ہر حال میں اس کے ساتھ حسن ادب سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے احکام پر راضی ہونے، اور اسکے جلال و کبریائی کے غلبے کے سامنے جھک جانے، اور اس سے شرم و خوف کرنے سے، اور اسکے سامنے ذلت اور عاجزی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ایک شاعر کا کلام ہے:۔

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوٰی لِتَکْسَبَ عِزَّةً   فَکَمْ عِزَّةٍ قَدْ نَالَهَا الْمَرْءُ بِالذُّلِّ

تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے سامنے ذلت اور عاجزی کے ساتھ جھک جاؤ۔ تاکہ تم عزت حاصل کرو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ آدمی اس کے سامنے ذلت و عاجزی اختیار کر کے عزت پاتا ہے۔

اِذَا کَانَ مَنْ تَهْوٰی عَزِیْزاً وَلَمْ تَکُنْ   ذَلِیْلاً لَهٗ فَاقْرَا السَّلَامَ عَلَی الْوَصْلِ

جب کہ وہ عزیز اور غالب ہے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ تو اگر تم اس کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار نہیں کرتے ہو۔ تو وصل پر سلام پڑھو۔ یعنی وصل کا خیال ترک کر دو۔ اور ہم نے اپنے شیخ رضی اللہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: (وَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ الْعِزَّ اِلَّا فِی الذُّلِّ) اللہ تعالیٰ کی قسم، میں نے ذلت ہی میں عزت دیکھی ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں۔ (وَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ الذُّلَّ اِلَّا فِی الْفَقْرِ) ''اللہ کی قسم! میں نے فقر کے سوا کسی شی میں ذلت نہیں دیکھی''۔ یعنی شیخ نے ذلت کی تفسیر فقر سے کی۔ اس لئے کہ انسان کی ذلت فقر کے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سب ذلتوں سے بڑی ذلت ہے۔ اس بناء پر کہ فقر سے نفس مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں

زندگی کی کوئی رگ باقی نہیں رہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ عزت کا حاصل ہونا، یہ ہے:۔ اس کے حکم کی تعمیل کرنی، اور اس کے منع سے پرہیز کرنا، اور اس کے ذکر کی کثرت کرنی، اور اس کی بخشش حاصل کرنے کے لئے اپنی کمائی ہوئی چیزوں کا خرچ کرنا۔ اور جس شخص کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے قرب سے عزت حاصل کرنی۔ یہ ہے: ان کی صحبت اختیار کرے، اور ان کی تعظیم اور خدمت کرے، اور ان کے ساتھ حسن ادب کا لحاظ رکھے۔ اور یہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی عزت حاصل کرنی ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں۔

تو جب اس کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہوتی ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پانے کی وجہ سے، غیر اللہ کی عزت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ اور اس پر ثابت اور قائم ہوا۔ تو بے شک اس نے ایسی عزت پائی جو کبھی فنا نہ ہوگی۔ اور اس پر، اور اس کی اولاد پر، اور اس کی اولاد کی اولاد پر، قیامت تک جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (من كان يريد العزة فللّٰه العزة جميعا) ''جو شخص عزت چاہتا ہے۔ تو سب عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو، اور اس کے رسول کو، اور مومنین کو دوست رکھتا ہے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت والے ہی غالب ہونے والے ہیں۔''

اور ''الذین امنوا'' سے مراد، کامل ایمان والے، اولیاء اللہ ہیں۔

اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔ (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ) ''اور عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے، اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن منافقین نہیں سمجھتے ہیں''۔

مال کے بغیر غناء

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔ (مَنْ اَرَادَ الْغِنٰى بِغَيْرِ مَالٍ،

وَالْکَثْرَۃُ بِغَیْرِ عَشِیْرَۃٍ، فَلْیَنْتَقِلْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِیَۃِ اِلیٰ عِزِّ الطَّاعَۃِ) ''جو شخص بغیر مال کے غنا چاہتا ہے۔ اور بغیر خاندان کے کثرت چاہتا ہے۔ اس کو نافرمانی کی ذلت سے اطاعت کی عزت کی طرف منتقل ہونا چاہیے۔''

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پا گیا۔ اس کو کوئی شخص ذلیل نہیں کر سکتا ہے۔ اس شخص کے واقعہ پر غور کرو، جس نے خلیفہ ہارون رشید کو نیکی کے لئے ہدایت کی۔ ہارون رشید ان کے اوپر ناراض ہوا۔ اور حکم دیا۔ اس کو بدمزاج خچر کے ساتھ باندھ دو۔ تاکہ وہ اس کو مار ڈالے۔ تو ان کو خچر کے ساتھ باندھا گیا۔ لیکن خچر نے ان کو کچھ نہیں چھیڑا۔ پھر ہارون رشید نے حکم دیا۔ اس کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دو۔ چنانچہ ان کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ تو لوگوں نے ان کو ایک باغیچہ میں دیکھا۔ تو پھر ان کو پکڑ لائے۔ اور ہارون رشید کے سامنے حاضر کیا۔ ہارون رشید نے ان سے دریافت کیا۔ تم کو قید خانہ سے کس نے نکالا؟ انہوں نے جواب دیا۔ جس نے مجھے باغیچہ میں پہنچایا۔ ہارون رشید نے پوچھا۔ تم کو باغیچہ میں کس نے پہنچایا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ جس نے مجھے قید خانہ سے نکالا۔ تب ہارون رشید نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ان کو ذلیل نہیں کر سکتا ہے تو ہارون رشید نے حکم دیا۔ ان کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے گشت کراؤ۔ اور ساتھ ساتھ یہ اعلان کرو۔ اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ یہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ ہارون رشید نے ان کو ذلیل کرنا چاہا مگر نہیں کر سکا۔

جو عزت فنا ہو جاتی ہے اس عزت کا حاصل ہونا یہ ہے:

مخلوق کے ساتھ عزت حاصل ہو (مثلاً ظالم بادشاہوں، اور ان کے متعلقین کو، ملازمین، افسروں اور فوجوں کی طاقت اور ظلم کے سبب) اور جیسے کہ مال، اور مرتبہ، اور سرداری کے باعث عزت حاصل ہو اور ان کے علاوہ ان تمام چیزوں کے ذریعہ عزت حاصل ہو جو ختم اور فنا ہو جانے والی ہیں۔ تو جس شخص نے ان چیزوں کے ساتھ عزت پائی۔ اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ذلت برابر قائم رہتی ہے۔ پس مخلوق کے ساتھ عزت پانے کا نتیجہ یقینی طور پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ذلت ہے۔

اور اس شخص کی حالت پر غور کرو۔ جس نے حرم شریف میں تکبر کیا تو اس کے بعد اس کی یہ حالت ہوئی کہ وہ لوگوں سے اپنے خرچ کے لئے سوال کرنے لگا۔

تب اس نے کہا:۔ میں نے ایسی جگہ تکبر کیا جہاں لوگ تواضع کرتے ہیں۔تو اس نے ایسی جگہ مجھ کو پہنچا دیا جہاں آدمیوں کی بلندی ہوتی ہے۔ یہ دونوں واقعات تنبیہ کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔اور جو شخص مخلوق کے ذریعہ عزت حاصل کرتا ہے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا جائے۔ جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے گوسالہ کے بارے میں کہا تھا۔ (وَانْظُرْ اِلٰی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفاً لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفاً) ''اور تو اپنے اس معبود کی طرف دیکھ، جس کے سامنے تو نے اعتکاف کیا تھا۔ ہم اس کو جلاتے ہیں،اور اس کی راکھ کو دریا میں بکھیرے دیتے ہیں۔

ایک عارف ایک شخص کے پاس پہنچے۔وہ رو رہا تھا۔عارف نے دریافت کیا: تم کیوں روتے ہو؟ اس نے جواب دیا:۔ میرے استاد مر گئے ہیں۔عارف نے فرمایا۔ تم نے اپنا استاد ایسے شخص کو کیوں بنایا جو مر جاتا ہے؟ پھر عارف نے اس کو اپنی ہمت بلند کرنے،اور اپنی بصیرت کے کھولنے پر آگاہ فرمایا۔حالانکہ اس کے شیخ اس کے ہدایت پانے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے مرید! اگر تم غیر فانی اور دائمی عزت حاصل کرنا چاہتے ہو۔تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ،اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ،اور اولیاء اللہ کی قربت اور صحبت کے ساتھ،عزت حاصل ہونے کی خواہش کرو۔اور فانی مخلوق کے ذریعہ عزت کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص فنا ہونے والی اشیاء کے ساتھ عزت حاصل کرتا ہے۔اس کی عزت فنا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

(اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا)

''کیا لوگ مخلوق کے پاس عزت چاہتے ہیں۔حالانکہ سب عزت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے''۔

حضرت ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ کی قسم! میں نے مخلوق سے ہمت اٹھا لینے ہی میں عزت دیکھی ہے۔

(تنبیہ وارشاد) تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کو جو عزت عطا فرماتا ہے۔ اس کا سبب اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت ہے۔ تو یہ عزت محبت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت وارد ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے:

(اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادَیٰ جِبْرِیْلَ:۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبَّہٗ، فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلَ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرِیْلَ فِی السَّمٰوَاتِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبُّوْہٗ، فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ یُوْضَعُ لَہٗ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ، فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ الْاَرْضِ) وَفِی رِوَایَۃٍ "یُلْقٰی لَہٗ الْقُبُوْلُ فِی الْمَاءِ، فَیَشْرَبُہٗ النَّاسُ، فَیُحِبُّوْنَہٗ جَمِیْعاً)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبت کرتا ہے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے:۔ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبریلؑ سب آسمانوں میں پکار کر اعلان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم لوگ بھی اس سے محبت کرو۔ تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت پیدا کی جاتی ہے۔ تب اس کو زمین والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں"۔

اور دوسری روایت میں ہے اس کی مقبولیت پانی میں ڈال دی جاتی ہے اور لوگ اس پانی کو پیتے ہیں تو سب کے سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں یا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو اور بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب، دنیا میں اس کا زہد ہے۔

محبوب خدا اور محبوب خلق خدا بننے کا گُر

ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے: "اِزْھَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّکَ اللّٰہُ، وَازْھَدْ فِی مَا فِی اَیْدِی النَّاسِ یُحِبُّکَ النَّاسُ"

"دنیا میں زہد اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو محبت کرے گا۔ اور آدمیوں کے مال میں زہد اختیار کرو۔ آدمی تم کو محبت کریں گے"۔

تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عزت جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کو عطا فرماتا ہے۔ وہ ان کی ابتداء میں نہیں عطا کرتا ہے۔ تاکہ مخلوق ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے روک نہ دے۔ بلکہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم، اور اس کی امداد یہ ہے کہ مخلوق ان سے ابتدا میں نفرت کرتی ہے۔ یا ان پر غالب کر دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کو ذلیل کرے۔ یہاں تک کہ وہ اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں اور وصول و تمکین میں ثابت و قائم ہو جاتے ہیں۔ تو اب اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان کی عزت کو ظاہر کر دیتا ہے تاکہ اپنے بندوں کو ان کے وسیلے سے فائدہ پہنچائے۔ اور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ان کے وسیلے سے ہدایت عطا فرمائے۔ اور اگر چاہتا ہے تو ان کو پوشیدہ رکھتا ہے اور ان کی عزت کو خاص کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس حاضر ہو جائیں تو اس وقت اس مقام (آخرت یا جنت) میں ان کی عزت کو پھیلائے گا۔ اور ان کے مرتبے کو ظاہر کرے گا اور اسے فنا نہیں ہونا ہے۔ اور عنقریب اس حقیقت پر اس کے مقام میں بحث آئے گی۔ انشاء اللہ۔

پھر حضرت مصنفؒ نے جو عزت فنا نہیں ہوتی ہے۔ اس کا سبب بیان فرمایا: وہ دنیا میں زہد ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلطَّیُّ الْحَقِیْقِیُّ اَنْ تَطْوِیَ مَسَافَةَ الدُّنْیَا عَنْكَ ، حَتّٰی تَرَی الْاٰخِرَةَ اَقْرَبَ اِلَیْكَ مِنْكَ

''حقیقی طے، یہ ہے کہ تم دنیا کی مسافت (فاصلہ) کو اپنے سے لپیٹ دو۔ یہاں تک کہ تم آخرت کو اپنی طرف اپنے سے زیادہ قریب پاؤ''۔

طے الارض کی تعریف و اقسام

میں کہتا ہوں:۔ طے:۔ کے معنی لپیٹنا، اور ملانا۔ اس طرح کہ طویل، کوتاہ، اور بڑا چھوٹا ہو جائے۔

اور صوفیائے کرام کے نزدیک ''طے'' کی چار قسمیں ہیں۔

اول:۔ طے زمان: وقت اور زمانہ کو لپیٹنا

دوم:۔ طے مکان: وقت اور زمانہ کو لپیٹنا

سوم:۔ طے دنیا: دنیا کی مسافت کو لپیٹنا

چہارم:۔ طے نفوس: نفسوں کو لپیٹنا

اول:۔ طے زمان: وہ یہ ہے کہ ایک جگہ میں زمانہ کوتاہ ہو جائے۔ اور دوسری جگہ میں دراز ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص پر ایک مقام میں سالوں گزر جائیں۔ اور دوسرے مقام میں ایک گھڑی، یا ایک دن۔

جیسا کہ ایک شخص جمعہ کے روز زوال کے قریب فرات میں غسل کرنے گیا۔ جب غسل کر کے فارغ ہوا۔ تو اپنا کپڑا نہیں پایا۔ تو اس نے ایک راستے پر چلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ مصر میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے وہاں نکاح کیا۔ اور اس کی اولاد پیدا ہوئی۔ اور وہ وہاں سات سال رہا۔ پھر ایک مرتبہ وہ جمعہ کے روز دریائے نیل میں غسل کرنے کے لئے گیا۔ اور جب غسل سے فارغ ہو کر باہر آیا۔ تو اپنے کو پہلے مقام پر اور اپنے کپڑے کو موجود پایا۔ تو وہ ایک راستے پر چلا۔ تو اب وہ اچانک نماز جمعہ کے قبل بغداد میں پہنچ گیا۔ اور یہ وہی دن تھا۔ جس دن وہ پہلی مرتبہ فرات میں غسل کرنے کے لئے نکلا تھا۔ اور یہ حکایت طویل ہے۔ جس کو فرغانی نے شرح قصیدہ تائیہ میں بیان کیا ہے۔

دوم:۔ طے مکان:۔ اس کی مثال یہ ہے: مثلاً ایک شخص مکہ معظمہ میں ہے۔ پھر اچانک وہ مکہ معظمہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں دیکھا جائے اور اس قسم کے واقعات اولیاء اللہ کے لئے بہت مشہور ہیں۔ کہ ابھی ایک شہر میں ہیں۔ اور ابھی دوسرے شہر میں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ کی قسم! اولیائے کرام ہمارے جیسے ایک شخص سے ملنے کے لئے کوہِ قاف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے اور فوراً اس سے ملے۔

سوم:۔ طے دنیا:۔ وہ یہ ہے کہ تم اس کے فاصلے کو، اس میں زہد اختیار کرنے۔ یعنی اس سے کنارہ کشی کرنے، اور اس سے غائب ہونے، اور یقین کامل کے ذریعہ اپنے سے لپیٹ دو۔ یہاں تک کہ آنے والا طویل زمانہ، تمہارے نزدیک موجودہ زمانہ، یا موجودہ زمانہ کی طرح ہو جائے۔

اور عنقریب اس کے متعلق مصنفؒ کا بیان آ گے آئے گا۔

"لَوْ اَشْرَقَ نُوْرُ الْيَقِيْنِ فِي قَلْبِكَ لَرَاَيْتَ الْاٰخِرَةَ اَقْرَبَ مِنْ اَنْ تَرْحَلَ اِلَيْهَا وَلَرَاَيْتَ الدُّنْيَا وَكِسْفَةَ الْفَنَاءِ ظَاهِرَةً عَلَيْهَا"

''اگر یقین کا نور تمہارے دل میں روشن ہو جائے۔ تو تم آخرت کو اس کی طرف سفر کرنے سے زیادہ قریب پاؤ گے۔ اور دنیا پر فنا کے ٹکڑے کو غالب دیکھو گے''۔

اور عنقریب اس حکمت کے بارے میں پوری بحث انشاء اللہ پھر آئے گی۔

چہارم:۔ طے نفوس: وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نفوس سے غائب ہو جانا ہے۔ اور اسی سے نفس کا زوال، اور وصال کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت مصنفؒ نے اس کا بیان اپنے اس قول میں جس کی تشریح آگے آئے گی۔ فرمایا ہے:

"لَيْسَ الشَّانُ اَنْ تَطْوِيَ لَكَ الْاَرْضَ، فَاِذَا اَنْتَ بِمَكَّةَ اَوْ غَيْرِهَا مِنَ الْبُلْدَانِ، اِنَّمَا الشَّانُ اَنْ تَطْوِيَ عَنْكَ اَوْصَافَ نَفْسِكَ، فَاِذَا اَنْتَ عِنْدَ رَبِّكَ"

''شان یہ نہیں ہے کہ تم اپنے لئے زمین کو طے کرو۔ کہ ابھی تم مکہ معظمہ میں ہو، اور ابھی دوسرے شہروں میں۔ بلکہ حقیقتاً شان یہ ہے، کہ تم اپنے نفس کے اوصاف کو اپنے سے لپیٹ دو۔ تو ابھی تم اپنے رب کے پاس ہو گے۔''

حقیقی طے

یہی حقیقی طے ہے۔ جو محققین کے نزدیک معتبر ہے۔ نہ کہ طے زمان، یا طے مکان اس لئے کہ کبھی وہ استدراج ہوتا ہے۔ یا مکر، یا تخیل، یا سحر۔

پس حقیقی طے یہ ہے: کہ دنیا کی مسافت اپنے سے پوری طرح لپیٹ دو۔ یہاں تک کہ موت تمہاری طرف تمہارے نفس سے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے زیادہ قریب ہو جائے۔

جیسا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

كُلُّ امْرِئٍ مُّصَبَّحٌ فِي اَهْلِهٖ   وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

ہر شخص اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے۔ اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب

ہے۔

اور جب تم نفس سے پوری طرح کوچ کر جاؤ گے۔ اس طرح کہ اس کا کچھ شائبہ باقی نہ رہ جائے۔ تو اس وقت تم عالم ملکوت کی طرف کوچ کر جاؤ گے۔ اور تمہارے سامنے جبروت کے اسرار کھل جائیں گے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث شریف میں روایت کی گئی ہے:

''اَلدُّنْیَا خُطْوَۃُ مُؤْمِنٍ''۔ ''دنیا مومن کا قدم ہے'' یعنی وہ اس کو اس میں زہد اختیار کر کے طے کرتا ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: تم لوگ اس شخص پر تعجب نہ کرو۔ جو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر جو کچھ چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے۔ بلکہ تم لوگ ایسے شخص پر تعجب کرو۔ جو اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالتا ہے اور کچھ نہیں پاتا ہے۔ لیکن اس کے اندر کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

حضرت ابو محمد مرتعش سے بیان کیا گیا: فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک درست اور بلند درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس کی خواہشات کی مخالفت میں قائم کر دے۔ تو وہ پانی پر چلنے، اور ہوا میں اڑنے سے بہت ہی بڑا مرتبہ ہے۔ اور خواہشات کی مخالفت، صرف ہر شی میں زہد، اور ہر شی سے غائب ہونے سے ہوتی ہے۔

حقیقی فقیر

ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: تم لوگوں کو کسی ایسے فقیر کو دیکھ کر خوش نہ ہونا چاہیے۔ جو نماز زیادہ ادا کرتا ہے۔ یا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ یا روزہ زیادہ رکھتا ہے۔ یا زیادہ گوشہ نشین رہتا ہے۔ بلکہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھو جو دنیا میں زہد اختیار کر چکا ہے۔ یعنی اس سے کنارہ کش ہو گیا۔ اور اس سے کوچ کر چکا ہے۔ اور اس کی طرف اس کی کچھ توجہ باقی نہیں رہی ہے۔ تو تم کو اس کے ساتھ خوش ہونا چاہیے اگرچہ اس کی نماز، اور اس کا روزہ، اور ذکر اور گوشہ نشینی کم ہو۔

میں کہتا ہوں: اس کا بیان مصنفؒ کے اس قول کے ضمن میں پہلے ہو چکا ہے:

(مَا قَلَّ عَمَلٌ بَرَزَ مِنْ قَلْبٍ زَاهِدٍ)

''زاہد کے قلب سے جو عمل صادر ہوتا ہے وہ کم نہیں ہے''

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں بیان فرمایا ہے:

''لَا تَدُلُّ عَلٰی فَهْمِ الْعَبْدِ كَثْرَةُ عِلْمِهٖ وَلَا مُدَاوَمَتُهٗ عَلٰی وِرْدِهٖ، وَاِنَّمَا يَدُلُّ عَلٰی نُوْرِهٖ وَفَهْمِهٖ غِنَاهُ بِرَبِّهٖ، وَانْحِيَاشُهٗ اِلَيْهِ بِقَلْبِهٖ، وَتَحَرُّرُهٗ مِنْ رِقِّ الطَّمْعِ، وَتَحْلِيَةِ الْوَرْعِ، وَبِذٰلِكَ تَحْسُنُ الْاَعْمَالُ وَتَزَكُّوا الْاَحْوَالَ''

''علم کی کثرت، وردو وظائف کی مداومت، بندے کی سمجھ کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نور اور اس کی سمجھ کی دلیل، اس کا اپنے رب کے ساتھ مشغول ہو کر اس کے ماسویٰ سے مستغنی ہونا، اور اپنے قلب کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا، اور طمع کی غلامی سے اس کا آزاد ہونا، اور ورع کے زیور سے اس کا آراستہ ہونا ہے۔ اور اسی سے اعمال بہتر ہوتے ہیں۔ اور احوال پاکیزہ ہوتے ہیں۔ تو ہمارے شیخ الشیوخ نے جو فرمایا۔ وہ درست ہے۔ لیکن اس حقیقت کو اہل ذوق میں سے اہل فن کے سوا دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ مجاہدہ، اور مشاہدہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ پہلے مجاہدہ ہوتا ہے پھر جب باطن میں مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو ظاہری جسمانی اعضاء ساکن ہو جاتے ہیں۔ اور صرف غور و فکر اور حضوری کے ساتھ ادب، باقی رہ جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات حضرت مصنفؒ پر وہ شخص اعتراض کرتا ہے جو علم طریقت سے جاہل ہونے کے سبب ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتا ہے۔ (وباللہ التحقیق)

اور دنیا کی مسافت کا طے ہونا، صرف اس میں زہد یعنی اس سے کنارہ کشی سے ہی ممکن ہے۔ اور اس میں زہد صرف مخلوق سے ہمت کے اٹھا لینے، اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے، اور جو کچھ مخلوق کے ہاتھ میں ہے اس سے مایوس ہو جانے سے ثابت اور قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا:

اَلْعَطَاءُ مِنَ الْخَلْقِ حِرْمَانٌ وَالْمَنْعُ مِنَ اللّٰهِ اِحْسَانٌ

''مخلوق کی جانب سے عطا (بخشش) محرومی ہے۔ اور مخلوق کی طرف سے عطا سے منع (محروم کرنا) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔''

میں کہتا ہوں: مخلوق کی طرف سے بخشش، تین وجوہ سے، اللہ تعالیٰ کی بخشش سے محرومی ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ مخلوق کی عطا میں نفس کا فائدہ اور اس کی خوشی ہے۔ اور اس کی خواہشات اور فوائد کا حاصل ہونا ہے۔ اور اس میں قلب کی سختی اور موت ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس میں درجات کی کمی، اور مرتبوں اور مقامات کے کمال سے نیچے اترنا ہے۔ اور اسی وجہ سے بزرگان دین نے خواہشات سے فائدہ اٹھانا ترک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا) ''تم لوگوں نے اپنی بہترین چیزیں دنیا میں حاصل کر لیں''۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ مرید اپنے نفس کی موت، اور روح کی حیات کے لئے سوال کرتا ہے۔ لیکن جب اس پر مخلوق کی طرف سے بخشش زیادہ ہو جاتی ہے تو نفس خوش ہوتا ہے۔ اور مانوس ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس ذریعہ سے جلدی نہیں مرتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب اس کا سامنا محرومی سے ہو جائے۔ تو وہ جلدی مر جاتا ہے۔ کیونکہ محرومی میں اس کے لئے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اسی بناء پر جس جہاد میں مال غنیمت حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس کا درجہ اس جہاد سے بڑا ہے۔ جس میں مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے وارد ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے۔

''اِذَا خَرَجَتْ طَائِفَةٌ لِلْغَزْوِ فَجَاهَدُوْا وَ غَنِمُوْا فَقَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ اَجْرِهِمْ، وَاِذَا لَمْ يَغْنَمُوْا رَجَعُوْا بِاَجْرِهِمْ كَامِلاً'' ''جب کوئی گروہ جنگ کے لئے نکلتا ہے۔ پھر وہ لوگ جہاد کرتے ہیں۔ اور بعد میں مال غنیمت پاتے ہیں۔ تو وہ لوگ اپنے اجر کا دو تہائی حصہ فوراً پا لیتے ہیں (اور ایک تہائی ان کو آخرت میں ملے گا) اور جب انہیں مال غنیمت نہیں ملتا ہے تو وہ اپنا پورا اجر لے کر لوٹتے ہیں۔ (یعنی آخرت میں ان کو پورا اجر ملے گا)'' یا حضرت نے جس طرح فرمایا ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ مخلوق کی بخشش میں مخلوق کی طرف توجہ، اور ان کی طرف محبت

کے ساتھ قلب کا مائل ہونا ہے۔ اس لئے کہ نفس کی یہ پیدائشی فطرت ہے کہ جو اس کے ساتھ احسان کرے۔ وہ اس کے ساتھ محبت کرے۔ تو وہ اس کے لئے چوری ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھوں میں قید ہو جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی وصیت میں ہے: "لَا تَجْعَلْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ اللّٰهِ مُنْعِماً، وَعِدْ نِعْمَةً غَيْرِهٖ عَلَيْكَ مَغْرَماً" "اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی دوسرا انعام دینے والا نہ بناؤ۔ اور غیر اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر قرض یا تاوان شمار کرو۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مبارک اشعار ہیں:

لَعَمْرُكَ مَنْ اَوْلَيْتَهٗ مِنْكَ نِعْمَةً وَمَدَّ لَهَا كَفًّا فَاَنْتَ اَمِيْرُهٗ

"تمہارے عمر کی قسم، جس شخص کو تم نے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کی۔ اور اس نے اس کے لینے کے لئے تمہارے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ تو تم اس کے امیر ہو"

وَمَنْ كُنْتَ مُحْتَاجاً اِلَيْهِ فَاِنَّهٗ اَمِيْرُكَ تَحْقِيْقاً وَ اَنْتَ اَسِيْرُهٗ

اور جس شخص کے تم محتاج ہو۔ وہ تمہارا حقیقی امیر ہے۔ اور تم اس کے قیدی ہو۔

وَمَنْ كُنْتَ عَنْهُ ذَاغِنًى وَهُوَ مَالِكٌ اَزِمَّةَ اَهْلِ الدَّهْرِ اَنْتَ نَظِيْرُهٗ

اور جس شخص سے تم بے نیاز ہو۔ وہ اگرچہ اہل زمانہ کا مالک اور سردار ہو۔ پھر بھی تم اس کے مثل اور برابر ہو۔

فَعِشْ قَانِعاً اِنَّ الْقَنَاعَةَ لِلْفَتٰى غِنَاهُ وَهٰذَا مُقْتَضٰى مَا اَشِيْدُهٗ

پس تم قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ کیونکہ قناعت نوجوان کے لئے غنا ہے۔ اور جس کی طرف میں اشارہ کرتا ہوں۔ اس کا تقاضا یہی ہے۔ اور ایک دوسرا شعر ہے۔

وَلَا اَلْبَسُ النَّعْمَاءَ وَ غَيْرُكَ مُلْبِسِىْ وَلَا اَمْلِكُ الدُّنْيَا وَ غَيْرُكَ وَاهِبِىْ

میں ایسی نعمتوں کو نہیں پہنتا ہوں جس کو تمہارے سوا کوئی دوسرا پہنانے والا ہو۔ اور میں ایسی دنیا کا

مالک ہونا نہیں چاہتا ہوں جس کا دینے والا تمہارے سوا کوئی دوسرا ہو۔

جتنا لوگوں کی برائی سے بھاگتے ہو اس سے کہیں زیادہ بھلائی سے بھاگو!

ہمارے شیخ الشیوخ، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد ہمارے طریقہ کی بنیاد، مولائے عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن جتنا تم، لوگوں کی برائی سے بھاگتے ہو۔ اس سے زیادہ ان کی بھلائی سے بھاگو۔ کیونکہ ان کی بھلائی کا اثر تمہارے قلب میں پہنچے گا۔ اور ان کی برائی کا اثر صرف تمہارے بدن پر ہوگا۔ اور جس چیز کا اثر صرف تمہارے بدن پر پہنچے، وہ اس چیز سے بہتر ہے جس کا اثر تمہارے قلب میں پہنچے۔ اور وہ دشمن جس کے ذریعہ تم اپنے رب تک پہنچ جاؤ۔ اس دوست سے بہتر ہے جو تم کو تمہارے رب سے جدا کردے۔ ایک عارف نے فرمایا ہے: پاکیزگی کی عزت فائدہ کے سرور سے زیادہ کامل ہے۔ اسی بناء پر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اِذَا اَسْدٰی اِلَیْکُمْ اَحَدٌ مَعْرُوْفاً فَکَافِئُوْہُ

جب کوئی شخص تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے تو تم اس کا بدلہ اس کو دو۔ تاکہ تم اپنے سر سے اس کے احسان کو اتار دو۔ اور اس کی غلامی کو اپنے سے منقطع کردو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محرومی بھی احسان ہے

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع یعنی محروم کردینا۔ دو وجوہ سے احسان ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے:۔ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نہ بخیلی کی وجہ سے محروم کیا ہے، نہ عاجزی کی وجہ سے۔ بلکہ تمہارے اوپر اچھی نظر رکھنے کے باعث تمہیں محروم کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو۔ وہ فی الحال تمہارے لئے بہتر و مناسب نہ ہو۔ اس لئے اس نے اس چیز کو آنے والے ایسے وقت کے لئے موقوف کردیا ہو، جو تمہارے لئے زیادہ بہتر اور مناسب ہو۔ یا اس نے اس کو تمہاری محتاجی کے دن (آخرت) کے لئے جمع کردیا ہو۔

دوسری وجہ:۔ یہ ہے:۔ اس محرومی میں ہمیشہ اسی کے دروازے پر ٹھہرے رہنا، اور اسی کی بارگاہ میں پناہ لینا ہے۔ اور اس میں تمہارے لئے انتہائی بزرگی، اور تمہارے مرتبہ کی بلندی ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اِذَا دَعَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْمَلَائِکَۃِ:۔ اَخِّرُوْا حَاجَتَہٗ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ صَوْتَہٗ، وَاِذَا دَعَا الْفَاجِرُ قَالَ لِلْمَلَائِکَۃِ:۔ اِقْضُوْا حَاجَتَہٗ فَاِنِّیْ اَکْرَہُ صَوْتَہٗ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

مجھے اپنے بندے کی آواز اچھی لگ رہی ہے اس کی عدا قبول نہ کرو

''جب صالح بندہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے اس کی حاجت پوری کرنے میں تاخیر کرو۔ کیونکہ میں اس کی آواز کو سننا پسند کرتا ہوں۔ اور جب فاسق وفاجر دعا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: اس کی حاجت پوری کردو۔ کیونکہ میں اس کی آواز کو سننا ناپسند کرتا ہوں''۔ یا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔

تنبیہ:۔ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے مخلوق کی عطا کو محرومی قرار دیا ہے وہ سائرین، یا زاہدین و عابدین کے اعتبار سے ہے۔ لیکن واصلین باللہ متمکنین مع اللہ، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرپرستی اپنے ذمہ لی ہے۔ اور ان کو مخلوق کے مشاہدہ سے غائب کر دیا ہے تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تصرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دفع کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کو موجود نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک عارف کے اشعار ہیں۔

مُذْ عَرَفْتُ الْاِلٰہَ لَمْ اَرَ غَیْراً وَکَذَا الْغَیْرُ عِنْدَنَا مَمْنُوْعٌ

جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا پھر اس کے بعد غیر کو نہیں دیکھا کیونکہ غیر ہمارے نزدیک ممنوع ہے۔

مُذْ تَجَمَّعْتُ مَا خَشِیْتُ اِفْتِرَاقاً فَاَنَا الْیَوْمَ وَاصِلٌ مَجْمُوْعٌ

''جب سے میں جمع ہوا پھر اس کے بعد مجھے جدائی کا خوف نہیں ہوا۔ تو میں آج بھی واصل اور جمع کیا ہوا ہوں''۔

پس واصلین:۔ عطا کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ وہ مخلوق کی طرف کبھی دیکھتے

ہی نہیں ہیں۔مگر یہ کہ اس میں حکمت کا واسطہ مشاہدہ کرتے ہیں۔جیسا کہ ایک عارف کا شعر ہے:

اِذَا مَا رَاَیْتَ اللّٰهَ فِی الْكُلِّ فَاعِلاً　　رَاَیْتَ جَمِیْعَ الْكَائِنَاتِ مِلَاحاً

جب تم اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق میں فاعل دیکھتے ہو۔تو پھر تمام مخلوق تمہاری نگاہ میں بے حقیقت ہے۔وباللہ التوفیق

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

خلاصہ

یہاں نواں باب ختم ہوا۔

اس باب کا حاصل:۔ عارف کے کمال کی علامت،اور طلب میں،اور بسط و قبض میں،اور منع و عطا میں اس کیلئے آداب ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی تمام بخششوں میں سے وہ بخشش ہے۔جو نیکیاں وہ اپنے بندوں کو نیک اعمال کے صلے میں عطا کرتا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے دسواں باب کی ابتدا اسی کے بیان سے کی ہے۔

باب دہم

اعمال کے صلہ کی کیفیت، اعمال کا صلہ طلب کرنے پر تنبیہ، اور عطا و منع میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، اور اس کی طرف سبقت و قبولیت کے لئے آمادہ ہونے، اور اس کے سامنے ہمیشہ بے قراری، اور اس کی نعمت کے لئے محتاجی، اور اس کی محبت میں اس کی مخلوق سے وحشت کے بیان میں۔ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جَلَّ رَبُّنَا اَنْ يُّعَامِلَهُ الْعَبْدُ نَقْدًا فَيُجَازِيْهِ نَسِيْئَةً

''ہمارے رب سبحانہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک اور بلند ہے کہ بندہ اس سے نقد معاملہ (سودا) کرے اور وہ اس کو اس کا صلہ دیر میں عطا کرے یعنی قرض رکھے''۔

میں کہتا ہوں:۔ کریم کی شان یہ ہے کہ جب کوئی چیز خریدے تو اس کی قیمت نقد عطا کرے۔ اور قیمت کے علاوہ بخشش اور انعام عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جانوں، اور مالوں کو خرید لیا ہے۔ اور اس کی قیمت میں ہم کو جنت عطا کی ہے۔ تو جس شخص نے اپنی جان اور مال کو بیچ دیا۔ اور نقد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں اس کو معرفت کی جنت فوراً عطا کی۔ اور خوشنما جنت کی بخشش آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اور اس کے ساتھ قسم قسم کی نعمتوں کا، اور اپنے دیدار کے ہمیشہ مشاہدے کا تحفہ عطا فرمائے گا۔

چند نقد انعامات

پس ہمارا رب اس سے پاک اور بلند ہے کہ بندہ اس سے نقد سود ے۔ اور وہ اس کا صلہ ادھار رکھ دے۔ بلکہ ضروری ہے کہ جو کچھ اس کے لئے اس دنیائے فا ی یں لائق اور مناسب ہے۔ وہ اس کو فوراً نقد عطا کرے اور جو کچھ اس کی آخرت کے لئے لائق اور موزوں ہو وہ وہاں جمع کرے۔

اوراللہ تعالیٰ جو چیزیں اس دنیا میں اس کو نقد عطافرماتا ہے وہ مندرجہ ذیل چند امور ہیں۔

ان میں سے ایک امر: یہ ہے کہ وہ نقصانات کو بندے سے دفع کرتا ہے اور فوائد اور مسرتیں اس کے لئے مہیا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ) ''اوراللہ تعالیٰ صالحین کی سرپرستی فرماتا ہے''۔اور دوسرے مقام پرارشادفرمایا: (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)۔ ''جوشخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہے۔ اوراس کواس طریقے پر روزی دیتا ہے جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا ہے۔

اور تیسرے مقام پرارشادفرمایا: (اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَـآءَ اللّٰـهِ لَا خَـوْفٌ عَـلَيْهِـمْ وَلَا هُـمْ يَـحْزَنُوْنَ) خبردار رہو۔اولیاءاللہ کے اوپر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔نہ رنجیدہ ہوں گے''۔

اور یہ سلسلہ اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل جاری رہتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ان امور میں سے دوسرا امر:۔ یہ ہے کہ اس کے اوپر انوار چمکتے ہیں،اوراس کے قلب پراسرار منکشف ہوتے ہیں اور یہ توجہ اور مواجہت کے انوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا) ''اے ایمان والو! اگرتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے۔تو وہ تمہارے لئے فرقان بنائے گا''۔

فرقان:۔ وہ نور ہے۔جوحق اور باطل کے درمیان تمیز کرتا ہے۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ) اوراللہ تعالیٰ سے ڈرو۔اوراللہ تعالیٰ تم کو علم عطا کرتا ہے''۔اور تیسری جگہ ارشادفرمایا:

(اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست اور سرپرست ہے۔ وہ ان کوظلمتوں سے نکال کرنور کی طرف لاتا ہے''۔

یعنی ان کوکفر کی ظلمت سے نکال کرایمان کے نور کی طرف لاتا ہے۔اور معصیت کی ظلمت سے

نکال کر طاعت کے نور کی طرف لاتا ہے۔ اور ظاہر محسوس کی ظلمت سے نکال کر باطن کے نور کی طرف لاتا ہے اور غفلت کی ظلمت سے نکال کر بیداری کے نور کی طرف لاتا ہے۔ اور مخلوق کی ظلمت سے نکال کر خالق کے نور کی طرف لاتا ہے۔

ان امور میں سے تیسرا امر: عمل کرنے سے پہلے عمل کے لئے توفیق اور ہدایت ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے سامنے ٹھیرنے کے لائق بنایا۔ اسی کو مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:

(كَفَىٰ مِن جَزَائِهِ إِيَّاكَ عَلَى الطَّاعَةِ اَنْ رَضِيَكَ لَهَا اَهْلًا)

طاعت کا صلہ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے تم کو اپنی طاعت کے لئے اہل منتخب فرمایا۔

میں کہتا ہوں:۔ بادشاہ اپنی خدمت کے لئے اس شخص کو منتخب کرتا ہے جس کو وہ عزت دینے کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے حضور میں اس کو داخل کرتا ہے جس کی عظمت بڑھانا چاہتا ہے۔ اور فضیلت اور بزرگی والے ہی اس کے ساتھ نسبت پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا

''اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا۔ تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا''

توفیق کے تین طریقے

پس طاعت کے لئے توفیق کا عطا ہونا، طاعت کا سب سے بڑا صلہ، اور عظیم احسان ہے۔ کیونکہ بندے کے لئے توفیق تین طریقے پر ثابت ہوتی ہے۔

اول:۔ کسی طریقے پر اپنے مولا کے ساتھ نسبت صحیح کرنا۔

دوم: کسی صورت سے اس کی طرف توجہ قائم ہونا۔

سوم: ہر حال میں عبودیت کے طریقے کو قائم کرنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

اور ان امور میں سے چوتھا امر: وہ انسیت اور قرب ہے، جو عمل کرنے کی حالت میں بندے کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اور اسی کو حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: (كَفٰى

الْعَالَمِیْنَ جَزَاءً مَّا هُوَ فَاتِحُهٗ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فِیْ طَاعَتِهٖ) ''عمل کرنے والوں کے لئے وہی صلہ کافی ہے۔ جواللہ تعالیٰ اپنی طاعت کی حالت میں ان کے قلوب پر منکشف کرتا ہے''۔

اہل عمل کے قلوب پر تین امور منکشف ہوتے ہیں

میں کہتا ہوں: عمل کرنے والوں کے قلوب پر عمل کرنے کی حالت میں اللہ تعالیٰ جو کچھ منکشف کرتا ہے وہ تین ہیں۔ اول: محاضرہ۔ دوم: مراقبہ۔ سوم: مشاہدہ۔

پس محاضرہ: طالبین کے لئے۔ اور مراقبہ:۔ سائرین کے لئے اور مشاہدہ واصلین کے لئے ہے۔ یعنی محاظرہ: عموم کے لئے۔ اور مراقبہ: خصوص کے لئے۔ اور مشاہدہ: خصوص الخصوص کے لئے ہے اور تینوں کا نام خشوع ہے۔

خشوع

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ خشوع:۔ کمال ہیبت کے سامنے سرگوشی کی بساط پر خاموش ہونا، اور کشف کی طاقت کے ماتحت پگھل جانا، اور تجلی کے غلبہ کے وقت محو ہو جانا ہے۔ اور تیسرا مقام آنکھ کی ٹھنڈک کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: بندہ طاعت کی حالت میں جو کچھ پاتا ہے۔ وہ تین ہے:

اول: طاعت کی طرف اس کی سبقت، اور توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کی انسیت۔ اور اسی سے رقت طاری ہوتی اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ کے سامنے چاپلوسی، اور خوشامد کا پایا جانا۔ اور اس سے طاعت میں شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ جس کے سبب وہ ہر شی کو بھول جاتا ہے۔

سوم:۔ سمجھ اور علمی فوائد، اور لدنی الہامات کا حاصل ہونا۔ اس کے باعث وہ کل اشیاء کو ترک کر دیتا ہے۔

مناجات کی حلاوت

ایک عارف نے فرمایا ہے۔ دنیا میں ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے، وہ نہ

آخرت کی جنت کا مشتاق ہوتا ہے نہ کسی دوسری شی کا۔ نہ اسے کبھی وحشت ہوتی ہے۔لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ عارف نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ ایک عالم نے فرمایا ہے: اس دنیا میں جنت کی نعمتوں سے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے۔مگر مناجات کی وہ شیرینی، جس کو خوشامد کرنے والے رات کے وقت اپنے قلوب میں پاتے ہیں۔

ایک عارف فرماتے تھے: دنیا میں دوست کے سامنے خوشامد، اور قریب یعنی اللہ تعالیٰ سے مناجات (سرگوشی) دنیا کی چیزوں میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ظاہر کردیا ہے۔اور اس کو صرف اللہ والے ہی جانتے ہیں۔اور ان کے قلوب کو اسی میں راحت ملتی ہے''۔

اور ان امور میں سے پانچواں امر:۔ وہ پھل ہیں جو ان کو عمل کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔اور اسی کو حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا هُوَ مُوْرِدُهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ وُجُوْدِ مُؤَانَسَتِهٖ

''اور اللہ تعالیٰ کی وہ انسیت جو اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے پر وارد کرتا ہے''۔

تین طرح کے عمل کے بعد انسیت حاصل ہوتی ہے

میں کہتا ہوں: وہ انسیت جس کو عامل عمل کرنے کے بعد پاتا ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول: ذکر کی انسیت: اوہ وہ فنافی الافعال والوں کے لئے ہے۔

دوم: قرب کی انسیت: وہ فنافی الصفات والوں کے لئے ہے۔

سوم: شہود کی انسیت: وہ فنافی الذات والوں کے لئے ہے۔

پس اول: اہل اسلام کے لئے۔ دوم: اہل ایمان کے لئے۔ سوم: اہل احسان کے لئے ہے۔

پہلی انسیت: آدمیوں سے نفرت اور بھاگنے کا سبب ہوتی ہے۔

دوسری انسیت: پرہیز کرتے ہوئے آدمیوں سے قریب رہنے کا سبب ہوتی ہے۔

تیسری انسیت: آدمیوں سے صحبت اور میل جول کا سبب ہوتی ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں

سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ تو پہلی قسم کے شخص کے لئے اس کی کمزوری کی وجہ سے عزلت مناسب ہے۔ اور دوسری قسم کے شخص کے لئے حفاظت اور پرہیز کے ساتھ صحبت موزوں ہے تاکہ قوت کے ساتھ علم حاصل کرے۔ پس وہ ان لوگوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے قلب کے ساتھ ان لوگوں سے دور رہتا ہے۔

اور تیسری قسم کے شخص کے لئے قوت کے ساتھ ثابت و قائم ہونے کی وجہ سے صحبت ہی لائق ہے۔ کیونکہ وہ ہر شی سے حصہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی شی حصہ حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ ہر شی کی کدورت اس کے ذریعہ صاف ہو جاتی ہے لیکن اس کی صفائی کی کوئی شی مکدر نہیں کرتی ہے۔

اور ذکر کی انسیت:۔ قرب کی انسیت تک پہنچاتی ہے۔ اور قرب کی انسیت:۔ شہود کی انسیت تک پہنچاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی گھاٹی پر چڑھتا ہے تو وہ اس کو اپنے بعد کی آرام تک پہنچا دیتی ہے۔

مشقت کی گھاٹی

ایک عارف نے فرمایا ہے: طاعتوں میں سے کوئی طاعت ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ مشقت اور سختی کی گھاٹی نہ ہو۔ اور اس میں طاعت کرنے والے کو صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جو شخص اس کی سختی پر صبر کرتا ہے۔ وہ آرام اور آسانی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ گھاٹی نفس کا مجاہدہ، اور خواہش کی مخالفت ہے۔ پھر اللہ کی قسم، دنیا کے ترک کرنے میں مکابدہ یعنی سختیوں کا برداشت کرنا لازمی ہے۔ پھر اس کے بعد طاعت کی لذت، اور معرفت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اخلاص کی کمی اور عبودیت کی سچائی کا خاتمہ

پس اے مرید! تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ تم ان امور میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کرو۔ جو اللہ تعالیٰ اعمال کے صلے میں تم کو عطا کرتا ہے۔ خواہ وہ نقد ہو یا ادھار۔ کیونکہ یہ تمہارے اخلاص میں کمی کا باعث، اور تمہاری عبودیت کی سچائی کو ختم کرنیوالی ہے۔ جیسا کہ مصنف ؒ نے اسکی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

”مَنْ عَبَدَهُ لِشَیْءٍ یَرْجُوْهُ مِنْهُ، اَوْلِیَدْفَعَ بِطَاعَتِهٖ وُرُوْدَ الْعُقُوْبَةِ عَنْهُ، فَمَا قَامَ بِحَقِّ اَوْصَافِهٖ“

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی ایسی چیز کے لئے کرتا ہے جس کی وہ اس سے امید رکھتا ہے۔ (مثلاً جنت) یا اس لئے عبادت کرتا ہے۔ کہ اس کی عبادت کے صلے میں اس سے عذاب دور ہو جائے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے حق پر قائم نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں اپنے اخلاص کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم: وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے عذاب کے خوف سے کرتے ہیں۔ خواہ وہ عذاب فوراً ہو، یا دیر میں۔ یا اس کی رحمت، اور حفاظت کی طمع میں کرتے ہیں۔ خواہ وہ رحمت اور حفاظت فوراً ہو یا دیر میں۔ اور یہ لوگ عام مسلمین ہیں اور ان کے بارے میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

”لَوْلَا النَّارُ مَا سَجَدَ لِلّٰهِ سَاجِدٌ“ ”اگر دوزخ کی آگ نہ ہوتی تو کوئی سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرتا“۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی ذات سے محبت اور اس کی ملاقات کے شوق میں کرتے ہیں۔ نہ کہ اس کی جنت اور حفاظت کی طمع سے، اور نہ اس کے دوزخ اور عذاب کے خوف سے۔ اور وہ لوگ سائرین میں سے محبین عاشقین ہیں۔

تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت عبودیت کے وظائف قائم کرنے کیلئے، اور ربوبیت کی عظمت کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ عبودیت میں سچائی، اور ربوبیت کے وظیفوں کے قائم کرنے کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ محبین عارفین ہیں۔

تو پہلی قسم کے لوگوں کی عبادت:۔ ان کے نفس کے ساتھ، ان کے نفس کے لئے ہے۔

اور دوسری قسم کے لوگوں کی عبادت: ان کے نفس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

اور تیسری قسم کے لوگوں کی عبادت: اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت، کسی ایسی چیز کے لئے کرتا ہے، جس کی وہ اس سے دنیا میں یا آخرت میں امید رکھتا ہے۔ یا اس لئے کرتا ہے کہ اس کی طاعت کے صلے میں دنیا میں یا آخرت میں اس سے عذاب دور ہو۔ تو وہ ربوبیت کے اوصاف کے حق کے ساتھ قائم نہیں ہوتا ہے۔ (یعنی ربوبیت کا حق ادا نہیں کرتا ہے) اور ربوبیت کے اوصاف: عظمت و کبریائی اور عزت و غنا اور کمال کے تمام اوصاف، اور جلال و جمال کی تمام صفات ہیں۔ اور ربوبیت کی صفات عظمت و جلال کا تقاضا ہے۔ عاجزی، اور ذلت کے ساتھ عبودیت کا خضوع۔

کیا تم نے غور کیا ہے؟ کیا اگر جنت اور دوزخ نہ ہوتی۔ تو اللہ واحد قہار عبادت کے لائق نہ ہوتا؟

کیا تم نے غور کیا ہے؟ وہ ذات جس نے ایجاد (پیدا کرنا) اور امداد (زندگی قائم رکھنے اور آرام کے لئے ضروری تمام چیزیں) کی نعمتوں سے نوازا۔ کیا وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ تمام بندے اس کا شکر بجا لائیں؟

تو جو شخص اپنے آقا کا زرخرید غلام ہوتا ہے۔ وہ اپنے آقا کی خدمت، اس کے احسان اور بخشش کے بدلے میں نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کی بندگی اور غلامی کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کا آقا لامحالہ اس کی ضرورتوں اور روزی کا انتظام کرتا ہے۔

کیا اس اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ذات کے لئے پیدا کیا۔ پھر تم کو اپنی بخشش سے محروم کر دے گا؟ اور کیا وہ تم کو اپنے گھر میں داخل کرے گا تو تم کو اپنے احسان سے محروم کر دے گا؟ اگر تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو گے، تو وہ اپنی عظیم بخشش سے تم کو محروم کر دے گا۔ تو تم اللہ رب کریم کے ساتھ بدگمانی اور بے ادبی کر رہے ہو۔ بے شک جب تم ماں کے شکم میں جھلیوں کی تاریکی میں تھے۔ تو اس وقت اس نے اپنا احسان اور روزی تمہارے اوپر جاری کیا۔ تو پھر اب جب کہ اس نے تم کو اپنا وجود ظاہر کرنے کے لئے ظاہر کیا۔ اور اپنی نعمتیں تمہارے سامنے پھیلا دیں اور

اس میں تم کو اختیار دے دیا۔ تم جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو۔ اور ان کے ساتھ جو معاملہ چاہو کرو۔ (یعنی بناؤ یا بگاڑو)

خانہ کعبہ کے ایک پتھر پر قدرت کے قلم سے جو مکتوب لکھا ہوا ہے اس میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تَذَكَّرْ جَمِيْلِیْ فِيْكَ اِذْ كُنْتَ نُطْفَةً وَلَا تَنْسِ تَصْوِيْرِیْ لِشَخْصِكَ فِی الْحَشَا

''تو اپنے بارے میں میرے احسان کو یاد کر جب کہ تو صرف نطفہ (ناپاک قطرہ) تھا اور تو ماں کے شکم میں اپنی ذات کے لئے میری تصویر سازی کو نہ بھول''۔

وَكُنْ وَاثِقًابِیْ فِیْ اُمُوْرِكَ كُلِّهَا سَاَكْفِيْكَ مِنْهَا مَا يُخَافُ وَ يُخْتَشٰی

''اور اپنے کل معاملوں میں میرے اوپر بھروسہ کر۔ میں ان تمام چیزوں میں تیرے لئے کافی ہوں گا جن سے خوف کی وجہ سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے''۔

وَسَلِّمْ اِلَیَّ الْاَمْرَ وَاعْلَمْ بِاَنَّنِیْ اُصَرِّفُ اَحْكَامِیْ وَاَفْعَلُ مَا اَشَا

''اور تو اپنا معاملہ میرے سپرد کر دے۔ اور جان لے! کہ بے شک میں اپنے احکام میں الٹ پھیر کرتا رہتا ہوں۔ اور جو کچھ میں چاہتا ہوں کرتا ہوں''۔

پس اے انسان! تو اللہ تعالیٰ سے اس بات پر شرم کر کہ تو اس سے اس عبادت پر اجر طلب کرے۔ جس کو اللہ واحد منان نے تیرے اوپر فرض کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو یاد کر۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَو لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ)

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے ہمیں اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا''۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کر: (وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ) ''اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کر: (وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ) ''تم لوگ نہیں چاہتے ہو مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”لَا یَكُنْ اَحَدُكُمْ كَالْعَبْدِ السُّوْءِ ، اِنْ خَافَ عَمِلَ ، وَلَا كَالْاَجِيْرِ السُّوْءِ ، اِنْ لَمْ يُعْطَ الْاُجْرَةَ لَمْ يَعْمَلْ“

تم میں کوئی شخص برے غلام کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ اگر خوف کا سامنا ہو تو عمل کرے اور نہ برے مزدور کی طرح ہونا چاہیے کہ اگر اس کو اجرت نہ دی جائے تو کام نہ کرے۔“

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (نِعْمَ الْعَبْدُ صُهَيْبٌ لَوْ لَمْ يَخِفِ اللّٰهَ لَمْ يَعْصِهٖ) ”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہترین بندے ہیں اگرچہ اب ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی خوف نہیں ہے لیکن وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور میں فرمایا ہے:

سب سے بڑا ظالم

”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ عَبَدَنِیْ لِجَنَّةٍ اَوْ نَارٍ، لَوْلَمْ اَخْلُقْ جَنَّةً وَّلَا نَارًا، اَلَمْ اَكُنْ اَهْلًا اَنْ اُطَاعَ“

”اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری عبادت جنت کی طمع، یا دوزخ کے خوف سے کرتا ہے۔ اگر میں جنت اور دوزخ کو نہ پیدا کرتا۔ تو کیا میں عبادت کے لائق نہ ہوتا؟

سب سے بڑا دوست

نیز حضرت داؤد علیہ السلام کی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: (اِنَّ اَوَدَّ الْاَوِدَّاءِ اِلَیَّ مَنْ عَبَدَنِیْ بِغَيْرِ نِوَالٍ لٰكِنْ لِيُعْطِیَ الرَّبُوْبِيَّةَ حَقَّهَا) ”سب دوستوں سے زیادہ دوست میرے نزدیک وہ شخص ہے جو میری عبادت بغیر کسی بخشش کے کرتا ہے بلکہ وہ صرف اس لئے عبادت کرتا ہے تاکہ ربوبیت کا حق ادا کرے“۔

پھر اگر تم اپنی ہمت کو فوائد کی طلب سے اٹھالو گے، تو تمہارے اوپر فوائد کی بارش ہوگی۔

دادا کی وجہ سے پوتوں اور پڑپوتوں کی حفاظت

بعض حدیث میں وارد ہوا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَحْفِظُ الْأَوْلَادَ وَأَوْلَادَ الْأَوْلَادِ بِطَاعَةِ الْأَجْدَادِ

''اللہ تعالیٰ اولاد کی، اور اولاد کے اولاد کی حفاظت باپ داداؤں کی طاعت کے صلے میں کرتا ہے''۔

''اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق:۔ (وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا) ''ان دونوں لڑکوں کے باپ صالح تھے'' تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے خزانے کی حفاظت ان کے باپ کی نیکی کے صلے میں کی۔تو فوائد کی بارش اولاد پر ہوئی۔اور ان کے باپ داداؤں کے،فوائد کو ترک کرنے کی وجہ سے ان کے فوائد کی حفاظت ہوئی۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سے فرماتے تھے: (إِنِّيْ لَأُطِيْلُ الصَّلٰوةَ لِأَجْلِكَ) ''میں نماز کو تمہارے لئے لمبی کرتا ہوں'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرتا ہوں تا کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

ہر حال عطا ہی عطا کرم ہی کرم

اور اللہ تعالیٰ کی مدد: اس کا فضل وکرم، اور لطف واحسان ہے اور وہ طاعت کرنے والوں پر ہر وقت اور ہر آن جاری رہتی ہے۔خواہ وہ ظاہر میں ان کو عطا فرمائے، یا محروم کرے۔اور خواہ ان کو بسط کی حالت میں رکھے، یا قبض کی حالت میں۔اور یہ اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھتا ہے، ظاہر ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:

(مَتٰى أَعْطَاكَ أَشْهَدَكَ بِرَّهٗ، وَمَتٰى مَنَعَكَ أَشْهَدَكَ قَهْرَهٗ ، فَهُوَ فِيْ كُلِّ ذٰلِكَ مُتَعَرِّفٌ إِلَيْكَ، وَمُقْبِلٌ لِوُجُوْدِ لُطْفِهٖ عَلَيْكَ)

''جب اللہ تعالیٰ تم کو عطا کرتا ہے تو تم کو اپنے احسان کا مشاہدہ کراتا ہے اور جب تم کو محروم کرتا ہے تو تمہیں اپنے قہر کا مشاہدہ کراتا ہے۔پس وہ ان دونوں حالتوں میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہے۔

اور اپنے لطف و کرم کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہے“۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ”لطیف“ اور ”رحیم“ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں بندوں کے لئے لطف کرنے والا، اور اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے۔

برابر ہے کہ ان کو عطا فرمائے، یا ان کو محروم کر دے اور برابر ہے کہ ان کو بسط کی حالت میں رکھے، یا قبض کی حالت میں۔ پس اگر ان کو عطا کرتا ہے یا بسط کی حالت میں رکھتا ہے تو ان کو اپنی مہربانی اور احسان کا مشاہدہ کراتا ہے۔ تو وہ لوگ یہ معرفت حاصل کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان کرنے والا، اور اپنی مخلوق پر لطف کرنے والا، رحیم و کریم، بخشش کرنے والا، بھلائی کرنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ اور ان کا شوق اور اشتیاق اس کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور ان کی شکر گزاری میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کی نعمت میں بھی زیادتی ہوتی ہے اور پھر اس سلسلہ میں ان پر اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات و انعامات ہوتے ہیں جس سے زیادہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اگر ان کو محروم یا قبض کی حالت میں کرتا ہے تو ان کو اپنے قہر اور بڑائی کا مشاہدہ کراتا ہے تو وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قہار، کبیر، عظیم و جلیل ہے۔ تو وہ اس کے غلبے سے ڈر جاتے ہیں اور اس کے خوف سے پگھل جاتے ہیں۔ اور اس کے قہر کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ تو ان کی بندگی ہمیشہ رہتی ہے۔ اور ان کے گناہ کم ہوتے ہیں۔ اور ان کی برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ اور ان کی خطائیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ پس وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے، پاک و صاف، خوش و خرم ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر دو خوف، اور دو امن جمع نہیں کرتا تو جس شخص کو وہ اس دنیا میں خوف دیتا ہے اس کو قیامت کے دن امن عطا کرے گا۔ اور جس کو اس دنیا میں امن عطا کرتا ہے تو وہ دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ اس کو قیامت کے دن خوف میں مبتلا کریگا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

پس اے بندے! تم اپنے رب کو منع اور عطا میں اتہام نہ لگا۔ کیونکہ جب وہ تم کو عطا کرتا ہے۔ تو تم کو اپنے احسان، اور رحم و کرم کا مشاہدہ کراتا ہے۔ تو تم اس کے ذریعے سے پہچان لیتے ہو کہ وہ رؤف اور رحیم و کریم ہے۔ پھر تم اس کی بخشش اور کرم سے متعلق ہو جاتے ہو۔ نہ کہ اس کے غیر

کے ساتھ۔تو تم طمع کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہو۔اور غم اور پریشانی تم سے دور ہو جاتی ہے۔اور تم بھی رحم وکرم،اوراحسان کی صفت سے موصوف ہو جاتے ہواور اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے خلق سے آراستہ ہو جائے۔

خدائی اخلاق سے آراستہ ہو جاؤ

حدیث شریف میں ہے:

(تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ الرَّحْمٰنِ) ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ ہو جاؤ''۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے:

كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنُ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے''

اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔تو گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضرت رسول کریم ﷺ کے اخلاق،اللہ تعالیٰ کے اخلاق ہیں۔لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احترام،اور ربوبیت کی ادب کا لحاظ کیا۔

اور جب تم کو محروم کرتا ہے یا قبض کی حالت میں کرتا ہے تو تم کو اپنے قہر اور کبریائی کا مشاہدہ کراتا ہے۔تو تم پہچانتے ہو۔کہ وہ قہار و جبار ہے۔تو تمہارا خوف بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری حیاء اور ہیبت زیادہ ہوتی ہے۔پس لامحالہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعظیم وتکریم کرتا ہے۔اور تمہاری حفاظت کرتا ہے اور وہ تم سے اسی طرح شرم کرتا ہے جس طرح تم اس سے شرم کرتے ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسی منزل میں اتارتا ہے۔جس منزل میں اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے نزدیک رکھا ہے اور بندہ اپنے رب کی طاعت،اس کی معرفت اور خوف کے مطابق کرتا ہے

قبض وبسط سے وہ اپنا تعارف کراتا ہے

پس اللہ سبحانہ تعالیٰ ان سب عطا ومنع،اور قبض وبسط میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہے: یعنی تم سے اس بات کا طالب ہے کہ تم اس کی صفات اور اسماء کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کرو۔اور

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہر اسم اپنے مفہوم اور منشاء کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ''کریم'' عطا اور احسان کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وہ اس کی مخلوق میں ظاہر ہے اور اس کا اسم پاک ''مانع'' منع کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ تو یہ اس کے بندوں میں ظاہر ہے اور اس کا اسم پاک ''منتقم'' ایسے لوگوں میں ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے جن کا منہ اس نے اپنی مخالفت کی طرف پھیرا۔ اور اس کا اسم پاک ''قھار'' ایسے لوگوں میں ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے جن پر وہ قہر و غضب، منع کی صورت میں، یا کسی دوسری صورت میں، جس طرح وہ چاہے کرتا ہے اور اس کا قہر اس کے بندوں میں موت کی شکل میں بھی ظاہر ہوا تو یہ اس کے اسم پاک ''قہار'' کے تقاضوں سے ہے اور اسی طرح ہر اسم پاک مخلوق میں اپنے ظہور کا تقاضا کرتا ہے اور کل اسمائے حسنٰی باری تعالیٰ کا ظہور: بنی آدم (آدمیوں) ہی میں مشیت الٰہی ہے۔

تو جب عطا اور منع کی حالت میں تم نے اس حقیقت کا یقین کر لیا تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف، اور احسان کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ کیونکہ وہ ہر شی میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہے۔ اور ہر صورت میں تمہارے اوپر توجہ کر رہا ہے۔ تو تم بھی ہر حال میں اس کی معرفت طلب کرو۔ اور جلال و جمال میں اپنے اوپر اس کا احسان پہچانو۔ اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اپنی روح، اور جسم کے ساتھ اس کے قہر کے سامنے سر تسلیم خم کر دو تو تم اس کے حقیقی بندے ہو جاؤ گے اور وہ تمہارا حقیقی اور سچا رب ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حکمت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دارومدار صرف روحانی قوت پر ہے جو جلال اور جمال میں پہچاننے والی قوت ہے نہ کہ قوت بشری پر۔ اس لئے کہ قوت بشری سے محروم کرنے ہی میں بندے کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق

عارف باللہ ہی ان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے

ان سب کا ذائقہ صرف وہی لوگ چکھتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ حضرت مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:۔ (اِنَّمَا يُؤْلِمُكَ الْمَنْعُ

لِعَدَمِ فَهْمِكَ عَنِ اللّٰهِ فِيْهِ)

''منع یعنی محرومی تمہیں اس لئے تکلیف دیتی ہے کہ تم محرومی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سمجھ نہیں رکھتے ہو''۔

میں کہتا ہوں:۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ ہونا: اس کی معرفت کے موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔اور معرفت کامل نہیں ہوتی ہے جب تک اہل معرفت جلال و جمال، منع وعطا، بسط و قبض میں معرفت حاصل نہ کرے۔

لیکن اگر صرف جمال میں پہچانتا ہے تو یہ ان عوام کی معرفت ہے جو اپنے نفس کے بندے ہیں۔تو اگر ان کو عطا کیا جاتا ہے تو وہ راضی رہتے ہیں۔اور اگر نہ عطا کیا جائے تو وہ ناراض ہوتے ہیں۔

نیز معرفت کا نتیجہ: قضاوقدر کے فیصلوں پر راضی رہنا، اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، یعنی رضاوتسلیم ہے۔

اور عشق ومحبت کا نتیجہ: سختیوں، اور امتحانوں کے وقت صبر کرنا ہے۔کسی عارف نے فرمایا ہے:

تَدَّعِيْ مَذْهَبَ الْهَوٰى ثُمَّ تَشْكُوْا   اَيُّ دَعْوَاكَ فِي الْهَوٰى قُلْ لِّيْ اَيْنَا

''تم عشق کے مذہب کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر شکایت کرتے ہو۔محبت میں تمہارا کیا دعویٰ ہے مجھ کو بتاؤ۔

لَوْ وَجَدْنَاكَ صَابِراً لِّهَوَانَا   لَاَ عْطَيْنَاكَ كُلَّ مَا تَتَمَنّٰى

''اگر ہم تمہیں اپنے عشق میں صبر کرنے والا پاتے تو ہم تم کو وہ ساری چیزیں عطا کر دیتے جس کی تم تمنا کرتے ہو''۔

پس کوئی محبت کرنے والا، اس کی محبت میں، اور کوئی عارف اس کی معرفت میں سچا نہیں ہوسکتا ہے جب تک اس کے نزدیک منع وعطا، قبض وبسط، فقر وغنا، عزت وذلت، تعریف اور برائی، ہونا اور نہ ہونا، رنج اور خوشی، برابر نہ ہو۔یعنی وہ اپنے محبوب کو ہر حال میں پہچان لے۔جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے:

میرا حبیب اور محبوب ہر حالت میں ہے۔تو ہر حال میں اس سے راضی رہے۔ اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ تو اگر ہر حال میں اپنے اندر رضا و تسلیم کو نہ پائے تو عشق و محبت کے مرتبے کا دعویٰ نہ کرے اور اپنی قدر و منزلت کو پہچانے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اور اللہ والوں کے مرتبوں کی چوری کرنے سے باز رہے۔ جو شخص اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو امتحان کے گواہ اس کو رسوا کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَحْیَا سَعِیْداً فَمُتْ بِهٖ شَهِیْدًا وَاِلَّا فَالْغَرَامَ لَهٗ اَهْلٗ

''اگر تم نیک بخت ہو کر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اس کی شہادت دیتے ہوئے مر جاؤ ورنہ تم تباہی کے مستحق ہو گے''۔

دو خصلتوں بنا فقر کہاں؟

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: فقیر کے لئے فقر درست نہیں ہوتا جب تک اس کے اندر دو خصلتیں نہ ہوں۔ اول: اللہ تعالیٰ پر وثوق کامل (پورا بھروسہ) دوم: اللہ تعالیٰ کا ان چیزوں میں شکر گزار ہونا۔ جو اس سے روایت کی گئی ہیں۔ اور جنکے ذریعے دنیا کے دوسرے لوگوں کی آزمائش کی گئی ہے۔

زہد کیا ہے؟

ایک عارف سے دریافت کیا گیا: آپ کے نزدیک زہد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جب ہم پاتے ہیں تو شکر کرتے ہیں اور جب ہم کھو دیتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ہمارے خیال میں بلخ کے کتوں کا بھی یہی حال ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا: سنو! جب ہم کھو دیں تو شکر کریں۔ اور جب پائیں تو صبر کریں۔ پس یہی اللہ تعالیٰ کی سمجھ ہے۔ کہ وہ کھو جانے کے وقت شکر کرتا ہے۔ یعنی کھو جانے کو نعمت، اور فاقہ کو غنا سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسی میں بخشش اور اسرار کو پاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اس کے بعد واردات و انوار کے نازل ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ اور یہ شواغل (غافل کرنے والی چیزیں) اور اغیار سے فراغت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اسی سے احوال پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اور اعمال کی عظمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کا مالک قبولیت اور توجہ کا اہل ہوتا ہے۔

ورنہ اعمال کی ظاہری شکل کا عدم قبولیت کے ساتھ، کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بنا قبولیت طاعت کا کوئی فائدہ نہیں

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے:

”رُبَّمَا فُتِحَ لَكَ بَابُ الطَّاعَةِ وَمَافُتِحَ لَكَ بَابُ الْقُبُوْلِ“

”اکثر اوقات تمہارے لئے طاعت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ لیکن قبولیت کا دروازہ نہیں کھولا جاتا“۔

میں کہتا ہوں: طاعت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ قبولیت نہ ہو۔ جیسا کہ سوال کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگر امید حاصل نہ ہو۔ اس لئے کہ طاعت:۔ مطاع (معبود) کی محبت کے لئے، اور طاعت کرنے والے پر اس کی توجہ کے لئے صرف وسیلہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کے سامنے دروازہ کھول دے۔ اور اس کے قلب سے حجاب کو دور کر دے۔ اور اس کو احباب کے فرش پر بٹھائے۔ تو اگر تمہارے سامنے عمل کا دروازہ کھل گیا۔ اور تم اس کے حاصل کرنے میں اپنی امید کی انتہا تک پہنچ گئے۔ لیکن تمہیں عمل کا پھل نہیں ملا۔ نہ تم نے اس کا مزہ چکھا۔ اور عمل کا پھل اور اس کا مزہ: مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت، اور اس کے ماسوا سے وحشت، اور اس کے ساتھ غنا، اور اس کے سامنے خوف اور بے قراری، اور اس کے علم کو کافی سمجھنا، اور اس کی قسمت پر قناعت کرنا ہے۔

پس اے مرید! تم اس سے دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی طاعت کا دروازہ کھول دیتا۔ اور اپنی خدمت کے لئے تم کو آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن تمہارے لئے قبولیت کا دروازہ نہیں کھولتا ہے۔ اور وصول (پہنچنے) سے تم کو روک دیتا ہے۔ اس طرح کہ تم عمل پر بھروسہ کر لو۔ اور اس کی طرف متوجہ، اور اسی سے مانوس ہو جاؤ۔ اور وہ تمہیں مشغول کر کے منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی طرف ترقی سے غافل کر دے۔ اسی لئے ایک عارف نے فرمایا ہے:

طاعتوں کی حلاوت سے بچو۔ کیونکہ وہ زہر قاتل ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے میں مشغول ہونے والے کو خدمت کے مقام میں ٹھہرا دیتی ہے۔ اور محبت کے مقام سے محروم کر دیتی ہے۔ اور خدمت کے لئے مقرر کئے جانے والے اور محبت اور حضوری کے لئے اور منتخب کئے جانے والے، دونوں میں بڑا

فرق ہے تو بندے پر گناہ کا جاری کرنا، اس طاعت سے جو حجاب کا سبب ہو، زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے:

”وَرُبَّمَا قَضٰى عَلَيْكَ الذَّنْبَ فَكَانَ سَبَبًا فِيْ الْوُصُوْلِ“

”اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے لئے گناہ کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس وہ گناہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔“

بعض گناہ قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں

میں کہتا ہوں: ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنے مولائے حقیقی کی طرف سیر کرتا ہے اور اپنے حبیب کی حضوری اور رضامندی تک پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کبھی تھکن لاحق ہوتی ہے۔ یا اس کو رنج پہنچتا ہے۔ یا اس پر کاہلی سوار ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر گناہ مسلط کر دیتا ہے۔ یا اس کے نفس کو اس پر غالب کر دیتا ہے۔ پس وہ اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ اور گرنے کے بعد جب پھر وہ کھڑا ہوتا ہے۔ تو اپنی سیر میں وہ کوشش کرتا ہے۔ اور اپنی غفلت سے وہ بیدار ہوتا ہے اور اپنی کاہلی سے وہ باز آتا ہے۔ پھر وہ ہمیشہ اپنے مولائے حقیقی کی طلب میں اس کے ماسوا سے غائب ہو کر جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بارگاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دیدار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہ بارگاہ اللہ سبحانہ، تعالیٰ کی تجلیات، اور اس کی ذات کے اسرار کی بارگاہ ہے۔ اور اس کی مثال: اس مسافر مرد کی طرح ہے جس کو راستے میں نیند آ گئی، یا سستی لاحق ہو گئی تو وہ گر گیا۔ اور کسی پتھر سے ٹکرا کر اسے چوٹ لگ گئی۔ تو جب وہ پھر اٹھا تو اس کی سستی دور ہو گئی۔ اور اپنی سیر میں کوشش کرنے لگا۔

حدیث شریف میں ہے:

(رُبَّ ذَنْبٍ اَدْخَلَ صَاحِبَهُ الْجَنَّةَ، قَالُوْ:۔ وَكَيْفَ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:۔ لَا يَزَالُ تَائِباً فَارًّا مِّنْهُ خَائِفاً مِّنْ رَّبِّهٖ حَتّٰى يَمُوْتَ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ) اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

”اکثر گناہ ایسے ہیں۔ جو اپنے کرنے والے کو جنت میں داخل کرتے ہیں۔ اصحاب کرام نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا۔ حضرت نے فرمایا: وہ گناہگار ہمیشہ توبہ کرتا رہتا ہے اور اس گناہ

سے بھاگتا ہے اور اپنے رب سے ڈرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرتا ہے''۔

یا جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو: اور دوسری حدیث میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ اللّٰہُ بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُّذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ

''اس ذات پاک کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو لے جاتا، یعنی ختم کر دیتا۔ اور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتے۔ پھر مغفرت چاہتے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس طاعت کی شان میں جو قبول نہیں کی گئی۔ ارشاد فرمایا ہے:

''رُبَّ صَائِمٍ لَّیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ، وَقَائِمٍ لَّیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھْرُ''

''بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزہ سے بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اور بہت سے رات میں قیام کرنے والے (نمازیں پڑھنے والے) ایسے ہیں جن کو ان کے قیام سے جاگنے کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے''۔

تو اس قسم کی غیر مقبول طاعت سے وہ معصیت افضل ہے جس کے ساتھ عاجزی و انکساری ہو۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے قول میں بیان فرمایا ہے:

''مَعْصِیَۃٌ اَوْرَثَتْ ذُلًّا وَّافْتِقَارًا، خَیْرٌ مِّنْ طَاعَۃٍ اَوْرَثَتْ عِزًّا وَّ اِسْتِکْبَارًا''

''وہ معصیت جو ذلت اور محتاجی پیدا کرے، اس طاعت سے بہتر ہے۔ جو شوخی اور تکبر پیدا کرے''۔

معصیت کا استغفار طاعت کے استکبار سے بہتر ہے

میں کہتا ہوں: حقیقتاً، جو معصیت عاجزی کا سبب ہو۔ اس طاعت سے افضل ہے، جو فخر اور تکبر کا سبب ہو۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ اَجْلِيْ

''میں ان لوگوں کے قریب ہوں جنکے قلوب میری وجہ سے عاجزی کرتے ہیں''

اور طاعت سے مقصود: خشوع وخضوع، فرماں برداری، اور عاجزی ہے۔ تو جب طاعت ان صفات سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور ان کے مخالف بری صفات سے موصوف ہو جاتی ہے۔ تو جو گناہ ان بہترین صفات کا سبب ہوتا ہے۔ اور ان خوبیوں کو پیدا کرتا ہے۔ وہ اس طاعت سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نہ طاعت کی ظاہری شکل کا کوئی اعتبار ہے۔ نہ معصیت کی ظاہری شکل کا۔ بلکہ درحقیقت اعتبار صرف اس نتیجہ کا ہے۔ جو ان دونوں (طاعت اور معصیت) سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اِعْمَالِكُمْ، وَاِنَّمَا يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ) ''بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے، نہ تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ صرف تمہارے قلوب کی طرف دیکھتا ہے۔

پس طاعت کا نتیجہ عاجزی ہے۔ اور معصیت کا نتیجہ تکبر ہے۔ نتائج بدل جاتے ہیں۔ تو حقیقتیں بھی بدل جاتی ہیں۔ اور طاعت معصیت ہو جاتی ہے۔ اور معصیت طاعت بن جاتی ہے۔

اسی لئے حضرت محاسبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کا مقصود، درحقیقت ان کے قلوب ہیں۔ تو جب عالم یا عابد نے تکبر کیا۔ اور جاہل یا گناہ گار نے عاجزی کیا۔ اور اللہ عزوجل کے خوف سے ذلت اور شرمندگی اختیار کی۔ تو وہ اپنے قلوب کے ساتھ اللہ عزوجل کا زیادہ طاعت گزار و فرماں بردار ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جس بے ادبی کا نتیجہ ادب ہو، وہ بے ادبی نہیں ہے۔ اور حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے زیادہ امید رکھنے والے تھے۔ اور ان کے اوپر رحمت کی وسعت کا مشاہدہ غالب تھا اور حضرت شیخ رضی اللہ عنہ آدمیوں کی عزت وتعظیم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبہ کے موافق کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ان کے پاس کوئی طاعت گزار آتا تھا تو اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات ان کے پاس کوئی گناہ گار آتا تھا، تو اس کی عزت وتعظیم کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اطاعت

کرنے والا اس حالت میں آتا تھا۔ کہ وہ اپنے عمل پر متکبر ہوتا تھا۔ اور اس کی نظر اپنے فعل پر ہوتی تھی۔ اور وہ گنا ہگار اپنے گناہ کی کثرت، اور شرمندگی و عاجزی کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس واقعہ کو مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: مجھے میرے سر میں آواز دی گئی: میرے خزانے خدمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو اگر تم ہم کو چاہتے ہو، تو ذلت اور عاجزی اپنے اوپر لازم کرو۔

خود پسندی گناہ سے بدتر ہے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

(لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَخَشِيْتُ عَلَيْكُمْ مَاهُوَ اَشَدُّ مِنْ ذَالِكَ: اَلْعُجْبُ) كَذَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ

''اگر تم لوگوں نے گناہ نہیں کیا تو مجھے یہ خوف ہے، کہ تم لوگ گناہ سے بھی زیادہ سخت برائی میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔ اور وہ عجب (فخر اور خود پسندی) ہے''

یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں وارد ہے

اور دوسری حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

لَو لَا اَنَّ الذَّنْبَ خَيْرٌ مِّنَ الْعُجْبِ مَا خَلَا اللّٰهُ بَيْنَ الْمُؤْمِنِ وَالذَّنْبُ اَبَدًا

''اگر گناہ عجب سے بہتر نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ مومن اور گناہ کے درمیان کبھی نہ ہوتا''

حضرت شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: گنا ہگار کی انکساری، اطاعت گزار کی عظمت اور رعب سے بہتر ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ معصیت، نفس کے ساتھ، ہزار طاعت سے بہتر ہے۔ حضرت شیخ کے کلام کا مفہوم یہ ہے: جب بندے پر کوئی ایسی لغزش جاری کر دی جاتی ہے جس کا وہ اپنے دل میں ارادہ نہیں کرتا ہے بلکہ قدرت اس کو اس لغزش کی طرف اس کی ناگواری کے باوجود کھینچ لے جاتی ہے۔ پھر وہ نادم ہوتا اور عاجزی کرتا ہے۔ تو وہ لغزش اس کے حق میں ان ہزاروں طاعتوں سے بہتر ہے جن میں وہ اپنے نفس کا مشاہدہ کرے اور جس کی وجہ

سے وہ اللہ کے بندوں پر فخر کرے۔

عینیہ کے مصنفؒ نے کیا خوب اشعار فرمائے ہیں:

وَاَسْلَمْتُ نَفْسِیْ حَیْثُ اَسْلَمَنِیْ الْھَوٰی وَمَا لِیْ عَنْ حُکْمِ الْحَبِیْبِ تَنَازُعُ

''میں نے اپنے نفس کو اس کے سپرد کر دیا۔ جس کے سپرد مجھے عشق نے کیا۔ اور مجھ کو دوست کے حکم سے کوئی اختلاف نہیں''۔

فَطَوْرًا تَرَانِیْ فِی الْمَسَاجِدِ رَاکِعاً وَاِنِّیْ طَوْراً فِی الْکَنَائِسِ رَاتِعُ

''پس تم مجھ کو کبھی مسجدوں میں رکوع کرتے ہوئے اور کبھی کنیسوں میں مقیم دیکھتے ہو''۔

اَرَانِیْ کَالْاٰلَاتِ وَھُوَ مُحَرِّکِی اَنَا قَلَمٌ وَالْاِقْتِدَارُ اَصَابِعُ

''میں اپنے کو مشین کی طرح دیکھتا ہوں۔ اور وہی مجھ کو حرکت دینے والا ہے۔ میں قلم ہوں اور طاقت و اختیار انگلیوں میں ہے۔

وَلَسْتُ بِجَبْرِیٍّ وَلٰکِنْ مُشَاھِدٌ فِعَالُ مُرِیْدٌ مَا لَہٗ مِنْ مُدَافِعُ

''اور میں جبریہ نہیں ہوں۔ لیکن ارادہ کرنے والے مختار مطلق کے افعال کو مشاہدہ کرتا ہوں۔ جس کے ارادے کی مدافعت کوئی نہیں کر سکتا ہے''۔

فَاٰوِنَۃٌ یَقْضِیْ عَلَّی بِطَاعَۃٍ وَحِیْنًا بِمَا عَنْہُ نَھَتْنَا الشَّرَایِعُ

''پس اکثر اوقات وہ میرے اوپر طاعت کے لئے حکم جاری کرتا ہے۔ اور کبھی اس چیز کے لئے حکم دیتا ہے جس سے شریعت نے ہم کو منع کیا ہے۔

لِذَاکَ تَرَانِیْ کُنْتُ اَتْرُکُ اَمْرَہٗ وَاٰتِی الَّذِیْ اَنْھَاہُ وَالْجَفْنُ دَامِعُ

''اسی لئے تم مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں اس کے حکم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس کو کرتا ہوں حالانکہ ناگواری کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں''۔

وَلِی نُکْتَۃٌ غَرَّاءُ سَوْفَ اَقُوْلُھَا وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَرْعَوِیْھَا الْمَسَامِعُ

''اور میرے سامنے ایک روشن نکتہ ہے جس کو میں عنقریب بیان کروں گا اور وہ اس لائق ہے کہ کان اس کو توجہ سے سنیں''۔

هِيَ الْفَرْقُ مَا بَيْنَ الْوَلِيِّ وَ فَاسِقٍ تَنَبَّهْ لَهَا فَالْاَمْرُ فِيْهِ فَظَائِعُ

''ولی اور فاسق کے درمیان وہی نکتہ فرق ہے۔ اس سے ہوشیار رہو کیونکہ اس معاملہ میں حد سے زیادہ خرابیاں ہیں۔

وَمَا هُوَ اِلَّا اَنَّهٗ قَبْلَ وَقْعِهٖ يُخَبِّرُ قَلْبِيْ بِالَّذِيْ هُوَ وَاقِعُ

''اور وہ نکتہ یہ ہے کہ کسی امر کے واقع ہونے سے پہلے، جو کچھ واقع ہونے والا ہے، اس کی خبر میرے قلب کو دی جاتی ہے''۔

فَاَجْنِيْ الَّذِيْ يَقْضِيْهِ فِيْ مُرَادِهَا وَعَيْنِيْ لَهٗ قَبْلَ الْفِعَالِ تُطَالِعُ

''تو جس چیز کا وہ میرے بارے میں فیصلہ کرتا ہے میں اسے مراد سمجھ لیتا ہوں اور میری آنکھ اس کے فعل سے پہلے اس کو دیکھ لیتی ہے۔''

فَكُنْتُ اَرٰى مِنْهَا الْاِرَادَةَ قَبْلَ مَا اَرَى الْفِعْلَ مِنِّيْ وَالْاَسِيْرُ مُطَاوِعُ

تو اپنی طرف سے فعل کے صادر ہونے سے پہلے میں اس کے ارادے کو دیکھتا ہوں۔ کیونکہ قیدی فرماں بردار ہوتا ہے۔

فَاٰتِي الَّذِيْ تَهْوَاهُ نَفْسِيْ وَمُهْجَتِيْ لِذَالِكَ فِيْ نَارٍ حَوَتْهَا الْاَضَالِعُ

پس میں اس کے پاس آتا ہوں یعنی وہ کرتا ہوں، جو میرا نفس چاہتا ہے۔ اور میری روح ایسی آگ میں ہے جو میرے سینہ میں بھری ہوئی ہے۔

اِذَا كُنْتُ فِيْ حُكْمِ الشَّرِيْعَةِ عَاصِيًا فَاِنِّيْ فِيْ عِلْمِ الْحَقِيْقَةِ طَائِعُ

جب میں شریعت کے حکم میں نافرمان ہوتا ہوں تو بے شک میں حقیقت کے علم میں فرمان بردار ہوتا ہوں۔

صالح اور فاسق کی نافرمانی میں فرق ہے

پس عینیہ کے مصنف ؒ نے ولی کی معصیت، اور فاسق کی معصیت میں فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے: اور یہ فرق تین وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ: ولی [illegible] نہیں کر[illegible] معصیت سے خوش نہیں ہوتا

ہے۔ تیسری وجہ: وہ معصیت پر اصرار نہیں کرتا ہے یعنی دوبارہ نہیں کرتا ہے۔ اور فاسق، تینوں وجوہ میں اس کے برعکس (الٹا) ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا: کیا عارف زنا کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: (وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا) ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے سے تجویز کر کے مقدر کیا ہوا ہے۔

لیکن ولی کی معصیت، تو اس کی حد صرف ظاہری ہے۔

اسی لئے حضرت ابن عطاء اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اے کاش مجھے معلوم ہوتا: اگر اس سے دریافت کیا جائے: کیا عارف کی ہمت غیر اللہ کی طرف متعلق ہوتی ہے؟ تو وہ جواب دے: نہیں۔

اور چونکہ نعمتیں بندے سے شکر کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور نعمتوں کا شکر: ان میں اللہ کی طاعت کے ساتھ عمل کرنا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: شکر یہ ہے، کہ نعمتوں کی ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

دو نعمتیں ایجاد و امداد

حضرت مصنفؒ نے نعمتوں کے اصول و فروع کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(نِعْمَتَانِ ، مَا خَرَجَ مَوْجُوْدٌ عَنْهُمَا ، وَلَا بُدَّ لِكُلِّ مُكَوَّنٍ مِّنْهُمَا: نِعْمَةُ الْاِيْجَادِ، وَنِعْمَةُ الْاِمْدَادِ''

''دو نعمتیں ہیں، جن سے کوئی موجود خارج نہیں ہے۔ اور کل موجودات (مخلوقات) کے لئے دونوں لازمی و ضروری ہیں''۔

میں کہتا ہوں: ایجاد کی نعمت: وہ عالمِ غیب سے عالمِ شہادت میں، یا عالمِ امر سے عالمِ خلق میں، یا عالمِ ارواح سے عالمِ اجسام میں، یا عالمِ قدرت سے عالمِ حکمت میں، یا عالمِ تقدیر سے عالمِ تکوین میں، ظاہر کرنا ہے۔

امداد کی نعمت: وہ اشیاء کے وجود کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ اور ان کے

لئے ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی امداد جوان کے وجود کے قائم رہنے کے لئے ضروری ہے۔اور یہ دونوں نعمتیں سب کے لئے عام ہیں۔اور انسان ان نعمتوں کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں دوضدیں (متضاد، ایک دوسرے کیخلاف) جمع کی گئی ہیں۔اور وہ: نور وظلمت، اور لطافت و کثافت ہیں۔

پس اے انسان! اگر تو اسی عدم (نیستی) کی حالت پر باقی رہتا جو عالمِ قدم (قدیمی) میں تھی۔تو تو، دونعمتوں سے فائدہ نہ اٹھاتا: اجسام کی نعمت، اور ارواح کی نعمت۔ اور اگر تیرے اندر ایک طرف سے تجلی ہوتی تو تو معرفت کے شہود میں ناقص رہتا۔اور آدمی کی فضیلت، معرفت میں زیادہ ہوتی ہے۔اور مجاہدہ کے مطابق مشاہدہ میں ترقی ہوتی ہے۔اس وجہ سے کہ اس کے اندر کثافت اور لطافت ہے۔تو جب وہ کثافت سے لطیف یعنی پاک ہوتا ہے۔اپنے رب کے مشاہدہ میں ترقی کرتا ہے۔اور اس وجہ سے کہ اس کے اندر نور اور ظلمت ہے۔تو جب ظلمت ختم ہوتی ہے۔نور قوی ہوتا ہے۔بخلاف غیر انسان کے مثلاً جن اور غیر مقرب فرشتے۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے حق میں فرمایا ہے: (وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ) ''اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر مقام یعنی مرتبہ ہے۔

انسان اور فرشتوں کی مثال

پس آدمی کی مثال: سیاہ یاقوت کی طرح ہے۔جو تمام یاقوتوں سے بڑا اور قیمتی ہوتا ہے۔جتنا تم اس کو صیقل (صاف) کروگے وہ اتنا ہی چمکے گا۔اور اس کی روشنی اور خوب صورتی بڑھے گی۔

اور فرشتوں کی مثال: آبگینہ کی طرح ہے۔جب ایک مرتبہ صیقل کیا جاتا ہے تو پوری طرح صاف ہو جاتا ہے۔اور اس کی چمک اپنی اصل سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ پس اے انسان! اگر تو قدم کے قبضے کے بعد اسی عدم یا لطافت کی حالت پر تو باقی رہتا، جس پر تو تھا تو تجھ کو دوسروں (جن، اور فرشتوں) پر کوئی فضیلت نہ ہوتی۔اور اس حقیقت پر، کہ آدمی کی تجلی کی بڑی خصوصیت اس کے قلب اور نظر کے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ قول رہنمائی کرتا ہے: (وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ) ''اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں''

اور کلام صرف خواص کے ساتھ ہے۔ کیونکہ آدمیوں کے خواص الخواص: یعنی انبیاء علیہم السلام فرشتوں کے خواص سے مرتبے میں بلند ہیں۔ اور فرشتوں کے خواص، یعنی مقربین آدمیوں کے خواص، یعنی عارفین سے مرتبے میں بلند ہیں۔ اور عارفین: عام فرشتوں سے مرتبہ میں بلند ہیں۔ اور عوام فرشتے: آدمیوں کے عوام سے مرتبہ میں بلند ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے انسان! حق سبحانہ تعالیٰ نے پہلے ایجاد کی نعمت سے تیرے اوپر انعام کیا۔ اور رحمت اور محبت کو تیرے ساتھ کر دیا۔ تا کہ تیری فضیلت ظاہر ہو۔ اور تیری نعمت پوری ہو جائے۔ پھر دوبارہ ظاہری و باطنی امداد کی نعمت سے تیرے اوپر انعام کیا۔

ظاہری امداد: وہ بشریت کی غذا ہے۔ اس کی پیدائش کی ابتدا سے، اس کی آخری انتہا تک۔

باطنی امداد: وہ یقین و علوم، معارف و اسرار سے روح کی غذا ہے۔

اور باطنی امداد: اپنی کیفیت کے اعتبار سے تین قسم میں منقسم ہے۔

پہلی باطنی امداد: وہ ہے جو نہ زیادہ ہوتی ہے نہ کم۔ اور وہ فرشتوں کی امداد ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ) ''اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر مقام ہے''۔

باطنی امداد کی دوسری قسم: وہ ہے جو زیادہ اور کم ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ عوام آدمیوں کی امداد ہے۔

باطنی امداد کی تیسری قسم: وہ ہے۔ جو زیادہ ہوتی ہے کم نہیں ہوتی۔ اور وہ خواص آدمیوں کی امداد ہے۔ مثلاً انبیاء و مرسلین علیہم السلام، و اولیائے عظام رضی اللہ عنہم اور وہ فقراء و مریدین سائرین جو ان سے تعلق رکھتے، اور ان کی تربیت میں داخل ہوتے، اور ان کی خانقاہوں میں جمے رہتے ہیں۔ پس ان کی امداد ہمیشہ زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

اور روح کے لئے یہ امداد: اس کے بشریت کے ساتھ ملنے سے قبل ثابت ہے۔ کیونکہ اسی امداد کے سبب ارواح نے عالمِ ذر (عالمِ ارواح) میں ربوبیت کا اقرار کیا۔

مصنفؒ نے تنویر میں فرمایا ہے: تجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے تمام حالات

میں تمہاری سرپرستی فرمائی اور ان تمام حالات میں اپنے احسانات کو تمہارے ساتھ قائم رکھا۔ پھر تمہارے لئے بہترین تدبیر کے ساتھ یومِ مقادیر: روزِ اول یوم (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى) میں قائم ہوا۔ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا۔ ہاں، ہیں۔

اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیروں میں سے یہ ہے: اس نے تمہیں اپنی معرفت عطا کی۔ تو تم نے اس کو پہچانا۔ اور تمہارے سامنے تجلّی کی۔ تو تم نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اور اس نے تمہیں بات کرنی سکھائی۔ اور اپنی ربوبیت کے اقرار کرنے کا تم کو الہام کیا۔ تو تم نے اس کی وحدت کا اقرار کیا۔ پھر اس نے تم کو نطفہ بنا کر پشتوں میں امانت رکھا۔ وہاں اس نے اپنی تدبیر کے ساتھ تمہاری، اور جس میں تم تھے، اس کی حفاظت کرتے ہوئے تمہاری سرپرستی فرمائی۔ اور اپنے باپ دادائوں میں حضرت آدم علیہ السلام تک، جتنے لوگوں میں تم تھے، ان کے وسیلے سے تم کو مدد پہنچا کر تمہاری سرپرستی کی۔ پھر اس نے تم کو ماں کے رحم میں ڈالا۔ پھر بہترین تدبیر سے تمہاری سرپرستی فرمائی۔ اور رحم کو تمہارے لئے قبول کرنے والی زمین بنائی، تا کہ اس میں تمہارا پودا پروان چڑھے۔ اور امانت گاہ بنائی۔ تا کہ اس میں تم کو تمہاری زندگی عطا کی جا سکے۔ پھر اس سبحانہ تعالیٰ نے تمہیں دو نطفوں ماں اور باپ کے درمیان جمع کیا۔ اور تمہارے لئے ان دونوں میں محبت پیدا کی۔ پھر انہیں دونوں کے ذریعے تم اس چیز کے اہل ہوئے جس پر حکمت الٰہی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یعنی کہ ازدواج ہی پر وجود کا بالکل انحصار ہے۔ پھر تم کو نطفہ کے بعد ایسا علقہ (جونک کی طرح جما ہوا خون) بنایا، جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پھر علقہ کے بعد مضغہ بنایا۔ (لوتھڑا) پھر اللہ تعالیٰ نے لوتھڑے میں تمہاری صورت کا نقشہ ، اور تمہاری بنیاد یعنی ڈھانچہ بنایا۔ پھر اس کے بعد تمہارے اندر روح پھونکی۔ پھر اس نے رحم مادر میں حیض کے خون سے تم کو غذا پہنچائی۔ پھر اس نے تم کو رحم مادر سے نکال کر وجود میں لانے سے پہلے تمہارے لئے اپنی روزی مقرر کی۔ پھر اس نے تم کو رحم مادر میں باقی رکھا۔ یہاں تک کہ تمہارے اعضاء قوی اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے تا کہ وہ تم کو اس کی طرف جو تمہارے لئے یا تمہارے اوپر مقدر کی گئی ہے نکلنے کے لئے تیار کر دے۔ اور تا کہ وہ تم کو نکال کر ایسے گھر کی طرف لے جائے جس

میں تم اپنے اوپر اس کے فضل و کرم، اور اپنے ساتھ اس کے عدل و انصاف کو پہچانو۔

پھر جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو رحم مادر سے زمین پر نازل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ تم سخت قسم کی غذاؤں کو نہیں کھا سکتے اور نہ تمہارے منہ میں دانت ہیں نہ داڑھ، جس سے تم اپنے کھانے کی چیزوں میں مدد حاصل کر سکو۔ تو اس نے دونوں پستانوں میں ہلکی لطیف غذا (دودھ) جاری کیا۔ اور ان دونوں میں دودھ پیدا کرنے کے لئے رحمت اور شفقت کے اس جذبہ کو مقرر کیا جو اس نے ماں کے دل میں پیدا کیا ہے۔ تو جب کبھی دودھ نکلنے سے رک جاتا ہے تو وہ رحمت اور شفقت اس کو نکلنے کے لئے آمادہ کرتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ماں کے دل میں پیدا کیا ہے۔ ایسی آمادگی جس میں سستی نہیں ہوتی۔ اور ایسا ابھارنا جس میں کمی نہیں ہوتی۔ پھر اس سبحانہ تعالیٰ نے باپ اور ماں کو تمہاری بھلائیوں کے حاصل کرنے، اور تمہارے اوپر شفقت اور رحمت کرنے، اور تمہاری طرف محبت کی نظر سے دیکھنے میں مشغول کیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے، جس کو اس نے بندوں کے لئے باپ اور ماں کے مظاہر میں اپنی محبت کو پہچان کرانے کے لئے جاری کیا۔ اور درحقیقت تمہاری سرپرستی صرف اس کی ربوبیت نے کی۔ اور تمہاری پرورش اس کی الوہیت نے کی۔ پھر اس سبحانہ تعالیٰ نے سنِ بلوغ تک تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری نگہداشت کرنا باپ پر لازم کر دیا۔ اور یہ اس نے ان کے اوپر تمہارے ساتھ اپنی رحمت کی بناء پر واجب کیا۔ پھر اس نے تمہاری سمجھ کے مکمل ہونے کی عمر تک تکلیف کے قلم کو تمہارے اوپر سے اٹھا لیا۔ (یعنی فرائض و احکام کی پابندی کی تکلیف عاقل، بالغ ہونے سے پہلے نہیں دی) اور بالغ ہونے کا وقت: احتلام کے جاری ہونے کا وقت ہے۔ اور کہولت (ادھیڑ) کی عمر میں تمہارے پہنچنے تک اپنی بخشش اور فضل تم سے نہیں روکا۔ پھر جب بوڑھے ہو جاؤ گے۔ پھر جب اس کی طرف جاؤ گے۔ پھر جب اس کے سامنے جمع کئے جاؤ گے۔ پھر جب وہ تم کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ پھر جب وہ تمہیں اپنے عذاب سے نجات دے گا۔ پھر جب وہ تم کو اپنے ثواب کے گھر جنت میں داخل کرے گا۔ پھر جب وہ تم سے اپنا حجاب دور کر دے گا۔ اور تم کو اپنے اولیاء اور احباب کی مجلس میں بٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ o)

''بے شک متقی لوگ سچائی کے مقام میں اقتدار والے بادشاہ کے پاس باغوں میں ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔

تو تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کا شکر ادا کرو گے؟ اور کن کن نعمتوں کو یاد کرو گے؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان سنو: (وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ) ''اور تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

تم ہمیشہ اس کے کرم کے حصار میں ہو

تم یہ جان لو:۔ تم اللہ تعالیٰ کے احسان سے باہر نہیں ہوئے ہو۔ اور اس کا فضل و کرم تم کو کبھی نہ چھوڑے گا۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی کتاب تنویر میں بیان کیا ہے۔ اور وہ ایجاد اور امداد، دونوں نعمتوں پر شامل ہونے کی وجہ سے اس حکمت کی شرح ہے۔ اور باطنی امداد کی نعمت میں سے اسلام اور احسان کی نعمت ہے۔ اور اس کی حفاظت، اور اس کا ہر وقت اور ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہمیشہ رہنا، اور معرفت اور یقین میں ترقی کی زیادتی ہے قیامت تک۔ (فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o) ''پس سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں''۔

پھر چونکہ ان دونوں نعمتوں کی طرف نظر کرنے سے مقصود انسان ہے۔ اگر چہ یہ دونوں نعمتیں تمام مخلوق میں عام ہیں۔ کیونکہ ان کا شکر ادا کرنے کے لئے اور ان کا ذکر بیان کرنے کے لئے انسان ہی مطلوب ہے۔ اسی لئے مصنفؒ نے خاص طور پر اس کو خطاب کیا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:

اَنْعَمَ عَلَيْكَ اَوَّلًا بِالْاِيْجَادِ ، وَ ثَانِيًا بِتَوَالِي الْاِمْدَادِ

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر، پہلے تم کو پیدا کر کے، اور دوبارہ تم کو متواتر و متصل امداد پہنچا کر انعام کیا''۔

میں کہتا ہوں: توالی امداد:۔ متواتر اور متصل امداد ہے۔ خواہ وہ محسوس ظاہری ہو، خواہ

باطنی۔ پس تم ہر گھڑی اور ہر لحہ اپنے قلب اور جسم کے لئے اللہ تعالیٰ کی امداد کے محتاج ہو۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔

فَاقَتُكَ لَكَ ذَاتِيَّةٌ ، وَوُرُوْدُ الْاَسْبَابِ مُذَكِّرَةٌ لَكَ بِمَا خَفِيَ عَلَيْكَ مِنْهَا، وَالْفَاقَةُ الذَّاتِيَّةُ لَا تَرْفَعُهَا الْعَوَارِضُ

''تمہاری محتاجی تمہارے لئے ذاتی حقیقی ہے۔ اور اسباب کا وارد ہونا، تمہیں اس چیز کو یاد دلانے والا ہے جو اس میں سے تمہارے اوپر پوشیدہ ہے۔ اور ذاتی محتاجی کو عوارض (اسباب) دور نہیں کر سکتے۔

میں کہتا ہوں: ذاتی محتاجی: اصلی حقیقی محتاجی ہے۔ اور جو اسباب اس کو حرکت دینے والے ہیں۔ وہ جلالی واردات ہے۔ اور ہر وہ شی جو نفس پر غالب آ جاتی ہے۔ اور اس کو اس کے فوائد اور ان تصرفات سے جن کا وہ عادی ہے، روک دیتی ہے۔ اور حقیقتاً ہماری محتاجی ذاتی ہے۔ وہ ہم سے ایک گھڑی کے لئے جدا نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری خلقت ظاہر اور باطن سے مرکب ہے۔ اور باطن کے بغیر ظاہر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور باطن:۔ وہ ربوبیت کے اسرار ہیں۔ جو اشیاء کے ساتھ قائم ہیں۔ پس ہمارے اجسام ایجاد کی نعمت کے بعد امداد کی نعمت کے ہر لحہ محتاج ہیں اور حکمت، قدرت کے ساتھ۔ اور بشریت، روحانیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور روح:۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ) ''آپ فرما دیجئے! روح: میرے رب کے حکم میں سے ہے''۔

پس بدن روح کے ساتھ قائم ہے اور روح، اللہ تعالیٰ کے حکم میں سے ایک حکم ہے۔ اور ہر شی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ پس بشریت، ہمیشہ روحانیت کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایجاد کی نعمت کے بارے میں فرمایا ہے:

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ''

''اے انسانوں! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز اور تعریف کے

لائق ہے۔ پس یہ ایجاد کی نعمت کی محتاجی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے امداد کی نعمت کے بارے میں فرمایا: (اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ o) ''اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تو تم لوگوں کو لے جائے یعنی فنا کر دے۔ اور ایک نئی مخلوق لے آئے یعنی پیدا کر دے''۔

اور یہ امداد کی نعمت کے لئے ہماری محتاجی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بقیہ عالم کی محتاجی کے بارے میں فرمایا ہے: (اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا) ''بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹلنے اور گرنے سے روکے ہوئے ہے''۔

پس کل مخلوق ربوبیت کے حکم سے قائم، اور اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ اور ربوبیت کے بغیر کوئی مخلوق قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ حضرت شیخ ابومدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قائم اور فاعل ہے۔ اور مخلوق امداد کی محتاج اور طالب ہے۔ اور مادہ:۔ عین جود سے ہے۔ تو جب باطن کا مادہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وجود منہدم یعنی فنا ہو جاتا ہے۔

اور وجود، سے مراد: محسوس کا ظاہر ہونا ہے۔ اور عین حقیقت لطیفہ قدیمہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قائم ہے۔ اور اس کی تجلیات کا ظہور، اس کی صفات کے باطن سے امداد طلب کرتا ہے۔ اور اشیاء کا مادہ، عین جود سے ہے۔ اور وہ ایجاد اور امداد کی نعمت ہے۔ پس جب باطن کا مادہ محسوس سے منقطع ہو جاتا ہے تو محسوس یعنی مخلوق کمزور اور فنا ہو جاتی ہے۔ تو اگر اس کی صفات ظاہر ہو جائیں تو کل مخلوقات کمزور اور فنا ہو جائیں۔

پس اے انسان! تیری محتاجی ذاتی: یعنی اصلی حقیقی ہے۔ لیکن وہ پوشیدہ ہے۔ اور اس پوشیدہ محتاجی کے ظہور کے لئے حرکت دینے والے اسباب کا وارد ہونا، تم کو تمہاری محتاجی کی یاد دلانے والا ہے۔ جو تم سے پوشیدہ ہے۔ اور حرکت دینے والے اسباب سختیاں ہیں۔ اور ہر وہ چیز ہے، جو تم کو تمہارے مولائے حقیقی کی حفاظت اور پناہ میں لے جائے۔

یعنی یہ کہ تیری محتاجی تجھ سے جدا نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ہر لمحہ تو اس ذات سبحانہ کا محتاج ہے۔ جو وجود (ظہور) کے ساتھ ہی تیری مدد کرتا ہے۔ مگر وہ پوشیدہ ہے۔ اس لئے تو اسے یاد نہیں رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ظاہر ہونے کے اسباب مثلاً فتنے اور امراض وغیرہ تیرے اوپر لاحق

ہو جائیں۔ اور اصلی ذاتی محتاجی کو عوارض دور نہیں کر سکتے ہیں۔ اور عوارض:۔ تندرستی، اور آرام ہیں۔ پس جب تک بندہ آرام میں ہے۔ اس کی محتاجی پوشیدہ ہے۔ عارفین کے سوا دوسرے لوگ اس کو نہیں سمجھتے اس لئے کہ عارفین کی مجبوری اور محتاجی زائل نہیں ہوتی ہے۔ پس جب بندے پر جلال، یا حرکت دینے والا کوئی سبب واقع ہوتا ہے۔ تو اس کی محتاجی ظاہر، اور اس کی مجبوری ثابت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کا ظاہر اور باطن ہمیشہ محتاجی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر یہ کہ کسی شی کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا پسندیدہ ہے۔ اور اپنی اصل سے دور ہونے میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔ اور اے انسان! تیری اصل:۔ محتاجی، اور مجبوری اور ذلت، اور عاجزی ہے۔ پس ہر وہ شی جو تجھے اپنی اصل کی طرف لوٹاتی ہے۔ وہ تیرے لئے بہت بہتر اور اختیار کرنے کے لائق ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح کیا ہے:

”خَيْرُ اَوْقَاتِكَ وَقْتٌ تَشْهَدُ فِيْهِ وُجُوْدِ فَاقَتِكَ ، وَتُرَدُّ فِيْهِ اِلٰى وُجُوْدِ ذِلَّتِكَ“

سب سے بہترین وقت

”تمہارے سب وقتوں میں بہتر وہ ہے جس وقت تم اپنی محتاجی کو دیکھتے ہو۔ اور تم اس وقت اپنی ذلت کی ظہور کی طرف لوٹائے جاتے ہو“۔

میں کہتا ہوں: محتاجی کا دیکھنا: تمہارے کل وقتوں سے بہتر دو وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ:۔ یہ ہے کہ اس میں عبودیت کا اثبات، اور ربوبیت کی شان کی تعظیم ہے۔ اور اسی میں بندے کی بزرگی اور کمال ہے۔ اس لئے کہ ظاہر میں عبودیت کے ثابت ہونے کے مطابق، باطن میں ربوبیت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ ظاہر میں غلامی کے مطابق، باطن میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہو: ظاہر میں ذلت کے مطابق، باطن میں عزت حاصل ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہو: ظاہر کی پستی کے مطابق، باطن کی بلندی ہوتی ہے۔

جو شخص اپنے مرتبہ سے گر کر تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مرتبہ سے اوپر بلند کرتا ہے۔

غور کرو:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی افضل ترین مخلوق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس طرح

خطاب فرمایا؟ ان کو صرف عبودیت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا) ''وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے جو اپنے بندے کو رات میں لے گیا''۔ (وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ) ''اور یاد کرو۔ ہمارے بندوں ابراہیم، اور اسحاق، اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کو'' (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ) ''اور ہمارے قوت و اختیار والے بندے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کرو''۔ (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَیُّوْبَ) ''اور ہمارے بندے ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کرو۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے عبودیت کو پسند فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو اختیار عطا فرمایا: کہ آپ بادشاہ نبی ہونا چاہتے ہیں۔ یا بندہ نبی؟ تو آپ نے بندہ نبی ہونے کو پسند فرمایا۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی اشرف ترین حالت: عبودیت ہے۔ پس وہ ظاہر میں عبودیت پر جتنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق باطن میں اس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب بندہ ظاہر میں آزادی اختیار کر کے بندگی سے نکل جاتا ہے تو قدرت اس کو ادب دیتی (تنبیہ کرتی) ہے۔ اور قہریت اس کو لوٹاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے اور اپنے نفع اور نقصان کو پہچانے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ محتاجی میں اللہ تعالیٰ کی امداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے امداد کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِیْنِ) ''صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں''۔

زیادہ بخشش چاہیے تو اس کے در کا فقیر بن جا

اگر تم اپنے اوپر بخششوں کی زیادتی چاہتے ہو، تو اپنے فقر اور محتاجی کو درست کرو جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئیگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے امداد اور فتح کو محتاجی، اور ذلت، اور کمزوری اور کمی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ) ''اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی۔

حالانکہ تم ذلیل اور کمزور تھے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا:(وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ)
''اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم لوگ تھوڑے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسوائی، اور امداد نہ کرنا:۔ آزادی، اور طاقت ظاہر کرنے میں مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ

''اور جنگ حنین کے دن جب کہ تم لوگوں کو اپنی کثرت تعداد پر ناز تھا۔ تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تمہارے اوپر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے۔
اور ایسا اس لئے ہوا کہ بعض نو مسلم صحابہ کرام سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے آزادی ظاہر کرتے ہوئے اپنی کثرت پر ناز کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ادب سکھایا اور تنبیہ فرمائی۔ لیکن فتنہ عام ہو گیا۔ (یعنی چند افراد کی غلطی سے سارے صحابہ کرام آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً)

''تم لوگ اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہیں پہنچے گا''۔ (بلکہ ظالم اور غیر ظالم سب کے سب اس میں مبتلا ہو جائیں گے)

اور واقعہ سے پہلے آیت کے بیان کرنے کی وجہ یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے مرید! اب تم کو یہ معلوم ہو گیا: کہ تمہارے وقتوں میں بہتر وقت وہ ہے جس وقت تم اپنی محتاجی کا ظاہر ہونا دیکھتے ہو۔ ورنہ وہ تمہارے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور متاخرین کے نزدیک محتاجی کے ظاہر کرنے والے اسباب کا نام 'حیزۃ' ہے یعنی سختی۔

پس وہ تمہارے لئے ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اگر تم نے اس میں اپنے رب کو پہچان لیا۔

اور سختی میں معرفت یہ ہے: کہ اس سے تمہارے اندر حرکت اور بیقراری نہ پیدا ہو۔ بلکہ اس سے تمہیں سکون اور اطمینان حاصل ہو۔ اور اسباب کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے تمہاری نظر ہٹ جائے۔ اور تم مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور تمہاری ہمت رب الارباب کے ساتھ متعلق

ہو جائے۔ اور تم کریم وہاب اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھ لو۔

میں نے اپنے شیخ حضرت بزیدی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: انسان کے اس فعل سے تعجب ہے کہ وہ بھلائی یا فتح کو اپنے قریب پہنچتے اور اپنے پاس آتے دیکھتا ہے تو وہ اٹھتا ہے اور اپنا دروازہ اس کے لئے بند کرنے میں جلدی کرتا ہے اور اس طریقے پر:۔ وہ محتاجی کو اپنے پاس آتے دیکھتا ہے تو وہ ان اسباب کے اختیار کرنے میں جلدی کرتا ہے جو اس کو اس کے پاس پہنچنے سے پہلے جدا کر دیتے ہیں۔ پس بھلائی اس کے پاس پہنچنے والی تھی لیکن وہ اٹھا، اور اسے لوٹا دیا۔ حضرت شیخ کے فرمان کا مفہوم یہی ہے:

نیز تمہارے سب وقتوں میں بہتر وقت وہی ہے، جس وقت تم اپنی ذلت کے ظاہر ہونے کا مشاہدہ کرو۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا۔ اس لئے کہ ذلت کا ظاہر ہونا، تمہاری عزت اور نصرت کا سبب ہے۔ کیونکہ اشیاء اپنی ضد یعنی مخالف چیزوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

عزت ذلت میں، غنا فقر میں، طاقت کمزوری میں، علم جہالت کے ظاہر کرنے میں، وغیرہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ○

''اور ہم چاہتے ہیں، کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں''۔

''اور ہم ان کو امام بنا دیں۔ اور ہم ان کو ملک کا وارث (بادشاہ) بنا دیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دینے کے لئے اس وقت یہ آیۃ نازل فرمائی جب وہ کمزوری، اور تکلیف کی حالت میں تھے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ جو ان سے پہلے گزر

چکے ہیں"۔

اور سنت الٰہیہ یہ ہے

اور ان امور میں سے جن میں سنت الہیہ جاری ہے۔ یہ ہے: کہ تنگی کے مطابق کشادگی ہوتی ہے۔ اور فقر کے مطابق غنا ہوتی ہے۔ اور ذلت کے مطابق عزت ہوتی ہے۔ اور دشواری کے مطابق آسانی ہوتی ہے۔ اور سب کا حاصل یہ ہے کہ جلال کے مطابق جمال ہوتا ہے۔ فوراً ہو، یا دیر میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) "بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے (دو دفعہ)"۔ (وَلَنْ تُغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ) "اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی ہے"۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ، وَاَنَّ الْفَرْجَ مَعَ الْكَرْبِ ، وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) "تم یہ جان لو کہ یقیناً صبر کے ساتھ مدد، اور تکلیف کے ساتھ آرام، اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے"۔

پھر جب تمہاری محتاجی اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست، اور تمہاری ذلت اس کے سامنے ثابت ہو جاتی ہے تو وہ تمہیں اپنی محبت کا تحفہ عطا کرتا ہے۔ اور اپنی بارگاہ قدس میں تم کو داخل کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصنف ؒ نے اس حقیقت کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: (مَتٰى اَوْحَشَكَ مِنْ خَلْقِهٖ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ يُرِيْدُ اَنْ يَّفْتَحَ لَكَ بَابُ الْاُنْسِ بِهٖ) "جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے تمہارے دل میں نفرت پیدا کر دے تو تم یہ سمجھو، کہ وہ تمہارے لئے اپنی محبت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے"۔

میں کہتا ہوں: اپنی مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے: کہ جب وہ اپنے بندے کو اپنے ذکر سے مانوس کرنا، اور اپنی معرفت کا تحفہ عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنی مخلوق کی طرف سے اس کے قلب میں نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اپنی خدمت میں مشغول کرتا ہے۔ اور اپنا ذکر اس کو الہام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا قلب انوار سے معمور ہو جاتا ہے اور مشاہدہ و دیدار کے مقام میں ثابت ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس کو پھر اپنی مخلوق کی طرف، ان کے اوپر رحمت نازل کرنے کے لئے واپس پہنچاتا ہے، کیونکہ اب وہ اپنی قوت کے سبب ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے، اور وہ "ب

اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں۔

اور اس کی مثال: اس فتیلہ کی طرح ہے، جس کو تم نے جلایا۔ تو جب تک وہ کمزور ہوتا ہے۔ اس وقت تک اس کو ہوا سے بچانا، اور پوشیدہ و محفوظ مقام میں رکھنا ضروری ہے۔ پھر جب اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے اور اس کا شعلہ تم لکڑی میں لگا دیتے ہو تو اس کو لے کر تم پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے ہو۔ اور اب اس میں جتنی ہوا لگتی جاتی ہے اس کا شعلہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح فقیر جب تک ابتداء میں ہے اس کے لئے مخلوق سے نفرت اور فرار ہی لائق ہے۔ پھر جب وہ مشاہدہ کے مقام میں ثابت و قائم ہو جاتا ہے تو اب اس کے لئے مخلوق کے ساتھ میل جول ہی مناسب ہے کیونکہ اب مخلوق اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

پس اے فقیر! جب اللہ تعالیٰ تم کو اپنی مخلوق سے متنفر کر دے اور تمہارے قلب کو ان سے خالی کر دے تو تم سمجھ لو کہ وہ تم کو اپنی محبت اور معرفت عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا زمانہ جب قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خلوت کو محبوب بنا دیا۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور اس گوشہ نشینی کی حکمت، شواغل، (مشغول کرنے والی چیزوں) اور شواغب، (شور و فساد) سے باطن کو صاف کرنا ہے تا کہ وہ ان انوار کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں جو ان پر نازل کئے جائیں گے پھر جب حضرت ﷺ کدورتوں سے پاک ہو گئے تو انوار سے بھر دیئے گئے۔ اور آپ کے قلب مبارک میں عرفان کے آفتاب روشن ہو گئے اور مشاہدہ و عیاں کے مقام میں متمکن ہو گئے۔ تو اولیائے کرام، اور اصفیائے عظام کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے وہ پہلے آدمیوں سے دور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو آدمیوں سے مایوسی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ان کی ناگواری کے باوجود ارشاد و رہنمائی کے مقام پر فائز کر کے آدمیوں کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ تو بندے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں کے وجود سے ملک زندہ اور قائم رہتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاعر نے فرمایا ہے:

تَحْیَا بِکُمْ کُلُّ اَرْضٍ تَنْزِلُوْنَ بِہَا ۔ کَاَنَّکُمْ فِیْ بِقَاعِ الْاَرْضِ اَمْطَارُ

''تمہاری برکت سے ہر وہ سرزمین زندہ ہوتی ہے جس میں تم نازل ہوتے ہو (مقیم ہوتے ہو) گویا کہ تم لوگ زمین کے علاقوں کے لئے بارش ہو''۔

وَتَشْتَهِي الْعَيْنُ فِيكُمْ مَنْظَراً حُسْناً ۔۔۔ كَأَنَّكُمْ فِي عُيُوْنِ النَّاسِ أَزْهَارُ

''اور آنکھ تمہارے اندر بہترین منظر دیکھنا چاہتی ہے گویا کہ تم لوگ آدمیوں کی آنکھوں میں تروتازہ پھول ہو''۔

وَنُوْرُكُمْ يَهْتَدِيْ السَّارِيْ بِرُؤْيَتِهٖ ۔۔۔ كَأَنَّكُمْ فِيْ ظَلَامِ اللَّيْلِ أَقْمَارُ

''اور تمہارے نور سے راہِ حق کا چلنے والا ہدایت حاصل کرتا ہے۔ گویا کہ تم لوگ اندھیری رات میں چاند ہو''۔

لَا أَوْحَشَ اللّٰهُ رَبْعاً مِنْ زِيَارَتِكُمْ ۔۔۔ يَا مَنْ لَهُمْ فِي الْحَشَا وَالْقَلْبُ تَذْكَارُ

''اللہ تعالیٰ تمہاری زیارت سے کسی علاقہ کو محروم نہ کرے۔ اے وہ مقدس لوگ، جن کی یاد شکم اور قلب میں سمائی ہوئی ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیض سے فیضیاب فرمائے۔ اور ہمیں ان کی معرفت میں ثابت کرے۔ آمین

پھر جب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی محبت کا دروازہ کھول دے۔ اور تم بارگاہ قدس کے مشتاق ہو جاؤ۔ اور تمہاری زبان اس کی طلب میں گویا ہو جائے۔ تو تم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارے لئے اپنی محبت اور معرفت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔

دعا کی توفیق کا مطلب یہ ہے کہ وہ شے اللہ تمہیں دینا چاہتا ہے

جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس حقیقت کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا: (مَتٰـى أَطْلَقَ لِسَانَكَ بِالطَّلَبِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ يُرِيْدُ أَنْ يُّعْطِيَكَ) ''جب اللہ تعالیٰ تمہاری زبان طلب (دعا) کے لئے کھول دے۔ تو تم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہیں عطا کرنا چاہتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلب کو اسباب میں سے ایک سبب بنایا ہے۔

پس جب بندے کے لئے اس چیز کو پورا کرنا چاہتا ہے جو اس کے لئے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، تو اس کے بارے میں اس کے لئے طلب کا دروازہ کھولتا ہے۔ پھر جب اس کی جانب سے طلب ہوتی ہے تو وہ چیز جو ازل میں اس کی قسمت میں لکھی گئی ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہو۔ اور اس کی قدرت، اور اس کا راز پوشیدہ رہے۔ تو دعا ان تمام اسباب میں سے ایک سبب ہے، جن کا انسان عادی ہے۔ مثلاً کاشتکاری، اور دوا، اور اولاد کے لئے نکاح وغیرہ:۔ اور ان کے لئے مشیت الٰہی پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے۔ اور قضا و قدر کا حکم مقرر ہو چکا ہے۔ تو اپنی محتاجی کے ظاہر کرنے، اور بندگی کے طریقے کو قائم رکھنے کے سوا، دعا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دعا: اس چیز کے حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے جو قضا و قدر میں مقدر نہیں ہوا ازل کا حکم اس سے بلند ہے کہ اس کی نسبت اسباب و ذرائع کے ساتھ کی جائے۔

پس اے مرید جب اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو ایسی چیز کی طلب کیلئے کھولدے جو تمہارے قلب میں ظاہر ہوئی یا تمہیں اس کی حاجت ہوئی تو تم یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز تم کو عطا کرنا چاہتا ہے جو تم نے اس سے طلب کی ہے لہٰذا تم نہ حرص کرو نہ جلد بازی کرو کیونکہ ہر شئی اس کے پاس ایک اندازے کے ساتھ مقرر ہے لیکن اگر وہ دعا کیلئے تمہاری زبان بغیر سبب کے کھولدے تو بہتر یہ ہے کہ تم اس سے وہی طلب کرو جو وہ تم سے طلب کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

مانگنے والا محروم نہیں رہتا

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ اُعْطِیَ الدُّعَاءَ لَمْ یُحْرِمِ الْاِجَابَۃَ

"جس شخص کو دعا کی توفیق دی جاتی ہے اسکو قبولیت سے محروم نہیں کیا جاتا ہے۔

نیز حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ اُذِنَ لَہٗ فِی الدُّعَاءِ مِنْکُمْ فَقَدْ فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ وَمَا سُئِلَ اللّٰہُ شَیْئاً اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الْعَفْوِ وَالْعَافِیَۃِ۔

''تم میں سے جس کو دعا کی اجازت (توفیق) دی جاتی ہے۔ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے جتنی چیزیں دعا کے ذریعہ طلب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ معافی اور عافیت کی طلب ہے''۔

حضرت کتانی رضی اللہ نے فرمایا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے مومن کی زبان معذرت کے لئے کھول دی تو اس کے لئے مغفرت کا دروازہ کھول دیا۔

حضرت خفاف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کی دعا کو کیوں نہ قبول کرے گا حالانکہ وہ اس کی آواز کو پسند کرتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا یعنی قبول نہ کرنا ہوتا تو اس کو دعا کی توفیق نہ دی جاتی۔ اسی کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:

وَلَو لَمْ تُرِدْ نَيْلَ مَا اَرْجُوْ وَاَطْلُبُهٗ مِنْ فَيْضِ جُوْدِكَ مَا عَلَّمْتَنِیْ الطَّلَبَا

''جو کچھ میں امید اور طلب کرتا ہوں، اگر تو اپنی بخشش کے فیض سے عطا کرنا نہ چاہتا تو مجھے طلب کرنا نہ سکھاتا۔ یعنی دعا کی توفیق نہ دیتا''

پھر یہ سب (یعنی طلب، اور دعا) معرفت کا دروازہ کھلنے سے پہلے ہے۔

اور جب تمہارے لئے معرفت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ پھر تم کو طلب کی حاجت باقی نہیں رہتی کیونکہ اب تم مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو کر ہر شی سے بے نیاز ہو چکے ہو۔ پھر تمہاری دعا صرف محتاجی اور مجبوری ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور محتاجی اور مجبوری دونوں تمہارے لئے ہر سانس، اور ہر وقت اور ہر حالت میں لازمی وضروری ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَلْعَارِفُ لَا يَزُوْلُ اِضْطِرَارُهٗ ، وَلَا يَكُوْنُ مَعَ غَيْرِ اللّٰهِ قَرَارُهٗ

''عارف کی مجبوری اور بے قراری ہمیشہ رہتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی ہے۔ اور غیر اللہ کے ساتھ اس کو سکون وقرار نہیں ہوتا ہے''۔

عارف کے ہمیشہ بے قرار رہنے کی وجہ؟

میں کہتا ہوں: عارف کے ہمیشہ محتاج اور بے قرار ہونے کی وجہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا قیام اس کے ساتھ ثابت ہے۔ اس لئے کہ ظاہر باطن کے بغیر قائم نہیں ہوتا پس عبودیت کا ظاہر، ربوبیت کے باطن کے بغیر قائم نہیں ہوتا تو ربوبیت کے قیام میں بندے کے ثابت ہونے کے مطابق، عبودیت کے ظاہر میں اس کی بے قراری اور محتاجی بڑھتی ہے۔

نیز عارف ہمیشہ ترقی کی طرف جاتا ہے تو وہ زیادتی کے لئے ہمیشہ پیاسا رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَذُو الصَّبَابَةِ لَوْ يُسْقٰى عَلٰى عَدَدِ الْأَ   نْفَاسِ وَالْكَوْنُ كَاسٌ لَيْسَ يُرْوِيْهِ

''اور عاشق کو اگر اس کی سانس کی تعداد کے برابر شراب محبت پلائی جائے اور ساری دنیا پیالہ بن جائے تو بھی اس کو آسودہ نہیں کیا جا سکتا''۔

اور ایک دوسرے شاعر نے فرمایا ہے:

سَقَانِي الْحُبُّ كَاسًا بَعْدَ كَاسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوِيْتُ

''مجھ کو شرابِ محبت نے جام پر جام (پیالہ پر پیالہ) پلایا۔ تو نہ شراب ختم ہوئی نہ میں آسودہ ہوا۔ ایک عارف نے فرمایا ہے۔ اگر تم ہر لمحہ میں ہزاروں سمندر پی جاؤ۔ تو یہ بھی تم کو تھوڑا معلوم ہو گا۔ اور تم اپنے دونوں ہونٹوں کو خشک پاؤ گے۔

اور یہ سب کنایہ ہے۔ یعنی معرفت الٰہی لا انتہا اور غیر محدود ہے۔ اور مقصود گھیرے میں نہیں آ سکتا۔ پس عارف ہمیشہ زیادتی کے لئے محتاج رہتا ہے۔ اور اس کی بے قراری ہمیشہ رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سارے عارفین کے سردار حضرت رسول کریم ﷺ سے فرمایا: (وقل رب زدنی علما) ''آپ کہیے! اے رب مجھے علم میں زیادہ کر'' پس علم کی زیادتی کے لئے محتاجی اور بے قراری ختم نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ کل آسمانوں اور زمین کا علم جمع کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کل عالم کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا ۝

''اور تم لوگوں کو علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا''۔

اور اس کے غیر اللہ کے ساتھ سکون اور قرار نہ ہونے کی وجہ یہ ہے عارف کا قلب تمام مخلوق

سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کر گیا ہے تو اس کو اب غیر اللہ سے کچھ حاجت باقی نہیں رہی۔ پس اس کا سکون صرف ذات اقدس کے مشاہدہ میں ہے۔ پھر اگر وہ حقوق کے آسمان، یا فوائد کی زمین کی طرف نزول کرتا ہے تو حکم، اور یقین میں ثبات اور رسوخ (ثابت قدمی، اور مضبوطی) کے ساتھ نزول کرتا ہے۔ لہذا عارف کو اپنے نفس کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ نہ اس کو غیر اللہ کے ساتھ قرار ہوتا ہے۔ نیز عنایت الٰہی اس کو چھوڑتی بھی نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہو۔ تو جب کبھی اس کا قلب کسی شی کی طرف مائل ہوتا ہے تو عنایتِ الٰہی اس کو پریشان کر دیتی ہے۔ اور حفاظت الٰہی اس کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہے پس وہ غیر اللہ سے محفوظ، انوار کی مدد سے ہر طرف سے گھرا ہوتا ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے، چوری سننے سے آسمان کی حفاظت فرمائی۔ تو غیروں سے اپنے اولیاء کے قلوب کی حفاظت کیوں نہ فرمائے گا؟ اور اس نے ان کو اپنی محبت کے ساتھ اپنا ولی اس وقت تک نہیں بنایا جب تک اپنے غیر کے مشاہدہ سے ان کی حفاظت نہ کر لی۔ تو اب وہ اس کے غیر کی طرف کیسے مائل ہو سکتا ہے۔ اور اس کے غیر کے ساتھ کیسے قرار حاصل کر سکتا ہے؟

ہرگز نہیں: ۔ ہرگز نہیں: ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

جس کا ظاہر انوار سے گھرا ہوا ہو۔ اور جس کا باطن اسرار الٰہی سے بھرا ہوا ہو وہ غیر اللہ کے مشاہدہ کی طرف کیسے مائل ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ مصنف ؒ نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے: ۔

اَنَارَ الظَّوَاهِرَ بِاَنْوَارِ اٰثَارِهٖ، وَاَنَارَ السَّرَائِرَ بِاَنْوَارِ اَوْصَافِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے ظاہر کو اپنے آثار کے انوار سے، اور باطن کو اپنے اوصاف کے انوار سے روشن فرمایا''۔

ظاہری انوار

میں کہتا ہوں: ظاہر کے انوار: ۔ وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر، اور اس کی حکمت کی تخلیق (پیدا کرنے) سے مخلوقات کی تجلیوں پر ظاہر ہوئے ہیں۔ مثلاً، ستاروں، اور چاند، اور سورج، اور کامل مضبوطی، اور ان صنعتوں سے آسمان کو آراستہ کرنا جو اس میں موجود ہیں۔ اور مثلاً پھولوں،

اور پھلوں، اور درختوں اور سبزہ زار، اور میوہ جات، سے زمین کو آراستہ کرنا۔ اور مثلاً آنکھ، اور کان، اور کلام، اور ان عجیب و غریب صفتوں سے انسان کو آراستہ کرنا، جو اس میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo) ''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے''۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا ''بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کے لئے زینت بنائی ہے''۔

تو یہی ظاہر کے انوار ہیں۔

باطن کے انوار

اور باطن کے انوار، یعنی اوصاف کے انوار: وہ علوم، اور معارف و اسرار ہیں۔ اور اوصاف سے مراد: ربوبیت کے اوصاف ہیں۔ جیسے عزت و عظمت، اور جلال و جمال، اور کبریائی و کمال، اور ان کے علاوہ اس ذات عالیہ کے تمام اوصاف اور ذات صفات سے جدا نہیں ہوتی تو جب باطن صفات کی معرفت کے انوار سے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ ذات کی معرفت کے انوار سے بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور صفات لازم، ملزوم ہیں۔

بسلسلہ مشاہدہ انوار باطنی آدمیوں کی اقسام

پھر ان باطنی انوار یعنی اوصاف کے انوار کے مشاہدہ کے معاملہ میں آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو ان انوار کا مشاہدہ دور سے کرتے ہیں اور وہ لوگ مقام اسلام والے ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو ان انوار کا مشاہدہ قریب سے کرتے ہیں اور وہ لوگ مقام ایمان والوں میں سے اہل مراقبہ ہیں۔

تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جو ان انوار کا مشاہدہ اتصال کے طریقے پر کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ مقام احسان والوں میں سے اہل معرفت ہیں۔

تو مقام اسلام والوں کے انوار ستاروں کی طرح کمزور ہیں۔ اور مقام ایمان والوں کے انوار، چاند کی روشنی کی طرح درمیانی ہیں۔ اور مقام احسان والوں کے انوار سورج کی روشنی کی طرح بہت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔

انوار باطنی کی تین اقسام

تو حاصل یہ ہوا کہ باطن کے انوار کی تین قسمیں ہیں: ایک: نجوم الاسلام، دوسری: قمر التوحید، تیسری: شمس المعرفت ۔ اور اسی حقیقت کی طرف ابن فارض نے اشارہ کیا ہے:۔

لَهَا الْبَدْرُ كَاسٌ وَهِيَ شَمْسٌ يُدِيْرُهَا هِلَالٌ وَ كَمْ يَبْدُوْا اِذَا مُزِجَتْ نَجْمُ

''شراب محبت کے لئے بدر (چودھویں رات کا چاند) پیالہ ہے۔ اور شراب محبت سورج ہے۔ پیالہ کو ہلال (نیا چاند) چلاتا ہے۔ اور جب اس کو پینے کے لئے ملایا جاتا ہے تو بہت سے ستارے پیدا ہوتے ہیں۔''

شرابِ محبت معرفت کا سورج ہے۔ جب پینے کے لئے ملایا گیا۔ تو نجم الاسلام (اسلام کا ستارہ) ظاہر ہوا۔ اور جب پیالہ میں شراب رکھی گئی۔ تو قمر التوحید (توحید کا چاند) یعنی ایمان طلوع ہوا۔ اور جب پیا گیا۔ تو شمس المعرفت (معرفت کا سورج) روشن ہوا۔ اور پینے والوں پر پیالے کا دور چلانے والا، ہدایت کا ہلال ہے۔ ابن فارض کے کلام کا یہی مفہوم ہے۔ اور باطنی انوار کی مشابہت ظاہری انوار سے صرف سمجھانے کے لئے ہے۔ ورنہ قلوب کے انوار سب کے سب بڑے ہیں۔

گنہگار مومن کا نور اگر ظاہر کر دیا جائے؟

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر گناہگار مومن کا نور ظاہر کر دیا جائے تو آسمان اور زمین کی درمیانی فضا نور سے بھر جائے۔ تو اطاعت شعار مومن کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر ولی کی حقیقت ظاہر کر دی جاتی تو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسی کی پرستش کرنے لگتے۔

اور مصنف رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے: اگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کے قلوب کے مشرقوں (طلوع ہونے کی جگہوں) کو ظاہر کر دیتا تو سورج اور چاند کے انوار ان کے قلوب کے انوار کے مشرقوں میں چھپ جاتے، اور ان کے انوار کے مقابلہ میں سورج اور چاند کے انوار کی کیا وقعت ہے۔؟ سورج اور چاند پر کسوف (گرہن) اور غروب لاحق ہوتا ہے (یعنی دونوں میں گرہن لگتا ہے۔ اور دونوں غروب ہوتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام کے انوار کے لئے نہ گرہن ہے نہ وہ غروب ہوتے ہیں۔

اور اسی حقیقت کو ایک عارف شاعر نے بیان کیا ہے

هٰذِهِ الشَّمْسُ قَابَلَتْنَا بِنُوْرٍ وَلَشَمْسُ الْيَقِيْنِ اَبْهَرُ نُوْرًا

''یہ آسمان کا سورج نور کے ساتھ ہمارے سامنے آیا۔ اور یقین کے سورج کا نور اس سے زیادہ روشن ہے''۔

فَرَاَيْنَا بِهٰذِهِ النُّوْرِ لٰكِنْ بِهَاتِيْكَ قَدْ رَاَيْنَا الْمُنِيْرَا

''تو آسمان کے سورج سے ہم نے صرف روشنی دیکھی۔ لیکن یقین کے سورج سے ہم نے روشنی دینے والے اللہ تعالیٰ کو دیکھا''۔

پس اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ظاہر کو ظاہری انوار سے روشن کیا۔ اور وہ ستارے، اور چاند، اور سورج، اور مخلوق کی آرائش، اور اس کی پیدائش، اور اس کو خصوصیت عطا کرنا، اور پوشیدہ انوار میں معلوم شکل میں اس کو مقید کرنا، اور باطنی انوار سے جسمانی اعضاء کی درستی، اور پاکیزگی ہے۔

اور قلوب اور ارواح کو اپنے اوصاف کے انوار سے روشن کیا۔ اور وہ ربوبیت کے اوصاف کی عظمت، اور اس کے سارے اوصاف ہیں۔ تو جب قلوب کے آسمان میں ساتھی (اللہ تعالیٰ) کے انوار، اور پاکیزہ اسرار ظاہر ہوتے ہیں تو بندہ اغیار کے مشاہدہ سے غائب ہو جاتا ہے اور انوار کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے تو شکلیں اور نشانیاں فنا ہو جاتی ہیں اور صرف حیی و قیوم اللہ تعالیٰ باقی رہ جاتا ہے۔

ظاہر و باطنی انوار میں فرق

پھر مصنفؒ نے ظاہری انوار، اور باطنی انوار کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لِاَجْلِ ذَالِكَ اَفَلَتْ اَنْوَارُ الظَّوَاهِرِ، وَلَمْ تَافَلْ اَنْوَارُ الْقُلُوْبِ وَالسَّرَائِرِ

''اسی وجہ سے ظاہر کے انوار غروب ہو جاتے ہیں۔ اور قلوب اور ارواح کے انوار غروب نہیں ہوتے ہیں''۔

یعنی اس وجہ سے کہ ظاہر کے انوار اثر کے انوار ہیں۔ اور اثر کی شان یہ ہے کہ: وہ متاثر ہوتا ہے اور طلوع اور غروب کے ساتھ متغیر ہوتا ہے تو فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی ظاہر کے انوار غروب ہو جاتے ہیں خواہ معلوم غروب کے ذریعہ خواہ قطعی و یقینی عدم کے ذریعہ۔

اور قلوب کے انوار، غروب نہیں ہوتے ہیں۔ اور قلوب کے انوار: اسلام اور ایمان کے انوار ہیں۔ اور ارواح کے انوار: احسان کے انوار ہیں۔ اور اسلام و ایمان کے انوار: توجہ کے انوار ہیں۔ اور احسان کے انوار: مواجہت کے انوار ہیں۔

نور کیا ہے؟

اور نور:۔ وہ یقین ہے جو عمل کی لذت کے نتیجہ میں قلب میں حاصل ہوتا ہے۔ تو جب یقین قوی ہوتا ہے۔ تو نور بھی قوی ہوتا ہے اور لذت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدہ کی لذت سے مل جاتی ہے۔ پھر وہ عمل کی لذت پر غالب آ جاتی ہے۔ اسی لئے عارف کے جسمانی اعضاء کے عمل کم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مشاہدہ کی لذت ہر شی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور سنی ہوئی خبر، آنکھ سے دیکھے ہوئے واقعہ کی طرح نہیں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعِلْمُ بِاللّٰهِ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَاَلْنَاكَ عَنِ الْعَمَلِ، قَالَ: اَلْعِلْمُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ عَمَلٌ قَلِيْلٌ كَافٍ مَعَ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ

''حضرت رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے سوال کیا: کون سا عمل، سب اعمال سے افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ، علم ہونا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے عمل کے متعلق سوال کیا ہے۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: اللہ کے ساتھ علم۔ پھر تیسری مرتبہ فرمایا: علم باللہ کے ساتھ تھوڑا عمل بھی کافی ہے''۔

اور اصل میں نور کی حقیقت: ایسی کیفیت ہے جو چاند، اور سورج کی روشنی سے زیادہ انسان کے جسم پر پھیلتی ہے۔ (روشن ہوتی ہے) پھر آنکھ کے ذریعہ سے اس کے گرد کی چاروں طرف کی اشیاء واضح ہو جاتی ہیں۔

اور مصنفؒ نے علم اور یقین، اور معرفت کی تشبیہ اس نور کے ساتھ اس لئے دی ہے کہ اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے، اور ان کی تمیز کرنے میں دونوں کے درمیان ایک قسم کی مشابہت ہے۔ اور ظاہری نور، اپنی اصل کے منقطع ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور باطنی نور، یعنی قلب اور روح کا نور کبھی ختم نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے مصنف نے ایک شعر تحریر فرمایا ہے: چنانچہ فرمایا: ولذالك قيل:

اِنَّ شَمْسَ النَّهَارِ تَغْرُبُ بِلَيْلٍ ۔۔۔ وَشَمْسُ الْقُلُوْبِ لَيْسَتْ تَغِيْبُ

''دن کا سورج، رات میں غروب ہو جاتا ہے لیکن قلب کا سورج کبھی غائب نہیں ہوتا''

نوٹ: اور یہ شعر مصنفؒ کا نہیں بلکہ یہ دوسرے بزرگ کا شعر ہے

اور انشاء اللہ عنقریب مناجات کے ضمن میں کل اشعار بیان کئے جائیں گے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: قلوب کا سورج کبھی غائب نہیں ہوتا وہ کبھی منقطع اور ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ باقی اور قائم رہتا ہے کیونکہ اس کی مدد ہمیشہ باقی رہتی اور پہنچتی رہتی ہے۔ اور وہ اوصاف ربانی کی حقیقتیں ہیں۔ اور اس کے مقامات ہمیشہ کے لئے قائم ہیں۔ اور وہ عالم روحانیت ہے۔ تو اس سے تعلق رکھنے والا، ایسی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام کی غناء، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسباب کے ساتھ نہیں۔ اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا اس کے سوا کسی دوسری شی کے ساتھ نہیں۔ ''یہاں دسواں باب ختم ہوا۔

دسویں باب کا خلاصہ

اس باب کا حاصل: اعمال پر صلہ کی کیفیت، اور صلہ طلب کرنے پر تنبیہ، اور اس کی بخشش اور محرومی میں معرفت حاصل کرنے، اور اس کی توجہ، اور قبولیت حاصل کرنے میں، نہ کہ خدمت میں، مشغول ہونے، اور اس کے سامنے ہمیشہ عاجزی اور مجبوری، اور اس کی نعمت کی محتاجی، اختیار کرنے، اور اس کی ہمیشہ انسیت کے ساتھ، اس کی مخلوق سے نفرت کرنے کا بیان کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام کے قلوب پر، اور اس کے اصفیائے عظام کے اسرار وارواح پر، اللہ تعالیٰ کے انوار کا ظاہر ہونا۔ اس کی طرف ان کی توجہ، اور اس کے سامنے ان کی عاجزی اور بے قراری کا صلہ ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تحفہ عطا کیا اور اس چیز کے لئے جو اس مقام میں ہے ان کو آمادہ کیا تو ان کے لئے اس نے اپنی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ"

"کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تمہارے اوپر ان لوگوں کی طرح آزمائشیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزر چکے"۔ اور مصنفؒ نے گیارھواں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے"۔

گیارھواں باب

تعرفات جلالی میں ہمیشہ اس کی معرفت کے ساتھ، اور اس کی نعمت، اس کی نعمت کے مشاہدہ کے ساتھ، اور اس کی قضا وقدر کے احکام میں ہمیشہ اس کے لطف واحسان جاری ہونے کے ساتھ، ادب کالحاظ رکھنے کے بیان میں۔

حضرت مصنفؒ نے فرمایا ہے:

لِيُخَفِّفَ اَلَمَ الْبَلَاءِ عَنْكَ عَلَّمَكَ بِاَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ هُوَ الْمُبْلِيْ لَكَ، فَالَّذِیْ وَاجَهَتْكَ مِنْهُ الْاَقْدَارُ ، هُوَالَّذِیْ عَوَّدَكَ حُسْنَ الْاِخْتِيَارِ

''تمہارے اوپر سے مصیبت کی تکلیف کو ہلکا کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی تم کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ تو وہ ذات جس کی طرف سے قضاوقدر کے احکام تمہارے سامنے آتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو اچھے اختیار کا عادی بنایا ہے۔''

میں کہتا ہوں: اے انسان جب تیرے اوپر کوئی مصیبت آئے، یا تیرے بدن، یا اہل، یا مال میں، کوئی بلا نازل ہو، تو تو اس کو یاد کر، جس نے تیرے اوپر یہ بلا نازل کی۔ اور اپنے اوپر اس کی اس رحمت، اور مہربانی، اور محبت کو یاد کر، جس سے وہ موصوف ہے تاکہ تو اس مصیبت کے نازل ہونے میں جو نعمتیں ہیں، اور جو وسیع فضل وکرم اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ہیں، ان کو سمجھ لے۔ اور اگر کچھ بھی نہ حاصل ہو تو گناہوں اور عیبوں سے تیرا پاک وصاف ہو جانا، اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے تیرا قریب ہو جانا ہی تیرے لئے کافی ہے

تو کیا تو نے احسان کے سوا اس کی طرف سے کچھ اور بھی پایا ہے؟ اور کیا بھلائی اور انعام کے سوا اس کی طرف سے کچھ اور بھی دیکھا ہے؟ تو جس ذات سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے قضا و قدر کے احکام تیرے سامنے آئے ہیں اسی ذات سبحانہ تعالیٰ نے تجھ کو حسنِ اختیار عطا فرمایا ہے۔ اور جس ذات پاک کی طرف سے تیرے سامنے قہر کے احکام آئے ہیں، اسی ذاتِ پاک نے تجھے اپنے تمام احسانات کا عادی بنایا ہے اور جس ذات مقدس کی جانب سے تیرے اوپر ظاہری سختیاں اور تکلیفیں نازل ہوئی ہیں اسی نے تجھ کو باطنی نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ ذات مقدس جس کی قہاریت کی بارگاہ سے تیرے اوپر مصیبتیں نازل ہوئی ہیں وہی ہے، جس نے تجھ کو انواع واقسام کی انعامات واکرامات کا تحفہ عطا کیا ہے:

صاحب عینیہ نے اس سلسلہ میں کیا خوب اشعار فرمائے ہیں:

تَلَذُّلِیَ الْاٰلَامُ اِذْ اَنْتَ مُسْقِمِیْ وَاِنْ تَمْتَحِنِّیْ فَهِیَ عِنْدِیْ صَنَائِعُ

''بیماریاں مجھ کو مزے دار معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مجھے بیمار کرنے والا تو ہے اور اگر مجھ کو آزمائش میں تو مبتلا کرتا ہے تو وہ میرے لئے ہنر ہے۔ (بہتر ہے)''

تَحَكَّمْ بِمَا تَهْوَاهُ فَاِنَّنِیْ فَقِیْرٌ لِسُلْطَانِ الْمَحَبَّةِ طَائِعُ

''میرے بارے میں جو تیری مرضی ہے وہ فیصلہ کر کیونکہ میں محبت کے بادشاہ کا محتاج اور فرماں بردار ہوں''۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں اپنے شیخ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے سامنے سویا ہوا تھا۔ تو شیخ نے مجھ کو جگا کر ارشاد فرمایا: اے جنید! میں نے دیکھا: گویا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے سری! میں نے مخلوق کو پیدا کیا، تو سب نے میری محبت کا دعویٰ کیا، پھر میں نے دنیا کو پیدا کیا۔ تو ان کے دس حصوں میں سے نو حصے، مجھ سے بھاگ گئے۔ اور میرے ساتھ صرف دسواں حصہ باقی رہا۔ پھر میں نے جنت پیدا کی۔ تو اس دسویں حصہ کے دس حصوں میں سے نو حصے مجھ سے بھاگ گئے۔ اور میرے پاس دسویں حصے کا دسواں حصہ باقی رہا۔ پھر میں نے ان کے اوپر بلا کا ایک ذرہ مسلط کیا۔ تو میرے پاس سے دسویں حصہ کے دسویں

حصے کے دس حصوں میں سے نو حصے بھاگ گئے۔ تو میں نے اپنے ساتھ باقی رہنے والوں سے کہا: نہ تم لوگوں نے دنیا کی خواہش کی، نہ تم لوگوں نے آخرت کو لیا۔ نہ دوزخ کی آگ سے بھاگے۔ تو بتاؤ! تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا بے شک جو ہم چاہتے ہیں تو اسے جانتا ہے تو میں نے کہا۔ میں تمہاری سانسوں کی تعداد میں تمہارے اوپر بلائیں مسلط کروں گا۔ اور ایسی بلائیں جن کو مضبوط پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے کیا تم لوگ ان پر صبر کرو گے؟

ان لوگوں نے کہا۔ اگر بلاؤں میں مبتلا کرنے والا تو ہے۔ تو جو کچھ تیری مرضی ہے کر۔ ہم تیری مرضی پر راضی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہی لوگ میرے حقیقی بندے ہیں۔ حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے۔ سمجھ کے دروازوں کا کھلنا ہی احکام کی تعمیل میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو: صرف عطاؤں کے واردات ہی، بلاؤں کی برداشت کے لئے طاقت پیدا کرتے ہیں۔ اور اگر چاہو تو اس طرح کہو۔ اس کے حسن اختیار کا مشاہدہ کرنا ہی اس کی قضا وقدر کی برداشت کی طاقت عطا کرتے ہیں۔ اور اگر چاہو تو اس طرح کہو۔ اس کے علم کے وجود کا علم ہونا ہی، اس کے حکم پر صبر عطا کرتا ہے۔ یا اس طرح کہو۔ اس کا اپنے جمال کے وجود کے ساتھ لوگوں پر ظاہر ہونا ہی اس کے افعال پر ان کو صبر پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ یا اس طرح کہو لوگوں کے اس بات کا علم ہی، کہ صبر سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ان کے، قضا وقدر پر صبر کا سبب ہوتا ہے۔ یا اس طرح کہو: حجاب کا کھل جانا ہی، قضا وقدر پر صبر کا باعث ہوتا ہے۔ یا اس طرح کہو کہ قضا وقدر پر صبر کرنے کا سبب، لوگوں کا یہ علم ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا لطف وکرم امانت رکھ دیا ہے۔

اسی آخری قول کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

مَنْ ظَنَّ انْفِكَاكَ لُطْفِهٖ عَنْ قَدْرِهٖ فَذَالِكَ لِقُصُوْرِ نَظْرِهٖ

قضا وقدر میں لطف وکرم کو خارج سمجھنا خام خیالی ہے

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کو اس کے قضا وقدر سے جدا خیال کرتا ہے تو اس کا یہ خیال اس کے فکر کے نقص کی بناء پر ہے''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا اس کے قضا وقدر سے جدا نہ ہونا، اس کے عظیم احسانوں میں سے ہے۔ تو جب قضا وقدر کا کوئی حکم جاری ہوتا ہے تو اس کے جاری ہونے سے پہلے ہی لطف وکرم کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور وہ لطف وکرم اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

اور عقل اور نقل سے یہی ثابت ہے:

عقل سے اس طرح: بندے پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اس سے بھی بڑی مصیبت ہے اور اکثر پائی جاتی ہے۔

تو اے انسان! جب تیرے اوپر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس شخص کو یاد کر، جس کی مصیبت تیری مصیبت سے بڑی ہے۔ تو بہت سے انسان دردوں سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے انسان جذام اور برص، اور جنون، اور اندھے پن میں مبتلا ہیں۔ اور بہت سے انسان مسافر خانوں میں بے یار ومددگار پڑے ہوئے ہیں اور کوئی ایسا ہمدرد وغمخوار نہیں پاتے جو ان کو اس مصیبت سے نجات دے۔ مگر وہی جس نے ان کو اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور بہت سے انسان اندھے ہیں، یا لنجے ہیں۔ یا عرصہ دراز سے بخار میں مبتلا ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دونوں عالم میں اس کی دائمی عافیت مانگتے ہیں۔

اور نقل سے اس طرح: مرضوں، اور دردوں کے ثواب میں بہت سی احادیث اور آیات قرانی صابرین کی تعریف میں وارد ہوئی ہیں۔ انہیں آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ ۔ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥) ''بے شک صابرین کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا دیا جائے گا'' اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ٥) ''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے'' اور آیۂ کریمہ: (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ٥) ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اور اس کے علاوہ بہت سی آیات اس بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث شریف میں ہے:

(مَا يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَّصَبٍ وَّلَا نَصَبٍ وَّلَا سَقَمٍ وَّلَا حَزَنٍ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا وَحَتَّى الْهَمِّ يُهِمُّهٗ اِلَّا كَفَّرَ بِهٖ سَيِّاٰتِهٖ)

''مومن کو کوئی دکھ اور تکلیف اور بیماری اور رنج نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ کوئی کانٹا جو اس کو چبھتا ہے۔ اور کوئی فکر جو اس کو فکر میں مبتلا کرتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے''۔

اور بخار کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ کہ ایک گھڑی کا بخار ایک سال اور اس سے زیادہ عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابن عباد ؒ نے اس سلسلہ کی بہت سی احادیث شریفہ کو ایک جگہ جمع کیا ہے تو جو شخص اجر کی زیادتی، اور حجاب کی دوری، اور تقدیر پر رضامندی چاہتا ہے۔ اس کو حضرت شیخ کی اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے اور یہاں ہم نے جتنا بیان کیا ہے یہی کافی ہے۔ انشاء اللہ

اور ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: نیت کا کلام مختصر ہوتا ہے۔ اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو اس شخص کے لئے امر واضح ہے، جو اپنے نفس کی بھلائی چاہتا ہے تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جہالت کا خوف نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے صرف خواہش کے غلبے اور مخلوق کی جہالت کا خوف ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف مصنف ؒ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

لَا يُخَافُ عَلَيْكَ اَنْ تَلْتَبِسَ الطُّرُقُ عَلَيْكَ، وَاِنَّمَا يُخَافُ عَلَيْكَ مِنْ غَلَبَةِ الْهَوٰى عَلَيْكَ

''تمہارے لئے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے تمہارے لئے مشتبہ ہو جائیں، بلکہ تمہارے لئے، صرف تمہارے اوپر تمہاری خواہش کے غلبے کا خوف ہے''۔

میں کہتا ہوں: اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے تک پہنچنے کا راستہ ہمارے لئے واضح فرما دیا ہے تو ہمارے لئے شریعت کے نشانات، طریقت کے مینار، حقیقت کے انوار واضح کر دیئے ہیں۔ اور اسلام کی شریعت، اور ایمان کے قاعدے، اور احسان کے مقامات مقرر کر دیئے ہیں۔ تو حضرت رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی کسی شی کی رہنمائی باقی نہیں چھوڑی، اور اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی کسی شی سے

ڈرانا بھی نہیں چھوڑا۔ بندوں کی ہدایت، اور سیدھے راستے کے ظاہر کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس دنیائے فانی سے اللہ تعالیٰ کی طرف اس وقت تک کوچ نہیں فرمایا، جب تک کہ لوگوں کو دینِ قیم اور صراطِ مستقیم پر قائم نہیں کر دیا۔ اور ایسے روشن اور واضح طریقے پر قائم فرمایا کہ اس سے اندھے کے سوا کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ اور میں نے تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ، قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ) ''دین کے اندر کوئی مجبوری نہیں ہے گمراہی سے ہدایت واضح اور ممتاز ہوگئی ہے''۔

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ تَرَکْتُکُمْ عَلَی الْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَةِ ''میں نے تم لوگوں کو واضح اور مضبوط دین حنفی پر چھوڑا ہے''۔ اور ایک روایت میں ہے (عَلَی الْمِلَّةِ الْبَیْضَاءِ لَیْلَتُهَا کَنَهَارِهَا) اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) ''میں نے تم لوگوں کو ملت بیضا (واضح اور روشن دین) پر چھوڑا ہے۔ جس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے''۔ (یا جس طرح آنحضرتؐ نے فرمایا ہو)۔ حضرت شیخ احمد بن حضرویہ بلخی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے راستہ واضح اور دلیل روشن ہے اور داعی نے سب سنا دیا تو اب اس کے بعد کوئی حیرت اور گمراہی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ہے تو وہ اندھے پن کی وجہ سے ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صالح مرّی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا جو شخص ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہا قریب ہے کہ اس کے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔ تو حضرت رابعہ نے ان سے فرمایا: دروازہ کھلا ہوا ہے لیکن تم اس سے بھاگتے ہو۔ تو تم اس مقصد تک کیسے پہنچ سکتے ہو جس کے راستہ کو تم پہلے ہی قدم میں بھول گئے ہو۔

پس اے مرید! تمہارے لئے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے

والے راستے تمہارے اوپر مشتبہ ہو جائیں کیونکہ راستہ تو بالکل واضح ہے۔ بلکہ تمہارے لئے اس بات کا خطرہ ہے کہ نفسانی خواہش تمہارے اوپر غالب ہو جائے۔ پھر وہ تم کو بہرا، اور اندھا کر دے، ع
اِنَّ الْھَوٰی مَاتَوَلّٰی یُصْمِ اَوْیَصِمِ ''خواہش نفسانی کی اتباع حق کے سننے سے بہرا کر دیتی ہے''۔

پس تمہارے لئے ہدایت کے مشتبہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے خواہش نفسانی کی اتباع کا خطرہ ہے تمہارے اوپر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مشتبہ ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے مخلوق کی جہالت کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

''اور اگر آپ اہل زمین میں سے اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے''۔

تمہارے لئے اہل حقیقت کے موجود نہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے اس راستے کے ڈاکوؤں کا خطرہ ہے۔ تمہارے لئے اہل حق کے پوشیدہ ہونے کا خوف نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے سچائی کی کمی کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ) ''اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق اولیاء اللہ کو تم سے پوشیدہ نہیں کیا۔ مگر صرف تمہارے اندر صدق کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء اللہ کے ساتھ اپنا گمان اچھا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا۔ اور تم کو سفر کر کے ان کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ تم ان کو اپنے قریب ہی پا جاؤ گے۔

تو پاک ہے وہ ذات، جس نے ان کو ان کے ظاہر ہونے کی حالت میں پوشیدہ رکھا اور ان کی پوشیدگی کی حالت میں ان کو ظاہر کیا۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر آگاہ فرمایا:

سُبْحَانَ مَنْ سَتَرَ سِرَّ الْخُصُوْصِیَّۃِ، بِظُھُوْرِ وَصْفِ الْبَشَرِیَّۃِ، وَظَھَرَ بِعَظْمَۃِ الرَّبُوْبِیَّۃِ فِیْ اِظْھَارِ الْعُبُوْدِیَّۃِ

''وہ ذات پاک ہے، جس نے اپنی خصوصیت کے سر کو بشریت کے وصف کے ظاہر ہونے

کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور ربوبیت کی عظمت کے ساتھ عبودیت کے ظاہر کرنے میں ظاہر ہوا''۔

میں کہتا ہوں: خصوصیت، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا وہ نور ہے۔ جس کو وہ اپنے خواص مقربین بندوں کے قلوب میں ان کو کدورتوں سے پاک کرنے، اور عیوب و اغیار سے صاف کرنے کے بعد روشن کرتا ہے۔ پھر وہ اس نور کے ذریعہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں اپنے نفسوں کے مشاہدہ سے غائب ہو جاتے ہیں۔

خصوصیت کا سر: وہ کمالات عالیہ، اور اوصاف قدسیہ، اور صفات منورہ ہیں جن کو خصوصیت کا نور گھیرے ہوئے ہے۔ اور جو اس نور سے آراستہ ذات کے لئے سزاوار ہیں۔ جیسے کبریائی، اور عزت، اور قوت، اور عظمت، اور بزرگی، اور جیسے کہ قدرت کاملہ، اور علم محیط (ہر شے کا احاطہ کرنے والا علم) اور سارے کمال کے اوصاف سے موصوف ہونا۔ پھر بے شک اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی عظیم حکمت، اور غالب قدرت سے ان اصواف کو جو اس نور کے لئے لازمی ہیں۔ ان کی ضدوں یعنی مخالفوں کے ظہور کے ساتھ، یعنی عبودیت کے اوصاف کے ساتھ پوشیدہ کر دیا ہے۔

چنانچہ اپنی کبریائی اور عظمت کو بندے پر عاجزی، اور محتاجی اور کمزوری کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور اپنی قدرت، اور ارادے کو، اس کے اوپر عاجزی اور مغلوبیت کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور اپنے علم محیط کو، اس کے اوپر جہالت اور سہو کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور ان کے علاوہ، ان تمام اوصاف عبودیت کے ظہور کے ساتھ جو اوصاف ربوبیت کے بالمقابل ہیں۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ان کے مخالف اشیاء میں پوشیدہ کیا۔ ربوبیت کے کمالات کو عبودیت کے نقائص میں پوشیدہ کیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو سر غیر محفوظ، اور خزانہ غیر مدفون رہتا۔ اور عنقریب حضرت مصنفؒ کا یہ قول آئے گا۔

سَتَرَ اَنْوَارَ السَّرَائِرِ بِكَثَائِفِ الظَّوَاهِرِ اِجْلَالًا لَّهَا اَنْ تَبْتَذِلَ بِالْاِظْهَارِ ، وَ اَنْ يُّنَادٰى عَلَيْهَا بِلِسَانِ الْاِشْتِهَارِ

''اللہ تعالیٰ نے ارواح کے انوار کو، ظاہروں کی کثافتوں کے ذریعہ پوشیدہ کر دیا۔ تاکہ اظہار کے ذریعہ حقیر اور بے وقعت نہ ہوں۔ اور اشتہار کی زبان سے ان کا اعلان نہ ہو۔ اسی لئے حضرت

شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر ولی کا نور ظاہر کر دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی پرستش کی جاتی۔

اور حضرت شیخ ابو یزید رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے: جب ان کے اوپر اس نور نے تجلی کی تو انہوں نے فرمایا: سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ ''میں پاک ہوں۔ میری شان بہت بڑی ہے''۔

اور حضرت منصور حلاج رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَنَا اَنْتَ بِلَا شَكٍّ سُبْحَانَكَ سُبْحَانِیْ

''بے شک میں تو ہوں۔ تیری پاکیزگی میری پاکیزگی ہے''۔

تَوْحِیْدُكَ تَوْحِیْدِیْ وَعِصْیَانُكَ عِصْیَانِیْ

تیری توحید میری توحید ہے۔ اور تیری نافرمانی میری نافرمانی ہے۔

نیز حضرت حلاج نے یہ بھی فرمایا:

سُبْحَانَ مَنْ اَظْهَرَ نَاسُوْتَهٗ سِرٌّ سَنَاءِ لَاهُوْتِهِ الثَّاقِبْ

''پاک ہے وہ ذات جس کے ناسوت کے سر کو اس کے روشن لاہوت کی روشنی کے سر نے ظاہر کر دیا۔''

ثُمَّ بَدَا فِی خَلْقِهٖ ظَاهِرًا فِی صُوْرَةِ الْاٰكِلِ وَالشَّارِبِ

پھر وہ پاک ذات اپنی مخلوق میں کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حَتّٰی لَقَدْ عَايَنَه خَلْقُهٗ كَلَحْظَةِ الْحَاجِبِ بِالْحَاجِبِ

یہاں تک کہ اس کی مخلوق نے اس کو ایک نظر پردہ کرنے والے کی ایک نظر کی طرح دیکھا اور اسی قسم کے اسرار ظاہر کرنے کی وجہ سے حضرت منصور حلاج رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے کہ اس نے اس سر کو اس کے نقائص کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کر دیا تا کہ یہ سر نااہل کے سامنے ظاہر ہونے سے محفوظ رہے۔ اور جس نے اس کو نااہل کے سامنے ظاہر کیا وہ قتل کیا گیا جیسا کہ حضرت منصور حلاج کے ساتھ کیا گیا۔

اور جس طرح خصوصیت کو اس کے خلاف کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اسی طرح وہ

ربوبیت کی عظمت کے ساتھ عبودیت کے مظاہر میں ظاہر ہوا۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: عبودیت:۔ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنی ربوبیت ظاہر کی۔اس لئے کہ ربوبیت ایسے بندے کا تقاضا کرتی ہے جوان کمالاتِ الٰہیہ، اور صفاتِ قدسیہ کے مخالف صفات سے موصوف ہو، جس سے اس کا رب موصوف ہے۔تو ربوبیت کے اوصاف (مثلاً غنا، اور عزت، اور قدرت اور ان کے علاوہ کمالات) نہیں ظاہر ہوتے مگر اپنے مخالف اوصاف (محتاجی اور عاجزی اور کمزوری) وغیرہ میں۔تو حقیقی محتاجی تمام موجودات کو شامل ہے۔اور مطلق غنا صرف اس ذات مقدسہ کے لئے واجب ہے جو زمین اور آسمانوں میں جلوہ گر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ○

''اے انسانو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد کے لائق ہے''۔ تو جب یہ بات ثابت ہو چکی تم نے یہ معلوم کر لیا کہ سر خصوصیت میں اضافت بیانی نہیں ہے بلکہ اضافت تخصیص کیلئے ہے یعنی خصوصیت کا سر خصوصیت کے علاوہ ہے۔اور دوسری شی ہے۔اس لئے کہ خصوصیت: وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کے قلوب میں ڈالتا ہے۔اور خصوصیت کا سر: وہ کمالات ہیں، جو اس نور کے لئے لازم ہیں۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور تم یہ جان لو۔کہ خصوصیت کا سر: جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے عظام کے باطن میں رکھا اور اس کو ان کی بشریت کے وصف کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔کبھی اس کو ان کے اوپر خرق عادت کے طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔تو کبھی وہ اپنے ولی پر اپنی قدرت، اور اپنے علم، اور اپنے تمام کمالات سے وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے۔جن میں عقلیں حیران ہو جاتی ہیں۔لیکن یہ حالت ان کے لئے ہمیشہ نہیں رہتی ہے۔ بلکہ کرامات اور خرق عادات کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اپنے اوصاف کے سورجوں کو روشن کرتا ہے تو وہ اس کے اوصاف سے موصوف ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ حالت ان سے قبض کرتا ہے (روکتا ہے)۔ اور ان کو ان کی حدود بشریت کی طرف لوٹا دیتا ہے۔پس خصوصیت کا نور ہی معرفت ہے۔اور وہ ثابت ہے کبھی زائل نہیں ہوتا ہے۔اور ساکن

ہے، کبھی بدلتا نہیں ہے۔

اور خصوصیت کا سر: اللہ تعالیٰ کے کمالات ہیں۔ کبھی وہ اولیائے کرام کی بشریت کے افق پر چمکتا ہے تو وہ ربوبیت کے اوصاف سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی وہ ان سے رک جاتا ہے۔ تو وہ اپنی حدود بشریت اور اپنی عبودیت کے مشاہدے کی طرف لوٹ جاتے ہیں تو معرفت ثابت ہے اور واردات مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور تم یہ جان لو کہ بشریت کے وہ اوصاف، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے سر کو پوشیدہ کیا ہے۔ وہ صرف ذاتی اوصاف ہیں۔ جو بشر کے لئے لازم ہیں۔ جیسے کھانا، اور پینا، اور سونا، اور نکاح وغیرہ۔ نہ کہ برے اوصاف، جو عبودیت کے مخالف ہیں۔ مثلاً کبر، عجب، اور حسد، اور غضب وغیرہ۔ کیونکہ برے اوصاف:۔ عنایت کے نور، اور سبقت کرنے والی ہدایت کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

اس لئے کہ خصوصیت اس کے مٹ جانے کے بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔ بخلاف ذاتی اوصاف کے۔ کیونکہ وہ خصوصیت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بلکہ ذاتی اوصاف: خصوصیت کے پوشیدہ رکھنے، اور حفاظت کرنے والے پردہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے وجود سے اولیاء اللہ کے لئے پوشیدگی واقع ہوتی ہے۔ ان کی اس غیرت کی بنا پر کہ ان کی قدر کو نہ جاننے والے ان کو پہچان لیں۔

اولیاء اللہ اصحاب کہف ہیں

مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان فرمایا ہے: اولیاء اللہ اصحاب کہف ہیں۔ ان کے پہچاننے والے بہت ہی کم ہیں۔

حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا ہے وہ فرماتے تھے: ولی اللہ کا پہچاننا، اللہ تعالیٰ کے پہچاننے سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال جلال، اور جمال کے ساتھ مشہور ہے۔ لیکن ایسی مخلوق کس طرح پہچانی جا سکتی ہے۔ جو تمہاری ہی طرح کھاتی، اور پیتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کو تمہیں پہچان کرانا چاہتا ہے تو اس کی بشریت کے وجود کو تمہاری

آنکھوں سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور اس کی خصوصیت کے وجود کو تمہارے اوپر ظاہر کر دیتا ہے۔

تنبیہ: یہ نور، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے عظام کے قلوب میں روشن کیا ہے۔ روح کے اندر اس کے ظہور کی اصل میں پوشیدہ تھا۔ پس روح کی اصل یعنی حقیقت ہی نورانی ہے۔ غیب کے اسرار کی عالم ہے۔ اشیاء کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ اور اس کو اس نور سے، اس خاکی جسم میں مقید ہونے، اور اس جسم کے فوائد اور خواہشات میں مشغولیت نے حجاب میں کر دیا تھا۔ تو جو شخص کسی کامل کی تربیت میں رہ کر اس کو ادب دیتا ہے، اور ریاضت سکھاتا ہے۔ تو وہ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ مباحث میں فرمایا ہے:

وَلَمْ تَزَلْ كُلُّ نُفُوْسِ الْاَحْيَاءِ عَلَّامَةً دَرَّاكَةً لِلْاَشْيَا

''اور زندوں کی کل روحیں ہمیشہ اشیاء کا علم رکھتی اور ان کی حقیقتوں کو سمجھتی ہیں''

وَاِنَّمَا تَعُوْقُهَا الْاَبْدَانُ وَالْاَنْفُسُ النَّزْغُ وَ الشَّيْطَانُ

''اس کو صرف جسم، اور وسوسہ پیدا کرنے والا نفس، اور شیطان روکتے ہیں''

فَكُلُّ مَنْ اَذَاقَهُمْ جِهَادَهٗ اَظْهَرَ لِلْقَاعِدِ خَرْقَ الْعَادَةِ

''تو وہ سب روحیں جن کو اس کی جہاد کا مزہ چکھا دیا جاتا ہے۔ بیٹھنے والی (جہاد کا مزہ نہ چکھنے والی) روحوں کے سامنے خرق عادت (کرامت) ظاہر کرتی ہیں''۔

پھر جب اغیار سے روح کی پاکیزگی مکمل ہو جاتی ہے اور اس کے اوپر انوار کے سورج چمکتے ہیں تو وہ ذات کے اسرار، اور صفات کے انوار سے منور ہو جاتی ہے۔ پھر وہ توحید کے سمندر میں غرق ہو جاتی ہے۔ جس کے بیان سے عبارت عاجز، اور اشارہ قاصر ہے۔ اور یہی وہ خالص توحید ہے جس کی طرف ہروی نے اپنے ان اشعار میں اشارہ فرمایا ہے:

مَا وَحَّدَ الْوَاحِدُ مِنْ وَاحِدٍ اِذْ كُلُّ مَنْ وَحَّدَهٗ جَاحِدٌ

''کسی نے اس واحد اللہ تعالیٰ کی توحید نہیں بیان کی۔ کیونکہ ہر وہ شخص جس نے اس کی توحید بیان کی وہ منکر ہے''۔ (یعنی اس کی توحید کی حقیقت بیان اور اشارہ سے باہر ہے)

تَوْحِيْدُ مَنْ يَّنْطِقُ عَنْ نَّعْتِهٖ عَارِيَةٌ اَبْطَلَهَا الْوَاحِدُ

''اس شخص کی توحید جواس کی تعریف بیان کرتا ہے خالی ہے جس کو اس واحد اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا ہے''۔

تَوْحِیْدُہٗ اِیَّاہُ تَوْحِیْدُہٗ وَنَعْتُ مَنْ یَّنْعَتُہٗ لَاحِدٌ

''اس کے لئے اس کی توحید وہی ہے جو خود اس نے بیان کی۔ اور اس شخص کی تعریف جو اس کی تعریف بیان کرتا ہے باطل ہے''۔

اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی توحید کی خود ذمہ داری لی ہے۔ تو جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کے ساتھ (اپنی عقل کی دلیل کے ساتھ) اس کو واحد جانا تو وہ اس کی توحید کا منکر ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے ساتھ اپنے نفس کو شریک ٹھہرایا۔ اور جو شخص اس کی تعریف اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے وہ راہ حق سے پھرا ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر تم بشریت کے وصف سے پاکیزگی میں اپنے رب تعالیٰ سے یہ طلب کرتے ہو کہ وہ تمہارے لئے خصوصیت کا سر ظاہر کر دے۔ لیکن تمہارا مقصد پورا ہونے میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ صرف تمہاری بے ادبی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

طلبِ حسنِ ادب اختیار کرو

لَا تُطَالِبْ رَبَّكَ بِتَاَخُّرِ مَطْلَبِكَ ، وَلٰكِنْ طَالِبْ بِتَاَخُّرِ اَدَبِكَ

''اپنے مقصد کی تاخیر کے بارے میں تم اپنے رب سے نہ طلب کرو۔ بلکہ اپنے ادب کی تاخیر کے بارے میں طلب کرو''۔

میں کہتا ہوں: یہ عام قاعدہ ہے۔ اگرچہ اس کی مناسبت خاص ہے۔

جب تم کوئی شی طلب کرتے ہو، پھر اس مطلب کے پورا ہونے میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ تمہارے حسن ادب کے فوت کر دینے کی وجہ سے ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے لیکن اس طلب کا خاص ارادہ ہے تو اپنے رب سے یہ مطالبہ نہ کرو، کہ تمہارے مطلب کو جلد پورا کرے کیونکہ اس میں تاخیر ہو گئی ہے بلکہ اپنے نفس سے ادب کی تاخیر کے بارے میں مطالبہ کرو کیونکہ اگر تم طلب میں حسن ادب اختیار کرو گے۔

حسن ادب کیا ہے

تو حقیقت میں تمہاری حاجت پوری کر دی جائے گی۔ اگرچہ ظاہر میں نہ پوری ہو۔ اور یہاں حسن ادب: تمہارا اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا، اور اس کے حکم پر تمہارا راضی رہنا، اور تمہارا اس پر بھروسہ کرنا جو اس نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ نہ کہ اس پر بھروسہ کرنا جو تم نے اپنے نفس کے لئے پسند کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا علم کم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قبولیت کی ذمہ داری اس چیز میں لی ہے، جو وہ چاہتا ہے۔ نہ کہ اس چیز میں جو تم چاہتے ہو۔ اور اس وقت میں لی ہے، جس میں وہ چاہتا ہے نہ کہ اس وقت میں جو تم چاہتے ہو۔ کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے:

وَكَمْ رُمْتُ اَمْراً خِرْتَ لِيْ فِي انْصِرَافِهٖ ‏ فَلَا زِلْتَ لِيْ مِنِّي اَبَرَّ وَ اَرْحَمَهَا

اکثر میں نے ایسے کام کا ارادہ کیا جس کے الٹا ہونے ہی میں تو نے میری بھلائی رکھی۔ پس تو ہمیشہ میرے لئے مجھ سے زیادہ بھلائی کرنے والا اور مہربان رہا۔

عَزَمْتُ عَلٰى اَلَّا اُحِسَّ بِخَاطِرٍ ‏ عَلَى الْقَلْبِ اِلَّا كُنْتَ اَنْتَ الْمُقَدَّمَا

''میں نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ میں اپنے دل کے خیال کو نہ محسوس کروں۔ مگر تو میرے سامنے آ گیا''۔

وَاَلَّا تَرَانِيْ عِنْدَ مَا قَدْ نَهَيْتَنِيْ ‏ لِاَنَّكَ فِيْ نَفْسِيْ كَبِيْراً مُعَظَّمَا

''اور یہ ارادہ کیا کہ تو مجھے اس کے قریب نہ دیکھے جس سے تو نے مجھے منع کیا ہے، اس لئے کہ تیری کبریائی اور عظمت میرے دل میں ہے''۔

وہب بن منبہؒ کا قول

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے: اے آدمؑ کی اولاد! تم میری اطاعت اس چیز میں کرو جس کے کرنے کا میں نے تم کو حکم دیا ہے۔ اور تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ میرے لئے یہ مفید و مناسب ہے۔ میں اپنی مخلوق کے بارے میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ میں صرف اس شخص کی عزت کرتا ہوں جو میری عزت کرتا ہے اور میں اس شخص کو رسوا کرتا ہوں، جو میرے حکم کو اپنے اوپر ہلکا اور حقیر سمجھتا ہے۔ اور میں اپنے بندے کے حق میں اس وقت تک نظر نہیں کرتا جب تک میرا بندہ میرے حق میں نظر نہیں کرتا۔

سب سے بڑا ادب

اور سب سے بڑا اور کامل ادب: اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اور اس کے غلبے کے سامنے سر جھکانا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس پر اپنے اس قول میں تنبیہ فرمائی ہے:

مَتٰى جَعَلَكَ فِي الظَّاهِرِ مُمْتَثِلاً لِأَمْرِهِ، وَ فِي الْبَاطِنِ مُسْتَسْلِماً لِقَهْرِهِ، فَقَدْ أَعْظَمَ الْمِنَّةَ عَلَيْكَ۔

''جب اللہ تعالیٰ تم کو ظاہر میں اپنے حکم کی تعمیل کرنے والا، اور باطن میں اپنے غلبہ کے سامنے سر جھکانے والا بنادے تو یہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے''

میں کہتا ہوں: یہ سب سے بڑا احسان اس وجہ سے ہے کہ وہ اس معرفت کا مشاہدہ کرنے والا ہے جو ہمتوں کی انتہائی حد، اور نعمتوں کا آخری درجہ ہے۔ کیونکہ ظاہر میں حکم کی تعمیل کرنا، شریعت کے کمال اور عبودیت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے اور باطن میں غلبہ کے سامنے سر جھکانا طریقت کے کمال اور حقیقت کی انتہا کی دلیل ہے اور دونوں کا جمع ہونا، انتہائی کمال ہے۔

پس اے انسان! جب اللہ تعالیٰ تجھ کو ظاہر میں اپنے حکم کی تعمیل کرنے والا، اور اپنے منع سے پرہیز کرنے والا، اور باطن میں اپنے غلبہ (یعنی قضاوقدر) کے سامنے جھکنے والا، بنادے۔ تو یہ تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس نے تیرے ظاہر کو مخالفت کی زحمت سے آرام دیا۔ اور تیرے باطن کو جھگڑے کی تکان سے سکون عطا کیا۔

یا تم اس طرح کہو: اس حیثیت سے کہ تیرے ظاہر کو طاعت سے، اور تیرے باطن کو معرفت سے آراستہ کیا۔ تو تیرے اوپر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اس کی قدر پہچانے تا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تیرے قلب میں بڑھ جائے اور یہ تیرے مقصد اور ارادے کی انتہا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥ ''اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے''

اور جب تمہارے لئے یہ حالت ثابت اور قائم ہو جائے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے نفس کی قید سے نجات دے دی۔ اور تمہارے فوائد کی غلامی سے تم کو آزاد کر دیا۔ تو اس حالت کے موجود ہوتے ہوئے تم اس ظاہری کرامات کی پرواہ نہ کرو جس سے تم کو فوت کر دیا۔ (یعنی عطا نہیں

کیا) کیونکہ ظاہری کرامات، وہمی امور ہیں جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

سالک ظاہری کرامت کے چکر میں نہ پڑے

لَيْسَ كُلُّ مَنْ ثَبَتَ تَخْصِيْصُهُ كَمَلَ تَخْلِيْصُهُ

''ایسا نہیں ہے کہ جس کی خصوصیت ثابت ہوگئی حظوظ اور خواہشات سے اس کی نجات مکمل ہو گئی ہو''۔

میں کہتا ہوں: یہاں خصوصیت سے مراد: ظاہری کرامات کی خصوصیت ہے۔ اور نجات سے مراد: فوائد اور باقی ماسوی اللہ سے نجات ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کی خصوصیت ظاہری کرامات کے ساتھ ثابت ہو، اس کو اس کے نفسانی فوائد اور خواہشات سے مکمل نجات حاصل ہو چکی ہو۔ بلکہ کبھی ظاہری کرامت بعض ایسے شخص کو عطا کی جاتی ہے جس کو اس کے نفسانی فوائد اور خواہشات سے نجات حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اور ایسے شخص سے کرامات کے صادر ہونے میں تین حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت: اس کو عمل میں آمادہ رکھنا ہے۔ تا کہ عاجزی یا سختی حاصل ہو۔

دوسری حکمت: اس کے لئے امتحان ہے کیا ان کے ساتھ ٹھہر کر حجاب میں ہو جاتا یا اس سے آگے بڑھ کر مقامِ قرب میں پہنچتا ہے۔

تیسری حکمت: اس کے یقین میں زیادتی، یا اس کے بارے میں دوسروں کے یقین میں زیادتی ہے۔ تا کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کیونکہ ہر حالت میں تکمیل سے یہی مقصود ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا: جس نے ان سے بیان کیا: جب میں وضو کرتا ہوں تو میں پانی کو اپنے ہاتھ سے سونے اور چاندی کی شاخوں کی شکل میں گرتے دیکھتا ہوں۔ تو حضرت سہلؒ نے اس کو جواب دیا کیا تم نہیں جانتے؟ کہ بچے جب روتے ہیں تو انہیں خشخاش (پوستہ دانہ) دیا جاتا ہے۔ تو وہ اس میں مشغول ہو کر بہل جاتے ہیں۔

ایک عالم نے فرمایا ہے: میں نے ان کرامات کو صادقین میں سے صرف احمق (سادہ لوح)

لوگوں کے ہاتھوں پر دیکھا۔

سب سے بڑی کرامت

میں کہتا ہوں: سب سے بڑی کرامت:۔ معرفت، اور استقامت، اور حجاب کا اٹھنا، اور دروازے کا کھلنا ہے۔ تو اس سے بڑی کوئی کرامت نہیں ہے۔ اور عنقریب اس حقیقت پر بحث بعد میں آئے گی۔ انشاءاللہ

اور یہ بھی احتمال ہے کہ خصوصیت سے مصنفؒ کی مراد: قرب، اور ہدایت کی خصوصیت ہو۔ تو مفہوم یہ ہوگا: ایسا نہیں ہے کہ ہدایت، اور انوار کے ظہور کے ساتھ جس کی خصوصیت ثابت ہو چکی ہو اغیار کے دیکھنے سے اس کی نجات مکمل ہو گئی ہو۔ کیونکہ کبھی وہ مجاہدہ، اور مکابدہ کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے اور معرفت، اور مشاہدہ کا تحفہ اس کو نہیں دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لئے قائم کیا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو اپنی محبت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تو وہ عابدین، اور زاہدین جن کی خصوصیت ثابت ہو چکی ہے وہ عوام مقربین میں سے ہے اور جب تک وہ خواص عارفین میں شامل نہ ہو جائیں، ماسویٰ کے مشاہدہ سے ان کی نجات مکمل نہیں ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

یہاں گیارہواں باب ختم ہوا

خلاصہ

اس باب کا حاصل:۔ تعرفات جلالیہ میں ہمیشہ اس کی معرفت کے ساتھ، اور اس کی نعمت میں اس کی نعمت کے مشاہدہ کے ساتھ، اور اس کی قضاوقدر کے احکام میں اس کے لطف واحسان کے جاری ہونے کے ساتھ، ادب کا لحاظ رکھنا ہے۔ تاکہ خواہشات تمہارے اوپر غالب نہ ہوں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہدایت کے راستے تم پر مشتبہ ہو جائیں۔ یا تم ان اشیاء کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جاؤ۔ جو جلال کا مقام اور مظہر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم ان باطنوں سے حجاب میں ہو جاؤ۔ جو جمال کا مقام ہے۔ تو ذات جلال ہے۔ اور صفات جمال ہے۔ تو جو شخص جلال کے ظاہروں کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ وہ جمال کے مشاہدہ سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔ اور اللہ والوں کی معرفت سے محروم ہو جاتا

ہے۔ اور عظمت وجلال کے مالک اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بےادب ہو جاتا ہے اور مقصد کے حاصل ہونے سے محروم ہو جاتا ہے۔

پس جب عنایت الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ اور ہدایت کی ہوا اس پر چلتی ہے تو اس کا ظاہر (جسمانی اعضاء) عبودیت کے وظائف میں، اور اس کا باطن ربوبیت کے مشاہدہ میں مشغول ہوتا ہے۔ تو وہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والا، اور باطن میں اس کے قہر یعنی قضاو قدر کے احکام کو رضامندی کے ساتھ تسلیم کرنے والا ہوتا ہے۔ تب اس کے اوپر اس کے مولائے حقیقی کی نعمت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اسکے فوائد اور اس کی خواہشات کی غلامی سے اس کی نجات مکمل ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی مشیت کی عزت و تعظیم کرتا ہے۔ اور اس کی محبت اور رضامندی کے اسباب میں سے کسی شی کو حقیر نہیں سمجھتا ہے۔

اور مصنفؒ نے بارھویں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

بارھواں باب

اوراد کی تعظیم، اور امداد کے وارد ہونے کیلئے آمادگی اور کدورتوں سے باطنوں کی صفائی کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:-

لَا يَسْتَحْقِرُ الْوِرْدَ اِلَّا جَهُوْلٌ ، اَلْوَارِدُ يُوْجَدُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ ، وَالْوِرْدُ يَنْطَوِیْ بِانْطِوَاءِ هٰذِهِ الدَّارِ ، وَاَوْلٰى مَايَعْتَنِيْ بِهٖ مَالَا يَخْلِفُ وُجُوْدَهٗ ، اَلْوِرْدُ هُوَ طَالِبُهٗ مِنْكَ ، وَالْوَارِدُ اَنْتَ تَطْلُبُهٗ مِنْهُ ، وَاَيْنَ مَاهُوَ طَالِبُهٗ مِنْكَ مِمَّا هُوَ مَطْلَبُكَ مِنْهُ ؟

ورد، وظیفہ کو جاہل ہی حقیر سمجھتا ہے

"ورد (وظیفہ) کو حقیر نہیں سمجھتا ہے مگر جاہل۔ وارد (ورد کا نتیجہ) آخرت میں ملے گا اور ورد اس دنیا کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسی کیلئے کوشش کرے، اور اسی میں مشغول رہے جو اس کے بعد باقی نہ رہے گا۔ ورد کا طالب تم سے اللہ تعالیٰ ہے اور وارد کا طالب اللہ تعالیٰ سے تم ہو، اور جس چیز کا طالب تم سے اللہ تعالیٰ ہے وہ اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جس کے طالب اللہ تعالیٰ سے تم ہو؟

ورد کی تعریف

میں کہتا ہوں:- ورد:- وہ اذکار و عبادات ہیں جن کو بندہ اپنے اوپر یا شیخ اپنے مرید پر لازم کرتا ہے۔

وارد:- وہ الٰہی خوشبوئیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کے قلوب کو تحفہ عطا کرتا ہے۔ پھر یہ وارد ان کے اندر قوت محرکہ بن جاتا ہے (حرکت دینے والی قوت) اور اکثر اوقات وہ انہیں مدہوش کر دیتا ہے اور ان کو ان کے ظاہر سے غائب کر دیتا ہے اور یہ اچانک آتا ہے اور ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

اوراد کی اقسام

اور ورد کی تین قسمیں ہیں:-

پہلی قسم:- مجتہدین عابدوں اور زاہدوں کا ورد ہے۔

دوسری قسم:- سائرین اہل سلوک کا ورد ہے۔

تیسری قسم:- عارفین اہل وصول کا ورد ہے۔

پہلی قسم:- مجتہدین عابدین وزاہدین کا ورد:- قسم قسم کی عبادتوں میں وقتوں کا مستغرق ہونا ہے اور ان کی عبادت:- ذکر، اور دعا، اور نماز، اور روزہ کے درمیان ہے اور مصنفؒ نے اپنی کتاب "الاحیا والقوۃ" میں دن اور رات کے اوراد و وظائف کو بیان فرمایا ہے، اور ہر وقت کیلئے ایک خاص ورد مقرر کیا ہے۔

دوسری قسم:- سائرین اہل سلوک کا ورد:- شواغل (اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں) اور شواغب (شور و ہنگاموں) سے دور رہنا، اور دنیاوی تعلقات، اور اللہ تعالیٰ سے روکنے والی چیزوں کو ترک کرنا، اور قلب کو بری صفتوں سے خالی کر کے بہترین اوصاف سے آراستہ کرنا ہے۔ اور ان کی عبادت:- اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جمعیت قلب کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے حضور کے ساتھ جو اس کیلئے اس کا شیخ مقرر کرتا ہے۔ اور وہ اپنی طرف سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کرتا ہے۔

تیسری قسم:- عارفین واصلین کا ورد:- خواہشات کا ترک کرنا، اور مولائے حقیقی کی محبت ہے اور ان کی عبادت:- اللہ تعالیٰ کے حضور میں قائم ہونے کے ساتھ غور و فکر کرنا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی ورد میں قائم کر دے تو اس کو چاہیے کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور اس سے آگے نہ

بڑھے اور نہ اس کے سوا دوسرے ورد کو حقیر سمجھے۔ اس لیے کہ عارف کسی شی کو حقیر نہیں سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ ہر ایک کے ساتھ اس کے مقام میں رہتا ہے اور ہر شی کو اس کے مقام میں قائم رکھتا ہے۔ کیونکہ ورد کو حقیر نہیں سمجھتا ہے اور وارد کو طلب نہیں کرتا ہے۔ مگر جاہل، یا حق کا مخالف اور کس طرح وہ ورد کو حقیر سمجھ سکتا ہے جبکہ اسی کے ذریعہ بادشاہ معبود اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کو داخل ہونا ہے؟

ورد کا صلہ اور اس کا پھل آخرت میں ملے گا اور وارد جس کو تو طلب کرتا ہے اس دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانے کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

"یہ وہ جنت ہے، جس کے تم ان اعمال کے بدلے میں وارث بنائے گئے ہو جو تم دنیا میں کرتے تھے" اور حدیث شریف میں آیا ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ وَتَقَاسَمُوْا بِاَعْمَالِكُمْ

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا:- تم لوگ جنت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اس کو اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کر لو"

واردات سے مراد

نیز واردات سے مراد:- ورد کا پھل، اور اس کے نتیجے ہیں اور وہ یقین و اطمینان، اور تسلیم و رضا ، اور ان کے علاوہ، وہ تمام بہترین اوصاف ہیں جو ورد کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں تو جب تم کو اس کے نتائج مل جائیں اور اس کے ثمرات حاصل ہو جائیں تو تمہارے لیے لازم ہے کہ ان سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ میں مشغول ہو جاؤ۔

پس ورد کو صرف وہی شخص حقیر سمجھتا ہے اور وارد کے حاصل ہونے کا مشتاق رہتا ہے جو وارد کا بندہ ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ربوبیت کی عظمت کے حق کے ساتھ قائم رہنے کیلئے عبودیت کے وظائف سے جن اوراد کا وہ مکلف ہے ان کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے یعنی مضبوطی سے اختیار کیے رہتا ہے کیونکہ یہ ہمیشہ رہتے ہیں اور انہیں کے ذریعے حی و قیوم اللہ تعالیٰ کی رضامندی تک پہنچتا ہے۔

تو جن چیزوں کیلئے انسان کوشش کرتا ہے ان میں سے زیادہ بہتر وہ چیز ہے جس کا وجود اس کی موت کے بعد ختم ہو جائے گا اور وہ ورد ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ جب تک اس دنیائے فانی میں ہے ورد کو غنیمت سمجھے۔ اس لیے کہ آخرت میں عمل نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت بدلہ ملنے اور مید کے حاصل ہونے کا گھر ہے۔ پس دنیا:- عملی کی جگہ، یہاں بدلہ نہیں ہے اور آخرت میں بدلہ ملنے کی جگہ ہے، وہاں عمل نہیں ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ وہ موت سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت سمجھے کیونکہ جو وقت ورد سے خالی گزرتا ہے وہ اس سے فوت یعنی ضائع ہو جاتا ہے۔

جو لمحہ ذکر کے بغیر گزرا وہ روزِ قیامت حسرت کا سبب ہوگا

حدیث شریف میں وارد ہے:-

لَا تَاْتِیْ عَلَی الْعَبْدِ سَاعَةٌ لَّا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا اِلَّا کَانَتْ عَلَیْهِ حَسْرَةٌ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ

"بندے پر کوئی ایسا وقت جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہے، مگر وہ قیامت کے روز اس کیلئے افسوس کا سبب ہوگا" یعنی بندے کا جو وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی گزرتا ہے وہ اس وقت کے ضائع ہونے پر قیامت کے روز افسوس کرے گا۔

ذاکرین کے حال کے مطابق ذکر کی بہت اقسام ہیں

ذکر کرنے والے کے حال کے موافق ذکر کی بہت قسمیں ہیں:-

حضرت حسنؒ نے فرمایا ہے:- میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو پایا:- کہ جتنا تم لوگ اپنے دیناروں، اور درہموں (روپیوں اور شرفیوں) کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہو تم سے کہیں زیادہ وہ اپنے وقتوں کے ضائع ہونے سے ڈرتے تھے۔

اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:-

اَلسَّبَّاقَ اَلسَّبَّاقَ قَوْلًا وَّفِعْلًا حَذِّرِ النَّفْسَ حَسْرَةَ الْمَسْبُوْقِ

"قول اور فعل میں سبقت کرو، سبقت کرو۔ اپنے کو گزرے ہوئے وقت کے افسوس سے بچاؤ"

اور بعض احادیث میں حضرت محمد ﷺ سے روایت ہے:-

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ ، وَمَنْ کَانَ یَوْمُہٗ شَرًّا مِنْ اَمْسِہٖ فَھُوَ مَحْرُوْمٌ ، وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الزِّیَادَۃِ فَھُوَ فِی النُّقْصَانِ ، وَمَنْ کَانَ فِی النُّقْصَانِ فَالْمَوْتُ خَیْرٌ لَہٗ

"جس شخص کے دو دن (آج کا دن ، اور گزرا ہوا کل کا دن) برابر ہوں تو وہ نقصان اور دھوکہ میں ہے اور جس شخص کا آج کا دن ، گزرے ہوئے کل کے دن سے برا ہو ، وہ محروم (بدنصیب) ہے ، اور جو شخص زیادتی (یعنی بہتری) میں نہ ہو ، وہ نقصان میں ہے ۔ اور جو شخص نقصان میں ہے اس کیلئے موت بہتر ہے"

سب سے بہتر چیز

اور جتنی چیزوں کیلئے بندہ کوشش کرتا ہے ان میں زیادہ بہتر ورد :- اس لیے بھی ہے کہ اس کو بندے سے اللہ تعالیٰ طلب کرتا ہے ، نہ کہ وارد :- جس کو اللہ تعالیٰ سے بندہ طلب کرتا ہے ۔

پس ورد :- عبودیت کے وظیفوں میں سے ہے اور یہی وہ شئی ہے ، جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے وہ ان چیزوں کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو ہم اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں ؟ دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ۔

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے :- دونوں کے مرتبے کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق دونوں کے وصف میں ہے ۔

قَضَاءُ اللّٰہِ اَحَقُّ ، وَشَرْطُ اللّٰہِ اَوْثَقُ ، وَاِنَّمَا الْوَلَایَۃُ لِمَنْ اَعْتَقَ

"اللہ تعالیٰ کا حکم ، زیادہ مستحق (تعمیل کے لائق) ہے اور اللہ تعالیٰ کی شرط ، زیادہ مضبوط ، اور قابل اعتماد ہے اور دوستی صرف اس کیلئے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے نفس کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے"

تو حاصل یہ ہوا کہ ورد کیلئے کوشش کرنی ، اور اس کی طرف متوجہ ہونا ، وارد کیلئے کوشش کرنے ، اور اس کی طرف متوجہ ہونے سے افضل اور اکمل ہے ۔ کیونکہ ورد :- عبودیت کے وظیفوں سے ہے اور وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک بندہ اس دنیا میں رہے گا ۔ اور جس طرح ربوبیت کے حقوق ختم نہیں ہوتے ہیں اسی طرح عبودیت کے حقوق بھی ختم نہیں ہوتے ہیں ۔

حضرت نقشبندیؒ نے فرمایا ہے:-اسی لیےاس مقام کے سردار حضرت محمد ﷺ نے عبادت کو ترک نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرتؐ کے دونوں قدم مبارک میں ورم ہو جاتا تھا:

کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

فَقِيْلَ لَهٗ كَيْفَ تَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ؟ فَقَالَ:- اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا

"حضرت محمد ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:- آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ بخش دیے ہیں؟

حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:- کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں"

حضرت محمد ﷺ نے اس طرح فرما کر یہ تعلیم دی ہے کہ نعمت کا شکر ادا کرنا مکمل خدمت ہے اور یہ نعمت کی زیادتی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نعمت عطا کروں گا"

حضرت جنیدؒ نے بحالت نزع ورد نہیں چھوڑا

اور یہ حضرت جنیدؒ کی جماعت کا راستہ ہے: - حضرت جنیدؒ نے اپنے اوراد و وظائف، نزع کی حالت میں بھی نہیں چھوڑے، ان کے اصحاب نے اس کے بارے میں ان سے دریافت کیا:- تو انہوں نے فرمایا:-اس کیلئے مجھ سے زیادہ کون مستحق ہے اس حال میں کہ میرا اعمال نامہ آج لپیٹ کر بند کیا جا رہا ہے۔

تو حضرت جنیدؒ نے نزع جیسی شدید تکلیف کی حالت میں بھی خدمت ترک نہیں کی تو دوسری بہتر حالتوں میں ان کی خدمت (طاعت) کا کیا حال رہا ہوگا۔

ہم تو پہنچے ہوئے ہیں، مگر کہاں؟

لوگوں نے ان سے کہا:- کچھ ایسے لوگ ہیں، جو یہ کہتے ہیں:- ہم ایسی حالت میں پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے اوپر سے اوراد و عبادات کی تکلیف ساقط ہو چکی ہے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا: -ہاں، وہ

لوگ پہنچ گئے، لیکن دوزخ میں۔

نیز ایک دوسرے کلام میں حضرت جنیدؒ نے فرمایا:- یہ باتیں، ان لوگوں کی ہیں جو اپنی مقبولیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک چوری، اور زنا، ان لوگوں کی اس حالت سے زیادہ آسان اور ہلکا گناہ ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اوراد ان سے ساقط ہو گئے ہیں۔

اور حضرت جنیدؒ نے اپنے اس قول میں سچ فرمایا ہے:- کیونکہ بیشک چور، اور زنا کار، اپنی چوری، اور زنا کے سبب گنہگار رہے۔ لیکن کفر کی حد تک نہیں پہنچتا ہے۔ لیکن فرائض کے ساقط ہونے کا قائل، اور معتقد، دین سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح خمیر کیے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

پس اے میرے بھائی! اس اصول کو مضبوطی سے پکڑو، اور ایسے لوگوں کی باتیں نہ سنو جو حقیقتوں کو کتابوں سے حاصل کرتے ہیں (یعنی کتاب پڑھ کر حقیقت کا صرف علم کرتے ہیں، عمل اور ذوق سے محروم ہیں) اور اپنی سمجھ، اور نفسانی خواہش کے مطابق کفر، اور بے دینی اور اعمال کے ساقط ہونے کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:-

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَابِعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کی خواہش اس شریعت کا پابند نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

" آپ لوگوں سے فرما دیجئے:- اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا"

پس تم اقوال، اور افعال، اور احوال میں حضرت محمد ﷺ اور سلف صالحین کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرو۔ ان کے مقام کی عزت کرو اور انہیں کے ساتھ رہو۔ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ رہے گا

یعنی اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے حضرت نقشبندیؒ کا کلام ختم ہوا۔

حضرت نقشبندیؒ کا یہ کلام بہت خوب ہے:۔

اس لیے کہ جو شخص کتابیں پڑھ کر حقیقتوں کا علم حاصل کرتا ہے اس کے پاس ذوق نہیں ہوتا ہے وہ صرف کتابی علم سے حقیقتوں کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رخصت کی پیروی کرتا ہے اور نفسانی خواہشات کے گڑھوں میں گرتا ہے۔ لیکن جو شخص اہل ذوق میں سے ہے اس کا راز پوشیدہ ہے اور اس کا معاملہ بااحتیاط اور دانشمندانہ ہے اس کی عبادت ادب اور شکر ہے، اور وہ دوام شکر کا زیادہ مستحق ہے۔ اور واسطہ (وسیلہ) کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اگر وسیلہ نہ ہوتا تو اصل مقصود ہی فوت ہو جاتا۔

عارفین کی عبادت بادشاہوں کے تاجوں سے بڑھ کر ہے

حضرت ابوالحسن دراجؒ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامات، اور کمالات کا تحفہ پانے کے بعد، عارفین باللہ کے اوراد و عبادات کی پابندی کرنے کے بارے میں حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا۔ تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا:۔

عارفین کی عبادت:۔ بادشاہوں کے سر کے تاجوں ۔سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت جنیدؒ کو ایک شخص نے اس حال میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی، تو اس شخص نے کہا:۔ آپ اتنی بزرگی اور تقدس کے باوجود ہاتھ میں تسبیح رکھتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا:۔ جس کے قرب تک ہم پہنچے ہیں۔ یہ اس کے قرب تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ہم اس کو کبھی نہیں چھوڑتے ہیں۔

پس شریعت دروازہ ہے اور حقیقت بارگاہ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

"اور تم لوگ گھروں کے اندر اس کے دروازوں سے آؤ"

شریعت پر عمل کئے بغیر حقیقت میں داخلہ ممکن نہیں

پھر حضرت جنیدؒ نے فرمایا:- حقیقت میں صرف شریعت کے دروازے سے داخل ہونا ممکن ہے اور شریعت پر عمل کیے بغیر حقیقت میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے سیدی عبداللہ ھبطی زجلیؒ کو انہوں نے اس حقیقت کو اپنی نظم میں بیان فرمایا ہے:-

وَثَالِثُ الْوُصُوْلِ فِی الشَّرِیْعَةْ ۔ لِاَنَّهَا اِلَی الْهُدٰی ذَرِیْعَةْ

"وصول الی اللہ کا تیسرا حصہ شریعت میں ہے، اس لیے کہ شریعت ہی ہدایت کا ذریعہ ہے"

فَکُلُّ بَابٍ دُوْنَهَا مَسْدُوْدٌ ۔ وَمَنْ اَتٰی مِنْ غَیْرِهَا مَرْدُوْدٌ

"پس شریعت کے سوا سب دروازے بند ہیں، جو شخص شریعت کے سوا کسی دوسرے دروازے سے وصول کی طرف آتا ہے وہ مردود ہے"

قَدِ اصْطَفَاهَا رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ ۔ بِفَضْلِهٖ وَجُوْدِهٖ عَلَی الْمِلَلِ

"ہمارے رب عزوجل نے شریعت کو اپنے فضل وکرم سے تمام ملتوں سے پسند کر کے منتخب کیا ہے"

طَرِیْقَةُ الْعَدْنَانِ لِلرَّحْمَانِ ۔ مَحْفُوْفَةٌ بِالنُّوْرِ وَالرِّضْوَانِ

"اللہ رحمٰن تک پہنچنے کیلئے حضرت نبی عدنانی ﷺ کا طریقہ یعنی شریعت نور اور رضائے الٰہی سے گھری ہوئی ہے"

طُوْبٰی لِمَنْ اَتٰی بِهَا لِلْعَرْضِ ۔ فَالْوَیْلُ لِلَّذِیْ بِهَا لَمْ یَقْضِ

"اس شخص کیلئے بشارت ہے، جو شریعت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور اس شخص کیلئے تباہی ہے جو شریعت کے ساتھ چلنے کا فیصلہ نہیں کرتا ہے"

یَا اَیُّهَا الْمُرِیْدُ اِنْ اَرَدْتَّ ۔ وِصَالَ مَنْ بِحُبِّهٖ شُغِفْتَ

"اے مرید اگر تم اس ذات پاک کا وصال چاہتے ہو، جس کی محبت میں تم مبتلا ہو"

فَشُدَّ مِنْكَ الْكَفَّ بِاَوْلِیٓ ۔ عَلٰی شَرِیْعَةِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

"تو اے میرے دوست اپنی ہتھیلی حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر مضبوطی سے رکھو، (شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنے کا عہد کرو)"

حَصِّلْ جَمِيعَ مَالَهُ الشَّرْعُ ارْتَضٰى ۔ وَكُنْ لِكُلِّ مَاسِوَاهُ رَافِضًا

"ان سب کو حاصل کرو، جن کو شریعت نے پسند کیا ہے اور شریعت کے خلاف سب کچھ ترک کر دو"۔

تَرَى الْفُؤَادَ صَافِيًا وَ شَارِقًا ۔ وَعَنْ سِوَى الْمَوْلٰى اِلَى الْمَوْلٰى ارْتَقٰى

"تم اپنے قلب کو صاف اور روشن دیکھو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرتا ہوا پاؤ گے"۔

پھر ارشاد فرمایا:۔

فَبِالشَّرِيْعَةِ الْوِصَالُ لِلْمُنٰى ۔ كَالْفَوْزِ بِالْبَقَاءِ مِنْ بَعْدِ الْفَنَاءِ

"تو شریعت ہی کے ذریعے امیدوں تک رسائی ہوتی ہے۔ جیسے کہ فنا کے بعد بقاء کے ذریعہ کامیابی حاصل ہوتی ہے"۔

وَمَنْ يَّظُنُّ الْخَيْرَ فِيْ سِوَاهَا ۔ فَاِنَّهٗ وَاللّٰهِ مَا دَرَاهَا

"اور جو شخص شریعت کے سوا کسی دوسری شے میں کامیابی کا خیال کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ کی قسم وہ اس کی حقیقت سے ناواقف ہے"۔

میں کہتا ہوں: میں نے بہت سے فقراء کو دیکھا ہے کہ انہوں نے شریعت کی پابندی میں کوتاہی کی۔ تو وہ طریقت سے خارج ہو گئے۔ اور حقیقت کا نور ان سے چھین لیا گیا۔ اور بہت سے دوسرے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بہت زمانہ تک صوفیائے عظام کی صحبت میں رہے۔ لیکن ان کے اندر محبین کی خوبی، اور عارفین کی نشانی ظاہر نہیں ہوئی۔ اور ایسا صرف شریعت کے احکام کی مکمل اتباع نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔ اور ہمارے شیخ حضرت بزیدی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جو شخص جذب اور عذر کے بغیر شریعت کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ بہت بڑا عیار ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ کی قسم، ہم نے شریعت ہی میں بھلائی دیکھی۔ اور شریعت ہی سے

کامیاب ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ ہم کو فیصلہ اور قضا کے دن (قیامت) تک شریعت کے ادب اور پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مدد بقدر صلاحیت اور صلاحیت اوراد کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے

پھر مصنفؒ نے ورد کا پھل اور اس کا نتیجہ بیان فرمایا۔ اور وہ ''امداد الٰہی'' ہے۔ اس لئے کہ صلاحیت کے مطابق امداد حاصل ہوتی ہے۔ اور صلاحیت، اوراد کی دائمی پابندی سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

وُرُوْدُ الْاِمْدَادِ بِحَسْبِ الْاِسْتِعْدَادِ

''امداد الٰہی، استعداد کے مطابق وارد ہوتی ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ امداد سے مراد: سائرین کے لئے، انوار توجہ۔ اور واصلین کے لئے، انوار مواجہت ہیں۔ اور یہ انوار بندوں کے قلوب پر آمادگی، اور صلاحیت کے مطابق برابر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ مجاہدہ کی مطابقت سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور تخلیہ (قلب کے ماسویٰ سے خالی ہونے) کی موافقت سے، تحلیہ (قلب کا معرفت کے انوار سے آراستہ ہونا) ہوتا ہے۔

اور اس امداد کا فائدہ:۔ اغیار سے قلوب کی پاکیزگی، اور ظاہر کی کثافتوں، اور کدورتوں سے اسرار کی صفائی، اور انوار کے ساتھ ٹھہرنا ہے۔

امداد کی بارشیں کہاں نازل ہوتی ہیں؟

پس امداد کی بارشیں:۔ ہمیشہ نفوس طیبہ اور قلوب مطہرہ، اور ارواح منورہ، اور اسرار مقدسہ پر نازل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حقیقت کے انوار سے پرنور ہو جاتی ہیں۔ تو اس وقت ان کے لئے ذات سبحانہ تعالیٰ کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ صفات الٰہیہ کے انوار متعلق ہوتے ہیں۔ تو وہ صفات کے اثر سے ذات کے مشاہدہ میں غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر ذات کے ساتھ صفات کے مشاہدے کی طرف، اور صفات کے ساتھ ذات کے مشاہدے کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اور ان کا جمع ہونا، ان کے جدا ہونے سے، اور ان کا جدا ہونا، ان کے جمع ہونے سے، ان کو نہیں روکتا ہے۔

وہ ہر حق والے کو اس کا حق عطا کرتی ہیں۔ اور ہر حصہ والے کو اس کا حصہ پورا پورا دیتی ہیں۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائی عربی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض رسالوں میں فرمایا ہے:

پس اگر تم کہو: کس وقت تم مضبوط پہاڑ کی طرح ہو گے؟

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

''تم پہاڑوں کو مضبوط جما ہوا سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ بدلی کی طرح چلیں گے''۔

ہم کہتے ہیں:۔ اگر تم دنیا سے پوری طرح زہد اختیار کر لو اور اس کی طرف رجوع ہونے سے امید منقطع کر لو۔ پھر تم اپنے شیوخ کرام کے بارے میں یہ اعتقاد رکھو کہ وہ کامل ہیں۔ اور وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر ہیں۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کے وارثوں میں سے ہیں۔ تو اللہ عزوجل کی قسم، تمہارے اوپر رات، اور دن، اور ہر وقت، اور ہر گھنٹہ، اور ہر منٹ امداد ضرور نازل ہو گی۔ یہاں تک کہ تمہارے قلوب اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بھر جائیں گے۔ اور تمہارے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو جائیں گے۔ اور تم مضبوط پہاڑ کی طرح ہو جاؤ گے۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کے کلام کا مفہوم مختصراً یہی ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے فرمایا ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں زاہد: جب اس کا قلب کدورتوں سے خالی، اور انوار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے تو جب امداد نازل ہوتی ہے۔ تو وہ قلب کو وسیع، اور پاک وصاف پاتی ہے تو وہ اس کو اپنے انوار سے بھر دیتی ہے۔ اور اپنے اسرار کے زیور سے آراستہ کر دیتی ہے۔ اور اس کے خلاف حالت میں، جب قلب دنیا کے اغیار سے آباد ہوتا ہے۔ تو امداد کوئی ایسی جگہ نہیں پاتی ہے جس میں وہ نازل ہو۔ تو وہ جہاں سے آئی تھی، وہیں لوٹ جاتی ہے۔

اور شیوخ کے کامل ہونے کا اعتقاد، عین صدق ہے۔ اور صدق کے اندازے کے مطابق امداد جاری ہوتی ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہم منقطع، اور ظاہر ترک ہو جائے۔ مگر زہد کے ساتھ صدق سے۔ پس زہد کے ذریعے وہ امداد کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اور صدق سے اس کے اوپر امداد کا فیضان ہوتا ہے۔ تو جب امداد کا پانی پہنچتا ہے تو وہم کی کثافت کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ پھر جب وہم کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے تو معرفت کے سمندر میں ڈوبنا نصیب ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

انوار کا ظہور واسرار کی صفائی کے مطابق ہوتا ہے

پھر حضرت مصنفؒ نے امداد، اور استعداد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

وَشُرُوْقُ الْاَنْوَارِ ، عَلٰى حَسْبِ صَفَاءِ الْاَسْرَارِ

''اور انوار کا ظاہر ہونا، اسرار کی صفائی کے مطابق ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔قلوب کے آسمان کے افق پر معرفتوں کے انوار کا ظاہر ہونا آثار اور اغیار کی بدلیوں، اور انوار کے حجابوں سے ان کے صاف ہونے کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اِنْ تَلَاشَی الْكَوْنُ عَنْ عَيْنِ قَلْبِیْ شَاهَدَ السِّرُّ غَيْبَهٗ فِیْ بَيَانِ

''اگر مخلوق میرے قلب کی آنکھ سے غائب ہو جائے۔ تو سر اپنے غیب (اللہ تعالیٰ) کا علانیہ مشاہدہ کرے''۔

فَاطْرَحِ الْكَوْنَ عَنْ عَيَانِكَ وَامْحُ نُقْطَةَ الْغَيْنِ اِنْ اَرَدْتَّ تَرَانِیْ

''پس مخلوق کو اپنی آنکھوں سے گرا دو۔ اور غین (تاریکی۔بدلی) کے نقطہ کو مٹا دو (عین بن جاؤ) اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔

تو قلوب کی صفائی کے مطابق، معرفت کے نور کا ظہور حاصل ہوتا ہے۔ تو جب قلوب کے آسمان سے آثار، اور اغیار کی بدلیاں چھٹ کر صاف ہو جاتی ہیں۔ تب ان میں فنا کا نور چمکتا ہے۔ پھر قلب اور روح رسوم (مخلوق کی صفائی) سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اور صرف حیی و قیوم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ باقی رہ جاتا ہے۔ اور جب اسرار سے انوار کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ تب ان میں بقاء کا نور چمکتا ہے۔ پھر جو کچھ فانی ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے۔ اور صرف وہی سبحانہ تعالیٰ باقی رہتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگا۔

اس حقیقت کے بارے میں عینیہ کے مصنف رضی اللہ عنہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فَنِيَتْ بِهَا عَيْنِیْ فَمَالِیْ اَنِيَّةٌ هَوِيَّةُ لَيْلٰى لِلْاَنِيَّةِ قَاطِعُ

''اس کے ساتھ میری ذات فنا ہوئی تو اب میرے پاس انا (خودی) نہیں ہے۔ لیلیٰ کی محبت خودی کو

ختم کرنے والی ہے''۔

وَکُنْتُ کَمَااِنْ لَمْ اَکُنْ وَھُوَ اَنَّہٗ کَمَا لَمْ یَزَلْ فَرْداً وَلِکُلِّ جَامِعُ

''اب میں ویسا ہوں جیسا کہ میں نہ تھا۔ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ ہمیشہ سے ہے۔ فرد (تنہا) ہے اور سب کا جامع ہے۔

فَشَمْسِیْ فِیْ اُفُقِ الْاُلُوْھِۃِ مُشْرِقٌ وَ بَدْرِیْ فِیْ شَرْقِ الرَّبُوْبِیَّۃِ طَالِعُ

''پس میرا سورج الوہیت کے افق میں چمکتا ہے۔ اور میرا چاندر بوبیت کے مشرق میں طلوع ہوتا ہے''۔

فَاَفْنَیْتُھَا حَتّیٰ فَنَتْ وَھِیَ لَمْ تَکُنْ وَلٰکِنَّنِیْ بِالْوَھْمِ کُنْتُ اُطَالِعُ

''پس میں نے اپنی ذات کو فنا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ فنا ہوگئی اور وہ موجود بھی نہ تھی۔ لیکن میں وہم کی بناء پر اس کو موجود سمجھتا تھا''

. اور ان انوار کے ظاہر ہونے کی علامت:۔ تدبیر اور اختیار کو ترک کرنا، اور واحد قہار اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو کافی سمجھنا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:

اَلْغَافِلُ اِذَا اَصْبَحَ نَظَرَ مَاذَا یَفْعَلُ، وَالْعَاقِلُ یَنْظُرُ مَاذَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِہٖ

''غافل، جب صبح کو اٹھتا ہے۔ تو وہ یہ سوچتا ہے کہ آج کیا کرے گا۔ اور عاقل (عارف) یہ غور کرتا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا (یعنی تقدیر الٰہی اس کے حق میں کیا ہے)''۔

غافل کون ہے؟

میں کہتا ہوں:۔ غافل: وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ سے جاہل ہو، اگرچہ اس کی زبان کا ذکر زیادہ ہو۔

اور عاقل:۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عارف ہے۔ اگرچہ اس کی زبان کا ذکر کم ہو۔ اس لئے کہ معتبر قلب کا ذکر ہے۔

تو غافل: کا نفس موجود ہوتا ہے۔ اور اس کی امیدیں دراز ہوتی ہیں۔ جب وہ صبح کرتا۔

وہ سوچتا ہے کہ آج اپنے لئے کیا کرے گا۔ پھر وہ اس کے احوال، اور ضروریات کی تدبیر اپنی عقل اور گفتگو سے کرتا ہے۔ تو وہ اپنے فعل پر نظر رکھتا ہے۔ اور اپنے اختیار اور قوت پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن جب قضائے الٰہی اس کی ان تدبیروں کو الٹ دیتی ہے، جن کو اس نے بڑی مضبوطی سے کیا تھا۔ اور اس کی امیدوں کو فنا کر دیتی ہے تو وہ ناراض ہوتا، اور رنج و مایوسی میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرتا ہے۔ اور بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ تو لازمی طور پر وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اس کے قلب میں وحشت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ توفیق الٰہی سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع حاصل ہو جائے۔ اور وہ برابر امید لگائے ہوئے دروازہ پر کھڑا رہے۔ یہاں تک کہ اس سے حجاب اٹھ جائے۔ اور اب وہ احباب میں شامل ہو جاتا ہے۔

اور عاقل: وہ عارف ہے۔ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ثابت ہو چکی ہے، اور وہ اپنے قلب کی پوری توجہ کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہے، اور اس کے قلب میں عرفان کے سورج روشن ہو چکے ہیں۔ اور اس کی نظر سے مخلوق کا وجود چھپ گیا ہے۔ تو اب اس کو اپنے نفس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار ہے۔ اس کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے۔ اور اپنے رب اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو گیا ہے۔ تو اب وہ اپنے لئے نہ ترک دیکھتا ہے، نہ فعل، نہ قوت دیکھتا ہے، نہ اختیار۔ تو جب وہ صبح کرتا ہے تو وہ یہ غور کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ تو وہ رضامندی اور خوشی، اور فرحت و سرور سے اس کا سامنا کرتا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو حق الیقین، اور اللہ رب العالمین کے ساتھ غنا حاصل ہے۔

حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہے۔ مگر قضا و قدر کے موقعوں کی۔

ایک بزرگ کا قول ۴۰ سال کے عرصے میں ہر حال میں اللہ سے راضی رہا

حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: چالیس سال کا زمانہ گزرا، جب سے میرا یہ حال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی حال میں قائم کیا تو میں نے اس کو ناگوار نہیں سمجھا۔ اور جب کسی

دوسرے حال میں منتقل کر دیا تو میں اس پر ناراض نہیں ہوا۔

تو اگر فقیر یہ چاہتا ہے کہ اس کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ تو اس کو اپنے فوائد، اور اپنی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ پھر جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو آہستگی اور صبر اختیار کرنا چاہیے۔ اور ہاتف (غیبی آواز) کی طرف کان لگانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو غیبی آواز سے اس کام کے لئے آگاہ کرتا ہے جس کام کے کرنے، یا ترک کرنے کی طرف وہ متوجہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور ہم نے اپنے سفر کرنے، اور قیام کرنے کے معاملے میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ تو ہم تصرف نہیں کرتے تھے مگر خاص اجازت سے۔ والحمد للہ۔

آہستگی اور صبر اختیار کرو

اور سب فقرا کو اپنی کوشش میں اسی طرح آہستگی اور صبر اختیار کرنا چاہیے کیونکہ آہستگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

حضرت شیخ مجذوب ولی عارف سیدی احمد ابوسلہام رضی اللہ عنہ اکثر مجھ کو یہ شعر سنایا کرتے تھے:

تَاَنَّ وَلَا تَعْجَلْ لِاَمْرٍ تُرِيْدُهٗ وَكُنْ رَاحِماً بِالْخَلْقِ تُبْلٰى بِرَاحِمِ

''جو کام تم کرنا چاہتے ہو۔ اس میں آہستگی اختیار کرو۔ اور جلد بازی نہ کرو۔ اور مخلوق کے ساتھ رحم کرو۔ تم رحم کرنے والے کے ساتھ آزمائے جاؤ گے''۔

پس اے مرید! اپنی کوشش میں آہستگی اور صبر اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے سمجھ (مشورہ) طلب کرو۔ اور یہ شعر اپنے پیش نظر رکھو:

اِتْبَعْ رِيَاحَ الْقَضَا وَدُرْ حَيْثُ دَارَتْ وَسَلِّمْ لِسَلْمٰى وَسِرْ حَيْثُ سَارَتْ

''قضا و قدر کی ہوا کے پیچھے چلو اور جس طرح وہ پھرتی ہے تم بھی اسی طرف پھرو۔ سلمیٰ کو تسلیم کرو۔ اور جدھر وہ چلتی ہے تم بھی ادھر ہی چلو''۔

اور اس معاملے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاؤں سے امداد طلب کرو۔ ایسے ہی مقام میں حضرت نے اس طرح دعا فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَصْبَحْتُ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعاً وَّلَا مَوْتاً وَّلَا حَيَاةً وَّلَا

نُشُوْراً ، وَّلَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ اِلَّا مَا اَعْطَیْتَنِیْ وَلَا اَنْ اَتَّقِیَ اِلَّا مَا وَقَیْتَنِیْ، فَوَفِّقْنِیْ اَللّٰھُمَّ لِمَا تَرْضَاہُ مِنِّی مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ، وَفِی عَافِیَۃٍ وَسِتْرٍ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo

”اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی ہے۔ کہ اپنی ذات کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدے کا، اور نہ موت کا اختیار رکھتا ہوں نہ زندگی کا، اور نہ موت کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے کا۔ جو کچھ تو نے مجھ کو عطا کیا، اس کے سوا کچھ بھی حاصل کرنے کی طاقت میں نہیں رکھتا ہوں۔ اور جس چیز سے تو نے مجھ کو بچایا۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے بچنے کی طاقت میرے اندر نہیں ہے۔ تو اے اللہ تو مجھے اس قول اور فعل کی توفیق عطا فرما۔ جس کو تو مجھ سے پسند کرتا ہے۔ اور مجھ کو اپنی عافیت اور پناہ میں رکھ۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے“۔

نیز حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا فرمائی:

”اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِیْعُ دَفْعَ مَا اَکْرَہُ ، وَلَا اَمْلِكُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْا، وَاَصْبَحَ الْاَمْرُ بِیَدِ غَیْرِیْ، وَاَصْبَحْتُ مُرْتَھِنًا بِعَمَلِیْ فَلَا فَقِیْرَ اَفْقَرُ مِنِّیْ، اَللّٰھُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَدُوِّیْ وَلَا تُسِیْئُ بِیْ صَدِیْقِیْ، وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ ،وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّیْ، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِیْ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ مَنْ لَّا یَرْحَمُنِیْ“

”اے اللہ! بے شک میں نے اس حال میں صبح کی ہے۔ کہ جس چیز کو میں ناگوار سمجھتا ہوں، اس کو بھی دور کرنے کی طاقت میں نہیں رکھتا ہوں۔ اور جس چیز کی میں امید کرتا ہوں، اس کے حاصل کرنے کی بھی طاقت میں نہیں رکھتا ہوں۔ میرا معاملہ دوسرے کے اختیار میں ہے۔ اور میں اپنے عمل کے ساتھ گروہوں۔ تو مجھ سے زیادہ محتاج، کوئی محتاج نہیں ہے۔ اے اللہ تو مجھ کو رسوا کر کے میرے دشمن کو میرے اوپر ہنسنے کا موقع نہ دے۔ اور میرے دوست کو میرے ساتھ برا نہ بنا۔ اور میرے دین میں میرے لئے مصیبت نہ بنا۔ اور دنیا کو میری سب سے بڑی فکر، اور میرے علم کو مقصد نہ بنا۔ اور میرے اوپر کسی ایسے شخص کو غالب نہ کر، جو میرے اوپر رحم نہ کرے“۔

ان دو دعاؤں کے علاوہ بھی وہ دعائیں جو رضا و تسلیم پیدا کرتی ہیں۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی

ان دعاؤں سے مقصود ان کے معانی و مفہوم کو سمجھنا ہے۔ اور دل میں بٹھانا ہے۔ نہ کہ صرف ان کے الفاظ کو زبان سے پڑھنا۔ کیونکہ مقصود معانی ہیں۔ نہ کہ ظاہری لفظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اہم اور جامع وصیت

اور ہماری طریقت کے شیخ حضرت قطب ابن مشیش رضی اللہ عنہ کی وہ وصیت ان معانی پر جامع ہے۔ جو انہوں نے اس شخص کو فرمائی: جس نے ان سے عرض کی۔ میرے لئے آپ وظائف و اوراد مقرر فرمائیں۔ تو حضرت شیخ نے ناراض ہو کر فرمایا: کیا میں رسول ہوں۔ جو واجبات کو واجب کروں؟ فرائض معلوم ہیں۔ گناہ مشہور ہیں۔ تو فرائض کی حفاظت کرو۔ اور گناہوں کو ترک کرو۔ اور دنیا کی ہوس، اور عورتوں کی محبت سے، اور مرتبہ اور خواہشات کے اختیار کرنے سے اپنے قلب کی حفاظت کرو۔ اور ان سب میں اس پر قناعت کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ جب تمہارے لئے رضامندی کی کوئی صورت پیدا ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا جمال ہے۔ تو تم اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور جب تمہارے لئے ناراضی کی کوئی شکل ظاہر ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کا جلال ہے۔ تو تم اس پر صبر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت:۔ قطب (مرکز) ہے۔ جس کے گرد ساری نیکیاں گھومتی ہیں۔ اور یہی وہ اصل ہے جو تمام کرامات کی جامع ہے۔ اور ان سب کا قلعہ چار چیزیں ہیں:۔

۱۔ ورع کی سچائی ۲۔ نیت کی درستی ۳۔ عمل کا اخلاص ۴۔ علم کی محبت

اور یہ چاروں چیزیں مکمل نہیں ہوتی ہیں۔ جب تک صالح بھائی۔ یا نصیحت کرنے والے شیخ کی صحبت نہ حاصل ہو۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تم اس کی حرص کرو۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی سپردگی، اور اس کی رضا پر راضی ہونے کی حالت میں صبح اور شام کرو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر کرے۔ پھر تمہارے اوپر رحم کرے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ ک طرف راستہ پاتا ہے۔ اس کو اپنے نفس کی طرف راستہ نہیں ملتا ہے۔ اور جس شخص کو اپنے نفس کی طرف راستہ ملتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

راستہ نہیں پاتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے نفس سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کو دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

اور عاقل: ۔ جو یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرے گا۔ وہی عارف ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جس میں تسلیم ورضا مضبوطی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے: وہ کسی شے سے وحشت اور نفرت نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، اور اس کی سمجھ حاصل ہوتی ہے۔ اور غیر عارف عابدین اور زاہدین کا حال اس کے خلاف ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اِنَّمَا يَسْتَوْحِشُ الْعُبَّادُ وَالزُّهَّادُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لِغَيْبَتِهِمْ عَنِ اللّٰهِ فِي كُلِّ شَيْءٍ، فَلَو شَهِدُوْهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ لَمْ يَسْتَوْحِشُوْا مِنْ شَيْءٍ

”عابدین، اور زاہدین ہر شے سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ سے غائب ہیں۔ پس اگر وہ ہر شی میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے تو کسی شی سے نفرت نہ کرتے“۔

میں کہتا ہوں:۔ عابدین:۔ وہ لوگ ہیں جن کے اوپر فعل غالب ہے۔ اس لئے وہ ظاہری عبادت میں مستغرق ہیں۔ رات کو نفل نمازوں میں قیام کرتے (کھڑے رہتے) ہیں۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ عبادت کی حلاوت نے ان کو مشغول کر کے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی حلاوت سے روک دیا ہے۔ تو وہ اپنی عبادت کے سبب اپنے معبود سے حجاب میں ہو گئے ہیں۔

اور زاہدین:۔ وہ لوگ ہیں، جن کے اوپر ترک غالب ہے۔ اس لئے وہ دنیا اور اہل دنیا سے بھاگتے ہیں۔ انہوں نے زہد کی حلاوت چکھ لی ہے۔ اس لئے زہد کے ساتھ ٹھہر گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہو گئے ہیں۔ تو وہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ سے غائب ہونے کی وجہ سے ہر شی سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت

حاصل کرتے تو کسی شی سے نفرت نہ کرتے۔ بلکہ وہ ہر شی سے محبت کرتے۔ اور ہر شی کے ساتھ ادب سے پیش آتے۔

اور عارفین:۔ اپنی بصیرت کے طاقتور ہونے کی بناء پر مخلوق کو حق سبحانہ تعالیٰ کے مظاہر میں سے مظاہر سمجھتے ہیں۔تو پہلے وہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق سے،اور باطن کے ساتھ ظاہر سے،اور قدرت کے ساتھ حکمت سے محجوب ہوئے۔پھر وہ مخلوق میں حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدے کی طرف، اور حکمت میں قدرت کے مشاہدے کی طرف لوٹائے گئے۔تو جب انہوں نے ہر شی میں حق سبحانہ تعالیٰ کو پہچانا۔تو وہ ہر شی کے ساتھ مانوس ہو گئے۔اور ہر شی کے ساتھ مؤدب ہو گئے۔اور ہر شی کی تعظیم کرنے لگے۔

اسی حقیقت کے بارے میں حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اَلْخَلْقُ نَوَّارٌ وَاَنَا رَعَیْتُ فِیْھِمْ هُمُ الْحُجُبُ الْاَکْبَرُ وَالْمَدْخَلُ فِیْھِمْ

''مخلوق قابل نفرت ہے۔اور میں انہیں میں چلا ہوں۔وہ بڑے حجابات ہیں اور داخل ہونے کی جگہ انہیں کے اندر ہے (یعنی انہیں میں رہنا ہے)''

جب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے مخلوق کی شان میں فرمایا: میں مخلوق کو ہوا میں وہمی غبار کی طرح دیکھتا ہوں۔اگر تم انہیں تلاش کرو گے،تو کچھ نہ پاؤ گے۔تو حضرت سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:نہیں، بلکہ اگر تم ان کو تلاش کرو گے،تو ایک شی پاؤ گے۔اور یہ شی ایسی ہوگی،جس کے مثل دوسری کوئی شی نہ ہوگی۔یعنی تم ان کو اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں سے مظاہر،اور ملکوت کے انوار میں سے انوار پاؤ گے۔جو جبروت کے سمندر سے آتے ہیں۔

عینیہ کے مصنفؒ نے فرمایا ہے:

تَجَلَّیْتَ فِی الْاَشْیَاءِ حِیْنَ خَلَقْتَھَا فَھَاھِیَ مِیْطَتْ عَنْكَ فِیْھَا الْبَرَاقِعُ

''تو اشیاء کے اندر اسی وقت جلوہ گر ہوا۔جب تو نے ان کو پیدا کیا۔تو ان کے اندر تیرے اوپر سے پردے ہٹے ہوئے ہیں''۔

فَقَطَعْتَ الْوَرٰی مِنْ ذَاتِ نَفْسِكَ قِطْعَةً وَلَمْ یَكُ مَوْصُوْلٌ وَلَا فَصْلٌ قَاطِعُ

''تو نے مخلوق کو اپنی ذات سے پوری طرح جدا کیا۔تو اب نہ وصل ہے۔نہ فصل۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

طَلَعَ النَّهَارُ عَلٰى قَلْبِيْ حَتّٰى نَظَرْتُ بِعَيْنَيْهَا
اَنْتَ دَلِيْلِيْ يَا رَبِّيْ اَنْتَ اَوْلٰى مِنِّيْ بِيَا

''میرے اوپر دن طلوع ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا۔ اے میرے رب تو میری دلیل ہے۔ اور تو مجھ سے زیادہ میرے قریب ہے''

حاصل یہ ہے:۔ عارفین باللہ:۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدے میں مخلوق کے مشاہدے سے غائب ہو چکے ہیں۔ تو وہ مخلوق کے ساتھ اجسام کے ساتھ ہیں۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح کے ساتھ ہیں۔ وہ مر چکے۔ پھر اٹھائے گئے۔ اور ان کی قیامت قائم ہو چکی۔ اور ان کے حق میں اس زمین و آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدلے جا چکے۔ اور وہ اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر ہو گئے۔ تو وہ انوار اور آدمیوں کو اغیار کی ظلمت میں دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں ان کے سامنے اپنے ان پوشیدہ اسرار کو کھول دیا ہے۔ جن کو اس کی پوشیدگی کی قہاریت ڈھانپے ہوئے ہے۔ اور عنقریب آخرت میں ان کے سامنے اپنی ذات کے اسرار کو ظاہر کرے گا۔ اور ان کے اوپر سے حکمت کے حجاب کو جو اس کی صفات کا اثر ہے، ہٹا دے گا۔ جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

اَمَرَكَ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ بِالنَّظْرِ فِيْ مُكَوَّنَاتِهٖ ، وَ سَيَكْشِفُ لَكَ فِيْ تِلْكَ الدَّارِ عَنْ كَمَالِ ذَاتِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں، تم کو اپنی مخلوقات میں نظر کرنے کا حکم دیا ہے اور عنقریب آخرت میں تمہارے سامنے اپنی ذات کے کمالات میں سے کچھ ظاہر فرمائے گا''۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کی مخلوقات کے واسطہ سے اس کی طرف نظر کرو۔ اس لئے کہ تم اپنی خلقت کی کمزوری کی بناء پر اس کی مقدس ذات کی حقیقت کی طرف، اصلی جبروت کی عظمت میں بغیر واسطہ کے نظر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔ اگرچہ یہ عقل کی رو سے جائز ہے۔

اسی لئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذات الٰہی کا دیدار طلب کیا۔ لیکن حکیم مطلق کی

حکمت کا تقاضا، الوہیت کی پاکیزگی کے انوار سے ربوبیت کے اسرار کو چھپانا تھا۔ اس کے لئے حسینوں کے لئے نقاب، اور سورج کے لئے بدلی ضروری ہے۔ اور اگر وہ کبریائی کی چادر کے بغیر ظاہر ہوتا۔ تو ادراک واقع ہوتا۔ (یعنی حاصل ہو جاتا) اور پھر ترقی باقی نہ رہتی۔ کیونکہ اس مقدس ذات کے اسرار میں ترقی صرف صفات کے انوار کی طرف نظر کرنے سے ہے۔ اور وہ دونوں جہان میں کبھی ختم نہیں ہوسکتی ہے۔ پس ذات بغیر مظہر کے مطلق پائی نہیں جاسکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت، ظاہر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ اہل حقیقت میں سے اہل تحقیق کا یہی مسلک ہے۔

تو اگر تم یہ اعتراض کرو:۔ کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے دنیا اور آخرت کے اعتبار سے دونوں رویتوں کے درمیان کس طرح فرق کیا ہے۔ جب کہ تحقیق یہ ہے کہ رویت ایک ہے۔ اس لئے کہ مظہر متحد ہے؟

تو جواب یہ ہے: ۔ چونکہ اس دنیائے فانی کے مظہر میں حس یعنی ظاہر باطن پر غالب ہے۔ اور حکمت ظاہر ہے۔ اور قدرت باطن ہے۔ اور آخرت کا مظہر اس کے برعکس ہے۔ وہاں حقیقت ظاہر پر غالب ہے۔ اور قدرت ظاہر ہے۔ اس لئے وہاں ذات کی حقیقت اس سے زیادہ ظاہر ہوگی جتنی یہاں ہے۔ اس مفہوم سے دونوں روایتوں کے درمیان فرق واقع ہوا ہے۔

اس کی مثال: حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جو انہوں نے اپنے حزب کبیر میں فرمایا ہے:۔ دنیا کی عزت، ایمان اور معرفت سے ہے۔ اور آخرت کی عزت، ملاقات اور مشاہدہ سے ہے۔ یہ خواص کے اعتبار سے ہے۔

لیکن عوام: تو وہ ظاہر کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ دنیا میں بھی۔ اور آخرت میں بھی۔

لیکن وہ رویت (دیدار) جو ان کو جنت میں حاصل ہوگی۔ تو احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انوار قدس میں سے کوئی نور ان کے سامنے ظاہر کر دے۔ اور اس میں ان کو اپنی معرفت کا الہام فرما دے۔ یہ حدیث شریف کا ظاہری مفہوم ہے۔ یا یہ کہ اس وقت ان کو ان کے ظاہر سے فنا کر دے۔ یہاں تک کہ وہ ذات کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیں۔ اور اس کے دیدار کا لطف حاصل کر لیں۔ اور پھر ان کو ان کے ظاہر کی طرف لوٹا دے۔

حاصل یہ ہے: ۔ کہ ذات کی تجلی دو قسم کی ہے۔

ایک قسم :۔ یہ ہے۔کہ وہ کثیف واسطوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ان کا ظاہر ظلمت ہے،اوران کا باطن نور ہے۔ان کا ظاہر حکمت ہے،اوران کا باطن قدرت ہے۔ان کا ظاہر حس ہے،اوران کا باطن حقیقت ہے۔اور یہ تجلی اس دنیائے فانی میں ظاہر ہوتی ہے۔

دوسری قسم :۔ یہ ہے کہ وہ لطیف اورنورانی واسطوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ان کا ظاہر بھی نور ہے۔اوران کا باطن بھی نور ہے۔انکا ظاہر قدرت،اوران کا باطن حکمت ہے۔انکا ظاہر حقیقت،اور ان کا باطن حس ہے۔اور یہ آخرت میں ظاہر ہوگی۔

پس عارفین :۔ چونکہ ان کو اس دنیائے فانی میں شہود،اورمعرفت حاصل ہو چکی ہے۔اور آخرت میں حور وقصوران کو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں کرسکیں گے۔ بلکہ وہ ہمیشہ مشاہدہ اورسرور، اورتازگی اورخوشی میں ہوں گے۔اورایسا اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہاں اس دنیا میں اپنی معرفت عطا فرمائی ہے تو وہاں آخرت میں ان کو محجوب نہ فرمائے گا۔

آدمی اسی حال پر مرتا ہے،جس حال پر اس نے زندگی گزاری ہے اورجس حال پر وہ مرا ہے، اسی حال پر اٹھایا جائے گا۔

بخلاف عوام کے: تو ان لوگوں کا یہ حال ہے:۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کے مشاہدہ کے باعث،ان کو اس دنیا میں اپنے مشاہدہ سے محجوب کردیا ہے۔تو وہ آخرت میں بھی اپنے معبود حقیقی کے دیدار سے محجوب ہوں گے۔مگر ایک مخصوص وقت میں مخصوص طریقے پر۔

اسی لئے حضرت ابن عربی حاتمی نے امام رازی کو ایک خط لکھا۔اس خط میں ان سے فرمایا: تم میرے پاس آجاؤ۔میں آج تم کو تمہاری موت سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پہچانوادوں۔کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو وہ پہچانتے نہیں ہیں اورانکار کردیتے ہیں۔

حضرت شیخ ابومحمد عبدالقادر جیلانی ؒ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو یہ دعویٰ کرتا تھا: وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بصر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔تو حضرت نے اس کو طلب فرمایا۔اور ان سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔تو اس نے کہا: ہاں،میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بصر کی آنکھ سے

دیکھتا ہوں۔ تو حضرت نے اس کو ڈانٹا۔ اور اس بات سے اس کو منع کیا۔ پھر حضرت شیخ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: کیا وہ سچ کہتا ہے۔ یا جھوٹ کہتا ہے؟ حضرت نے فرمایا: وہ سچ کہتا ہے۔ مگر شبہہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اس نے جمال کے نور کا مشاہدہ اپنی بصیرت کی آنکھ سے کیا۔ پھر وہ نور اس کی بصیرت میں قائم ہو کر اس کے بصر کی طرف نافذ ہوا۔ تو اس کے بصر نے اس کی بصیرت کو دیکھا۔ اور اس کی بصیرت کی شعاع، اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کے نور سے متصل رہتی ہے۔ (یعنی ہمیشہ مشاہدہ میں رہتی ہے) تو جس کو اس کی بصیرت کی آنکھ نے دیکھا ہے اس کو اس نے یہ خیال کیا۔ کہ اس کے بصر کی آنکھ نے دیکھا ہے۔ حالانکہ اس کے بصر نے اس کی بصیرت کو دیکھا ہے۔

حاصل یہ ہے: ۔ اس کے بصر کی آنکھ، اس کی بصیرت کی آنکھ میں منعکس ہوئی۔ (یعنی بصیرت کا عکس بصر پر پڑا) تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھا۔ لیکن سمجھا یہ، کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے بصر کی آنکھ سے دیکھا۔

اور اس کا مفہوم یہ ہے: روح: جب تک بشریت کے ساتھ محجوب رہتی ہے۔ تو نظر صرف ظاہری آنکھ کے لئے ہوتی ہے۔ تو وہ ظاہر کے سوا کچھ نہیں دیکھتی ہے۔ پھر جب روحانیت بشریت پر غالب ہو جاتی ہے۔ تو بصر کی نظر پر بصیرت کا عکس پڑتا ہے۔ تو جن حقیقتوں کو بصیرت کی نظر دیکھتی ہے۔ ان کو بصر کی نظر بھی دیکھتی ہے۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل کلام کا یہی مفہوم ہے: ۔

غَیَّبْتُ نَظْرِیْ فِیْ نَظَرْ وَاُفْنِیْتُ مِنْ کُلِّ فَانِیْ

”میں نے اپنے بصر کی نظر کو بصیرت کی نظر میں غائب کر دیا ہے۔ اور ہر فانی شے سے میں فنا ہو گیا ہوں“۔

حَقَّقْتُ مَا وَجَدْتُّ غِیَرْ وَاَمْسَیْتُ فِی الْحَالِ ھَانِیْ

”میں نے جو کچھ پایا۔ اس کی حقیقت کو میں نے سمجھ لیا۔ سب غیر ثابت ہوئے۔ اور اب میں مطمئن اور پرسکون ہوں“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں اپنی مخلوقات کے واسطہ سے تمہیں اپنی طرف دیکھنے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تمہیں اس کی ذات کے شہود، اور اس کی طرف دیکھنے سے تسلی اور اطمینان حاصل ہو۔ کیونکہ عاشق کو اپنے معشوق کے دیدار کے بغیر صبر نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح کیا ہے:

لِمَا عَلِمَ اَنَّکَ لَا تَصْبِرُ عَنْہُ، اَشْھَدَکَ مَا بَرَزَ مِنْہُ

''اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم کیا کہ تم اس کے دیدار کے بغیر صبر نہیں کر سکتے ہو۔ اس وجہ سے اس نے تم کو اپنی مخلوقات کا مشاہدہ کرایا۔ جو اس کی ذات سے نمودار ہوئی ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ جب حق سبحانہ تعالیٰ نے اس روح کو جو لطیف اور نورانی ہے۔ اس کی اصل سے جدا کیا۔ اور وہ اپنے وطن سے دور ہو کر غریب الوطن ہو گئی۔ تو وہ اپنے اصلی وطن میں پہنچنے کی مشتاق ہوئی۔ اور اپنے آقائے حقیقی کے محبت کی پیاسی ہوئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا۔ کہ وہ اس کے دیدار کے بغیر صبر نہیں کر سکتی ہے۔ (یعنی اس کو چین اور سکون نہیں ہوگا) لیکن جب تک وہ اس جسم خاکی کے قفس میں قید ہے۔ اس کے اندر یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے جلال کے کمال، اور اس کے جمال کے نور کے ساتھ دیکھ سکے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات کی ان تجلیوں کا مشاہدہ کرایا۔ جو اس کی مخلوقات کے مظاہر، اور صفات کے آثار میں ظاہر ہوئیں۔ لیکن چونکہ حسینوں کے لئے نقاب، اور سورج کے لئے بدلی لازمی اور ضروری ہے۔ اس وجہ سے جبروت کے انوار ملکوت کے باغیچوں میں نمودار ہوئے۔ پھر ان کو حکمت کی بدلیوں، اور قدرت کی نشانیوں نے ڈھانپ لیا۔ تو روح آثار کی بدلیوں کی اوٹ سے اپنی اصل سے عشق کرتی ہوئی باقی رہ گئی۔ پھر جب بادل چھٹ جائے گا۔ اور حجاب ہٹ جائے گا۔ تو ہر دوست اپنے دوست کی ملاقات کا شرف حاصل کر لے گا۔ اور ہر انسان اپنا ٹھکانا، اور اپنا مقام پہچان لے گا۔ اس لئے روح نے مخلوق کے پردے کے اوٹ سے حقیقت کے مشاہدے پر قناعت کر لی۔

حضرت غوث شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کی طرف اپنے مندرجہ ذیل کلام میں اشارہ فرمایا ہے:

فَلَوْلَا مَعَانِیْکُم تَرَاھَا قُلُوْبُنَا　　اِذَا نَحْنُ اَیْقَاظٌ وَفِی النَّوْمِ اِنْ غِبْنَا

اگر ہمارے قلوب تمہاری حقیقتوں کو بیداری اور نیند کی حالتوں میں نہ دیکھے۔

لَمُتْنَا اَسًی مِّنْ بُعْدِکُمْ وَ صَبَابَۃً　　وَلٰکِنْ فِی الْمَعْنٰی مَعَانِیْکُمْ مَعْنَا

''تو ہم تمہاری جدائی کے غم میں، اور محبت سے مر جاتے۔ لیکن حقیقت میں تمہاری حقیقتیں بہت بڑی حقیقت ہیں''۔

یعنی اگر ہمارے قلوب تمہاری ذات کی حقیقتوں کو تمہاری صفات کے مظاہر میں نہ دیکھتے۔ تو ہم عشق کی بے قراری سے مر جاتے۔ یا اگر ہمارے قلوب تمہاری ربوبیت کی حقیقتوں کو تمہاری مخلوقات کے مظاہر میں نہ دیکھتے۔ یا اگر ہمارے قلوب تمہارے جبردت کی حقیقتوں کو عالم ملکوت میں نہ دیکھتے۔ تو ہم تمہاری جدائی کے غم، اور تمہاری ملاقات کے شوق میں مر جاتے۔

اور ان کا قول ''وَلٰکِنْ فِی الْمَعْنَی مَعَانِیْکُمْ مَعْنَا'' لیکن تمہاری جن حقیقتوں کو ہمارے قلوب حقیقت میں دیکھتے ہیں۔ وہ بڑی حقیقت ہے۔ تو ہم اس کے مشاہدے سے مانوس ہو گئے۔ اور ہماری روحیں بھی اس سے مانوس ہو گئیں۔ اس وجہ سے عشق اور شوق میں ہم مرے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور جن چیزوں کے ذریعے، روح محبت کی تکلیفوں سے مانوس ہوتی ہے ان میں سے اس کا خدمت میں مشغول ہونا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

لِمَا عَلِمَ مِنْکَ وُجُوْدَ الْمِلَلِ ، لَوَّنَ لَکَ الطَّاعَاتِ

''اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے گھبرانے اور اکتانے کا علم تھا۔ اس نے تمہارے لئے طاعت کی مختلف قسمیں مقرر کی''۔

میں کہتا ہوں:۔ اے بندے! تیرے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم، اور حسن اختیار ہے کہ چونکہ اسے یہ علم تھا۔ کہ تم اس کے دیدار کے بغیر صبر اور سکون سے نہیں رہ سکتے ہو۔ اس لئے اس نے تم کو اپنی مخلوقات کے مظاہر اور صفات کے آئینوں میں ان تجلیوں کا ظاہر کیا، جو اس کی ذات سے

نمودار ہوئی ہیں۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس کے بندوں میں ایسے لوگ ہیں۔ جو مخلوقات کے مظاہر میں اس کی تجلیوں کے مشاہدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ تو ان کو اپنی خدمت میں مشغول کیا۔ اور چونکہ اسے یہ علم بھی تھا کہ اس کو ایک ہی قسم کی خدمت سے گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوگی۔ اس لئے اس نے اس کے لئے طاعت کی مختلف قسمیں اور شکلیں مقرر کیں۔ کیونکہ نفس کی شان (عادت) یہ ہے کہ ایک ہی چیز کے بار بار کرنے سے گھبرا جاتا ہے۔

اسی حالت کے متعلق ایک عارف شاعر فرماتے ہیں:

لَا يُصْلِحُ النَّفْسُ اِذْ كَانَتْ مُدَبِّرَةً اِلَّا التَّنَقُّلُ مِنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ

"چونکہ نفس تدبیر کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح صرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے ہی سے ہوسکتی ہے (کیونکہ ہر نئی شے مرغوب ہوتی ہے اور ایک ہی چیز کے بار بار کرنے سے خواہ وہ کتنی ہی بہترین ہو۔ گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوتی ہے)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی طاعت کی مختلف قسمیں اور شکلیں مقرر کی ہیں۔ مثلاً جب تم نماز سے اکتا جاتے ہو تو اس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور جب اس کے ذکر سے اکتا جاتے ہو، تو اس کی کتاب قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے ہو۔ اور اسی طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہو۔

اور ذکر کی قسمیں بہت ہیں۔

اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا: خوشی اور دلچسپی کے اسباب میں سے ہے۔ اور خوشی اور دلچسپی کے ساتھ طاعت، اگرچہ کم ہو، کاہلی اور سستی والی طاعت سے افضل ہے۔ اگرچہ وہ زیادہ ہو۔ ظاہر کی زیادتی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ صرف حقیقت کے وجود کا اعتبار ہے۔

طاعت کی مختلف اقسام کی تین وجوہ ہیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے طاعت کی مختلف قسمیں تین وجوہ سے مقرر کی ہیں۔

پہلی وجہ: یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بندے پر اپنی رحمت اور شفقت کی بناء پر ایسا کیا۔ تا کہ وہ

ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف منتقل ہو کر راحت اور خوشی حاصل کر لے۔

دوسری وجہ:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے پر حجت قائم کرنے کے لئے ایسا کیا۔ تا کہ طاعت کے ترک کرنے میں اس کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

تیسری وجہ۔ یہ ہے کہ کل طاعتوں میں اختیار دینے کے ساتھ عمل میں اس کے لئے نسبت ثابت کر دے۔ تا کہ کرامت مکمل، اور طاعت آسان ہو جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جب خواہش اللہ سبحانہ تعالیٰ کے موافق ہوتی ہے تو یہ مکھن کے ساتھ شہد ہے۔ (یعنی بہت ہی بہتر ہے) اور جو شخص اپنی طبیعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرتا ہے۔ تو اس کی رسائی اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی طبیعت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی طبیعت کی مخالفت کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تک اس کی رسائی، اس کی طبیعت سے اس کی دوری کے مطابق ہوتی ہے۔ اور مقصود اللہ سبحانہ تعالیٰ کی موافقت ہے نہ کہ نفس کی مخالفت۔ اور سنت کے شواہد (دلائل) پوشیدہ نہیں ہیں۔ تم اسے بخوبی غور کر کے سمجھو۔

اور اکتانے کے اسباب میں سے حرص ہے۔ اور حرص کا سبب عمل میں آزادی (وقت کی پابندی نہ ہونا) ہے۔ اسی لئے وقتوں کے تعین کے ساتھ مقید کیا گیا۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے مندرجہ ذیل قول میں واضح فرمایا ہے:

وَعَلِمَ مَا فِيْكَ مِنْ وُجُوْدِ الشَّرَّهِ فَحَجَرَهَا عَلَيْكَ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ

''اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اندر حرص کے وجود کا علم تھا۔ اس لئے اس نے تمہارے اوپر طاعت کو بعض وقتوں میں مقید کیا۔ (یعنی بعض وقت میں مقرر کیا۔ اور بعض وقت میں منع کیا)''۔

میں کہتا ہوں: شرہ :۔ نفس کا وہ ہلکا پن ہے۔ جو عمل کے لئے ایک دوسرے سے جلدی کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اور اس خفت کا نتیجہ: تین خرابیاں ہوتی ہیں۔

پہلی خرابی:۔ ہمیشہ عمل کرنے کی صورت میں نفس کی تنگی کے سبب عمل کا ترک کر دینا۔

دوسری خرابی:۔ اگر عمل کو ترک نہ کرے۔ تو اکتا جانا۔ اور گرانی محسوس کرنا۔

تیسری خرابی۔ جلد بازی کی وجہ سے عمل میں خلل واقع ہونا (یعنی ارکان کو کامل طریقہ پر نہ ادا کرنا)

اور وقت کے ساتھ مقید کرنے میں تین فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ:۔ حرص کو روکنا ہے۔اس لئے کہ طاعت اگر آزاد ہوتی ہے،تو نفس اس میں حرص کے طریقے پر پڑتا۔

دوسرا فائدہ:۔ تاخیر اور ٹال مٹول کو دور کرنا ہے۔اس لئے کہ اگر وقت کی قید نہ ہوتی۔تو نفس اس کو ایک وقت سے دوسرے وقت کے لئے ٹالتا رہتا۔پھر اس کا انجام کوتاہی کرنا،اور ضائع کر دینا ہوتا۔

تیسرا فائدہ:۔ عمل میں ثابت قدمی اور مضبوطی سے قائم ہونا ہے۔اس لئے کہ اگر وقت کی قید نہ ہوتی۔تو نفس عمل میں سستی کرتا۔اور بغیر عذر کے چھوڑ دیتا۔اور خواہش کے غلبہ کی وجہ سے اس کی حفاظت نہ کرتا۔اور فوائد کے حاصل کرنے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کو یاد نہ رکھتا۔

پھر مصنفؒ نے طاعت کو وقت کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ بیان کی۔اور وہ مضبوط اور قائم کرنا ہے۔چنانچہ فرمایا: (لِيَكُوْنَ هَمُّكَ اِقَامَةَ الصَّلٰوةِ لَا وُجُوْدَ الصَّلٰوةِ) ''طاعت کے لئے وقت کی قید اس لئے ہے۔تاکہ تمہارا مقصد نماز کا قائم کرنا ہو نہ کہ نماز کی شکل ظاہر کرنا''۔

میں کہتا ہوں:۔ بعض اوقات میں نماز کے مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ نفس نماز کے لئے مشتاق ہو۔اور اس میں راحت اور سکون پائے۔تاکہ نماز میں خشوع،اور حضور،اور آنکھ کی ٹھنڈک حاصل ہو۔بخلاف اس کے کہ اگر وہ ہمیشہ ہوتی۔تو نفس کو اس کا شوق نہ ہوتا۔اور اکثر اوقات پریشان ہوتا،اور اکتاتا۔تو اس کو نامکمل طریقے پر ادا کرتا۔اور تمہاری ذات سے مقصود قلب کی حرکت ہے۔نہ کہ جسم کی حرکت۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ

مادروں بنگریم وحال

''اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہارے اعمال کی طرف۔ بلکہ وہ تمہارے قلوب کی طرف دیکھتا ہے''۔

اجسام کی حرکت میں کچھ شان (عظمت) نہیں ہے۔ بلکہ شان صرف ارواح کے خضوع میں ہے پس تمہارے اوپر بعض اوقات میں نماز کے مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ تمہارا مقصد نماز کا قائم کرنا ہو۔ یعنی اس کو مضبوطی کے ساتھ، اس کے ظاہری و باطنی حقوق کی نگہداشت کے ساتھ قائم کرنا۔ نہ کہ قائم کئے بغیر صرف نماز کی شکل ظاہر کرنا۔ کیونکہ ظاہری شکل، خالی مردہ ہے۔ اس لئے سزا سے زیادہ قریب ہے۔

حضرت امام قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اقامت صلوٰۃ: اس کے ارکان اور سنتوں کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ پھر نماز کے دیکھنے سے اس ذات پاک کے مشاہدے میں غائب ہو جانا ہے۔ جس کے لئے نماز ادا کرتا ہے۔ پھر امر کے جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر جاری ہوتے ہیں، اس کی حفاظت کرنا۔ اس حال میں کہ اس کے دیکھنے سے محو ہو جائے۔ تو ان کے نفوس کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ اور ان کے قلوب وصل کی حقیقتوں میں مضبوطی سے قائم ہوں۔

حضرت مصنفؒ نے فرمایا ہے: اقامت صلوٰۃ:۔ اللہ عزوجل کے ساتھ، سر کی حفاظت کے ساتھ نماز کے حدود کی حفاظت ہے۔ اس طرح کہ تمہارے سر میں اللہ تعالیٰ کا ماسوا کوئی حرکت نہ پیدا کرے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے پاس فرمان لکھا:۔ میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں سے اہم کام نماز ہے۔ تو جس نے اس کو یاد رکھا۔ اور اس کی حفاظت کی۔ وہ اس کے علاوہ دوسرے احکام کی بھی حفاظت کرنے والا ہے اور جس شخص نے نماز کو ضائع کر دیا۔ وہ اس کے علاوہ دوسرے احکام کو بھی ضائع کرنے والا ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق سے روایت ہے۔

پھر مصنفؒ نے اس کی وجہ بیان کی، کہ نماز کا قائم کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ نماز کی ظاہری شکل۔

چنانچہ فرمایا:

فَمَا کُلُّ مُصَلٍّ مُقِیْمٌ "ہر نمازی قائم کرنے والا نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں:۔ اقامت: کے معنی لغت میں "مکمل کرنا، اور مضبوط کرنا، ہے"۔ "اَقَامَ فُلَانٌ دَارَہٗ" فلاں شخص نے اپنا گھر قائم کیا، یہ بات اس وقت کہی جاتی ہے۔ جب کوئی شخص اپنا گھر مکمل تیار کر کے اس میں اس کی ضرورت کی سب چیزیں بنا لیتا ہے۔ تو نماز کا قائم کرنا، اس کا مضبوط اور مکمل کرنا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور اقامت کی ضد "نقصان اور کمی" ہے۔ تو ہر نمازی نماز کا قائم کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کو ان کی نماز سے تکان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بعض احادیث میں وارد ہے:۔

مَنْ لَّمْ تَنْھَہٗ صَلَاتُہٗ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ لَمْ تَزِدْہُ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعْدًا

"جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی، اور برائی سے نہیں روکتی ہے۔ ایسی نماز اس کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور کر دیتی ہے"۔

اور دوسری حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے:

اِذَا صَلَّی الْعَبْدُ فَلَمْ یُتِمَّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا وَلَا خُشُوْعَھَا لُفَّتْ کَمَا یُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلَقُ ثُمَّ یُضْرَبُ بِھَا وَجْھُہٗ۔ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

"جب بندہ نماز پڑھتا ہے لیکن اسکے رکوع و سجود و خشوع کو پورا نہیں کرتا ہے۔ ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹی جاتی ہے۔ پھر اس نماز پڑھنے والے کے منہ پر ماری جاتی ہے"۔ یا حضرت نبی کریم ﷺ نے جس طرح فرمایا ہو۔

پس نماز پڑھنے والے بہت ہیں۔ اور قائم کرنے والے کم ہیں۔ اہل اجسام بہت ہیں اور اہل قلوب کم ہیں۔

حضرت ابوبکر بن العربی معافری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: میں نے ایسے ہزاروں آدمیوں کو دیکھا ہے جو نماز کی حفاظت کرتے ہیں میں ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا ہوں لیکن ایسے لوگ جو خشوع

اور حضور کے ساتھ نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے پانچ آدمی بھی نہیں پایا۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جتنی جگہوں میں مصلین کا ذکر تعریف کے مقام میں کیا گیا ہے۔ تو درحقیقت تعریف کے مقام میں صرف انہیں لوگوں کا ذکر آیا ہے، جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ کسی جگہ پر اقامت کے لفظ کے ساتھ ذکر آیا ہے اور کسی جگہ ایسے مفہوم کے ساتھ ذکر آیا ہے جو اقامت کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

''جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں''۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ ''اے میرے رب ! تو مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا''۔ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کیا وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ اور نماز کے قائم کرنے والے اور جب غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کا ذکر کیا۔ تو فرمایا۔ (فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ٥) ''پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا فَوَیْلٌ لِّلْمُقِیْمِیْنَ الصَّلَاۃَ نماز قائم کرنے والوں کیلئے خرابی ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے، کہ نماز میں خشوع کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ:۔ خوف، اور عاجزی، اور ذلت کا خشوع ہے۔ اور یہ عابدین، وزاہدین کے لئے ہے۔

دوسرا درجہ:۔ تعظیم اور ہیبت، اور بڑائی کا خشوع ہے۔ اور یہ مریدین سالکین کے لئے ہے۔

تیسرا درجہ:۔ خوشی، اور سرور، اور حضور کا خشوع ہے۔ اور یہ عارفین میں سے واصلین کے لئے ہے۔ اور اس مقام کا نام قرۃ العین (آنکھ کی ٹھنڈک) ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔

پھر تم یہ جان لو۔ کہ جس نماز کے ساتھ خشوع، اور حضور نہ ہو۔ وہ صوفیائے کرام کے نزدیک باطل اور علمائے کرام کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے:۔ بندے کے لئے

اس کی نماز میں اتنا ہی حصہ ہے جتنے میں اس کا قلب حاضر رہا۔تو کبھی اس کے لئے اس کی نماز کا چوتھائی حصہ،اور کبھی نصف حصہ،نماز میں اس کے حضور قلب کے اندازے سے ہوتا ہے۔

خشوع، پیدا ہونے میں مدد کرنے والی چیزوں میں سب سے بڑی اور اہم ''دنیا میں زہد'' (ترک دنیا) ہے۔یہی سب سے بڑی دوا اور اکسیر اعظم ہے۔اس لئے کہ یہ محال ہے کہ تمہارے پاس ابلیس کی لڑکی ہو،اور اس کا باپ اس کو دیکھنے کے لئے نہ آئے۔تو اخلاص پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔ جب تک قلب میں خواطر (وسوسے) موجود ہوں۔اور وسوسے کم بھی ہوں۔تو بھی بہت ہیں۔تو جس شخص کے اندر دنیا کا کچھ حصہ بھی باقی ہے۔تو بلاشبہ اس کے مطابق وسوسے اس کے دل میں آئیں گے۔کیونکہ یہ محال ہے کہ تمہارے قلب میں دنیا کا درخت موجود ہو۔اور تم وسوسوں سے محفوظ رہو۔

اور اس کی مثال یہ ہے: مثلاً تمہارے قریب باغ میں ایک درخت ہو۔اس پر چڑیاں جمع ہوتی ہوں۔اور وہ تم کو اپنی آوازوں سے خوفزدہ،اور پریشان کرتی ہوں تو جب تم ان کو پریشان کر کے بھگاتے ہو۔تو وہ پھر لوٹ آتی ہیں۔تو وہ ہرگز تم سے اس وقت تک دور نہیں ہوں گی جب تک تم اس درخت کو نہ کاٹ دوگے۔تو جب تم اس درخت کو کاٹ دوگے ان کی آوازوں سے نجات پا جاؤ گے۔

اسی طرح جب تک دنیا ہاتھ میں ہے اور ہاتھ اس سے بھرا ہوا ہے۔قلب اس کے وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔جب تک قلب اس سے نکل نہ جائے۔اور جب قلب اس سے نکل جائے گا۔تو وہ اس کی برائیوں،اور شرارتوں سے محفوظ ہو جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

خشوع کس طرح پیدا ہوگا؟

نیز خشوع پیدا ہونے میں مدد کرنے والی چیزوں میں:۔ قلب اور جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہے۔اور ہمیشہ طہارت (پاکی) کو قائم رکھنا۔اس لئے کہ ظاہر کو باطن سے تعلق ہوتا ہے۔اس لئے جب ظاہر پاک ہوتا ہے تو باطن بھی پاک ہوتا ہے۔وباللہ التوفیق۔

نماز کے نتائج وثمرات اور ان کی تعداد

پھر مصنفؒ نے نماز کے نتائج وثمرات (فوائد) بیان فرمائے۔اور وہ نتائج چھ ہیں۔ہر نتیجہ،اپنے

بعد والے نتیجے تک پہنچاتا ہے۔

(وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی) ’’اور بے شک آخری ٹھکانہ تمہارے رب کی طرف ہے‘‘۔

پہلا نتیجہ:۔ مصنفؒ نے پہلے نتیجے کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:۔

(اَلصَّلٰوۃُ مُطَھِّرَۃٌ لِّلْقُلُوْبِ) ’’نماز قلوب کو پاک کرنیوالی ہے‘‘

میں کہتا ہوں:۔ نماز: برائیوں اور عیوب سے قلوب کی پاکیزگی کا ذریعہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں خضوع، اور عاجزی، اور ذلت اور محتاجی ہے۔ تو جب قلب، جلال الٰہی کی ہیبت کے سامنے جھک جاتا ہے تو وہ کل عیوب سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بلندی، اور مرتبہ کی خواہش تمام عیوب کی جڑ، اور بنیادی جزو ہے۔ اور نفس کی شان اور طبیعت میں سے بلندی، اور بڑائی اور عزت، اور فخر کی خواہش ہے۔ کیونکہ وہ عزت کے عالم سے آیا ہے۔ اس لئے وہ عزت ہی کو پسند کرتا ہے۔ تو جب نفس اس جسمانی قالب میں مرکب کر دیا گیا۔ تو قہریت نے اس کو عبودیت کی طرف لوٹایا۔ تاکہ وہ اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کی خواہش اپنی عاجزی، اور ذلت کے ساتھ کرے۔ اسی بناء پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں سب دروازوں پر گیا۔ لیکن میں نے سب پر بھیڑ پایا۔ پھر میں ذلت اور عاجزی کے دروازے پر آیا۔ تو اس کو میں نے خالی پایا۔ پھر میں اسی دروازے سے اپنے رب کی بارگاہ میں داخل ہوا۔ اور میں نے لوگوں کو آواز دی۔ کہ تم لوگ بھی اسی دروازے سے اپنے رب کے پاس آؤ۔ میں نے اپنے شیوخ کرام سے اس کو اسی طرح سنا ہے۔

تو جب نفس عاجز اور ذلیل ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے، اور اس سے مل جاتا ہے۔ اور جب وہ عزت اور تکبر میں مشغول ہوتا ہے تو وہ محجوب ہوتا ہے اور بھگا دیا جاتا ہے۔ اور جب بھگا دیا جاتا ہے تو دور ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بارگاہ ربانی سے دور ہو جاتا ہے تو اس کے اندر جسمانی خواہشات، اور شیطانی اخلاق مضبوط ہو جاتے ہیں۔ پھر اب وہ تمام پست اور ذلیل اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے اور تمام بلند اخلاق سے دور ہو جاتا ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے قرب، اور اپنے دروازے پر ٹھہرنے کے ساتھ نفس پر رحم کرنا

چاہتا ہے۔تو اس کو نماز کا الہام کرتا ہے۔اور نماز کو اس کے لئے محبوب بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کے اندر سے برائیاں اور عیوب مٹ جاتے ہیں۔تب وہ دوست کی بارگاہ سے،اور قریب کی سرگوشی سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اور حجاب کے دور ہونے کی خواہش کرتا ہے۔اور شیخ مصنفؒ کے حسب ذیل قول کا یہی مفہوم ہے۔ اور یہ دوسرا نتیجہ ہے۔

دوسرا نتیجہ: حضرت مصنفؒ نے فرمایا: (وَاسْتِفْتَاحٌ لِبَابِ الْغُيُوْبِ) ''اور نماز غیوب کے دروازے کو کھولنا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ غیوب سے مراد: ملکوت کے اسرار، اور جبروت کے اسرار ہیں۔اور نماز غیوب کے دروازے کو اس وجہ سے کھولتی ہے۔کہ وہ ظاہر اور باطن کی پاکیزگی کو شامل ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی حکیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے موحدین کو ان پنجگانہ نمازوں کی طرف اس لئے بلایا۔(حکم دیا) تا کہ ان کے اوپر رحمت نازل فرمائے۔اور ان کے لئے ان نمازوں میں مہمانی کے بہت قسم کے سامان تیار کئے تا کہ بندہ ہر قول اور فعل سے،اللہ تعالیٰ کے عطیات میں سے کچھ حاصل کرے۔پس افعال، کھانے کی چیزوں کی طرح ہیں۔اور اقوال پینے کی چیزوں کی طرح ہیں۔اور نماز: موحدین کا عرش ہے۔جس کو اللہ رب العالمین اپنی رحمت والے بندوں کے لئے ہر روز پانچ مرتبہ تیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اندر اغیار کی کثافت باقی نہیں رہتی ہے۔ پھر جب ظاہر، ظاہری طہارت سے اور باطن، حقیقی طہارت سے پاک ہو جاتا ہے۔تب وہ بارگاہ قدس میں داخل ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔اس وقت اس کو جو پہلا تحفہ دیا جاتا ہے وہ اس کا بارگاہ الٰہی کے دروازے کے قریب ہونا، اور احباب کے خطاب کا پردے کے اوٹ (آڑ) سے سننا ہے۔ پھر احباب کی سرگوشی، اور خطاب کی لذت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔جو نماز کا تیسرا نتیجہ ہے۔

نماز رب سے مناجات ہے

تیسرا نتیجہ: حضرت مصنفؒ نے فرمایا: (اَلصَّلٰوةُ مَحَلُّ الْمُنَاجَاةِ) ''نماز بندے کی

اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کا مقام ہے"۔

میں کہتا ہوں: مناجات: کے معنی، احباب کے ساتھ چپکے چپکے بات کرنی ہے۔ (یعنی کانا پھوسی)۔ تو بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی: تلاوت، اور اذکار کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے ساتھ سرگوشی: سمجھ، اور معرفت کے دروازے کھلنے، اور حجابات کے اٹھنے کے ساتھ ہوتی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے: "اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ" نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ، فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، قَالَ تَعَالٰی: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ، فَاِذَا قَالَ: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ: فَاِذَا قَالَ: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ، فَاِذَا قَالَ: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ هٰذِهٖ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ، فَاِذَا قَالَ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، اَلْاٰیَة (وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: هٰذِهٖ لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ) اَلْحَدِیْثُ،

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرے بندے کا حصہ، وہ ہے جو اس نے سوال کیا۔ تو جب بندہ کہتا ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت اور بزرگی بیان کی۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ، وہ روز جزا کا مالک ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پوری آیۃ

وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک۔ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ان لوگوں کا راستہ نہیں، جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یہ میرے بندے کے لئے ہے۔ اور جو میرے بندے نے طلب کیا ہے وہ اس کے لئے ہے (یعنی میں اس کو عطا کروں گا)

پس نمازی ہمیشہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا رہتا ہے۔ اور اس کا قرب طلب کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب میں اس کی طرف سے محبت، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور، مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے پھر محبت جفاء کی کدورتوں سے صاف ہو جاتی ہے اور محبت کرنے والا، اپنے دوست کے ساتھ صفائی کے مقام میں مل جاتا ہے۔ اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے جو نماز کا چوتھا نتیجہ ہے۔

چوتھا نتیجہ:۔ حضرت مصنفؒ نے فرمایا (وَمَعْدَنُ الْمُصَافَاةِ) ''اور نماز مصافات کی کان ہے''۔

میں کہتا ہوں: معدن: کے معنی ہیں، سونا، چاندی کی کان۔ اور یہاں، اجسام کی کھنکھناتی ہوئی مٹی کی آلائش سے قلوب وارواح کو صاف کرنے کی وجہ سے، قلوب وارواح کی صفائی کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔

اور مصافات:۔ ظاہری کی فکر و پریشانی، اور وسوسوں کی کدورت سے مناجات کا خالص ہونا ہے۔ پس مصافات: مناجات سے زیادہ لطیف اور صاف ہے۔

حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَوْتُ مَعَ الْحَبِیْبِ وَ بَیْنَنَا سِرٌّ اَرَقُّ مِنَ النَّسِیْمِ اِذَا سَرَا

''میں (ہر شی سے کنارہ کش ہو کر) دوست کے ساتھ تنہا ہو گیا۔ اور اب ہمارے درمیان نسیم سحری کی لطیف رفتار سے بھی زیادہ لطیف ایک راز ہے''۔

اور یہ بندے کی مصافات اپنے رب کے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مصافات اپنے بندے کے ساتھ، اس کے اوپر حضور کی حالت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے غیر کے ساتھ نہ

چھوڑے۔اور حدیث شریف میں وارد ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذْ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ اللّٰہُ الْحِجَابَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہٗ وَوَاجَھَہٗ بِوَجْھِہٖ وَقَامَتِ الْمَلَائِکَۃُ مِنْ لَّدُنْ مَنْکِبَیْہِ اِلَی الْھَوِیِّ یُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِہٖ۔

نمازی کیلئے تمام حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں

''بندہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب اٹھا دیتا ہے۔اور رو در رو اس کے سامنے ہوتا ہے اور فرشتے اس کے دونوں کندھوں کے پاس سے فضائے ہوائی تک کھڑے ہو کر اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں''۔

پس جب صفائی مکمل ہو جاتی ہے۔اور محبت بڑھتی ہے۔اور پیاس زیادہ ہوتی ہے اور حیرت و پریشانی ظاہر ہوتی ہے تو روح حجاب کے دور ہونے،اور دروازہ کے کھلنے کی مستحق ہو جاتی ہے۔پھر وہ احباب کی بارگاہ میں داخل ہوتی ہے۔اور اس کے اور احباب کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔تو وہ اجسام کی تنگی سے نکل کر عالم ارواح کی فضاء میں پہنچتی ہے۔یا ملک کی تنگی سے نکل کر عالم ملکوت کی وسعت میں پہنچتی ہے۔

اور مصنف کے مندرجہ ذیل قول کا یہی مفہوم ہے۔جو نماز کا پانچواں نتیجہ ہے۔

پانچواں نتیجہ:۔ حضرت مصنفؒ نے فرمایا:

تَتَّسِعُ فِیْھَا مَیَادِیْنُ الْاَسْرَارِ ''نماز کے اندر اسرار کے میدان کشادہ ہوتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں: میدان: گھوڑا دوڑنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔یہاں عالم ملکوت کی فضاء کے لئے استعارہ کیا گیا ہے تو جب روح عالم ملکوت میں داخل ہوتی ہے اور اپنی فکر کے ساتھ اس کے انوار کی وسیع فضا میں دوڑتی ہے۔تو اس کے اوپر جبروت کے انوار چمکتے ہیں۔اور مصنفؒ کے مندرجہ ذیل قول کا یہی مفہوم ہے۔جو نماز کا چھٹا نتیجہ ہے۔

چھٹا نتیجہ: حضرت مصنفؒ نے فرمایا: (وَتُشْرِقُ فِیْھَا شَوَارِقُ الْاَنْوَارِ) ''اور نماز میں انوار کے سورج طلوع ہوتے ہیں''۔

میں کہتا ہوں:۔ مصنفؒ نے اسرار سے،ذات کے اسرار مراد لیا ہے۔اور وہ اہل فنا کے لئے

ہے۔اور انوار سے، صفات کے انوار مراد لیا ہے۔اور وہ اہل بقا کے لئے ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور مصنفؒ نے اس نماز سے وہ نماز مراد لی ہے۔جو نمازی کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرتی ہے۔یہ اہل غفلت کی نماز نہیں ہے۔نہ یہ عابدین وزاہدین میں سے اہل مجاہدہ کی نماز ہے۔کیونکہ ان کے لئے یہ سیر نہیں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابو طالب نے فرمایا ہے. ہم سے راوی نے بیان کیا: مومن جب نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو شیاطین اس کے خوف سے زمین کے اطراف میں اس سے دور بھاگ جاتے ہیں۔کیونکہ وہ بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کے لئے تیار ہوا ہے۔پھر جب وہ تکبیر کہتا ہے۔تو ابلیس اس سے چھپ جاتا ہے۔اور نمازی اور ابلیس کے درمیان ایک پردہ قائم کر دیا جاتا ہے۔اس کی وجہ سے ابلیس اس کی طرف نہیں دیکھتا ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔پھر جب وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو فرشتہ اس کے قلب میں نظر کرتا ہے۔تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔تب فرشتہ کہتا ہے۔تو نے سچ کہا۔تو جس طرح زبان سے کہتا ہے اسی طرح قلب میں بھی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔پھر اس کے قلب میں وہ نور پھیلتا ہے جو عرش کے ملکوت سے ملا ہوتا ہے۔پھر اس نور کے سبب اس کے سامنے آسمانوں اور زمین کے ملکوت ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے لئے اس نور کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت ابو طالب فرماتے ہیں: پھر راوی نے کہا ہے: غافل جاہل، جب وضو کے لئے اٹھتا ہے۔اس کو شیاطین اس طرح گھیر لیتے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں شہد کے چھتے کو گھیرے ہوتی ہیں۔پھر جب وہ تکبیر کہتا ہے۔تو فرشتہ اس کے قلب میں نظر کرتا ہے۔تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہر شئی اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے بڑی ہے۔تب فرشتہ کہتا ہے: تو نے جھوٹ کہا۔جس طرح تو زبان سے کہتا ہے۔اس طرح تیرے قلب میں اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔پھر اس کے قلب سے ایسا دھواں اٹھتا ہے جو آسمان کے کنارہ سے ملا ہوتا ہے۔اور وہ دھواں اس کے لئے ملکوت سے حجاب بن جاتا ہے۔پھر راوی نے بیان کیا ہے: یہ حجاب اس کے نماز کو لوٹا دیتی ہے۔اور شیاطین اس کے قلب کو لقمہ بنا لیتے

ہیں۔ اور ہمیشہ اس میں پھونک مارتے ہیں اور وسوسہ پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ وسوسے اس کو مرغوب کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے باہر آتا ہے۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتا ہے کہ اس نے کیا کیا۔

اوقات خمسہ میں انحصار کی حکمت

پھر مصنفؒ نے نماز کے پانچ وقتوں میں منحصر ہونے کی حکمت بیان کی۔ چنانچہ فرمایا: "عَلِمَ وُجُوْدَ الضُّعْفِ مِنْكَ فَقَلَّلَ اَعْدَادَهَا" اللہ تعالیٰ کو تمہاری کمزوری کا علم تھا۔ اس لئے نماز کی تعداد کو کم کر دیا"۔ (یعنی نماز پچاس وقت کی تھی۔ اس کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا۔)

پس اے انسان! تمہارے اوپر یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وقت کے وسیع ہونے کے باوجود نماز کی تعداد کم کر دی۔ تو اس نے اپنے دن کے اول وقت میں تمہارے اوپر ایک نماز فرض کیا۔ تاکہ تم اس کے ظاہری انوار کا شکر ادا کرو۔ جن کو اس نے تمہارے لئے ظاہر کیا۔ اور تاکہ سو کر اٹھنے کے ساتھ نماز کے لئے تمہارا حرکت کرنا، اس غفلت کو لازمی طور پر دور کر دے، جو تمہاری لمبی نیند میں تم کو لاحق ہوئی ہے اور اس نے تمہارے اوپر ایک نماز اپنے دن کے درمیانی حصے میں فرض کیا۔ تاکہ اپنی آگ کا وہ اشتعال جو اس نے اس وقت میں ظاہر کیا ہے۔ تمہارے لئے بجھا دے۔ اور اس نے تمہارے اوپر ایک نماز دن کے آخر ہونے کے قریب فرض کیا۔ تاکہ بادشاہ غفار اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری طاعت کا گواہ بنے۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری نماز کے لئے گواہی دیں۔ اور اس نے تمہارے اوپر ایک نماز رات کے اول وقت میں فرض کیا۔ تاکہ تم رات کا اول وقت اپنی طاعت سے شروع کرو۔ جیسا کہ تم نے اپنے دن کا اول وقت طاعت سے شروع کیا۔ اور تاکہ تم رات کے ان عجائب (حوادث) سے محفوظ رہو، جن کے پیش آنے کی امید رات کی تاریکی میں کی جاتی ہے۔ پھر جب تم نے اپنے آقا سے جدا ہو کر سونے، اور اپنے رب سے غافل ہونے، اور اپنے بستر سے لطف اٹھانے کا ارادہ کیا۔ تو اس نے تم کو حکم دیا۔ کہ تم اس کے ساتھ اپنے حضور کی حالت میں، اس کو الوداع کہو۔ اور اسکے ساتھ تمہارا آخری وقت تمہاری طاعت ہو۔ تو یہ سب کا سب اس کی جانب سے تم کو اپنی بارگاہ میں کھینچنے کے لئے، اور تم سے اپنے احسان کا شکر ادا کرانے کے لئے، اور تم کو تمہارے وجود سے نکالنے کے لئے ہے۔

عَجَبَ رَبُّكَ مِنْ قَوْمٍ يُسَاقُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ

''تمہارے رب کو ایسے لوگوں پر تعجب ہے۔ جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ یا لے جائے جائیں گے''۔

اور جب نماز کی تعداد گھٹا دی۔ تو اس وجہ سے کہ اسے علم تھا۔ کہ تم اس کے احسان کے محتاج ہو۔ اس نے اپنی امداد (یعنی ثواب) کو بڑھا دیا۔

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

عَلِمَ اِحْتِيَاجَكَ اِلٰى فَضْلِهٖ فَكَثَّرَ اِمْدَادَهَا

امداد کا مطلب

''چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم اس کے فضل کے محتاج ہو۔ اس لئے اس نے اپنی امداد (ثواب) کو زیادہ کر دیا''۔

میں کہتا ہوں: امداد سے مراد: وہ بدلہ ہے جو نماز کے صلہ میں ملتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کو۔ ایک کا صلہ دس مقرر فرمایا۔ تو وہ پانچ بھی ہے۔ اور پچاس بھی ہے۔ ظاہر میں پانچ ہے۔ باطن میں پچاس ہے۔ یعنی ثواب میں پچاس ہے۔ اور اگر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، تو ہر ایک پچیس ہے۔ اور ہر ایک کا درجہ دس ہے۔ لہٰذا جماعت کے نماز کی تعداد، ہر ایک نماز، دو سو پچاس ہے۔

(وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ) ''اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے''

اور جماعت کی کثرت، اور اس کے کمال سے بھی درجہ مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اور حضور، اور خشوع، اور اپنے نفس سے غائب ہونے، اور حجاب کے اٹھنے کے مطابق درجہ بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

''کوئی شخص نہیں جانتا ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک (انعامات) ان کے لئے پوشیدہ کر کے رکھی گئی ہے۔ ان کے ان اعمال کے صلے میں جو وہ کرتے تھے''۔

اور مقام کے مرتبہ کے مطابق بھی درجہ میں فرق ہوتا رہتا ہے۔ جیسے بیت اللہ خانہ کعبہ، اور مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ۔ اور امام کے مرتبہ کے مطابق بھی درجے میں فرق ہوتا ہے:۔

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ مَغْفُوْرٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ''جو شخص کسی بخشے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ لیکن اے فقیر! تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اس فائدے کی طرف توجہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس شخص کے لئے بہت ہے۔ جو اپنی ہمت اللہ عزوجل کی طرف بلند کرتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:

''مَتٰى طَلَبْتَ عِوَضًا مِنْ عَمَلٍ طُوْلِبْتَ بِوُجُوْدِ الصِّدْقِ فِيْهِ، وَيَكْفِي الْمُرِيْبَ وِجْدَانُ السَّلَامَةِ''۔

''اگر تم ایسے عمل پر بدلہ چاہتے ہو۔ جس میں تم سے صدق طلب کیا گیا ہے تو تم یہ سمجھ لو۔ کہ ملزم کے لئے سزا سے سلامت رہنا ہی کافی ہے''۔

بدلہ کی نیت سے عبادت نہ کی جائے یا صلے کی تمنا بھی چھوڑ دے

میں کہتا ہوں:۔ جب تم سے اعمال صالحہ میں سے کوئی عمل صادر ہو۔ اور تم یہ چاہو کہ اللہ تعالیٰ اس عمل خیر پر تم کو بدلہ دے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تم سے صدق طلب کیا ہے۔ اور صدق: اخلاص کا سر اور اس کا مغز ہے۔ اور وہ اختیار اور قوت سے بری ہو جانا، اور نفس کا حضور کے ثابت ہونے کے بعد اپنے عمل کے دیکھنے سے بالکل کنارہ کش ہو جانا، اور وسوسوں اور خطروں سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہاری نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ اور تم اس نماز میں اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ سے غائب ہو جاؤ۔ تمہارا قلب اللہ تعالیٰ کی عظمت سے اس طرح بھر جائے۔ کہ تم اللہ میں اللہ کے ساتھ غائب ہو جاؤ۔ پس اگر یہ امور تمہارے اندر ثابت اور قائم ہو جائیں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے وہ اجر (بدلہ) طلب کرنا درست ہے۔ جو اس نے عمل پر مرتب فرمایا ہے۔ اور اگر تمہارے نفس میں یہ امور ثابت اور قائم نہیں ہوئے ہیں۔ تو جان لو کہ تمہارا عمل مدخول ہے۔ اس لئے تم اس پر اللہ تعالیٰ سے شرم کرو، کہ تم مدخول عمل کا بدل چاہتے ہو۔ پس تمہارے لئے

بدلہ اور حصول مقصد کے طور پر ہلاکت اور تباہی سے تمہارا سلامت رہنا ہی کافی ہے۔ کسی ملزم کے لئے عائدشدہ الزام کی سزا سے نجات پانا ہی کافی ہے۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ کے نزدیک ملزم ہو۔ اور وہ عائدشدہ الزام کی سزا کے لئے قید میں ہو۔ اگر اس سے یہ کہا جائے کہ تم کو بادشاہ ایسی بخشش اور ایسا انعام عطا کرے گا۔ تو وہ اس کہنے والے کو یہی جواب دے گا۔ کہ میرے لئے بادشاہ کی یہی بخشش کافی ہے کہ مجھے اس کی سزا سے نجات مل جائے۔

اور اے انسان! تجھ سے اعمال، اور ان میں اخلاص، اور ان کا مضبوط کرنا، اور ان کی اقامت کو مکمل کرنا، طلب کیا گیا ہے۔ ادر تو خطروں اور دسوسوں سے ملی ہوئی طاعت لے کر آیا ہے۔ اور اگر بالفرض تیرے اعمال خطروں اور وسوسوں سے پاک بھی ہوں۔ پھر بھی تیرا بدلہ ملنے کی خواہش کرنا۔ اپنے نفس کے دیکھنے، اور فعل کا صادر ہونا، اپنی طرف سے سمجھنے کی دلیل ہے۔ اور یہ شرک ہے۔ اور اس کے لئے تو سزا کا مستحق ہے۔ تو اسکی سزا سے نجات پانا، اس کی یہی بخشش تیرے لئے کافی ہے۔

حضرت واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کے لئے عبادت بدلہ چاہنے کے لئے عبادت سے افضل، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب کرنے والی ہے۔

حضرت خیر نساج رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تمہارے اعمال کی میراث وہ ہے جو تمہارے افعال کے لائق ہو۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کی میراث طلب کرو۔ کیونکہ وہ زیادہ مکمل اور بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ)

''آپ فرمادیجئے! اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت ہی سے لوگوں کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔''

اور حضرت خیر نساج رضی اللہ عنہ کے کلام کا مفہوم یہ ہے: تمہارے اعمال کی اجرت تمہارے ناقص اعمال ہی کے مطابق ہوگی۔ اور ناقص کا بدلہ بھی ناقص ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا نتیجہ مانگو۔ کیونکہ وہ ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور تم ایسے عمل پر اجر کیسے چاہتے ہو، جس کے کرنے والے تم نہیں ہو۔ اور اس عمل کے قبول

ہونے کا علم بھی تم کو نہیں ہے؟

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

لَا تَطْلُبْ عِوَضاً عَلٰی عَمَلٍ لَسْتَ لَهٗ فَاعِلاً ، یَکْفِیْ مِنَ الْجَزَاءِ لَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ قَابِلاً

''تم اللہ تعالیٰ سے ایسے عمل کا اجر نہ چاہو، جس کے کرنے والے تم نہیں ہو۔ تمہارے لئے اس عمل کا یہی اجر کافی ہے کہ وہ قبول ہو جائے''۔

میں کہتا ہوں: اہل حق کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بندہ مختار قالب (ڈھانچہ) کے اندر مجبور ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے کوئی فعل اور اختیار نہیں ہے اور حقیقتاً فاعل صرف اللہ واحد قہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَ یَخْتَارُ) ''تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام میں فرمایا: (وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ؁) ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ اور اس کو بھی جو تم عمل کرتے ہو۔ یعنی تمہارے اعمال اور اللہ تعالیٰ نے تیسری جگہ فرمایا: (وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؁) ''تم صرف وہی چاہتے ہو۔ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے''۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

کُلُّ شَیْءٍ بِقَضَاءٍ وَقَدْرٍ حَتّٰی الْعَجْزُ وَالْکَیْسُ

''سب چیزیں قضاو قدر کے ماتحت ہیں۔ یہاں تک کہ مجبوری، اور خوشی بھی''

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ، فَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ السَّعَادَةِ ، وَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ، ثُمَّ قَرَاَ:۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی اَلْاٰیَةُ

''ہر شخص آسان یعنی موافق بنا دیا جاتا ہے۔ اس کام کے لئے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا

ہے۔ (یعنی ہر شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ کام اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے) تو جو شخص نیک بختوں میں سے ہے۔ وہ نیک بختوں کے عمل کے لیے موافق بنا دیا جائے گا۔ اور جو شخص بد بختوں میں سے ہے۔ وہ بد بختوں کے عمل کیلئے موافق بنا دیا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی آخِرُ آیَتِہٖ لِلْیُسْرٰی تک۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال دیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا۔ اور نیکی (اسلام) کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کو آرام کی جگہ تک جانے کیلئے راستہ آسان بنا دیں گے"

تو جب یہ ثابت ہو گیا، تو بندہ ایسے عمل پر جس کا کرنے والا وہ نہیں ہے اجر کی خواہش کیسے کرتا ہے؟ اور عمل کی نسبت بندے کے ساتھ ہونے کی صورت میں بھی عمل کا اجر، عمل کی قبولیت پر موقوف ہے۔ تو تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا:۔ کیا تمہارا عمل مقبول ہے، یا نہیں ہے؟ اور اگر اس میں نقص اور خلل کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول کر لے۔ تو اس عمل کو یہی اجر تمہارے لیے کافی ہے۔ تو اگر اس کی پردہ پوشی بہترین نہ ہوتی۔ تو کوئی بھی عمل قابل قبول نہ ہوتا۔ اور اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ معافی اور برداشت کے ساتھ اپنے بندوں پر فضل و کرم نہ فرماتا تو وہ کسی عمل کو ہرگز قبول نہ فرماتا۔ کیونکہ اعمال کی پاکیزگی تقریباً محالات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَمَا قَدَرُوْا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ) "اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی۔ جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ یعنی جیسا اس کی تعظیم کا حق ہے۔ ویسی تعظیم اس کی نہیں کی"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَا اَمَرَہٗ) "ہرگز نہیں، انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اس کو اس نے پورا نہیں کیا" یعنی انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس کو اس نے اس طریقے پر انجام نہیں دیا، جس طریقے پر انجام دینے کا حکم اس نے دیا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں غور کرو:۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

"یہی وہ لوگ ہیں، جن سے بہترین عمل کو ہم قبول کرتے ہیں"۔

اور اللہ تعالیٰ نے "نَتَقَبَّلُ مِنْهُمْ" نہیں فرمایا۔ کیونکہ من کا تقاضا ہے، کہ عمل کامل ہو۔ بلکہ "عنھم" فرمایا ہے۔ کیونکہ "عن" تجاوز کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل میں جو نقص اور خلل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے تجاوز یعنی درگزر فرما کر بہترین بناتا ہے۔ پھر اس کو قبول فرماتا ہے۔ اور اگر اس میں درگزر نہ فرماتا تو وہ بہترین نہ ہوتا۔ پھر قابل قبول نہ ہوتا تو اس کو ان کی جانب سے قبول نہ فرماتا۔ لیکن بخشش کرنے والا اللہ تعالیٰ نکتہ چینی نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اپنی عظیم بخشش کی بناء پر جو کچھ اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے سب قبول کر لیتا ہے۔

عمل کا جذبہ اللہ ہی پیدا کرتے ہیں

پس سب تعریفیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اس نے اس دنیا میں بندے کے اندر عمل پیدا کیا۔ اور پھر ہمارے اندر اس کیلئے انتہائی آرزو اور تمنا عطا کی۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّظْھِرَ فَضْلَهٗ عَلَیْكَ خَلَقَ فِیْكَ وَنَسَبَ اِلَیْكَ

"جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا فضل و کرم ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے تمہارے اندر عمل پیدا کیا اور اس کو تمہاری طرف منسوب کیا"

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے مشیت اور اختیار کے ساتھ فاعل ہے۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ

"اللہ تعالیٰ سے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن وہ لوگ سوال کیے جائیں گے"

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کے متعلق حقیقت کے اعتبار سے سوال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سے اس کے متعلق شریعت کے اعتبار سے سوال کیا جائے گا۔

بندوں کی تین قسمیں ہیں

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تین قسموں میں تقسیم فرمائی ہے۔

پہلی قسم :۔وہ لوگ ہیں ،جن کو انتقام کیلئے پیدا کیا۔اس لیے ان کے اندر اپنے اسم پاک "منتقم "اور اسم پاک "قھار" کی تجلی ظاہر کی۔اور اپنی حکمت کے ساتھ ان کے اوپر نافرمانی کی صورت ظاہر کی،اور اپنے عدل اور قہر کے ساتھ اس کی نسبت ان کی طرف کی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوْهُ - وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا اَشْرَكُوْا

"اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ لوگ اس کو نہ کرتے۔اور تمہارا رب چاہتا،تو وہ لوگ شرک نہ کرتے"

پس ان کے اوپر نسبت،اور حکمت کے ظاہر کرنے کے اعتبار سے حجت قائم ہوئی۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

"اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں"

دوسری قسم :۔وہ لوگ ہیں،جن کو اللہ تعالیٰ نے حلم یعنی برداشت کیلئے پیدا کیا تا کہ ان کے اندر اپنے اسم پاک "حلیم"اور اسم پاک "رحیم" کی تجلی ظاہر کرے۔ان کے اوپر نافرمانی جاری کی۔اور ان کو ایمان سے آراستہ کیا۔پس وہ نافرمانی کی بنا پر سزا کے مستحق ہوئے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم اور رحم سے ان کو معاف فرمادیا۔اور ان کو جنت میں داخل فرمایا:۔

تیسری قسم :۔وہ لوگ ہیں،جن کو اللہ تعالیٰ نے بخشش کرنے کیلئے تیار کیا تا کہ ان کے اندر اپنے اسم پاک " کریم "اور اسم پاک "رحیم" کی تجلی ظاہر کرے۔ان کے اندر طاعت اور احسان کو پیدا کیا اور ان کو اسلام اور احسان کے ساتھ آراستہ کیا۔اور اکثر اوقات ان کے اندر احسان کے ساتھ مزید تجلی کی۔پھر ان کو وسیع باغیچہ میں داخل کیا اور ان کو اللہ رحمٰن کی صورت کی طرف دیکھنے سے شاد کام کیا۔تو جب اللہ تعالیٰ تم کو ان بزرگوں سے ملانا چاہتا ہے۔تو تم کو مختلف قسم کی طاعتوں کیلئے تیار کرتا ہے اور تمہارے اندر نیکیاں کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔پھر اس فعل کو تمہاری طرف سے منسوب کر دیتا ہے۔پھر فرماتا ہے:۔اے میرے بندے!تو نے فلاں نیکی کی ہے۔تو میں تم کو اس

عمل کی بناء پر اجر دیتا ہوں:- میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اپنے عمل کے ذریعہ ترقی کر کے اپنے مقام پر پہنچ جاؤ۔ اور تمہارا مقام وہی ہے، جہاں تمہارا عمل ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا

" آپ کے رب کی بخشش سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور تمہارے رب کی بخشش کسی کیلئے بند نہیں ہے۔ دیکھئے! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے" اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

"تم لوگ اپنے ان اعمال کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم دنیا میں کرتے تھے"

لہٰذا اے انسان! تمہارے لیے یہ مناسب ہے کہ بادشاہ دیان اللہ تعالیٰ کے ساتھ باادب رہو اور نقص اور نافرمانی کو اس کی طرف منسوب نہ کرو تم کو صرف تمہارے نفس اور شیطان نے بہکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اَىْ الشَّيْطَانُ

"پس تم لوگوں کو دنیا کی زندگی ہرگز دھوکہ نہ دے اور نہ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھوکہ دینے والا شیطان دھوکہ دے"

پس جو کمال اور خوبی ہو، وہ اللہ بزرگ و برتر کی طرف منسوب کرو اور جو نقصان و نافرمانی ہو، وہ نفس اور شیطان کے رومال میں پونچھ دو۔

خیر کی نسبت اللہ کی طرف اور نقصان کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے

حضرت سہل بن عبد اللہ ؒ نے فرمایا ہے:- جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے:- اے رب! تو نے اپنے فضل سے مجھ کو نیک کام میں استعمال کیا۔ اور نیک کام میں تو نے میری مدد فرمائی

اور تو نے نیکی کو میرے لئے آسان کر دیا، تو اللہ تعالیٰ اس کی تعریف کرتا ہے اور فرماتا ہے:- اے میرے بندے! بلکہ تو نے میری طاعت کی اور تو میرے قریب ہوا۔

اور جب بندہ اپنے نفس کی طرف نظر کرتا ہے اور کہتا ہے:- میں نے عمل کیا اور میں نے اطاعت کی اور میں قریب ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے:-

اے بندے میں نے تجھ کو عمل کی توفیق دی میں نے نیک عمل کیلئے تیری امداد فرمائی اور اس کو تیرے لیے آسان کر دیا۔

اور بندہ جب کوئی برائی کرتا ہے، اور کہتا ہے:- اے میرے رب! تو نے یہ میری تقدیر میں لکھا تھا۔ اور تو نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ تیرا ہی حکم تھا۔ تو اللہ عزوجل غصہ میں آ کر فرماتا ہے:- اے میرے بندے! بلکہ تو نے برا کیا، اور تو نے جہالت اور نافرمانی کی اور۔ اور جب بندہ کہتا ہے:- اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں نے برا کیا اور میں نے نادانی کی۔ تو اللہ عزوجل اس کے اوپر توجہ کرتا ہے، اور فرماتا ہے:- اے میرے بندے! یہ فیصلہ میں نے کیا تھا اور یہ میں نے تیری تقدیر میں لکھا تھا۔ جا، میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور تیرے اوپر کرم کیا اور تیرے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی۔

تو جو عمل اللہ تعالیٰ نے بندے کے اندر پیدا کر کے اس کے ساتھ منسوب کیا اس نسبت کے سبب وہ تعریف اور برائی کا مستحق ہوتا ہے۔

تو اگر بندے میں طاعت پیدا کر کے اس کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ شریعت کی زبان میں تعریف کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے اوپر نافرمانی جاری کر کے اس کے اوپر اس کو پورا کرتا ہے تو وہ شریعت کی زبان میں برائی کا مستحق ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

لَا نِهَايَةَ لِمَذَامِكَ اِنْ اَرْجَعَكَ اِلَيْكَ ، وَلَا تَفْرُغُ مَدَائِحُكَ اِنْ اَظْهَرَ جُوْدَهٗ عَلَيْكَ

"تمہارے برائیوں کی انتہا نہیں ہے اگر تم کو تمہاری طرف رجوع کر دے اور تمہاری خوبیاں

اور تعریفیں ختم نہیں ہوسکتی ہیں۔اگر تمہارے اوپر اپنی بخشش ظاہر کرے"

جب اللہ کسی کو رسوا کرے تو؟

میں کہتا ہوں:-جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل اور رسوا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔تو اس کو اس کے نفس،اور اس کی خواہش کی طرف لوٹا دیتا ہے۔پھر وہ اس کے سپرد کردیا جاتا ہے پھر وہ جو اختیار کرتا ہے اس کا مالک ہوجاتا ہے پھر جب اس پر خواہش غالب ہوجاتی ہے تو اس کو تباہی کے گڈھوں میں گرادیتی ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:-

تَرْكُ يَوْمًا نَفْسَكَ وَهَوَاهَا   سَعْىٌ لَهَا فِي رَدَاهَا

"تمہارے نفس کو ان کی خواہش کے ساتھ ایک دن کیلئے بھی چھوڑنا،اس کی تباہی کی کوشش کرنی ہے"

پس خواہش ذلت کا خلاصہ،اور اس کا سبب ہے۔جیسا کہ حضرت برعیؒ نے فرمایا ہے:-

لَا تَتْبَعِ النَّفْسَ فِي هَوَاهَا   اِنَّ اتِّبَاعَ الْهَوٰى هَوَانٌ

"نفس کی پیروی اس کی خواہش میں نہ کرو۔کیونکہ بلاشبہ خواہش کی پیروی رسوائی ہے"

اللہ جب کسی کو عزت دینا چاہے؟

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عزت دینے،اور اس پر مہربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے،تو اس کے اوپر اپنی بخشش اور کرم ظاہر فرماتا ہے پھر اس کی سرپرستی اور حفاظت کرتا ہے اور اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے نفس اور اس کی خواہش کے ساتھ نہیں چھوڑتا ہے۔

پس اے انسان! تیرے برائیوں کی انتہا نہیں ہے اگر تجھ کو تیرے نفس کی طرف لوٹا دے اور اس کو تیرے اوپر حاکم بنادے یہ تجھ کو چھوڑ دینے اور اللہ تعالیٰ کی نظر سے تیرے گر جانے کی علامت ہے۔

اور میں ہر نقصان اور وبال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اور تیری خوبیاں، اور تعریفیں ختم نہیں ہو سکتی ہیں اگر تیرے اوپر اپنی بخشش ظاہر کر دے۔ پھر تجھ کو اپنی حفاظت میں لے لے۔ اور اپنی عنایت سے تیری نگرانی فرمائے۔ اور تم کو تمہارے نفس سے روک دے اور تمہارے اور تمہاری تدبیر اور فکر کے درمیان حائل ہو جائے۔

مولا! مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر

اور حضرت محمد ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ دعا ہے:-

اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تَکِلْنِیْ اِلٰی ضُعْفٍ وَّعَوْزَۃٍ وَّ ذَنْبٍ وَ خَطِیْئَۃٍ وَ اِنِّی لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ

"اے اللہ! اگر تو مجھ کو میرے نفس کے حوالے کر دے گا، تو تو مجھے کمزوری اور محتاجی اور گناہ اور خطا کے حوالے کر دے گا اور میں صرف تیری رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں"

حاصل یہ ہے:- کہ اگر تم اپنے رب کے ساتھ وابستہ رہو گے، تو تمہاری عزت مکمل جائے گی اور تمہاری تعریف اور خوبی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اور اگر تم اپنے نفس کے ساتھ متعلق رہو گے، تو نفس مکمل ہوگا۔ اور تمہاری برائی کی انتہا نہ ہوگی۔

یا تم اس طرح کہو:- جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کے نفس، اور اس کی خواہش کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس کے برائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ نفس کیلئے اتنے ہی عیوب ہیں۔ جتنے اللہ تعالیٰ کیلئے کمالات ہیں۔ اور جس کی سرپرستی اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس پر اپنی بخشش ظاہر فرماتا ہے اور اس کو اس کے نفس کے ساتھ نہیں چھوڑتا ہے اور اس کو اس کے فائدے سے نکال لیتا ہے۔ اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس کی خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہاں اس دنیا میں اس کے مظاہر کے سوا کچھ نہیں ہے تو جس طرح اس کے جلال کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح اس کے جمال کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں بارھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس کا حاصل:۔ اوارد کی تعظیم، اور امداد کے وارد ہونے کیلئے تیار ہونا، اور کدورتوں سے باطنوں کو صاف کرنا ہے تا کہ ان کے اوپر انوار کے سورج روشن ہوں۔ اور وہ عرفان کے سورج ہیں۔ پھر عارف تدبیر اور اختیار سے فنا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہر روز اس پر نظر رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ اللہ واحد قہار کیا معاملہ کرتا ہے۔ پھر اس وقت ہر وہ شی سے مانوس ہو جاتا ہے اور ہر شی کے ساتھ باادب ہو جاتا ہے۔ اور ہر شی کی تعظیم کرتا ہے اور ہر شی مین اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کے سبب کسی شی سے اس کو وحشت، اور نفرت نہیں ہوتی ہے۔ تو وہ اس دنیا میں اللہ تعالی کی طرف نظر کرنے کے ساتھ، اس کی صفات کے حجاب سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی مخلوق کے مظاہر ہیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنی صفات کے حجاب کے بغیر اپنی مقدس ذات کے کمال کو ظاہر کرے گا۔

اور یہ اس وجہ سے ہے:۔ کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ اس کے دیدار کے بغیر صبر نہیں کر سکتا ہے تو اس نے اس کو اپنی مخلوق کا مشاہدہ کرایا۔ جو اس کی ذات سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور اس کی صفات کو مظہر ہے۔

اور چونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کی مخلوق میں اس کے مشاہدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ تو ان کو اپنی خدمت میں مشغول فرمایا، اور اسے یہ بھی علم تھا کہ اگر وہ ہمیشہ ایک ہی قسم کے عمل پر قائم رہے گا۔ (یعنی ایک ہی قسم کا عمل برابر کرتا رہے گا) تو اکثر اوقات اس کو گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوگی، اور وہ اکتا جائے گا۔ تو اس نے اس کیلئے طاعت اور عمل کو مختلف قسموں اور صورتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور چونکہ اس کو بندے کے اندر حرص کے موجود ہونے کا علم تھا اس لیے اس نے طاعت کو وقتوں کے ساتھ مقید کر دیا تا کہ ارادہ نماز کا قائم کرنا ہو، نہ کہ نماز کا وجود یعنی ظاہری شکل۔ پھر نماز کے ثمرات اور نتائج بیان کیے اور تم کو اس پر اجر کی خواہش سے منع کیا۔ اس لیے کہ طاعت کے کرنے والے تم نہیں ہو بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فضل ہے۔ اس نے تمہارے اندر طاعت کی طاقت پیدا کی اور اس کو تمہاری طرف منسوب کر دیا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے نفس کی طرف لوٹا دے اور تم کو تمہاری خواہش نفسانی

کے ساتھ چھوڑ دے تو تمہارے برائیوں کی انتہا نہ ہوگی۔ اور اگر تم کو تمہارے نفس سے لیلے اور اپنی بخشش اور فضل سے تمہاری سرپرستی فرمائے۔ تو تمہاری خوبیوں کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور وہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اس حیثیت سے کہ تم اس کے اولیا میں سے ایک ولی، اور اس کے مقبول دوستوں میں سے ایک دوست ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے ان کی جماعت میں شامل فرمائے، آمین۔

پھر اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی بخشش ظاہر فرمائے اور تمہارے گرد اپنی عطاؤں کو پھیلا دے تو تم اپنی عبودیت کے وصف کے ساتھ قائم، اور اس کی ربوبیت کے وصف کے ساتھ متعلق ہو جاؤ، اور حضرت مصنفؒ نے تیرھویں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

تیرھواں باب

ربوبیت کے اوصاف کے متعلق ہونے، اور عبودیت کے اوصاف پر ثابت و قائم ہونے، آزادی کے وصف میں، اور اپنی عادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے شریک نہ ہونے کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:- كُنْ بِاَوْصَافِ رُبُوْبِيَّتِهٖ مُتَعَلِّقًا، وَبِاَوْصَافِ عُبُوْدِيَّتِكَ مُتَحَقِّقًا "اللہ تعالیٰ کے ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ متعلق ہو جاؤ اور اپنی عبودیت کے اوصاف پر ثابت قدمی سے قائم ہو جاؤ"

ربوبیت کے اوصاف

میں کہتا ہوں:- ربوبیت کے اوصاف:- عزت، اور کبریائی، اور عظمت اور غنا، اور قدرت، اور علم ہے اور ان کے سوا وہ تمام کمالات کے اوصاف ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

عبودیت کے اوصاف

اور عبودیت کے اوصاف :- ذلت، اور محتاجی اور عاجزی اور کمزوری اور جہالت ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام عیوب ہیں جو بندگی کیلئے مناسب ہیں۔

تعلق باوصاف اللہ

اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ تعلق کی کیفیت :- یہ ہے کہ تم اپنے تمام معاملات میں اسی سے التجا کرو اور اپنی کل حاجتوں میں اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے ماسوا سب کو چھوڑ دو اور وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ دیکھو کیونکہ اگر تم اس کی عزت، اور کبریائی اور عظمت کی طرف نظر کرو گے تو تم اس کے ساتھ عزت حاصل کرو گے اور اس کے غیر کے ساتھ عزت نہ حاصل کرو گے۔ (یعنی

اس کے غیر کے ساتھ عزت حاصل کرنے کی حاجت اور پرواہ تم کو نہ ہوگی) اور تمہاری نظر میں اس کے سوا ہر شئی حقیر ہو جائے گی۔ اور جب تم اللہ تعالی کے وصف غنا کی طرف نظر کرو گے تو تم اس کے غنا سے وابستہ ہو جاؤ گے اور اس کے ماسوئی سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اور تم کسی شی کے محتاج نہیں رہو گے۔ اور تم کو اس کے ساتھ ہر شی سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے وصف قدرت، اور قوت کی طرف نظر کرو گے تو تم اپنی عاجزی اور کمزوری کے حال میں صرف اسی کی قدرت، اور قوت سے التجا کرو گے۔ اور تم ہر شی کو عاجز اور کمزور سمجھو گے اور جب تم اس کے علم کی وسعت، اور اس کے احاطہ کرنے کی کیفیت کی طرف دیکھو گے تو تم اس کے علم ہی کو کافی سمجھو گے اور اس سے مانگنے سے بے نیاز ہو جاؤ گے اور زبان حال سے کہو گے:- عِلْمُهُ بِحَالِي يُغْنِيْ عَنْ سُؤَالِي "اللہ تعالیٰ کو میرے حال کو علم ہونا، میرے سوال سے مجھکو بے نیاز کرتا ہے"

اور اسی طرح اس کے تمام اوصاف اور اسماء حسنہ میں نظر کرو کیونکہ سب کے سب تعلق پیدا کرنے اور ان سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے اور ان کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہونے کے لائق ہیں۔

تخلق باخلاق اللہ

اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ تخلق (اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے) کی کیفیت:- یہ ہے کہ تم اپنے باطن میں اس کے ساتھ عزیز اور قوی ہو جاؤ گے۔ اور اس کے نزدیک عظیم اور کبیر ہو جاؤ اور اس کے دین میں مضبوط اور اس کی معرفت میں کامل اور اس کے احکام کے عالم ہو جاؤ اسی طرح کل اوصاف سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرنا ہے، اور اس کا حاصل باطن میں آزادی اور ظاہر میں بندگی کا استعمال کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ کے ساتھ تحقق (ثابت قدمی سے قائم ہونے) کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حقیقتیں تمہارے اندر مضبوط، اور ان کا وجود تمہارے اندر ثابت اور قائم ہو جائے۔ پس تخلق (اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرنا) مجاہدہ ہے۔ اور تحقق (اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ کی حقیقتوں میں ثابت اور قائم ہو جانا) مشاہدہ ہے۔ یعنی اس کا وجود اصلی اور فطری ہے۔

تخلق باوصاف العبودیۃ

اور عبودیت کے اوصاف کے ساتھ اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے کی کیفیت :- یہ ہے کہ ظاہر میں ذلت اور عاجزی کے ساتھ قائم ہونا اس طرح کہ ذلت اور عاجزی تمہارے نزدیک پیشہ اور طبیعت بن جائے جس سے تم کو ناگواری نہ محسوس ہو۔ بلکہ اس میں تم کو لذت حاصل ہو اور اس کے ساتھ تم رشک (فخر) کرو اور اسی طرح محتاجی، اور کمزوری، اور جہالت اور عبودیت کے تمام اوصاف اپنے وجود کے ساتھ تمہارے ظاہر میں مضبوطی سے قائم ہو جائیں اس طرح کہ یہ تمہارے نزدیک عزت بن جائے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ فرماتے تھے :- اہل ظاہر بلندی کی حرص رکھتے ہیں کہ کون ان میں اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے اور اہل باطن عاجزی کی رغبت رکھتے ہیں، کہ ان میں سے کون زیادہ عاجزی وانکساری کرنے والا ہے۔

ربوبیت کے اوصاف اربعہ اوران کے مقابل

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے :- ربوبیت کے اوصاف چار ہیں اور ان کے مقابل یعنی مخالف چار اوصاف ہیں وہی عبودیت کے اوصاف ہیں۔

پہلا وصف :- غنا (بے نیازی) ہے۔ اس کے مقابلے میں محتاجی ہے۔

دوسرا وصف :- عزت ہے اس کے مقابلے میں ذلت ہے۔

تیسرا وصف :- قدرت ہے اس کے مقابلے مین عاجزی ہے۔

چوتھا وصف :- قوت ہے اس کے مقابلے میں کمزوری ہے۔

اور یہ سب اوصاف لازم ملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک وصف پایا جائے گا تو کل اوصاف پائے جائیں گے اور مقابل وصف کا موجود ہونا، اپنے مقابل وصف کے موجود ہونے کیلئے لازم ہے۔

اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیاز ہوتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ بے نیاز ہوتا ہے۔ یعنی اس کو کافی سمجھتا ہے اور جو شخص اللہ

تعالیٰ کے ساتھ عزت پاتا ہے وہ اس کیلئے ذلیل ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ذلیل ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ عزیز ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ اپنے نفس کو عاجز دیکھتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کو عاجز دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کی کمزوری کو دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قوت کو دیکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی قوت کو دیکھتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری کو دیکھتا ہے۔ پس اگر نظر کی وسعت اپنے اوصاف کی طرف ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اگر نظر کی وسعت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کی طرف ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیاز ہو اور یہ فقر اور غنا:- عارف پر یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں، تو کبھی اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا غالب ہوتا ہے۔ تو اس کے اوپر عنایت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ رعایت کو اختیار کرتا ہے اسی لیے جس وقت اللہ تعالیٰ کے حبیب پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا غالب ہوتا ہے تو ہزار صاع کھلا دیتا ہے۔ اور جس وقت اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی غالب ہوتی ہے تو بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا ہے۔ پس تم اس کو بخوبی سمجھو۔

میں کہتا ہوں:- جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے:- ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ تعلق باطن میں ہوتا ہے۔ اور عبودیت کے اوصاف پر قائم ہونا ظاہر میں ہوتا ہے۔ پس باطن میں ہمیشہ آزادی ہے اور ظاہر میں ہمیشہ بندگی ہے تو باطن کی آزادی:- یہی ربوبیت کے اوصاف کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان اوصاف کے ساتھ تعلق کا یہی مفہوم ہے لیکن اگر یہ مجاہدہ (یعنی محنت اور کوشش سے حاصل ہو) تو تعلق ہے اور اگر طبعی اور فطری ہو تو تحقق ہے۔

یا تم اس طرح کہو:- اگر وہ حال ہو، تو تعلق ہے اور اگر وہ مقام ہو، تو تحقق ہے۔ اور ظاہر کی عبودیت:- حکمت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اور قدرت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے عبودیت کے اوصاف کا مشاہدہ کرنا ہے۔

ربوبیت کا مظہر

حاصل یہ ہے:- ربوبیت کی عظمت، عبودیت کے مظہروں میں ظاہر ہوئی ہے۔ لہٰذا جو شخص

صرف عظمت کو دیکھتا ہے وہ ربوبیت کی عظمت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور جو شخص مظہر کے ظاہر کو دیکھتا ہے وہ عبودیت کے اوصاف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور کامل:۔ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے اس لیے وہ باطن میں ربوبیت کی عظمت کے ساتھ، اور ظاہر میں عبودیت کے اوصاف کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس لیے وہ ہر حقدار کو اس کا حق دیتا ہے۔ تو اس کے باطن میں سب عیاں ہوتا ہے اور اس کے ظاہر میں فرق موجود ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اگر وہ ربوبیت کے اوصاف کو ظاہر کر دیتا ہے تو وہ اپنی حد سے نکل گیا اور اس نے اپنی قدر کو نہیں پہچانا۔ تب یہ ضروری ہوتا ہے کہ قدرت اس کو تنبیہ کرے اور اسی کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

مَنَعَكَ اَنْ تَدَّعِيَ لَكَ مَالَيْسَ لَكَ مِمَّاهُوَ لِلْمَخْلُوْقِيْنَ ، اَفَيُبِيْحُ لَكَ اَنْ تَدَّعِيَ وَصْفَهٗ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ

"اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ تم اپنے لیے اس چیز کا دعویٰ کرو، جو تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ وہ دوسرے مخلوق کیلئے ہے تو کیا وہ تم کو اس کی اجازت دے گا، کہ تم اس کے وصف کا دعویٰ کرو حالانکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے"

غیرت خداوندی

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ غیرت مند ہے لہٰذا وہ اپنے بندے کیلئے یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ وہ اس کی خصوصیت کے راز کو فاش کرے اور نہ وہ اپنے بندے کیلئے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اس کی ربوبیت کے اوصاف میں اس کا شریک ہو۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نے بشریت کے وصف کو ظاہر کر کے خصوصیت کے راز کو پوشیدہ کیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ربوبیت کا راز حقیر اور بے وقعت اور ظاہر ہو جاتا اور یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ "بیشک آپ کا رب حکمت والا، اور علم والا ہے" اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نے ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ خاص کیا اور ہم کو اس کے ظاہر کرنے سے، اور حال اور قول میں اس کے ساتھ موصوف ہونے سے منع کر دیا۔ اور یہ اس طرح

:- جیسے کہ بندے کا عزت، اور عظمت، اور کبر (بڑائی) اور سرداری، اور بلندی سے موصوف ہونا، یا زبان سے ان کا دعویٰ کرنا۔ پس اگر وہ ان میں کسی چیز کا بھی دعویٰ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ہٹادیئے اور سزا پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں حضرت محمد ﷺ سے روایت ہے:-

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ :- اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ ، وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ ، فَمَنْ نَّازَعَنِیْ وَاحِدًا مِّنْھُمَا قَصَمْتُہٗ

"اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:- کبریائی (بڑائی) میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے۔ اس لیے جو شخص مجھ سے ان دونوں میں سے کسی ایک میں لڑائی کرے گا میں اس کو ہلاک کردوں گا"

اور حضرت محمد ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:-

لَا اَحَدُ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ فَلِذَالِکَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ ۔ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی شخص نہیں ہے اس لیے اس نے ظاہری، اور باطنی کبیرہ گناہوں کو حرام کردیا"

اور بخاری شریف میں حضرت سیدنا موسیٰؑ کے قصہ میں ہے:-

اَنَّہٗ خَطَبَ عَلَی النَّاسِ خُطْبَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ ، فَقَامَ اِلَیْہِ رَجُلٌ ، فَقَالَ لَہٗ:- ھَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمُ مِنْکَ ؟ فَقَالَ :-لَا ، فَعَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِذْلَمْ یَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ :-بَلٰی ، عَبْدُنَا خَضِرٌ ھُوَ اَعْلَمُ مِنْکَ ، فَکَانَ مِنْ شَانِھِمَا مَاقَصَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ اس کے اثر سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ تو ایک شخص ان کے سامنے کھڑا ہوا اور ان سے دریافت کیا:- کیا آپؐ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو، یعنی آپؐ سے بڑا عالم ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:- نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر عتاب فرمایا:- کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:- ہاں، ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ علم والا ہے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات موسیٰؑ اور خضرؑ کے حالات میں وہ قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ

نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلیمی سفر

پس تم غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے سوا دوسرے کو تلاش کرنے کے ذریعے ادب کی تعلیم دی۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ کو طاقت کے ساتھ حکم دیتے تھے، اور منع کرتے تھے۔اور حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ پر ان کی عظیم قدر و منزلت، اور بلند مرتبہ کے باوجود اپنا رعب قائم کیا۔ علیہما السلام۔

اور ایسا اس لیے ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی کچھ آزادی ظاہر فرمادی تھی۔ پس جو شخص آزادی ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جبراً و قہراً بندگی کی طرف لوٹاتا ہے اور جو شخص بندگی ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے باطن میں آزادی کو قائم کرتا ہے۔اور اس کو کل (مخلوق) کا بالکل مالک بنادیتا ہے تو جو شخص اپنے مرتبے سے گر کر تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مرتبے سے بھی اوپر اٹھاتا ہے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ اس نے فواحش یعنی کبیرہ گناہوں کے ظاہر اور باطن کو حرام فرمایا۔ فواحش:۔ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جس کی برائی حد سے زیادہ اور جس کا جرم بہت بڑا ہو جیسے زنا، اور غصب اور چوری اور ظلم و ستم اور یتیموں کا مال کھانا اور ان کے علاوہ دوسرے حقوق العباد، (بندوں کے حقوق)۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے تم کو دوسری مخلوق کی ان فنا ہونے والی چیزوں پر دعویٰ کرنے سے منع فرمادیا ہے جو تمہارے لیے نہیں ہے تو وہ اُس کی اجازت کیسے دیگا کہ تم اس کے وصف عزت اور کبریائی کا دعویٰ کرو۔ جبکہ وہ کل جہانوں کا مالک ہے۔

تو جب تم اس چیز کا دعویٰ کرتے ہو جو تمہارے لیے نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے وہ چیز چھین لیتا ہے، جس کا اس نے تم کو مالک بنایا تھا اور جب تم اپنے وصف پر قائم رہتے ہو اور اس کا وصف اس کے سپرد کرتے ہو تو وہ تم کو وہ چیز عطا کرتا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے اور تم کو وہ چیز بخشتا ہے جو تمام عالم میں کسی کو نہیں بخشتا ہے جب تم اپنے نفس کو ہر زمین میں اتاروگے، تو تمہارا قلب ہر آسمان میں بلند ہوگا اور اس حقیقت کا ذکر گمنامی کے بیان میں کیا جاچکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(تنبیہ)۔تم یہ جان لو، اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم کرے اور تم کو اپنے اولیائے کرام کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جب باطن میں آزادی قائم ہو جاتی ہے تو ظاہر پر بھی اس کے آثار کا ظاہر ہونا لازمی ہے۔

فَكُلُّ اِنَاءٍ بِالَّذِىْ فِيْهِ يَرْشَحُ

"ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے"

اور خزانے کے مالک پر خوشی کا ظاہر ہونا لازمی ہے اور دولتمند خوشی اور سرور سے خالی نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ایک شاعر نے فرمایا ہے۔

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيْقَةٍ وَاِنْ خَالَهَا تَخْفٰى عَلَى النَّاسِ تَعْلَمُ

" کسی انسان کے اندر جو صفت ہوتی ہے وہ معلوم ہو جاتی ہے، اگر چہ وہ خیال کرے کہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اسی لیے ہم، اہل باطن ؒ کو ظاہر میں بہت طاقت ور پاتے ہیں اور اسی لیے اکثر اوقات ان سے ایسی باتیں صادر ہوتی ہے جو قدرت ان سے نکلواتی ہے۔ لیکن ناواقف، ان کی اس حالت پر گمان کرتا ہے کہ یہ صرف دعویٰ اور مشہور ہونے کی کوشش ہے اور درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ درحقیقت باطنی قوت کے آثار ہیں جن کو روکنے کی انہیں قدرت نہیں ہے۔

ان میں سے بعض باتیں نعمتوں کے ظاہر کرنے کیلئے ہوتی ہے اور ان میں سے بعض باتیں بندوں کی نصیحت حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہیں تاکہ وہ ان کے حال کو پہچانیں اور ہدایت کی راہ میں ان سے فائدہ حاصل کریں۔

اور اسی ناواقفیت کی بنا پر اہل ظاہر میں سے بہت سے لوگوں نے، اور عبادت میں مشغول رہنے والوں نے، یا ظاہری شریعت پر قائم رہنے والوں نے یا ان لوگوں نے جن کی صحبت طریقت میں ان کے ساتھ زیادہ دن نہیں رہی ہے۔ اگر چہ وہ بھی کامل ہیں ان لوگوں کو چھوڑ دیا ہے۔

اور اسی نوعیت کا وہ واقعہ ہے، جو حضرت شیخ زروق ؒ کو حضرت شیخ الوالمواھب ٹیونسی ؒ کے ساتھ پیش آیا۔ جس وقت حضرت شیخ ابوالمواھب ؒ پر باطنی قوت کے آثار ظاہر ہوئے، یہاں تک کہ

ان کے بارے میں حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا:-ان کا دعویٰ ان کے مرتبے سے بہت بڑا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت شیخ بوالمواھب ؒ معرفت الٰہی میں بڑی شان اور مضبوط قدم رکھتے تھے۔انہوں نے حضرت ابوعثمان مغربی ؒ سے حقیقت حاصل کی تھی اور فرماتے تھے:-میں نے خرقہ تصوف حضرت محمد ﷺ سے پہنا ہے اور انہوں نے کتاب "الحکم" کی ایک بہترین شرح لکھی ہے۔لیکن وہ مکمل نہیں ہے اور نظم اور نثر میں ان کا کلام بہت بہتر اور روح پرور ہے ان کی ایک نظم میں سے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:-رضی اللہ عنہ:-

مَنْ فَاتَهُ مِنكَ وَصْلٌ حَظُّهُ النَّدَمُ وَمَنْ تَكُنْ هَمَّهُ تَسْمُوْبِهِ الْهِمَمُ

"جس شخص نے تیرے وصال کو فوت کر دیا،اس کا حصہ شرمندگی ہے اور جو شخص تیرے وصل کا ارادہ کرتا ہے اس کی ہمتیں بلند ہوتی ہے"

وَنَاظِرٌ فِي سِوٰى مَعْنَاكَ حُقَّ لَهُ يَقْتَصُّ مِنْ جَفْنِهٖ بِالدَّمْعِ وَهُوَ دَمُ

"اور تیری حقیقت کے سوا میں دیکھنے والے کیلئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی آنکھ سے خون کے آنسو بہائے"

وَالسَّمْعُ اِنْ جَالَ فِيْهِ مَنْ يُّحَدِّثُهُ سِوَى حَدِيْثِكَ اَمْسٰى وَقْرَهُ الصَّمَمُ

"اور کان میں اگر تیری بات کے سوا کوئی دوسری بات پہنچے تو اس کو مضبوطی سے بہرا کر دینا چاہیے،یعنی نہ سننا چاہیے"

فِي كُلِّ جَارِحَةٍ عَيْنٌ اَرَاكَ بِهَا مِنِّي وَفِي كُلِّ عُضْوٍ بِالثَّنَاءِ فَمُ

"میرے ہر عضو میں آنکھ ہے جس سے میں تجھ کو دیکھتا ہوں اور میرے ہر عضو میں منہ ہے جو تیری تعریف کرتی ہے"

فَاِنْ تَكَلَّمْتُ لَمْ اَنْطِقْ بِغَيْرِكُمْ وَكُلُّ قَلْبِي مَشْغُوْفٌ بِحُبِّكُمْ

"تو اگر میں نے بات کی تو تمہارے ذکر کے سوا کوئی بات نہیں کی میرا قلب بالکل تمہاری محبت میں مدہوش ہے"

اَخَذْتُمُ الرُّوْحَ مِنِّيْ فِيْ مُلَاطَفَةٍ فَلَسْتُ اَعْرِفُ غَيْرًا مُنْذُ عَرَفْتُكُمْ

"تم نے محبت میں مجھ سے میری روح کو لے لیا ہے اس لیے جب سے میں نے تم کو پہچانا ہے تمہارے غیر کو نہیں پہچانتا ہوں"

نَسِیْتُ کُلَّ طَرِیْقٍ کُنْتُ اَعْرِفُھَا اِلَّا طَرِیْقًا تُؤَدِّیْنِیْ لِرَبْعِکُمْ

"جتنے راستوں کو میں پہچانتا تھا سب کو میں بھول گیا ہوں مگر صرف وہ راستہ جو مجھ کو تمہارے گھر تک پہنچاتا ہے"

فَمَا الْمَنَازِلُ لَوْلَا اَنْ تَحِلَّ بِھَا وَمَا الدِّیَارُ وَمَا الَّا طَلَالُ وَالْخِیَمُ

"اگر تم نہیں ہو تو کیسا گھر اور خیمہ، اور کیسا شہر اور ٹیلہ سب برابر ہے"

لَوْ لَاکَ مَاشَاقَنِیْ رَبْعٌ وَلَا طَلَلٌ وَلَا سَعَتْ بِیْ اِلٰی نَحْوِ الْحِمٰی قَدَمُ

"اگر تم نہ ہوتو مجھ کو کسی گھر اور جگہ کا شوق نہ ہوتا اور نہ کسی سبزہ زار کی طرف میرے پاؤں چلتے"

اور حضرت شعرانیؒ نے اپنی کتاب "ترجمۃ الطبقات" میں ان کی خصوصیات کے کامل ہونے اور ان کی ولایت کے مکمل ہونے کے دلائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ زروقؒ کو حضرت شیخ ابو المواھب کے اسی قسم کے مقالوں (کلاموں) کی بنا پر جو باطنی قوت کے سبب صادر ہوئے ایسا گمان ہوا۔ کیونکہ ان کی صحبت ان کے ساتھ زیادہ دن نہیں رہی۔ اور اس کے باوجود، جو ان سے حضرت شیخ ابن عبادؒ کے بارے میں صادر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور عارفین کی اس قوت کے بارے میں جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے وہی لوگ ناواقف ہیں جن کی رسائی ان کے مقام تک نہیں ہوئی ہے اور جو لوگ ان کے مقام تک نہیں پہنچے ہیں ان کیلئے ان کو حق سمجھنا اور ان کی باتوں کو تسلیم کر لینا ہی کافی ہے۔

اور اس قوت کا راز جو عارفین کے اندر ظاہر ہوئی ہے کہ وہ روح کی طرف سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے:- روح عزت اور قوت کے عالم سے آئی ہے پھر جب وہ اس بدن میں داخل کی گئی تو وہ مجوب اور مغلوب ہوگئی تو اس نے اپنی اصل کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا اور اس نے اصلی عزت اور اصلی قوت کی خواہش کی تو وہ اس سے روک دی گئی۔ تو وہ ذلت اور محتاجی کے دروازے سے داخل ہوئی اور اپنے نفس کی عادتوں کو ختم کر دیا اس وقت اس کیلئے حجابات چاک ہوگئے اور وہ اپنی اصل کی

طرف لوٹ گئی۔ پھر جب وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی تو اسی قوت سے موصوف ہوگئی جو اس کو پہلے حاصل تھی پھر اس کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس قوت کو اپنے باطن میں چھپا کر رکھے تو اس نے ایسا ہی کیا لیکن اکثر اوقات قوت کے غلبے کی وجہ سے اس میں سے کچھ آثار ظاہر پر بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت مصنفؒ نے خرق عادات کا بیان قیام عبودیت کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:-

كَيْفَ تُخْرَقُ لَكَ الْعَوَائِدُ ، وَأَنْتَ لَمْ تَخْرُقْ مِنْ نَّفْسِكَ الْعَوَائِدَ؟

ترا کے میسر شود ایں مقام

"تمہارے لیے عادتوں کے خلاف کس طرح کیا جا سکتا ہے (یعنی تم کو کرامات کس طرح عطا کی جا سکتی ہیں)؟ جبکہ تم نے اپنے نفس کی عادتوں کو ختم نہیں کیا (یعنی اس کی خواہشات کو فنا نہیں کیا ہے)"

میں کہتا ہوں:- عوائد (عادات):- ان تمام چیزوں کو کہتے ہیں جن کا نفس عادی ہو اور ان سے محبت کرتا ہو اور اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہو اس طرح کہ اس کا ان کو چھوڑنا دشوار ہو خواہ وہ چیزیں ظلمانی ہوں یا نورانی جیسے فضائل اور کثرت نوافل کی پیروی کی خواہش۔

اور عادات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم:- عادات حسی ظاہری (محسوس ہونے والی ظاہری عادتیں)۔ دوسری قسم:- عادات باطنی حقیقی (باطن اور حقیقت کی غیر محسوس عادتیں)۔

پہلی قسم:- عادات حسی ظاہری کی مثال:- کھانا اور پینا، اور سونا اور لباس اور آدمیوں سے میل ملاپ اور اسباب و ذرائع کا اختیار کرنا اور بات چیت، لڑائی جھگڑا، ملامت و شکایت کی زیادتی اور ظاہری محسوس عبادتوں، اور رائج علوم میں مستغرق ہونا وغیرہ ہے۔

دوسری قسم:- عادات حقیقی باطنی (غیر محسوس) کی مثال:- مرتبہ، اور سرداری کی محبت، اور خصوصیات کی خواہش اور دنیا کی محبت اور تعریف کی خواہش اور جیسے کہ حسد اور کبر، اور عجب اور ریا، اور مخلوق کی حرص اور محتاجی کا خوف اور روزی کی فکر اور بے رحمی اور سخت دلی ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام صفات جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

تو جو شخص اپنے نفس سے اس کے ظاہری محسوس عادتوں کو سخت ریاضتوں کے ذریعے فنا کر دیتا ہے اس کیلئے ظاہری محسوس عادتوں کو خلاف ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ (یعنی ظاہری محسوس کرامات عطا کی جاتی ہیں) جیسے ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا اور آواز کا دور تک پہنچنا اور ان کے علاوہ دوسرے ظاہری محسوس کرامات۔

اور جو شخص اپنے نفس سے حقیقی باطنی عادتوں کو فنا کر دیتا ہے اس کیلئے باطنی خرق عادات ظاہر کیے جاتے ہیں۔ (باطنی کرامات عطا کیے جاتے ہیں) جیسے غفلت کے پردوں کا اٹھانا اور قلوب کو پاک کرنا اور حجاب کو دور کرنا اور دروازے کا کھولنا اور عرفان کو ثابت ہونا اور احسان کے مقام کی طرف ترقی کرنا اور یہی اہل عقل کے نزدیک معتبر ہے اور تمام آدمیوں کی خلقت سے یہی مقصود ہے۔

لیکن محسوس خرق عادات یعنی ظاہری کرامات کبھی ان لوگوں سے بھی صادر ہوتے ہیں جن کو خصوصیت حاصل نہیں ہوتی ہے جیسے جادوگر اور نظر بندی کرنے والے شعبدے باز۔

ہاں جو شخص دونوں (خرق عادات ظاہری و باطنی) کا جامع ہوتا ہے اس کو دونوں قسم کے کرامات عطا کیے جاتے ہیں۔

تو اے مرید! تم یہ کس طرح چاہتے ہو کہ تمہارے لیے تمہارے نفس کی عادتیں خلاف کر دی جائیں (باطنی کرامات عطا کر دی جائیں) یہاں تک کہ تم کو اپنی بارگاہ قدس میں داخل کر لے۔ حالانکہ تم نے اپنے نفس کی عادتوں کو فنا نہیں کیا ہے اور نفس شہود سے صرف اس وجہ سے حجاب میں ہوا ہے کہ اس وجود کو دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے تو اگر وہ اس وجود کے دیکھنے سے غائب ہو جائے تو البتہ اس کیلئے شہود ثابت و قائم ہو جائے اور نفس کی عادتوں کے فنا کیے بغیر اس وجود کے دیکھنے سے غائب ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور اس شخص کا قصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جو حضرت ابو یزیدؒ کی صحبت میں تیس سال رہا۔ لیکن اس کو کچھ ذوق حاصل نہیں ہوا۔ تو حضرت ابو یزیدؒ نے اس سے فرمایا:- اگر تم اسی طرح تین سو سال نماز پڑھتے رہو تو بھی تم کو کچھ ذوق حاصل نہ ہوگا، کیونکہ تم اپنے نفس کے ساتھ محجوب ہو پھر اس سے فرمایا:- تم اسی وقت حجام کے پاس جاؤ اور اپنے سر اور داڑھی کو منڈوا دو اور یہ لباس اتار دو اور ایک عبا پہن لو اور اپنی گردن میں ایک جھولی لٹکا لو اور اس میں اخروٹ بھر لو اور اپنے گرد بچوں کو جمع

کرلو اور بلند آواز سے پکار کر کہو:- اے بچو! جو مجھ کو ایک تماچہ مارے گا میں اس کو اخروٹ دوں گا۔ اور اسی حالت پر تم بازار میں جاؤ۔ یہاں تک کہ تم کو تمہارے سب پہچاننے والے دیکھیں۔ پھر اس سر فرمایا:- کسی شخص کیلئے غیب کے ان اسرار میں جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہیں حرص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس مر جائے اور عوام کی عادتیں فنا ہو جائیں اور جب تم ایسا کرو گے تو اس وقت تمہارے لیے خرق عادات (کرامات) اور فوائد ظاہر ہوں گے۔ اور خمول کے باب میں حضرت غزالی، حضرت ششتری اور حضرت مجذوب اور ان کے علاوہ دوسرے عارفین کے قصے بیان کیے جا چکے ہیں۔ جنہوں نے نفس کی عادتوں کو فنا کیا تو ان کیلئے خرق عادات، اور فوائد ظاہر ہوئے اور لیکن جو شخص اپنے نفس کی عادتوں کے ساتھ باقی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس سے لطف حاصل کرنے کی حرص نہ کرنی چاہیے۔

حضرت شیخ ابوالمواہبؒ نے فرمایا ہے:- جو شخص جلال کے ذریعے باادب ہونے کے قبل جمال کے شہود کا دعویٰ کرتا ہے اس کو چھوڑ دو وہ دجال ہے۔ اور نفس کیلئے اس کی عادتوں کے خلاف کرنے سے بڑا کوئی جلال نہیں ہے جیسے عزت کے خلاف ذلت، اور غنا کے خلاف محتاجی اور مرتبہ کے خلاف گمنامی اختیار کرنا اور اس کے سوا دوسری عادتیں۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:- اے اللہ تعالیٰ تو نے صوفیائے کرام کی جماعت پر ذلت کا فیصلہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے عزت پائی اور تو نے ان کیلئے گم ہونے کا فیصلہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے پا لیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پانے میں حرص کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کیلئے ذلت ثابت نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا حاصل ہونے میں حرص کی کوئی گنجائش ہے جبکہ اس کے ماسوئی سے گم ہونا ثابت نہ ہو۔

سچا صوفی

حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ نے فرمایا ہے:- سچے صوفی کی پہچان یہ ہے کہ وہ دولتمند ہونے کے بعد محتاج ہو جائے اور عزت والا ہونے کے بعد ذلیل ہو جائے اور مشہور ہونے کے بعد گمنام ہو جائے۔

پس یہ سب خبریں اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس کی عادتوں کی مخالفت خصوصیت کے ثابت و

قائم ہونے کیلئے شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص نفس کی عادتوں کے خلاف کیے بغیر خصوصیت کو دعویٰ کرتا ہے وہ بہت بڑا جھوٹا ہے، جیسا کہ ابو المواھب ؒ کے قول میں گزر چکا ہے۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ ؒ نے اپنے بعض احباب کو خط لکھا:۔ اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمہارے اعمال پاکیزہ، اور تمہارے احوال پسندیدہ ہوں تو نفس کی عادتوں کو کم کرو کیونکہ وہ فوائد کو روکتی ہیں۔

اور میں نے حضرت شیخ الشیوخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:۔ جملہ عادات میں سے فضائل کی تلاش اور نوافل کی کثرت ہے کیونکہ وہ قلب کو پراگندہ کر دیتی ہے اور مرید کو چاہیے کہ صرف ایک ذکر اور ایک عمل اپنے اوپر لازم کرے جو اس کیلئے مناسب ہو۔

پس خرق عادات:۔ عادتوں کو اس کی ضد (مخالف) سے تبدیل کرنا ہے جیسے کھانے اور سونے کی زیادتی کو بھوک اور بیداری سے تبدیل کرنا اور جیسے لباس کی زیادتی کو لباس کی کمی سے یا موٹے کپڑے مثلاً گدڑی وغیرہ سے تبدیل کرنا اور جیسے لوگوں سے میل ملاپ کو گوشہ نشینی سے اور اسباب و ذرائع کو زہد سے اور گفتگو کو خاموشی سے اور بداخلاقی کو خوش اخلاقی سے تبدیل کرنا اور جیسے کہ مرتبہ اور سرداری کی محبت کو ذلت اور گمنامی سے اور لوگوں کے نزدیک مرتبہ کے گرنے سے تبدیل کرنا اور دنیا کی محبت کو ترک دنیا سے تبدیل کرنا اور جیسا کہ برے اوصاف سے اپنے آپ کو پاک کر کے بہترین اوصاف آراستہ کرنا۔ تو جب مرید ان امور پر ثابت قدمی سے قائم ہو جاتا ہے تو اس کیلئے خرق عادات ظاہر کیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نام ہی کے ساتھ موافقت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت حاصل ہو جاتی ہے۔ تب اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

"اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ دشوار نہیں ہے"۔ اور باطنی عادتوں کی مخالفت کیلئے ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جو حقیقت اور شریعت کا جامع ہو جو تم کو اپنی ہمت سے اٹھائے اور گرنے سے بچائے اس لیے کہ جب تم اپنے نفس کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو شیخ کی ہمت تم کو سنبھالے گی اور قدرت تمہاری مدد کرے گی تو تم اس کو ایک ہی وار میں فنا کر دو گے۔

لیکن جب تمہارا کوئی شیخ نہ ہوگا تو جب تم نفس کو مارو گے تو وہ پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ لوٹے گا اور زندہ نفس نہیں مرتا ہے۔ مگر مردوں کے ہاتھ سے یعنی ان شیوخ کے ہاتھ سے جن کے نفوس مردہ ہو چکے ہیں جیسا کہ ہمارے شیخؒ نے فرمایا ہے۔ یہ طریقہ مجرب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وصل یار مگر آرزو کی بات نہیں!

اور باطنی خرق عادات :- یعنی حجابات کا اٹھنا اور محبوب کا مشاہدہ کرنا :- صرف طلب (خواہش) سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ادب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اس کے ذرائع میں کوشش کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس سے آگاہ فرمایا ہے :-

لَيْسَ الشَّانُ وُجُوْدِ الطَّلَبِ ، اِنَّمَا الشَّانُ اَنْ تُرْزَقَ حُسْنَ الْاَدَبِ

"طلب کا موجود ہونا کچھ شان نہیں بلکہ درحقیقت شان یہ ہے کہ تم کو حسن ادب کی توفیق دی جائے۔

میں کہتا ہوں :- اس کتاب کے پہلے باب میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ اہل عقل محققین کے نزدیک، کل طلب :- مدخول ہے یعنی اس میں فساد شامل ہے کیونکہ طلب کرنے کی خواہش، نفس کے موجود ہونے اور حس ظاہر کے ساتھ ٹھہرنے سے ہوتی ہے اس لیے کہ محقق عارف کیلئے کوئی کی حاجت باقی نہیں رہتی ہے جس کو وہ طلب کرے۔ کیونکہ اس کو غناء اکبر (بہت بڑی بے نیازی دولت) حاصل ہو چکی ہے اور وہ اپنے مولائے حقیقی کی طرف سے بہت بڑا حصہ پانے میں کامیاب ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ماسوا سے غائب ہونا ہے تو تم نے جو کچھ پایا ہے۔ اگر وہ گم ہو جائے تو طلب کی صورت کو پایا جانا، کچھ شان نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت شان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر مقصد سے بے نیاز ہو جاؤ اور تم کو اس کے ساتھ حسن ادب اور اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ ٹھہرنے کی توفیق عطا کی جائے۔

آداب کی تین صورتیں

حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے :- ادب کی تین صورتیں ہیں :-

پہلی صورت :- ظاہر میں آداب :- اور یہ حقوق کا قائم کرنا ہے۔

دوسری صورت :- باطن میں آداب :- اور یہ کل مخلوق سے منہ پھیر لینا ہے۔

تیسری صورت :- ظاہر اور باطن دونوں میں آداب :- اور یہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے قرار ہونا ، اور ہمیشہ اس کے سامنے صدق کے فرش پر ثابت قدم رہنا اور یہی کل مقصد ہے اور اس کی تفصیل ، اور شاخ اور جڑ ہے۔

پس طلب :- عارفین کے نزدیک زبانِ قال سے نہیں ہوتی ہے بلکہ زبان حال سے ہوتی ہے اور وہ عاجزی اور ذلت اور محتاجی ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس سے آگاہ فرمایا ہے :-

مَاطَلَبٌ لَكَ شَيْءٌ مِثْلَ الْاِضْطِرَارِ وَلَا اَسْرَعُ بِالْمَوَاهِبِ مِثْلَ الذِّلَّةِ وَالْاِفْتِقَارِ

"تمہاری عاجزی اور محتاجی کے مثل کوئی شی تمہارے لیے طلب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں تک بہت جلد پہنچانے والی ذلت اور محتاجی کے مثل کوئی شی نہیں ہے"

میں کہتا ہوں :- عارفین کی طلب صرف زبان حال سے ہوتی ہے نہ کہ زبان قال سے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت میں ثابت قدمی سے قائم کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی تکلیف میں اس کے احسان کا اور اس کی سختی میں اس کی نعمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ ان کے سامنے قوت اور جلال کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔ تو وہ کمزوری اور عاجزی کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں تب وہ ان کے سامنے اپنے اسم پاک "جمیل" کے ساتھ تجلی فرماتا ہے پھر ان کو ہر بہتر اور خوبصورت شی عطا فرماتا ہے اور جب ان کے سامنے اپنے اسم پاک "عزیز" یا "قہار" کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو وہ اس کا سامنا ذلت اور محتاجی کے ساتھ کرتے ہیں پھر ان کے اوپر بہت زیادہ نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔

پس اے عارف :- جب تم اللہ تعالیٰ سے کسی شی کے حاصل کرنے یا دور کرنے کیلئے طلب کرنے کا ارادہ کرو تو مجبوری اور محتاجی کو اپنے اوپر لازم کرو۔

اور اضطرار (مجبوری ومحتاجی) [illegible] لمبا چٹیل میدان میں راستہ

بھولے ہوئے کی طرح مجبور اور پریشان ہو اور اپنی فریادرسی کیلئے اپنے مولائے حقیقی کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھتا ہو اور اپنی ہلاکت اور تباہی سے نجات کیلئے اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھتا ہو۔

پس تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب:- اس کے سامنے تمہاری مجبوری اور محتاجی اور اس کے سامنے غلاموں کی صورت سے کھڑے ہونے کی مثل کوئی شی نہیں ہے بس اسی وقت تم جو کچھ بھی چاہتے ہو تم کو مل جائے گا۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے:-

اَدَبُ الْعَبِيْدِ تَذَلُّلٌ وَالْعَبْدُ لَا يَدَعُ الْاَدَبْ

"غلاموں کا ادب ذلت اور عاجزی ہے، اور غلام ادب کو کبھی نہیں چھوڑتا ہے"

فَاِذَا تَكَامَلَ ذُلُّهٗ نَالَ الْمَوَدَّةَ وَاقْتَرَبْ

"تو جب اس کی ذلت اور عاجزی مکمل ہو جاتی ہے تو وہ دوستی کو حاصل کر لیتا اور قریب ہو جاتا ہے"

اور دوسرے عارف شاعر نے فرمایا ہے:-

وَمَا رُمْتُ الدُّخُوْلَ عَلَيْهِ حَتّٰى حَلَلْتُ مَحِلَّةَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ

"میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وقت داخل ہوا جب میں ذلیل غلام کے مقام میں قائم ہوا"

وَاَغْضَيْتُ الْجُفُوْنَ عَلٰى قَذَاهَا وَصُنْتُ النَّفْسَ عَنْ قَالَ وَقِيْلَ

"اور میں نے پلکوں کو ان کی تکلیف پر بند کر لیا (یعنی بیداری کی تکلیف کو برداشت کیا) اور اپنے نفس کو قیل وقال (زیادہ بات چیت) سے بچایا"

اگر تم اپنے اوپر عطاؤں کا نزول چاہتے ہو اور عطائیں علوم لدنی اور اسرار ربانی ہیں تو ذلت اور محتاجی کے مثل اللہ حلیم وغفار کے سامنے پہنچانے والی کوئی شی نہیں ہے اور یہ ذلت اور محتاجی قلب اور جسم دونوں سے ہونی چاہیے اور جب تم ذلت اور محتاجی میں مکمل ہو جاؤ تو اب تمہارے لیے یہ مناسب ہے کہ تم عطاؤں اور مرتبوں کے پانے کیلئے تیار رہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ "صدقات فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ " کون ہے جو مجبور اور عاجز کی دعا کو قبول کرتا ہے، جب وہ دعا کرتا ہے"

نیز اللہ تعالیٰ نے تیسری جگہ فرمایا:۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ "اور اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم ذلیل اور کمزور تھے"

اور حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَاِنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ ، وَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

"بیشک صبر کے ساتھ مدد ہے اور مصیبت کے ساتھ آرام ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے"

حضرت سہل بن عبداللہ ؒ نے فرمایا ہے:۔ بندہ جب کسی شی کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محتاجی ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے:۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا، کہ وہ میرے کلام کو برداشت نہیں کرسکتا ہے تو البتہ میں اس کو لبیک لبیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) کہہ کر جواب دیتا۔ تو اگر تم احباب کے ساتھ داخل ہونا چاہتے ہو تو ذلیل اور حقیر بن کر دروازے پر کھڑے رہو۔ یہاں تک کہ تمہارے اور احباب کے درمیان سے بغیر تمہاری تدبیر اور اسباب کے حجاب اٹھ جائے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ وہاب کا فضل ہے۔

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

لَوْ كُنْتَ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ اِلَّا بَعْدَ فَنَاءِ مَسَاوِيْكَ ، وَمَحْوِ دَعَاوِيْكَ ، لَمْ تَصِلْ اِلَيْهِ اَبَدًا ، وَلٰكِنْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوْصِلَكَ اِلَيْهِ سَتَرَ وَصْفَكَ بِوَصْفِهٖ وَغَطّٰى نَعْتَكَ بِنَعْتِهٖ ، فَوَصَلَكَ اِلَيْهِ بِمَا مِنْهُ اِلَيْكَ لَا بِمَا مِنْكَ اِلَيْهِ۔

"اگر تم ایسے ہو، کہ تم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے ہو، مگر اپنے عیوب کو فنا کر دینے، اور اپنے دعاوی کو مٹا دینے کے بعد تو تم اللہ تعالیٰ تک کبھی نہ پہنچو گے۔ (کیونکہ اپنے عیوب کو فنا کرنے اور اپنے دعوؤں کو مٹانے کی قوت اور اختیار تمہارے اندر نہیں ہے) لیکن جب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے تک پہنچانا چاہتا ہے تو تمہارے وصف کو اپنے وصف سے چھپا لیتا ہے اور تمہارے عیوب کو اپنے کمال سے ڈھانپ لیتا ہے۔ پھر تم کو اپنے تک اپنے اس خاص فضل و کرم سے جو تمہارے اوپر ہے، پہنچا دیتا ہے

نہ کہ اس طاعت و ریاضت کی بنا پر جو تمہارے طرف سے اس کی طرف (تحفہ) ہے۔

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالیٰ تک پہنچنا:- وہ اس کا اور اس کے احاطہ کرنے کی کیفیت کا علم ہے اس حیثیت سے کہ فنا ہونے والا فنا ہو جائے اور غیر فانی باقی رہ جائے اور یہ نہیں ہوتا ہے۔ مگر نفسوں کے فنا ہونے اور سروں کے جھک جانے (ذلت و عاجزی) اور روحوں کے قربان ہونے اور جسموں کے فروخت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے"

یعنی معارف کی جنت جہاد اکبر (بڑا جہاد، نفس کے ساتھ جہاد) کرنے والوں کیلئے اور زخارف کی جنت (نمائشی آرائشی و زیبائشی کی جنت) جہاد اصغر (کافروں کے ساتھ جہاد) کرنے والوں کیلئے۔

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے:-

مُوْتُوْا قَبْلَ أَنْ تَمُوْتُوْا

"تم لوگ مرنے سے پہلے مر جاؤ"

حضرت نقشبندیؒ نے شرح ھائیہ میں اس کو حدیث کے طریقے پر بیان فرمایا ہے:- اور حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:- بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف دو دروازوں سے داخل ہوتا ہے۔ ایک دروازہ:- بڑی موت، یعنی ظاہری موت ہے۔ دوسرا دروازہ:- وہ موت ہے جس کو حضرات صوفیائے کرام نے مراد لیا ہے یعنی نفسوں کی موت۔

حضرت ششتریؒ نے فرمایا ہے:-

إِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ لَنْ يَّنَالَ الْوِصَالَ مَنْ فِيْهِ فَضْلُهٗ

"اگر تم ہمارا وصال چاہتے ہو تو اس کیلئے تمہاری موت شرط ہے جس کے اندر اس کے نفس کی کوئی فضیلت باقی ہے وہ ہم کو نہیں پا سکتا ہے"

اور انہیں نے یہ دوسرا شعر بھی فرمایا ہے:-

لَیْسَ یُدْرِكَ وِصَالِیْ مَنْ فِیْهِ بُقْیَا

"جس شخص کے اندر اس کے نفس کا کچھ شائبہ بھی باقی ہے وہ میرے وصال کو نہیں پا سکتا ہے"

حضرت شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا ہے:- ولی ، اللہ تعالیٰ تک اس حال میں نہیں پہنچ سکتا ہے کہ اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش یا اس کی تدبیروں میں سے کوئی تدبیر یا اس کے اختیارات میں سے کوئی اختیار ، اس کے ساتھ باقی ہو۔ اور یہ پاکیزگی ، بندے کے فعل اور کسب سے نہیں حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اس عنایت سے حاصل ہوتی ہے جو اس نے پہلے ہی مقدر فرما دیا ہے۔

پس اگر بندہ ایسا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک عیوب کے فنا ہونے اور دعوؤں کے مٹ جانے کے بعد ہی پہنچ سکتا ہے۔ تو بندہ ہونے کی حیثیت سے وہ کبھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے عیوب سے پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ چاہتا ہے کہ اس کیلئے لمبے فاصلے کو لپیٹ دے تو اس کے کیلئے اپنے انوار قدس اور اوصاف سے ایسی تجلی ظاہری فرماتا ہے جس کی بنا پر بندہ اپنے نفس کے دیکھنے سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو اب عیوب فنا ہو جاتے اور دعوے مٹ جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا وصال حاصل ہو جاتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور یہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی سابق عنایت اور مہربانی کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ بندے کی ریاضت اور مجاہدہ کی بنا پر۔

اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو:- عیوب کا فنا ہونا:- بشریت کے اوصاف سے پاک ہونا ہے اور بشری اوصاف - اپنی ذاتی حیثیت سے برے اخلاق ہیں اور دعوؤں کا مٹ جانا:- اختیار اور قوت سے بری ہونا ہے اس طرح کہ اپنی ذات کیلئے کوئی فعل اور ترک اور کوئی نقص اور کمال نہ دیکھے اور اس حقیقت پر یقین رکھے کہ وہ صرف قضا و قدر کے تیروں کا نشانہ ہے۔ جس پر اللہ واحد قہار کے احکام جاری ہوتے ہیں لیکن نفس کے موجود ہوتے ہوئے ان دونوں حالات کا ثابت و قائم ہونا محال ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب تمہارے اندر طلب صادق پاتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے تم کو اپنے تک پہنچانا چاہتا ہے تو تم کو اپنے اولیائے کرام میں سے کسی ولی کے پاس پہنچاتا ہے اور تم کو اس کی

خصوصیت اور مقبولیت سے آگاہ فرماتا ہے اور تم اس کے ساتھ اس کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے رہتے ہو۔ پھر وہ تم کو ہمیشہ سیر کراتا رہتا ہے یہاں تک کہ تم کو بارگاہ قدس میں پہنچاتا ہے پھر تم سے کہتا ہے۔لو، اب تم ہو اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔تو اس وقت اللہ تعالیٰ تمہارے وصف کو، جو عبودیت کا وصف ہے اپنے وصف سے جو آزادی کا وصف ہے، پوشیدہ کر لیتا ہے پھر روحانیت کے اوصاف کے ظہور کے سبب بشریت کے اوصاف چھپ جاتے ہیں۔اور تمہارے حادث (فنا ہونے والی) ہونے کی صفت کو اپنے قدیم ہونے (باقی رہنے) کی صفت سے ڈھانپ لیتا ہے یا تمہارے عدم کی صفت کو اپنے وجود کی صفت سے چھپالیتا ہے۔

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے:-اللہ تعالیٰ نے تمہاری فقیری کو اپنے غنا سے اور تمہاری ذلت کو اپنی عزت سے اور تمہاری عاجزی کو اپنی قدرت سے اور تمہاری کمزوری کو اپنی قوت سے پوشیدہ کرلیا ہے۔

میں کہتا ہوں:- عبودیت اور حریت کی جو تشریح میں نے بیان کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اوپر لازم کرتا ہے پھر اس وقت اپنے اس خاص احسان اور لطف و کرم سے جو تمہارے اوپر ہے تم کو اپنا وصل عطا فرماتا ہے نہ کہ تمہارے مجاہدہ اور طاعت اور یقین کی بنا پر۔اور نفس کی مثال :- کوئلہ کی طرح ہے۔ جتنا بھی تم اس کو صابون سے دھوؤ گے اس کی سیاہی بڑھتی ہی جائے گی لیکن جب اس میں آگ لگادی جائے اور اس کو ہوا دی جائے تو وہ آگ کا لباس پہن لیتی ہے اور اس میں کوئلہ کی سیاہی کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا ہے۔اسی طرح بشریت کے اوصاف کو جب روحانیت کے نور کا لباس پہنا دیا جاتا ہے تو وہ بشریت کی ظلمت کو پوشیدہ کر لیتی ہے اور اس کا نشان باقی نہیں رہتا ہے۔تو بشریت روحانیت کی صفت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

حضرت ششتریؒ اس کے بارے میں اپنے بعض اشعار میں فرماتے ہیں:-

فَمَتٰی مَا یَبِیْنُ لِیْ زَالَتِ الْبَشَرِیَّا

"جب میرے لیے روحانیت کا نور ظاہر ہوتا ہے تو بشریت زائل ہو جاتی ہے۔

وَتَحَوَّلَتْ غَیْرِیْ فِیْ مَقَرِّ رَوْحَانِیَّا

"اور روحانیت کی صفا میں میرا بشری وصف تبدیل ہو جاتا ہے"

اور جو آگ بشریت کو جلاتی ہے وہ خواہش نفسانی کی مخالفت ہے اور نفس کا اس چیز کو برداشت کرنا جو اس پر گراں گزرتی ہے۔ جیسے کہ ذلت اور محتاجی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ہمیشہ ذکر کے ساتھ۔ پس جیسے جیسے وہ اس میں فنا ہوتا ہے ویسے ویسے اس کی بشریت کمزور ہوتی ہے اور اس کی روحانیت طاقت ور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بشریت پر غالب ہو جاتی ہے اس وقت حکم اس کیلئے ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے مذکورہ اللہ تعالیٰ کے نور میں غائب ہو جاتا ہے اور اپنے محبوب کی عظمت کے شہود میں غرق ہو جاتا ہے تو اب وصال حاصل ہوتا ہے اور عظمت و جلال کے مالک اللہ تعالیٰ میں فنا ثابت ہو جاتی ہے۔

حضرت ششتریؒ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا:- میں خطاب کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے اپنے سے سنا میرا کل میرے کل سے غالب ہو گیا۔ اپنے سے بے نیاز ہو گیا اور میرے لیے حجاب اٹھ گیا میں نے دیکھا کہ میرا کوئی نشان باقی نہیں رہا میں اپنے نشان سے غائب ہو گیا اور جو حاضر ہوا وہ میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا۔ وباللہ التوفیق۔

یہاں تیرہواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس کا حاصل یہ ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اوصاف ربوبیت کے ساتھ متعلق ہونے اور اوصاف عبودیت پر ثابت قدمی سے قائم ہونے اور وصف حریت میں اس کے ساتھ تمہارے شریک نہ ہونے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ جن عادتوں کے تم عادی ہو ان کے مخالف پر عمل کرو یہاں تک کہ تم مہذب اور باادب ہو جاؤ۔ اور طلب کو ترک کر کے حال کے علم کو کافی سمجھو۔ پس اس کی حالت ذلت اور عاجزی اور فاقہ اور محتاجی کا دیکھنے والا ہی اس کی طلب ہو جائے۔ تو اس وقت اس کے اوپر عطائیں نازل ہوں گی پھر ان کے ذریعہ اپنی مقصود کے انتہا کو حاصل کر لے گا۔ یعنی بارگاہ قدس اور مقام محبت میں تدبیر اور کسب کے بغیر پہنچ جائے گا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ وہاب کا احسان ہے جس نے اس کو اپنے تک پہنچا کر اس پر احسان کیا۔ اور اس کو قبول کر کے اس پر فضل کیا۔

چودھواں باب

حضرت مصنفؒ نے اسی احسان اور فضل وکرم کو چودھویں باب کی ابتداء میں بیان فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، بہترین ساتھی، یقین کے نور، مخلوق کی حیثیت حجاب کی حقیقت کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لَوْلَا جَمِيْلُ سَتْرِهٖ لَمْ يَكُنْ عَمَلٌ اَهْلًا لِلْقَبُوْلِ

اگر اللہ تعالیٰ کی بہترین پردہ پوشی نہ ہوتی تو کوئی عمل قبول کرنے کے لائق نہ ہوتا۔

میں کہتا ہوں :- اس لئے کہ وہی عمل قبول کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ جس میں قبولیت کے لوازمات کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور قبولیت کے لوازمات :- اخلاق کا سرّ اور انتہائی درجہ کی حضوری اور اپنے اختیار اور قوت سے بری ہونا ہے۔ اور یہ بہت ہی کم ہوتا ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنی بہترین پردہ پوشی سے ہمارے اوپر فضل وکرم نہ فرماتا اور اپنے عظیم لطف واحسان سے ہمارے عیوب کو نہ ڈھانپتا تو کوئی عمل قبول کرنے کے لائق نہ ہوتا۔ لیکن وہ اللہ رحمٰن ورحیم ہے جس نے ہم کو اعمال کی توفیق عطا کر کے احسان فرمایا۔ اور پھر اُس کو قبول کر کے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر احسان فرماتا ہے۔ ایک عارف نے فرمایا ہے :- یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور ہم اُس کی

پردہ پوشی میں زندگی گزارتے ہیں۔ اگر پردہ اُٹھادیا جائے تو بہت بڑا معاملہ (فساد) برپا ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- بے چارہ آدم کی اولاد، ایک معیوب جسم اور معیوب قلب کا مجموعہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اِن دو معیوب چیزوں سے بغیر عیب کا عمل کر کے نکل جائے (لیکن یہ ممکن نہیں ہے)

میں کہتا ہوں:- اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

یہی وہ لوگ ہیں۔ جن سے بہترین عمل کو قبول کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے "عَنْھُم" فرمایا۔ کیونکہ "عَنْ" تجاوز پر دلالت کرتا ہے۔ "مِنْھُم" نہیں فرمایا کیونکہ "مِنْ" عمل کامل کا تقاضا کرتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فِیْ اَعْمَالِهِمْ فَنَتَقَبَّلُهَا مِنْهُمْ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن سے اُن کے اعمال میں ہونے والے نقائص سے ہم تجاوز کرتے ہیں۔ (نظرانداز کرتے ہیں) پھر اُن اعمال کو ہم اُن کی طرف سے قبول کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اَعْلَمُ

حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے:-

اَلْبَلَاءُ وَالْهَوٰی وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَةٌ بِطِيْنِ اٰدَمَ

مصیبت، خواہش اور شہوت آدمی کی مٹی میں ملائی ہوئی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:-

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ

ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا۔ تاکہ ہم اُس کی آزمائش کریں۔

پس انسان کی خمیر میں بلا، خواہش اور شہوت ملائی ہوئی ہے۔ تو آدمی اِنھیں سے مرکب ہے۔ لہذا یہ تینوں اُس وقت تک انسان کے ساتھ لازم رہتی ہیں، جبتک اُس کی بشریت قائم رہتی ہے۔ پھر جب بشریت ظاہری یا باطنی طریقے پر زائل ہو جاتی ہے۔ تو مخلوط نطفہ کا حکم باقی نہیں رہتا ہے بلکہ نورانی روح کا حکم اُس کے اوپر صادر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لہذا جب یہ ثابت ہوگیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی متوقع بہترین پردہ پوشی شامل نہ ہو۔ تو ہمارا عمل مدخول ہے (یعنی اُس میں نقائص داخل ہیں۔ اور قبول ہونے کے لائق نہیں ہے) تو تم نے یہ معلوم کرلیا۔ کہ جتنا ہم فرمانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حلم وعفو (برداشت اور معافی) کے محتاج ہیں۔ اس سے زیادہ ہم طاعت کی حالت میں اُس کے حلم وعفو کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اِس قول میں بیان فرمایا ہے۔

أَنْتَ إِلَىٰ حِلْمِهِ إِذَا أَطَعْتَهُ أَحْوَجُ مِنْكَ إِلَيْهِ إِذَا عَصَيْتَهُ

"جتنا تم اُس کی نافرمانی کی حالت میں اُس کے حلم کے محتاج ہو۔ اُس سے زیادہ تم اُس کے محتاج، اُس کی طاعت کی حالت میں ہو۔"

معصیت پر استغفار طاعت کے استکبار سے بڑھ کر ہے

میں کہتا ہوں:- یہ اس لئے ہے کہ طاعت:- عزت اور بندی کا ذریعہ ہے اور اس میں نفس کے لئے فائدہ اور اُس کی خواہش ہے اور اس وجہ سے ہے کہ لوگ ظاہری طاعت کرنے والے کا لحاظ کرتے ہیں اور اُس کو عزت اور تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کی خدمت اور تکریم کے لئے ایک دوسرے سے پیش قدمی کرتے ہیں اور ہر وہ چیز جو مخلوق کی نظر میں بڑی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتی ہے۔ اگر طاعت کرنے والا، اس سے خوش ہو اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس پر قناعت کرلے۔ بخلاف نافرمانی کے کیونکہ وہ ذلت اور عاجزی کا سبب ہے اور پستی اور حقارت کا مقام ہے اور جو چیز مخلوق کی نظر سے گر جاتی ہے۔ اُس کی عزت اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے بندہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کی حالت میں نافرمانی کی حالت سے زیادہ اُسکی معافی اور برداشت کا محتاج ہے۔ کیونکہ جس طاعت سے عزت اور بڑائی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اُس نافرمانی سے بہت بری ہے۔ جو ذلت اور محتاجی کا سبب ہوتی ہے۔ بلکہ درحقیقت ایسی طاعت، طاعت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو طاعت اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا سبب ہو، وہ طاعت نہیں ہے اور جو معصیت اللہ تعالیٰ سے قریب کردے، وہ معصیت نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے:-

يَقُوْلُ اللهُ تَعَالىٰ :- اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ اَجْلِىْ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- میں اُن کے قریب ہوں۔جن کے قلوب میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اور جس شخص کے قریب اللہ تعالیٰ ہو۔وہ ایسے ہزار طاعت کرنے والے سے بڑھ کر ہے۔جن کے لئے اُن کی طاعت ، اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا سبب بنتی ہو۔

بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی:- میرے سچے بندوں سے کہہ دیجئے:- وہ دھوکا نہ کھائیں۔کیونکہ اگر میں اُن پر اپنا عدل اور انصاف قائم کروں گا۔تو میں اُن کو اُن کے اوپر ظلم کئے بغیر عذاب میں مبتلا کروں گا۔

اور میرے خطاوار بندوں سے فرمادیجئے:- وہ میری رحمت سے نا امید نہ ہوں۔ کیونکہ میرے لئے کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں ہے۔(کہ میں اُس کو معاف نہ کرسکوں) میں اُن کو بخش دوں گا۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- گناہ کے لئے ایک مرتبہ توبہ کافی ہے لیکن طاعت کے لئے ہزار مرتبہ توبہ کی ضرورت ہے۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے اور ایسا صرف گناہ کی حالت میں امت کو تعلیم دینے کے لئے کرتے تھے۔

ورنہ حضرت نبی مختار ﷺ کے لئے اطاعت اور گناہ سے استغفار کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اور چونکہ نافرمانی ،ذلت اور محتاجی کا سبب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔لہذا بندگی کے مقام سے زیادہ قریب ہے اور طاعت ،عزت اور بلندی کا سبب ہے۔اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی معافی اور برداشت کے زیادہ محتاج ہو۔

چونکہ لوگ معصیت میں ، یا معصیت سے ،پردہ پوشی ،اُس نتیجہ کے خوف سے چاہتے ہیں۔جو معصیت سے پیدا ہوتا ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی وضاحت فرمائی ہے :-

السَّتْرُ عَلٰى قِسْمَيْنِ :- سَتْرٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ ، وَ سَتْرٌ فِيْهَا ، فَالْعَامَّةُ يَطْلُبُوْنَ السَّتْرَ مِنَ اللهِ فِيْهَا خَشْيَةَ سُقُوطِ مَرْتَبَتِهِمْ عِنْدَ الْخَلْقِ ، وَالْخَاصَّةُ يَطْلُبُوْنَ مِنَ اللهِ السَّتْرَ عَنْهَا

خَشْيَةَ سُقُوْطِهِمْ مِنْ نَظَرِ الْحَقِّ

پردہ پوشی دو قسم کی ہے :- ایک قسم :- معصیت سے پردہ پوشی ہے اور دوسری قسم :- معصیت میں پردہ پوشی ہے۔

پس عوام :- معصیت میں مبتلا ہونے کی حالت میں، مخلوق کے نزدیک اپنے مرتبہ کے گرنے کے خوف سے، اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی چاہتے ہیں۔

اور خواص :- اللہ تعالیٰ کی نظر سے اپنے گرنے کے خوف سے ،معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے ، اللہ تعالیٰ سے پردہ (حفاظت) چاہتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں :- ستر :- کے معنی حفاظت کرنا اور ڈھانپنا ہیں اور وہ ظاہر میں :- اُن آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرنا ہے جو بندے کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں۔ اور باطن میں :- رسوائی اور غضب و ناراضی اور مرتبہ کے گرنے سے بچانا ہے۔

اور پردہ معصیت کے اعتبار سے دو قسم کا ہے۔

پہلی قسم :- وہ ہے۔ جو معصیت کے اندر واقع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے معصیت کرنے والا رسوا نہیں ہوتا ہے۔

دوسری قسم :- وہ ہے جو معصیت سے واقع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بندہ معصیت میں مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ معصیت کرنا چاہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی اس کے شامل ہوتی ہے۔

پس عوام :- معصیت میں مبتلا ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ مخلوق کی نظر سے گر نہ جائیں۔ لہذا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہیں :-

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ

'' وہ لوگ آدمیوں سے چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے۔''

وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ

”اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ کہ وہ لوگ اُن کو راضی کریں۔ اگر وہ لوگ مومن ہیں۔

پس عوام کی نظر کی حد ، بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی نظر سے غائب رہنے کے حال میں صرف مخلوق کا دیکھنا ہے اور یہ اُن کے ایمان کی کمزوری ، یقین کی کمی اور ان کی بصیرت کے اندھاپن کی وجہ سے ہے۔

اور بعض اخبار میں وارد ہے:-

يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى :- يَا عِبَادِيْ اِنْ كُنْتُم تَعْتَقِدُوْنَ اَنِّي لَا اَرَاكُمْ فَالْخَلَلُ فِيْ اِيْمَانِكُمْ ، وَ اِنْ كُنْتُمْ تَعْتَقِدُوْنَ اَنِّيْ اَرَاكُمْ فَلِمَ جَعَلْتُمُوْنِيْ اَهْوَنَ النَّاظِرِيْنَ اِلَيْكُمْ

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:- اے میرے بندو ! اگر تم لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہو، کہ میں تم کو نہیں دیکھتا ہوں۔ تو تمھارے ایمان میں خلل ہے۔ اور اگر تم لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہو ، کہ میں تم کو دیکھتا ہوں۔ تو کیوں تم لوگوں نے مجھ کو اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے زیادہ کمزور اور حقیر سمجھ لیا ہے۔“

لیکن خواص:- تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ، معصیت سے حفاظت اور پاکیزگی چاہتے ہیں۔ اس خوف سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جائیں گے۔ کیونکہ بندے سے معصیت کا صادر ہونا بے ادبی ہے اور جو شخص احباب کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ وہ دروازہ کی طرف بھگا دیا جاتا ہے۔ پھر اگر اُن سے کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہے۔ تو وہ معذرت کرنے (معافی مانگنے) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اُن کو شرمندگی اور عاجزی لاحق ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی سیر میں کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے نفسوں کے ساتھ نہیں ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی نظر میں نفس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اور نہ اُن کی توجہ مخلوق کی طرف ہے۔ اس لئے کہ اُن کی نظر میں بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں ہے۔ وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے شہود میں مخلوق کے دیکھنے سے ، یا حقیقت کے شہود میں محسوس ظاہر کے دیکھنے سے ، یا موسوط کے شہود میں واسطہ کے دیکھنے سے غائب ہو چکے ہیں۔

لیکن خاص الخاص:- تو وہ نہ کوئی شی چاہتے ہیں ، نہ کسی شی سے خوف کرتے ہیں۔ تمام

اشیاء اُن کے نزدیک ایک شی ہوگئی ہیں۔ اور وہ ایک کے شہود میں ہر ایک سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ یہ دیکھتے ہیں۔ کہ قدرت کی اصل سے کیا ظاہر ہوتی ہے۔ پھر وہ قبول اور رضا کے ساتھ اُس کا استقبال کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ طاعت ہوتی ہے۔ تو اُس میں احسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ معصیت ہوتی ہے تو اُس میں قہریت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اُس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ توبہ اور عاجزی کے ذریعے ، حضرت نبی مختار ﷺ کی شریعت کے ادب کو قائم رکھتے ہوئے باادب رہتے ہیں۔

ان تینوں مقامات کے بارے میں امت کو تعلیم دینے کے لئے احادیث شریف وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے گناہوں پر اور گناہوں سے حفاظت کیلئے اور اللہ تعالی کے احکام قہریہ کے سامنے رضا و تسلیم کے مقام کو طلب کرنے کے لئے دعا فرمائی۔ یہ سب دعائیں حدیث کی کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لئے ہم انھیں طویل ہونے کے خوف سے بیان نہیں کرتے ہیں۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تمھارے عیوب اور گناہوں کو چھپا دے اور لوگ تمہاری طرف تعظیم و تکریم اور بزرگی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔ تو تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانو۔ اور تم اس کو فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو۔

کیا تم قابل تعریف ، ہو یا وہ مقدس ذات ، جس نے تمھارے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی؟ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

مَنْ اَكْرَمَكَ فَاِنَّمَا اَكْرَمَ فِيْكَ جَمِيْلُ سَتْرِهٖ ، فَالْحَمْدُ لِمَنْ سَتَرَكَ لَيْسَ الْحَمْدُ لِمَنْ اَكْرَمَكَ وَ شَكَرَكَ

" جس شخص نے تمہاری عزت اور تعظیم کی تو حقیقت یہ ہے کہ تمھارے اندر صرف اللہ تعالیٰ کی بہترین پردہ پوشی نے عزت اور تعظیم پیدا کی۔ اس لئے سب تعریفیں اسی ذات پاک کے لئے سزاوار ہیں۔ جس نے تمہاری پردہ پوشی فرمائی۔ اس کے لئے کوئی تعریف نہیں ہے۔ جس نے تمہاری عزت اور تعظیم کی اور تمہارا شکرادا کیا۔"

میں کہتا ہوں:- جب اللہ تعالی اپنی نگرانی کے ساتھ تمھاری حفاظت کی سرپرستی فرمائے اور اپنے مہربانی کے پردے سے تمھاری برائیوں کو چھپا دے۔ پھر تمھارے وصف کو اپنے وصف سے ڈھانپ دے۔ پھر تمھاری طرف لوگ عزت اور تعظیم اور بزرگی کے ساتھ متوجہ ہوں۔ تو تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانو۔ اور اپنے نفس کے دیکھنے سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ کیونکہ جس نے تمہاری عزت و تعظیم کی تو حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اندر صرف اللہ تعالیٰ کی بہترین پردہ پوشی نے عزت و تعظیم پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا

"اور اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگ شیطان کی پیروی کرتے۔"

(وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا)

" اور اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگوں میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔"

اس لئے درحقیقت سب تعریفیں صرف اسی ذاک پاک کے لئے سزاوار ہیں۔ جس نے تمھاری پردہ پوشی فرمائی۔ نہ کہ اُس کے لئے جس نے تمھاری تعظیم کی۔ کیونکہ

اگر اللہ تعالیٰ تمھارے عیبوں اور گناہوں میں سے ایک ذرہ بھی لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا۔ تو سب لوگ تمھارے دشمن ہو جاتے۔ اور تم سے نفرت کرتے۔ لہذا تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ کہ اُس نے تمھارے اوپر اپنا فضل و کرم نازل فرمایا۔ اور اُن عیبوں اور گناہوں سے جو تمھارے لئے طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سبب ہوتیں۔ تمھاری پردہ پوشی فرمائی۔

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے:- اگر گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو تم مطیع و فرماں بردار نہ ہوتے۔ اور اگر گناہوں کے اندر اس کی پردہ پوشی نہ ہوتی تو تم مخلوق کے نزدیک ذلیل و خوار اور ان کے درمیان نفرت و عداوت کے ساتھ مخصوص ہوتے۔

(وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ)

اگر میرے رب کی نعمت میرے شامل حال نہ ہوتی تو میں حاضر کیے گئے لوگوں میں ہوتا۔

پس کل مخلوق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کی وجہ سے معاملہ کرتی ہے۔

اور اگر اُس کا بندہ اُس کی پردہ پوشی سے خالی (باہر) ہو جائے تو لوگوں میں اُس کا سب سے زیادہ محبت کرنے والا، اُس کا سب سے بڑا دشمن بن جائے۔ اور مخلوق میں اُس کا سب سے بڑا شفیق و مہربان دوست اُس کو تکلیف پہنچانے لگے۔ اور مخلوق میں اُس کے لئے سب سے بڑا رحم دل اُس کو ہلاک کر دے۔

اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے جنہوں نے یہ اشعار فرمائے ہیں :-

يَظُنُّوْنَ بِيْ خَيْرًا وَ مَابِيْ مِنْ خَيْرٍ   وَلٰكِنَّنِيْ عَبْدٌ ظَلُوْمٌ كَمَا تَدْرِيْ

" لوگ مجھ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میرے اندر کوئی نیکی نہیں ہے۔ بلکہ میں ایک ظالم (گنہگار) بندہ ہوں۔ جیسا کہ اے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔"

سَتَرْتَ عُيُوْبِيْ كُلَّهَا عَنْ عُيُوْنِهِمْ   وَاَلْبَسْتَنِيْ ثَوْبًا جَمِيْلًا مِنَ السَّتْرِ

" تو نے میرے کل عیوب کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیا ہے اور تو نے مجھ کو پردہ پوشی کا بہترین کپڑا پہنا دیا ہے۔"

فَصَارُوْا يُحِبُّوْنِيْ وَ مَا اَنَا بِالَّذِيْ   يُحَبُّ ، وَ لٰكِنْ شَبَّهُوْنِيْ بِالْغَيْرِ

" اس صئے مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ میں اُن لوگوں سے نہیں ہوں۔ جن سے محبت کی جاتی ہے۔ لیکن مجھ کو لوگوں نے دوسرے (نیک لوگوں) کے مشابہ سمجھ لیا ہے۔"

فَلَا تَفْضَحْنِيْ فِي الْقِيَامَةِ بَيْنَهُمْ   وَ كُنْ لِيْ يَامَوْلَايَ فِيْ مَوْقِفِ الْحَشْرِ

" لہذا تو مجھے قیامت کے دن اُن لوگوں کے سامنے رسوا نہ کرنا اور میرے مولا حشر کے میدان میں تو میرے لئے ہو جا۔"

اور جب اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت نبی کریم ﷺ پر تکلیفوں کی انتہا ہو گئی۔ تو آپ

نے صرف اتنا فرمایا :-

لَا غِنٰی لِی مِنْ عَافِیَتِكَ ، عَافِیَتُكَ اَوْسَعُ لِیْ

میرے لئے تیری عافیت سے بے نیازی نہیں ہے۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔''

اور نعمتوں کی حالت میں مخلوق کے دیکھنے میں تقسیم کا بیان عنقریب آئے گا۔ نیز یہ کہ آدمی تین قسم کے ہیں :-

پہلی قسم :- عوام ہیں :- یہ لوگ صرف مخلوق کو دیکھتے ہیں۔

دوسری قسم :- خواص ہیں :- یہ لوگ صرف خالق کو دیکھتے ہیں۔

تیسری قسم :- خواص الخواص ہیں :- یہ لوگ مخلوق کے اندر خالق کو اور واسطہ کے اندر موسوط کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ہر مستحق کو اُس کا حق عطا کرتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان وضاحت کے ساتھ آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اور جب تم کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ تمھاری عزت و تعظیم اُسی مقدس ذات نے کی ہے جس نے تمھارے عیوب کو چھپایا اور تمھاری برائیوں کو اُس کی ہر پوشیدگی کا علم رکھتے ہوئے ڈھانپ لیا۔ تو تم اُس کو اپنا ساتھی بناؤ۔ اور اُسی کے مراقبہ میں رہو۔ اور لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

مَا صَحِبَكَ اِلَّا مَنْ صَحِبَكَ وَهُوَ بِعَیْبِكَ عَلِیْمٌ ، وَلَیْسَ ذَالِكَ اِلَّا مَوْلَاكَ الْكَرِیْمُ

'' تمھارا ساتھی کوئی نہیں ہے۔ مگر وہ ذات پاک ، جو تمھارے عیب کا علم رکھتے ہوئے بھی ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ صرف تمھارا مولائے کریم اللہ تعالیٰ ہے۔''

میں کہتا ہوں :- جب تم نے یہ معلوم کر لیا۔ کہ تمہارا کوئی ساتھی تمھارے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ہے تو تم اس کی صحبت کی حقیقت کو پہچانو۔ اور اپنے ظاہر و باطن میں اس کے ساتھ ادب اختیار کرو۔ اور تم اس سے شرم کرو۔ کہ وہ تم کو کسی ایسے حال میں دیکھے۔ جس سے اُس نے تم کو منع فرمایا ہے۔ یا جس طریقے کا اُس نے تم کو حکم دیا ہے اس طریقے پر تم کو نہ پائے۔

اللہ سے شرم کرو!

حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرامؓ سے فرمایا:-

اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ، قَالُوْا :- اِنَّا نَسْتَحْيِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، قَالَ لَهُمْ :- اَلْحَيَاءُ مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ، اَنْ تَحفَظَ الرَّاسَ وَمَا حوىٰ ، وَالبَطْنَ وَ مَاوَعىٰ ، و تَذْكُرَ الْقَبْرَ وَ الْبِلىٰ ، فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

’’ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا شرم کرو۔ جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا:- اَلحمْدُلِله، ہم لوگ شرم کرتے ہیں۔ آں حضرت نے اُن لوگوں سے فرمایا:- اللہ تعالیٰ سے شرم ،جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے ، یہ ہے۔ کہ تم اپنے سر کی ،اور اُن اعضا کی ، جو سر میں شامل ہیں (زبان، آنکھ، کان) حفاظت کرو۔ اور اپنے پیٹ کی ،اور اُن اعضا کی جو پیٹ سے متعلق ہیں (شرمگاہ) حفاظت کرو۔ اور قبر کو اور بوسیدگی کو یاد رکھو۔ پس جس شخص نے ایسا کیا۔ تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے ایسا شرم کیا۔ جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے۔‘‘

پس وہ ساتھی جو تمھارے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔ وہی ہے۔ جو تمھارے عیوب کا علم رکھتے ہوئے بھی تمھارے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ تکلف ،اور ریا ،اور بناوٹ سے سلامت رہنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور وہ تمھارے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ جو تمھارے پوشیدہ عیوب کا عالم ،اور تمھارے خفیہ و علانیہ سے آگاہ ہے۔ اگر تم اُس کی نافرمانی کرتے ہو۔ تو تمھاری پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اور اگر تم اس سے معذرت (توبہ) کرتے ہو۔ تو وہ تمھاری معذرت کو قبول فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:-

اِنَّ اللهَ اشْتَرىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ

’’ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانوں ،اور اُن کے مالوں کو خرید لیا ہے۔‘‘

باوجودیکہ کل (جان و مال اور سب کچھ) اُسی کی ملکیت ہے۔

بیان کیا گیا ہے:- اس قول میں تین حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت :- یہ ہے۔ کہ خریدی ہوئی چیز کو عیب کی وجہ سے واپس نہ کرنے کی بشارت ہے۔ کیونکہ خریدار کل عیوب سے باخبر ہے۔

دوسری حکمت :- یہ ہے کہ۔ بندہ اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ تاکہ وہ اُس کی تدبیر کا متولّی ہو جائے۔ کیونکہ خریدار کو فروخت کی ہوئی چیز سپرد کئے بغیر، فروخت مکمل نہیں ہوتی ہے۔ اور قبضہ دینے کے بعد ہی سرپرستی ہوتی ہے۔

تیسری حکمت :- یہ ہے کہ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے ظاہر ہونے میں مکمل فضیلت کا اظہار، اور اللہ تعالیٰ کی طرف صحبت کا ذکر ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے :- (اَنتَ الصَّاحبُ فِی السَّفَرِ) ''سفر میں تو ہی ساتھی ہے''

اور اس مفہوم کے علاوہ اس آیت کے کسی دوسرے مفہوم کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور ظاہر یہ ہے۔ کہ مصنفؒ اس کو ادب اور خوف کے اشارہ کے مقام میں دیکھتے ہیں۔ اور حضرت ابو حامد غزالی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بعض کتابوں میں اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

اور تم یہ معلوم کرو :- وہ امر جو صحبت کی ترغیب دیتا ہے۔ اور محبت اور دوستی کو مضبوط کرتا ہے۔ اور دو امور ہیں :-

ایک امر :- وہ ہے جو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ کہ ساتھی ایسا ہونا چاہئے۔ جو تمھارے عیب کو اپنے برداشت سے ڈھانپ لے۔

دوسرا امر :- یہ ہے۔ کہ ساتھی ایسا ہونا چاہئے۔ جو تم سے محبت کرے۔ اور تم کو بغیر کسی غرض کے اپنی بارگاہ میں طلب کرے۔ اور تمھاری صحبت سے اُس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور مصنفؒ نے دوسرے امر کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے :-

خَیْرُ مَنْ تَصْحَبُ مَنْ یَطْلُبُکَ لَا لِشَیْءٍ یَعُوْدُ مِنْکَ اِلَیْهِ

'' تمھارا بہترین ساتھی وہ ہے۔ جو تمھاری جانب سے اس کو کسی شی کے نفع پہنچنے کی امید کے بغیر تم کو طلب کرتا ہے۔''

میں کہتا ہوں :- یہ بزرگ ترین (اعلیٰ درجے کا) وصف ، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بے نیاز ، اور تعریف کا مستحق ہے۔ اپنے ارادے کو مکمل طریقے پر پورا کرنے والا ہے۔ وہ بغیر کسی علت اور سبب کے ، جس سے چاہتا ہے، محبت کرتا ہے۔ اور بغیر کسی نقصان اور تکلیف کے جس پر چاہتا ہے ، ناراض ہوتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے، بغیر کسی عمل کے قریب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ، بغیر کسی لغزش کے دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

(لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْن) جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اُس کے بارے میں اُس سے کچھ سوال نہیں کیا جا سکتا ہے، یعنی وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور وہ لوگ (یعنی مخلوق) سوال کئے جائیں گے (یعنی اُن کو اپنے افعال کی جوابدہی کرنی ہوگی)

(وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ) ''اگر تمہارا رب چاہتا۔ تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے۔'' (اَنْ لَّوْ يَشَاءَ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا) ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ، تو سب آدمیوں کو ہدایت عطا فرما دیتا۔''

اور سارا کلام صرف اہل حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ لیکن حکمت اور اہل شریعت کے اعتبار سے۔ تو تمہارا رب اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ لیکن سبب کا پیدا کرنے والا ، سبب کے نتیجے کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

(مَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدُ اللهَ ، وَ مَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَالِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ)

جس شخص سے کوئی نیکی صادر ہو، تو اُس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور جس شخص سے نیکی کے علاوہ یعنی گناہ سرزد ہو، تو اُسے اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہیئے۔''

حضرت جیلی رحمہ اللہ کا شعر ہے :-

اِذَا كُنْتُ فِىْ حُكْمِ الشَّرِيْعَةِ عَاصِيًا ۔۔۔ فَاِنِّىْ فِىْ حُكْمِ الْحَقِيْقَةِ طَائِعٌ

'' جب میں شریعت کے حکم میں نافرمان ہوتا ہوں۔ تو بیشک میں حقیقت کے حکم میں فرماں بردار ہوتا ہوں۔''

بہترین ہم نشین

پس اے انسان! تمہارا بہترین ساتھی تمہارا مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو تم کو اپنی

بارگاہ کے لئے طلب کرتا ہے۔ اور تم کو اپنی محبت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ بغیر کسی فائدے کے جو تمھاری ذات سے اُس کو پہنچتا ہو۔ اور درحقیقت یہ طلب اور انتخاب تمھارے اوپر اُس کا صرف احسان ہے۔ پس تم اُس کو کیسے چھوڑ دیتے ہو۔ اور اُس کے غیر کے ساتھ محبت کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اُس کے غیر کی محبت کا نقصان، اُس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔

ایک عارف نے فرمایا:- تم آدمیوں کو آزما کر دیکھو۔ تم اُن کو بچھو پاؤ گے۔ لہٰذا اگر تم صحبت کرنا چاہتے ہو۔ تو اُن عارفین کی صحبت اختیار کرو۔ جن کا حال تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کے لئے آمادہ کرے۔ اور جن کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف تمھاری رہنمائی کرے۔

اللہ تعالیٰ عینیہ کے مصنفؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ جنھوں نے اپنی کتاب عینیہ میں بہت خوب اشعار فرمائے ہیں۔

فَشَمِّرْ وَلُذْ بِالْاَوْلِيَاءِ فَاِنَّهُمْ لَهُمْ مِّنْ كِتَابِ الْحَقِّ تِلْكَ الْوَقَائِعُ

"پس تم دوڑ کر اولیاء اللہ کی پناہ لو۔ کیونکہ بیشک وہ لوگ ایسے ہیں۔ کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے کتاب سے یہ واقعات ثابت ہیں۔"

هُمُ الذُّخْرُ لِلْمَلْهُوْفِ وَالْكَنْزُ وَالرِّجَا وَ مِنْهُمْ يَنَالُ الصَّبُّ مَا هُوَ طَامِعُ

" وہ مظلوم اور مایوس کے لئے ذخیرہ (ڈھیر) اور خزانہ اور امید ہیں۔ اور انھیں کے وسیلے سے محبت کرنے والا اپنے محبوب تک پہنچتا ہے۔"

بِهِمْ يَهْتَدِىْ لِلْعَيْنِ مَنْ ضَلَّ فِى الْعَمىٰ بِهِمْ يُجْذَبُ الْعُشَّاقُ وَالرَّبْعُ شَاسِعُ

"انھیں کے وسیلے سے عین ذات کی طرف وہ شخص ہدایت پاتا ہے۔ جو اندھے پن کی وجہ سے گمراہ ہو گیا ہے۔ انھیں کے ذریعے عاشقین کھینچ لئے جاتے ہیں۔ اگر چہ فاصلہ دور ہے۔

هُمُ الْقَصْدُ وَالْمَطْلُوْبُ وَالسُّؤْلُ وَالْمُنىٰ وَاسْمُهُمْ لِلصَّبْرِ فِى الْحُبِّ شَافِعُ

" وہی مقصود، اور مطلوب، اور سوال، اور تمنا ہیں۔ اور اُن کا نام محبت میں ثابت قدم رہنے کے لئے مددگار ہے۔"

هُمُ النَّاسُ فَالْزَمْ اِنْ عَرَفْتَ جَنَابَهُمْ فَفِيْهِمْ لِضُرِّ الْعَالَمِيْنَ مَنَافِعُ

''وہ کامل انسان ہیں۔اگر تم اُن کی بارگاہ کو پہچان لو۔تو وہیں جم کر بیٹھ جاؤ۔کیونکہ سارے جہانوں کی مصیبت کے لئے ان کے اندر فوائد ہیں اور''غیر اولیاء غافلین''عوام کی صحبت سے بچنے کے بارے میں فرمایا''

وَقَاطِعْ لِمَنْ وَاصَلْتَ اَیَّامَ غَفْلَۃٍ   فَمَا وَاصَلَ الْعُذَّالَ اِلَّا مُقَاطِعُ

''اور غفلت کے زمانے میں تم نے جن لوگوں سے تعلق قائم کیا ہے۔اُس کو توڑ دو۔ کیونکہ ملامت کرنے والوں سے وہی شخص تعلق قائم کرتا ہے۔جو اپنے مقصود سے منقطع ہو جانے والا ہے۔

وَجَانِبْ جَنَابَ الْاَجْنَبِیِّ لَوْ اَنَّہٗ   لِقُرْبِ انْتِسَابٍ فِی الْمَنَامِ مُضَاجِعُ

'' اور اجنبی (غیر) کے پہلو سے دور رہو۔اگر چہ وہ منسوب ہونے کی قربت کی بنا پر تمھارے بستر پر تمھارے ساتھ سوتا ہو۔''

فَلِلنَّفْسِ مِنْ جُلَّاسِھَا کُلُّ نِسْبَۃٍ   وَمِنْ خُلَّۃٍ لِلْقَلْبِ تِلْکَ الطَّبَائِعُ

''کیونکہ نفس کو اپنے ہم نشینوں سے گہری نسبت ہوتی ہے۔اور قلب کو اپنے ساتھیوں کی عادتوں سے محبت ہو جاتی ہے۔''

حاصل یہ ہے:- کہ اُس شخص کی صحبت ، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صحبت ہے۔کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہے اور عارف باللہ کی طرف دیکھنا، اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا ہے۔اس لئے کہ اُس کے اندر ، اور اُس کے اوپر غیر اللہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا ہے۔لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے خالص نور ہو گیا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:-

اِنَّ للہِ رِجَالاً مَنْ نَظَرَ اِلَیْھِمْ سَعِدَ سَعَادَۃً لَا یَشْقیٰ بَعْدَ ھَا اَبَدًا

'' بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے دوست ہیں۔کہ جو شخص اُنکی طرف دیکھتا ہے۔وہ ایسا نیک بخت ہو جاتا ہے۔کہ اب اس کے بعد پھر کبھی بدبختی میں نہ مبتلا ہوگا۔''

اور وہ لوگ یعنی اولیاء اللہ موجود ہیں۔کبھی ختم نہ ہوں گے۔وہ سورج کے ظاہر ہونے کی طرح ظاہر

ہیں۔ وہ پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ صرف اُنھیں لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔

اور عطا کے بعد سلب سے (بخشش کے بعد اُس کے چھن جانے سے)، اور بری قضا سے، اور دشمنوں کی ہنسی سے، اور بیماری کی سختی سے، اور امید کی ناکامی سے، اور نعمت کے زوال سے، اور سزا کے اچانک آجانے سے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

عارفین کی صحبت کا فائدہ

پھر مصنفؒ نے عارفین کی صحبت کا فائدہ بیان فرمایا۔ اور وہ یقین کا حاصل ہونا ہے۔

چنانچہ فرمایا:-

(لَوْ اَشْرَقَ لَكَ نُوْرُ الْيَقِيْنِ لَرَاَيْتَ الْاٰخِرَةَ اَقْرَبَ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ تَرْحَلَ اِلَيْهَا وَلَرَاَيْتَ مَحَاسِنَ الدُّنْيَا قَدْ ظَهَرَتْ كِسْفَةُ الْفَنَاءِ عَلَيْهَا)

"اگر تمھارے اندر یقین کا نور روشن ہو جائے۔ تو تم آخرت کو اُس کی طرف سفر کر کے پہنچنے سے، اپنے زیادہ قریب پاؤ گے۔ اور تم دنیا کی خوبیوں کو اس طرح دیکھو گے۔ کہ اُن کے اوپر فنا کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔"

میں کہتا ہوں:- یقین:- ایسا علم ہے جس میں وہم کی مزاحمت، اور شک کی آمیزش نہ ہو اور اُس کے ساتھ کوئی گھبراہٹ اور بیقراری نہ ہو۔

"یقین" کا لفظ "یَقِنَ الْمَاءُ" سے بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ پانی رُکا ہوا ہے۔ اُس میں کچھ حرکت نہیں ہے۔ یقین کے ساتھ علم کی مشابہت اُس وقت کی جاتی ہے جب اُس کے ساتھ اطمینان ہوتا ہے۔ اور قلب کے اندر اُس کے بارے میں کوئی تردّد، اور حرکت باقی نہیں رہتی ہے۔

اور اُس کے نور کا روشن ہونا:- اعضائے جسم پر اُس کا اثر ظاہر ہونا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اُس کے اندر دنیا سے نفرت، اور آخرت سے رغبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کا خوف، اور اُس کے جمال کے بارگاہ میں پہنچنے کا شوق

اور اُس کے جلال کے غلبے کے سامنے خاموشی سے جھک جانا، اور اُس کی مرضی کی طلب میں دوڑنا

اور اُس کی محبت حاصل ہونے کی جگہ کی طرف سبقت کرنا اور اُس
کے ذکر سے زبان کو تر رکھنا اور اُس کی عظمت کی فکر میں قلب کو مشغول رکھنا، اور اس کے قرب کی بارگاہ میں داخل ہونے کے لئے روح کا سرگرداں ہونا، اور اُسکی محبت کے شراب سے اُس کا مست ہونا، اور اس کے قرب کے شہود میں اُس کا غرق ہونا، یہ حالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی حالات قلب میں یقین کے نور کے روشن ہونے کی علامت ہیں۔ اور یہ بھی اُس کی علامت ہے۔ کہ آجل ،(دیر میں ہونے والی)

عاجل-جلد ہونے والی) اور دور، نزدیک اور غیب ،شہادت بن جائے۔

(اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآاَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ) " درحقیقت جو کچھ تم لوگوں سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ وہ ضرور آئے گا۔ اور تم لوگ عاجز نہ کرسکو گے۔ اور اسی حقیقت کے بارے میں ہمارے مندرجہ ذیل اشعار ہیں :-

فَلَا تَرْضىٰ بِغَيْرِ اللهِ حُبًّا   وَ كُنْ اَبَدًا بِعِشْقٍ وَاشْتِيَاقِ

" پس تم غیر اللہ سے محبت کرنے کے لئے راضی نہ ہو۔ اور ہمیشہ عشق اور اشتیاق میں مشغول رہو۔

تَرَى الْاَمْرَ الْمُغَيَّبَ ذَاعِيَانٍ   وَ تَحظٰى بالْوِصَالِ وَ بِالتَّلَاقِ

"تم چھپے ہوئے غیبی اُمور کو آنکھوں سے دیکھو گے۔ اور وصال اور ملاقات کا لطف حاصل کرو گے۔"

اور اِن دو اشعار کے ساتھ میں نے ایک شاعر کے دو اشعار شامل کئے تھے۔ جو درج ذیل ہیں:-

فَلَا دَهْشٌ وَ حَامِ الْحَيِّ حَيٌّ   وَ لَا عَطَشٌ وَ سَاقِي الْقَومِ بَاقٍ

"تو کچھ خوف اور پریشانی نہیں ہے۔ جبکہ زندہ کا مددگار زندہ ہے اور کچھ پیاس نہیں ہے۔ جبکہ قوم کا ساقی باقی ہے۔

فَمَاالدُّنْيَا بِبَاقِيَةٍ لِحَيٍّ   وَ مَا حَيٌّ عَلَى الدُّنْيَا بِبَاقٍ

"پس دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی زندہ دنیا میں باقی رہنے والا ہے۔

تو اگر یقین کا نور تمھارے قلب میں روشن ہو جائے تو تم آنے والی آخرت کو اپنے سامنے حاضر

دیکھو گے۔ اور اُس کی طرف سفر کر کے پہنچنے سے زیادہ اپنے قریب پاؤ گے۔ کیونکہ وہ تمھاری طرف سفر کرنے والی ، اور تم کو پانے والی ہے۔ اور تم دنیا کی وہمی ، اور فانی خوبیوں کو ایسا دیکھو گے۔ کہ اُس کے اوپر فنا کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یعنی اُس کے وجود کا نور، اُس کی فنا کی ظلمت ظاہر ہونے سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ پھر تم دیکھو گے۔ کہ جو ظاہر تھا، وہ باطن ہو گیا ہے۔ اور جو باطن تھا ، وہ ظاہر ہو گیا۔ اور جو کثیف تھا، وہ لطیف ہو گیا ہے اور جو لطیف تھا، وہ کثیف ہو گیا ہے۔ اور جو غیب تھا ، وہ شہادت ہو گیا ہے۔ اور جو شہادت تھا، وہ غیب ہو گیا ہے اور یہ مخلوق سے صرف اُن کے ایمان کی کمزوری اور اُن کے یقین کے نور کی کمی کی وجہ سے دور ہے۔ اگر اُن کے قلوب میں یقین کا نور روشن ہو جائے۔ تو وہ دنیا کی خوبیوں کو پوشیدہ ، اور اُس کے عیوب کو ظاہر دیکھیں گے۔ جیسا کہ اُس کو حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے اُس وقت دیکھا۔ جس وقت اُنھوں نے اپنے ایمان کی حقیقت بیان کی۔

ایمان کی حقیقت

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا:-

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ اِذِ اسْتَقْبَلَهٗ شَابٌّ مِّنَ الْاَنْصَارِ ، فَقَالَ لَهٗ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:- كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ ؟ قَالَ :- اَصْبَحْتُ بِاللهِ حَقًّا ، فَقَالَ لَهٗ :- اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ ، فَاِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً ، فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ ؟ فَقَالَ :- يَارَسُوْلَ اللهِ عَزَفَتْ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا) اَيْ اَدْبَرَتْ وَ هَرَبَتْ (فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ ، وَ اَظْمَاْتُ نَهَارِيْ ، فَكَاَنِّيْ بِعَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا ، وَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا ، وَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَعَاوَوْنَ فِيْهَا ، فَقَالَ لَهٗ :- اَبْصَرْتَ فَالْزَمْ ، عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ فِيْ قَلْبِهٖ ، قَالَ :- يَا رَسُوْلَ اللهِ اُدْعُ اللّٰهَ لِيْ بِالشَّهَادَةِ ، فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ شَهِيْدًا ، فَجَائَتْ اُمُّهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :- يَارَسُوْلَ اللهِ قَدْعَلِمْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّيْ ، فَاِنْ يَكُنْ فِيْ

الْجَنَّةِ اَصْبِرُ ، وَ اِنْ لَمْ یَکُن فی الْجَنَّةِ تَرٰی مَا اَصْنَعُ ، فَقَالَ :- اَوَ هُبِلْتِ؟ اَجَنَّةٌ هِیَ ؟ اِنَّهَا جِنَانٌ ، وَ اِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی ، فَرَجَعَتْ وَهِیَ تَضْحَكُ وَ تَقُوْلُ بَخٍ بَخٍ یَا حَارِثَةُ

" اس درمیان میں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ چل رہے تھے۔ کہ انصار میں سے ایک نوجوان آپ کے سامنے آئے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا :- اے حارثہ ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت حارثہؓ نے جواب دیا:- میں نے اللہ تعالےٰ پر حقیقی ایمان رکھتے ہوئے صبح کی۔ پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ اس پر غور کرو۔ کیونکہ ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تو تم یہ بتاؤ۔ کہ تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو

حضرت حارثہؓ نے جواب دیا:- یارسول اللہ ! میرا نفس دنیا سے رک گیا ہے۔ یعنی منہ پھیر لیا۔ اور بھاگ گیا ہے۔ تو میں رات کو جاگتا ہوں۔ اور دن میں پیاسا (روزہ) رہتا ہوں۔ تو گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کے سامنے موجود ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل جنت کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دوزخ میں شور و فریاد کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا :- تم نے حقیقت کو دیکھ لیا ہے۔ تو اب اس حالت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ تم ایک ایسے بندے ہو۔ جس کے قلب میں اللہ تعالےٰ نے ایمان کو روشن فرمادیا ہے۔ حضرت حارثہؓ نے کہا :-

یارسول اللہ ! آپ میرے لئے اللہ تعالےٰ سے شہادت پانے کی دعا فرمایئے۔ پس حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُن کے لئے دعا فرمائی۔ تو وہ جنگ بدر کے دن شہید ہوگئے۔ پھر اُن کی والدہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور دریافت کیا:- یارسول اللہ ! آپ کو میرے بیٹے حارثہ کا مرتبہ معلوم ہے۔ پس اگر وہ جنت میں ہے۔ تو میں صبر کرو۔ اور اگر وہ جنت میں نہیں ہے۔ تو بتایئے ، میں اُس کے لئے کیا کروں۔ حضرت نے فرمایا :- کیا تم بے اولاد ہوگئی ہو۔ یا کیا تمھارا

بیٹا گم ہوگیا ہے؟ ایک جنت کی کیا حقیقت ہے؟ اُس کے لئے بہت سی جنتیں ہیں۔ بیشک تمھارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچ گیا ہے۔ تو وہ ہنستی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی واپس ہوئیں۔ شاباش، شاباش، اے حارثہ اور جیسا کہ اس حقیقت کو حضرت معاذ بن جبلؓ نے دیکھا۔ جب وہ روتے ہوئے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرت نے اُن سے دریافت فرمایا:-

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَامَعَاذُ ؟ قَالَ :- اَصْبَحْتُ مُومِنًا ، فَقَالَ :- اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ مِصْدَاقًا ، وِلِكُلِّ حَقٍّ حقيقةً ، فَمَا مِصْدَاقُ مَا تَقُوْلُ ؟

ایمان کی حقیقت

فَقَالَ :- يَارسول اللهِ مَا اَصْبَحْتُ صَبَاحًا قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ لَا اُمْسِىْ ، وَمَا اَمْسَيْتُ قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ لَا اُصْبِحُ ، وَ لَا خَطَوْتُ خُطوَةً قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ اَنِّي لَا اُتبِعُهَا بِاُخْرٰى وَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى كُلِّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا مَعَهَا نَبِيُّهَا وَ اَوْثَا نُهَا الَّتِىْ كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى عُقُوْبَةِ اَهْلِ النَّارِ وَ ثَوَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :- عَرَفْتَ فَالْزَم)

”اے معاذ ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا:- میں نے ایمان کی حالت میں صبح کی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:- ہر بات کے لئے ایک مصداق ، (سچائی کو پرکھنے کی کسوٹی) اور ہر حق کے لئے ایک حقیقت ہے۔ لہٰذا جو تم کہہ رہے ہو۔ اس کی سچائی کا مصداق کیا ہے؟ تو حضرت معاذ نے جواب دیا:- یارسول اللہ ! کسی دن بھی جب میں صبح کرتا ہوں۔ تو میں یہ گمان کرتا ہوں۔ کہ میں شام تک زندہ نہ رہوں گا۔ اور جب میں شام کرتا ہوں۔ تو میں یہ گمان کرتا ہوں۔ کہ میں صبح تک زندہ نہ رہوں گا۔ اور جب چلنے کیلئے ایک قدم اٹھاتا ہوں، تو میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کے بعد دوسرا قدم نہ اُٹھا سکوں گا۔ اور گویا کہ میں ہر امت کو دیکھ رہا ہوں۔ کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہر امت اپنے اعمالنامے کی طرف بلائی جارہی ہے۔ اس حال میں کہ اُس کے ساتھ ، اُس کے نبی علیہ السلام ہیں۔ اور وہ بُت ہیں۔ جن کی وہ اللہ تعالےٰ

کے سوا پرستش کرنے لگی تھی۔ اور گویا کہ میں اہل دوزخ کے عذاب، اور اہل جنت کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:- تم نے حقیقت کو پالیا ہے۔ تو اب اس پر ثابت قدمی سے قائم رہو۔''

یہ دونوں حضرات انصاری تھے۔ جن کے قلوب میں یقین کا نور روشن ہوا تھا۔ اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اُن کے سینوں کو کھول دیا تھا۔ تو اُنھوں نے جو واقعہ دیر میں ہونے والا ہے، اُس کو فوراً دیکھ لیا۔ اور جو حال آیندہ پیش آنے والا ہے۔ اُس کو سامنے موجود دیکھا۔

شرح صدر کی علامت

اور حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔

(اِنَّ النُّورَ اِذَا دَخَلَ الْقَلْبَ اِنْشَرَحَ لَهُ الصَّدْرُ وَانْفَسَحَ ، قِيْلَ :- يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ لِذَالِكَ مِنْ عَلَامَةٍ يُعْرَفُ بِهَا؟ قَالَ :- نَعَمْ ، اَلتَّجَا فِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ ، وَ الْاِسْتِعْدادُ لِلْمَوْتِ قَبلَ نُزُوْلِهٖ) اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام

بیشک یقین کا نور جب قلب میں داخل ہوتا ہے۔ تو اُس کا سینہ کھل جاتا، اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا:- یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی ایسی نشانی ہے۔ جس سے یہ حالت پہچانی جائے؟ آپ نے فرمایا:- ہاں، دھوکا کے گھر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا، اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے گھر آخرت کی طرف مائل ہونا، اور موت کے لئے اُس کے آنے سے پہلے تیار رہنا ہے۔'' یا جیسا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:- یقین:- ایک ایسا نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب میں روشن کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ اُس کے ذریعے اپنی آخرت کے معاملات کو مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اُس نور کے ذریعے کل حجابات، جو اُس کے، اور آخرت کے درمیان ہیں چاک ہو جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ آخرت کو سامنے دیکھنے والے کی طرح دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں :- جب یقین کا نور پوری طرح روشن ہو جاتا ہے تو وہ کائنات کے وجود کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اور آنکھوں کے مفقود ہو جانے پر بھی عیاں (ظاہر دیکھنا) واقع ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

مَا حَجَبَکَ عَنِ اللهِ وُجُوْدُ مَوْجُوْدٍ مَعَهٗ اِذْ لَا شَيْئَ مَعَهٗ ، وَ لٰکِنْ حَجَبَکَ عَنْهُ تَوَهُّمُ مَوْجُوْدٍ مَعَهٗ

تم کو اللہ تعالیٰ سے، اُس کے ساتھ کسی موجود کے وجود نے حجاب میں نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ اُس کے ساتھ کوئی شئی نہیں ہے۔ بلکہ تم کو اُس کے ساتھ موجود کے وہم نے اُس سے محجوب کر دیا ہے۔"

میں کہتا ہوں:- حق سبحانہٗ تعالیٰ ظاہر ہے۔ اور اُس کا نور آنکھوں کے سامنے عیاں ہے اور در حقیقت اُس کو صرف اُس کے اسم پاک "حکیم" اور "قہار"
کے تقاضے نے محجوب کر دیا ہے۔ لہٰذا تم کو اُس کے ساتھ کسی شئی کے وجود نے اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے محجوب نہیں کیا ہے۔

ءَ اِلٰهٌ مَعَ اللهِ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُوْن) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے بلند اور پاک ہے۔ جو یہ لوگ اُس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود کے وجود کے وہم نے حجاب میں کر دیا ہے۔ حالانکہ اُس کے ساتھ کوئی شئی نہیں ہے۔ اور وہ جیسا تھا، ویسا ہی ہے۔ اور نہ کوئی شئی باقی رہی، نہ باقی ہے:-

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)

"وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔"

وہ اپنی ذات، اور اپنی صفات، اور اپنے افعال میں یکتا ہے۔ پس فعل بغیر صفت کے صادر نہیں ہوتا ہے۔ اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا فعل متحد ہے۔ اور فاعل واحد ہے۔ اور صفت متحد ہے اور صفت کے ساتھ موصوف
واحد ہے۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ کا کلام ہے :-

صِفَاتِیْ لَا تَخْفیٰ لِمَنْ نَظَرْ وَذَاتِیْ مَعْلُوْمَۃٌ تِلْکَ الصُّوَرْ

فَافْنِ عَنِ الْاِحْسَاسِ تَریٰ عِبَرْ

''میری صفات دیکھنے والے کے لئے پوشیدہ نہیں ہیں ۔ اور میری ذات اِن صورتوں میں نمایاں ہے۔ اس لئے تم احساس سے (محسوسات سے) فنا ہو جاؤ۔ تم عبرتوں (حقیقتوں) کو دیکھو گے۔''

اور غیر کے وہم ہونے کا سبب، فکر کا نہ ہونا ہے۔ اور فکر نہ ہونے کا سبب، جلد حاصل ہونے والی یعنی دنیا کی محبت ہے۔ کیونکہ دنیا، علام الغیوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف سیر کرنے سے دلوں کو غافل کرنے والی ہے۔ اور دنیا کی محبت کی حکمت قہریت کا ظاہر ہونا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی قہاریت ہے۔ کہ وہ بغیر حجاب کے محجوب ہو گیا ہے۔ اور اپنے سورج کے نور کو بغیر بدلی کے ڈھانپ دیا ہے۔ نیز عبودیت کے اجسام نے ربوبیت کے انوار کے مظہروں کو چھپا دیا ہے۔ اور حکمت کے وجود نے قدرت کے ظہور کو پوشیدہ کر دیا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے :- اللہ تعالیٰ زمان و مکان ، اور جہت ، (طرف) اور کیفیت ، اور مادہ، اور صورت سے پاک ہے۔ اور اِس کے باوجود نہ اُس سے زمان و مکان خالی ہے، نہ کمیت و کیفیت، نہ جسم، نہ جوہر و عرض۔ کیونکہ وہ اپنی لطافت کی وجہ سے ہر شئی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اور اپنی نوریت کی وجہ سے ہر شئی میں ظاہر ہے۔ اور اپنے اطلاق (مطلق ہونے) اور احاطہ (محیط ہونے) کی وجہ سے ، ہر کیفیت سے، اس کے ساتھ مقید نہ ہوتے ہوئے متکیف ہے۔ اور جو شخص اُس کا ذوق نہیں رکھتا ہے اور اُس کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔ وہ بصیرت کا اندھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے محروم ہے۔

حضرت ابن وفا رضی اللہ عنہ کا کلام ہے :-

ھُوَ الْحَقُّ الْمُحِیْطُ لِکُلِّ شَیْئٍ ھُوَ الرَّحْمٰنُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ

'' وہی حق سبحانہ تعالیٰ ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے (گھیرے ہوئے) ہے۔ وہی بڑا مہربان، عرش کا مالک ، بزرگی والا ہے۔''

هُوَالنُّوْرُ الْمُبِيْنُ بِغَيْرِ شَكٍّ هُوَ الرَّبُّ الْمُحَجَّبُ فِي الْعَبِيْدِ

" بغیر کسی شک وشبہ کے وہ کھلا ہوا نور ہے۔ وہ پروردگار بندوں میں چھپا ہوا ہے۔"

هُوَالْمَشْهُوْدُ فِي الْاَشْهَادِ يَبْدُوْ فَيُخْفِيْهِ الشُّهُوْدُ عَنِ الشَّهِيْدِ

وہی مشہود (موجود و حاضر) ہے۔ جو مشاہدہ کرنے والوں کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔
پس شہود ہی اُس کو مشاہدہ کرنے والے سے چھپا دیتا ہے۔"

هُوَ الْعَيْنُ الْعَيَانُ لِكُلِّ غَيْبٍ هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنْ بَيْتِ الْقَصِيْدِ

" وہ ہر غیب کے لئے عین ظاہر ہے۔ ہر ارادہ کرنے والے کے گھر کا وہی مقصود ہے۔"

جَمِيْعُ الْعَالَمِيْنَ لَهٗ ظِلَالٌ سَجُوْدٌ فِي الْقَرِيْبِ وَ فِي الْبَعِيْدِ

"تمام عالم اُس کا سایہ ہے۔ نزدیک ہوں یا دور سب اُس کے سامنے سجدہ کرنے والے ہیں۔"

وَهٰذَا الْقَدْرُ فِي التَّحْقِيْقِ كَافٍ فَكُفِّ النَّفْسَ عَنْ طَلَبِ الْمَزِيْدِ

" اور حقیقت حاصل کرنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ لہٰذا اپنے نفس کو زیادہ کی طلب سے باز رکھو۔"

حضرت شیخ شاذلیؒ کو ان کے شیخ کی وصیت

حضرت شیخ قطب مولائی عبدالاسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ حضرت شیخ ابوالاحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اُن کے لئے اپنی وصیت میں فرمایا ہے:- ایمان کی نظر کو تیز کرو۔ تم اللہ تعالٰی کو ہر شی میں ، اور ہر شی کے نزدیک اور ہر شی کے ساتھ ، اور ہر شی کے قبل ، اور ہر شی کے بعد ، اور ہر شی کے اوپر ، اور ہر شی کے نیچے، اور ہر شی سے قریب۔ اور ہر شی کو محیط، پاؤ گے۔ اُس قرب اور احاطہ کے ساتھ جو اُس کا وصف ہے۔ اور ظرف (زمان و مکان) حدود، اور اطراف، اور صحبت، اور مسافتوں میں نزدیکی، اور دوری، اور مخلوقات میں دورہ اور حلول، کے خیال کو ترک کرو۔ اور اس کے وصف اول، اور آخر، اور ظاہر، اور باطن میں سب کو فنا کردو۔ اور وہ وہی ہے۔ جیسا کہ وہ ہے۔"

(كَانَ اللّٰهُ وَ لَا شَيْءَ مَعَهُ ، وَ هُوَ الْاٰنَ عَلٰى مَا عَلَيْهِ كَانَ)

"اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حالت پر ہے جس حالت پر پہلے تھا۔"

ایک عارف نے اُن کے قول کی تشریح میں فرمایا ہے:۔ حضرت شیخ عبدلسلام بن مشیش نے اپنے قول (ظرف ، اور حدود وغیرہ کو ترک کر دو۔ آخر تک) میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اُن کے کلام میں ظرف سے مراد، زمان و مکان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مخلوقات میں سے ہے۔ اور وہ صرف ذوق کے امور ہیں۔ لہٰذا تم پوری پاکیزگی اور مشابہت کے باطل ہونے پر مکمل اعتقاد رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کو مضبوطی سے پکڑو:۔

(لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ)

" اُس کے مثل کوئی شی نہیں ہے۔ اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اور تم اس حقیقت کو اس کے اہل کے سپرد کر دو۔ کیونکہ بیشک وہ لوگ اس شی میں جس کی طرف انھوں نے رمز کیا ہے۔ بصیرت پر قائم ہیں۔ اور اس کو انھوں نے ذوق سے پایا ہے۔ بلکہ وہ خالص ایمان اور خالص عرفان میں سے ہے اور وہی توحید کی حقیقت اور ایمان کا خلاصہ ہے۔

اور حضرت شیخ ابن مشیش کا یہ قول (وہ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر پہلے تھا) اگرچہ صحیح حدیث شریف میں وارد نہیں ہوا ہے۔ پھر بھی وہ فی نفسہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اشیاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف خیال کی طرح ہیں اور سایہ کے وجود کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے وحدانیت منسوخ نہیں ہوتی ہے اور اس کی فردانیت ختم نہیں ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے:۔ کہ جس شخص پر احدیت کا شہود غالب ہو جاتا ہے۔ اور وحدانیت کا راز منکشف ہو جاتا ہے۔ اور چشمہ ید حقیقت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے شعور (احساس) سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو نفس کے شعور کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اس میں اور اس کے ساتھ ظاہر اور

اس کے احکام میں سے ایک حکم دیکھتا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے لطائف المنن میں فرمایا ہے:- کائنات کے وجود کے ساتھ زیادہ مشابہ شی، اگر تم اس کو بصیرت کے آنکھ سے دیکھو۔ سایہ کا وجود ہے۔ اس لئے کہ سایہ وجود کی مکمل تعریف کے اعتبار سے، موجود نہیں ہے۔= اور عدم کی مکمل تعریف کے اعتبار سے معدوم نہیں ہے۔

اور جب مخلوق کا سایہ ہونا ثابت ہو گیا۔ تو خالق کی احدیت (یکتائی) منسوخ نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ شی اپنے مثل کی خواہش کرتی ہے۔ اور اپنی شکل میں مل جاتی ہے۔

اسی طرح جو شخص مخلوقات کے سایہ ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ اس کو اللہ تعالےٰ سے نہیں روکتی ہے۔ کیونکہ درختوں کا سایہ جو نہروں میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ کشتیوں کو چلنے سے نہیں روکتا ہے۔

اور چونکہ حضرت مصنفؒ نے اللہ تعالےٰ کی وحدت کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کے غیر کے وجود کی نفی کی ہے۔ اس لئے انھوں نے یہ محسوس کیا۔ کہ کوئی شخص ان سے یہ سوال کر سکتا ہے :-

سوال:- جبکہ تم اللہ تعالےٰ کی وحدت ثابت کرتے ہو۔ تو یہ مخلوقات جو ظاہر ہیں۔ ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔

جواب:- یہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ سایہ کی حیثیت سے قائم ہیں۔ اگر اس کے نور کا ظہور ان کے اندر نہ ہوتا۔ تو یہ ظاہر نہ ہوتیں۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

(لَوْ لَا ظُهُوْرُهٗ فِي الْمُكَوَّنَاتِ مَا وَقَعَ عَلَيْهَا وُجُوْدُ الصِّفَاتِ ، وَلَوْ ظَهَرَتْ صِفَاتُهٗ اِضْمَحَلَّتْ الْمُكَوَّنَاتِ)

” اگر اللہ تعالےٰ کے نور کا ظہور مخلوقات کے اندر نہ ہوتا تو ان کے اوپر صفات کا وجود نہ واقع ہوتا (صفات کا سایہ نہ پڑتا) کیونکہ اگر اس کی صفات ظاہر ہو جاتیں۔ تو اس کی مخلوقات فنا ہو جاتیں۔“

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالےٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ پس وہ ازلی، قدیم جوہر:- لطیف، پوشیدہ، نورانی، روحانی تھا اور وہ اپنی باطنی اور حقیقی صفات سے متصف، جلال اور جمال کے

اوصاف سے موصوف، اس کے قدیم اسماسے موسوم کوئی شکل نہ تھی۔ نہ کسی شی کا کچھ نشان تھا۔ پھر اس ازلی جوہر نے اپنے حسن و جمال کا ظاہر ہونا چاہا۔ اور صفات نے اپنے آثار (نشانوں) کا ظاہر ہونا، چاہا۔ اور اسماء نے اپنے مطلبوں کا ظاہر ہونا چاہا۔ تو صفات نے اس لطیف نور سے اس کے اسم پاک '' ظاہر'' اور '' قادر'' کے تقاضے کے مطابق ایک مشت (مٹھی بھر) نورانیت لے لی۔ پھر اس کو اس کے اسم پاک '' باطن'' اور '' حکیم نے بھی طلب کیا۔ پس اس کو اس کے ظاہر ہونے کے حال میں پوشیدہ کر دیا۔ اور عیاں ہونے کے حال میں ڈھانپ دیا۔ لہذا وہ نورانیت ظاہر ہونے کے باوجود باطن ہوگئی۔ پھر یہ ایک مشت نورانیت ، صفات کی تعداد کے مطابق بہت سی شاخوں میں تقسیم ہوگئی ۔ اور اسما کے بہت قسم ہونے کے اعتبار سے بہت قسموں میں تقسیم ہوگئی۔

فَالْمَاءُ وَاحِدٌ وَالزَّهْرُ اَلْوَانٌ

پانی ایک ہے۔ اور کلیاں بہت رنگ کی ہیں۔

اور اس حقیقت کے بارے میں عینیہ کے مصنف فرماتے ہیں:۔

وَ كُلُّ الْوَرٰى طُرًّا مَظَاهِرُ طَلْعَتِيْ   مَرَاءٍ بِهَا مِنْ حُسْنِ وَجْهِيْ لَا مِعُ

'' اور کل مخلوق میری صورت کے مکمل مظاہر ہیں۔ میری صورت کے حسن سے روشن آئینے ہیں''

ظَهَرَتْ بِاَوْصَافِ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا   اَجَلْ لِيْ ذَوَاتُ الْكُلِّ نُوْرِيْ سَاطِعُ

'' سب کی سب مخلوق کے اوصاف کے ساتھ ظاہر ہوئیں۔ ہاں ، سب کی ذاتیں میرے لئے ہیں۔ سب میں میرا نور روشن ہے۔''

پس جبروت کا سمندر عالم ملکوت کی طرف فیض پہنچاتا ہے۔ پھر وہ حکمت کے ساتھ پوشیدہ ہوگیا۔ تو اس کا ظاہر ظلمت اور اس کا باطن نور ، اس کا ظاہر حکمت ، اس کا باطن قدرت، اس کا ظاہر ملک اور اس کا باطن ملکوت ہوگیا۔ اور سب جبروت ہے۔

لہذا جب یہ ثابت ہوگیا۔ تو تم نے جان لیا۔ کہ مخلوق کے لئے بذات خود کوئی وجود نہیں ہے۔ اس لئے اگر اس کے ساتھ اللہ تعالے کا ظہور نہ ہوتا۔ تو مخلوق ظاہر نہ ہوتی۔ اور نہ اس کے اوپر مخلوق کی نظر پڑتی۔ جیسا کہ ایک عارف کا کلام ہے:۔

مَنْ لَّا وُجُوْدَ لِذَاتِهٖ مِنْ ذَاتِهٖ فَوُجُوْدُهٗ لَوْ لَاهُ عَيْنُ مَحَالٍ

'' جس کی ذات کا بذات خود کوئی وجود نہیں ہے۔تو اس کا وجود قطعی محال ہوتا۔اگر اس کے ساتھ حق تعالےٰ کا وجود نہ ہوتا۔''

اور دوسرے عارف کا شعر ہے:- ؎

فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا الْحَقُّ لَمْ يَبْقَ كَائِنٌ فَمَاثَمَّ مَوْصُوْلٍ وَ مَاثَمَّ بَائِنٌ

''پس حق سبحانہ تعالے کے سوا کچھ باقی نہیں ہے نہ کچھ ہونے والا۔تو نہ وہاں کوئی ملا ہوا ہے۔ نہ کوئی جدا ہے۔

بِذَا جَاءَ بُرْهَانُ الْعِيَانِ فَمَا اَرٰى بِعَيْنِىْ شَيْئًا غَيْرَهٗ اِذْ اُعَايِنُ

'' آنکھوں کی رہنمائی اسی کے ساتھ ہوئی۔تو میں اپنی آنکھ سے جب دیکھتا ہوں۔اس کے سوا کوئی شی نہیں دیکھتا ہوں۔''

اور مخلوق کے اندر تجلیوں کے واسطے سے اللہ تعالےٰ کا ظہور بہت بڑی مہربانی ہے کیونکہ اس کا شہود اور اس کی معرفت ان تجلیوں کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر وہ ان اوصاف کے ساتھ ،جن اوصاف پر وہ ازل میں تھا، بلاواسطہ ظاہر ہو جاتا۔تو کائنات فنا ہو جاتی۔

حدیث شریف میں وارد ہے :-

(حِجَابُهُ النُّوْرُ ، لَوْ كُشِفَ عَنْهُ لَاَ حْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَيْئٍ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ)

اللہ تعالےٰ کا حجاب نور ہے۔اگر اس کے اوپر سے یہ حجاب دور ہو جائے۔تو اس کی شکل کی تجلیاں ان تمام اشیا کو جلا دیں گی۔ جو اس کے سامنے ہوں گی۔

اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے :- (اگر اس کی صفات ظاہر ہو جاتیں تو اس کی مخلوقات فنا ہو جاتی) یعنی اگر اس کا اصلی ازلی صفات ظاہر ہو جاتیں تو حادث مخلوقات فنا ہو جاتیں۔ کیونکہ تمام مخلوقات ،ان لطیف اسرار کے لئے جو اس ازلی قدیم جوہر کی صفات ہیں ، کثیف پردہ ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابن فارضؒ نے اپنے اشعار میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:- ؎

صَفَاءٌ وَ لَا مَاءٌ وَ لُطْفٌ وَلَا هَوًى وَ نُورٌ وَلَا نَارٌ وَ رُوْحٌ وَلَا جِسْمٌ

''صفائی ہے۔اور پانی نہیں ہے۔اور لطف ہے اور خواہش نہیں ہے اور نور ہے اور آگ نہیں ہے اور روح ہے اور جسم نہیں ہے۔''

تَقَدَّمَ كُلَّ الْكَائِنَاتِ حَدِيْثُهَا قَدِيْمٌ وَلَا شَكْلٌ هُنَاكَ وَ لَا رَسْمٌ

''اس کی بات کل کائنات پر مقدم ہے۔ وہ قدیم ہے۔اور وہاں نہ کوئی شکل ہے نہ رسم ہے۔تو اگر لطیف اسرار ظاہر ہو جاتے۔تو کثیف کائنات فنا ہو جاتی۔اس لئے کہ جب لطیف سامنے آتا ہے۔تو کثیف ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

اور مخلوق کی مثال برف کی طرح ہے۔اس کی ظاہری صورت جامد (ٹھوس) اور اس کا باطن بہنے والا پانی ہے۔لہذا جب برف پگھل جاتی ہے تو وہ اپنی اصل پانی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اور برف کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

اسی طرح ظاہری مخلوقات ہیں۔ جب اُن کے وہ اسرار لطیفہ ظاہر ہوتے ہیں۔جن کے ساتھ وہ قائم ہیں۔تو ان کی کثیف ذاتیں پگھل جاتی ہیں اور فنا ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔عینیہ کے مصنف نے اسی حقیقت کی طرف اپنے کلام میں اشارہ فرمایا:۔

وَ مَا الْكَوْنُ فِي التِّمْثَالِ اِلَّا كَثَلْجَةٍ وَ اَنْتَ لَهَا الْمَاءُ الَّذِىْ هُوَ نَابِعُ

'' اور مخلوق ظاہری صورت میں برف کی طرح ہے اور تم وہ پانی ہو، جو اس سے ٹپکتا رہتا ہے۔

فَمَا الثَّلْجُ فِي تَحْقِيقِنَا غَيْرُ مَائِهٖ وَغَيْرَانِ فِي حُكْمٍ دَعَتْهُ الشَّرَائِعُ

'' تو ہماری تحقیق میں برف اپنے پانی کا غیر نہیں ہے۔اور دو غیر کو شریعت نے حکم میں ترک کر دیا ہے۔

وَ لٰكِنْ بِذَوْبِ الْمَاءِ يَرْفَعُ حُكْمُهٗ وَ يُوْضَعُ حُكْمُ الْمَاءِ وَالْاَمْرُ وَاقِعُ

'' لیکن پانی کے پگھلنے کے ساتھ ہی برف کا حکم اُٹھ جاتا ہے۔اور پانی کا حکم عائد ہو جاتا ہے۔اور یہی امر واقعی ہے۔''

تو جس شخص کی نظر برف کے ظاہری سطح تک محدود رہتی ہے۔وہ اس پانی کا انکار کرتا ہے۔

جواس کے باطن میں ہے اور وہ اس کی حقیقت سے ناواقف ہے اور جس شخص کی نظر اس کے باطن تک پہنچتی ہے۔ وہ اس کی اصل اور فرع کو پہچان لیتا ہے۔

اسی طرح مخلوقات ہیں۔ان کا ظاہر اس شخص کے لئے دھوکا ہیں۔جو ان کی کثافت کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔اور ان کا باطن،اس شخص کے لئے عبرت ہیں جو ان کی اصل تک پہنچ جاتا ہے۔

نیز عارفین نے مخلوق کی مثال،حضرت جبریل علیہ السلام کی صورت سے دی ہے۔جبکہ حضرت کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت اختیار کرتے تھے۔تو جس شخص نے ان کو کثیف دیکھا۔اس نے ان کو دحیہ کلبی کہا۔اور ان کے فرشتہ ہونے سے انکار کیا اور جس نے ان کی اصلیت کو پہچانا۔اس نے ان کا انکار نہیں کیا۔اور ان کے ظاہر کے ساتھ نہیں ٹھہرا۔پھر جب وہ لطیف ہو گئے۔اور اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے۔تو وہ مصنوعی صورت ختم ہو گئی۔

اسی طرح مخلوق صرف خیال ہے۔جب تک وہ ظاہر میں موجود ہے۔دکھائی دیتی اور ظاہر ہوتی ہے۔پھر جب وہ اپنی اصل کی طرف اپنے ان اسرار کے ظہور کے ساتھ ،جن کے ساتھ وہ قائم ہے،لوٹ جاتی ہے۔تو وہ فنا ہو جاتی ہے۔اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا ہے۔

اور عینیہ کے مصنف نے بھی اس کی طرف اپنے اشعار میں اشارہ فرمایا ہے :-

تَجَلَّیْتُ بِالتَّحْقِیْقِ فِی کُلِّ صُوْرَۃٍ فَفِی کُلِّ شَیْءٍ مِنْ جَمَالِیْ لَوَامِعُ

''درحقیقت میں نے ہر صورت میں تجلی کی۔لہذا ہر شی میں میرے جمال کے انوار ہیں''

فَمَا الْکَوْنُ فِی التِّمْثَالِ اِلَّا کَدِحْیَۃٍ تَصَوَّرَ رُوْحِیْ فِیْہِ شَکْلٌ مُخَادِعُ

'' پس مخلوق صورت میں دحیہ کلبی کی طرح ہے۔میری روح نے اُن کے بارے میں یہ خیال کیا کہ دھوکا دینے والی شکل ہے۔''

اور عارفین ان اسرار کو جن کے ساتھ مخلوقات قائم ہیں،معانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اور مخلوق کا نام اوانی (معانی کو اپنے اندر رکھنے والے ظروف یعنی برتن یا جگہ) رکھتے ہیں۔تو

جب معانی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ تو اوانی فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص اوانی کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ وہ معانی کے اسرار سے محجوب ہو جاتا ہے۔

اور اس حقیقت کے بارے میں حضرت ششتری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

لَا تَنْظُرْ اِلَى الْاَوَانِیْ وَ خُضْ بَحْرَ الْمَعَانِیْ

عَلَّكَ اَنْ تَرَانِیْ

''تم اوانی کی طرف نہ دیکھو۔ اور معانی (باطنوں) کے سمندر میں غوطہ لگاؤ۔ تو ممکن ہے کہ تم مجھ کو دیکھو۔''

حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

وَ لُطْفُ الْاَوَانِیْ فِی الْحَقِیْقَةِ تَابِعٌ

لِلُطْفِ الْمَعَانِیْ وَالْمَعَانِیْ بِهَا تَسْمُوْ

''اوانی (ظاہر) کی لطافت درحقیقت باطن کی لطافت کے تابع ہے اور باطن ظاہر کو بلند کرتا ہے۔''

تو درحقیقت معانی کی لطافت کے تابع ہونے کی وجہ سے اوانی سب کے سب لطیف ہوتے ہیں۔ کیونکہ اوانی معانی ہی میں سے ہیں۔ اور وہ صرف ان اہل حجاب کے حق میں کثیف ہوتے ہیں۔ جو اشیاء کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر گئے ہیں اور قلب اور جسم سے ظاہر کی خدمت میں مشغول ہیں۔ اس لئے ان کے اوپر محسوس غالب ہو گیا ہے اور ان کے محسوس کا دائرہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اور ان کے حق میں حجاب سخت ہو گیا ہے۔ پس ان کی عبادت ظاہری ہے۔ اور ان کی فکر ظاہری ہیا اور ایسا ان کے اہل ظاہر کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ہے اور اگر وہ اہل باطن کی صحبت اختیار کر لیں ،تو وہ باطن کی خدمت میں مشغول ہو جائیں گے۔ یہانتک کہ ان کے اوانی لطیف ہو جائیں گے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی الجمل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:- میں نے اپنے شیخ سید عربی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:- یا سیدی! میں یہ سمجھتا تھا کہ انسان کے عشق و محبت کی گرمی کو ظاہری عبادت ہی سکون دے سکتی ہے۔ اور میں نے کبھی یہ خیال بھی نہیں کیا تھا۔ کہ باطن کا فعل محبت کی گرمی کو ہمیشہ سکون دیتا ہے اور اب میں اپنے نفس کو اس کے الٹا پا رہا ہوں۔ اب اس کی محبت کی

گرمی کو باطنی فعل کے سوا کوئی شی سکون نہیں دیتی ہے۔تو حضرت شیخ نے مجھ کو جواب دیا:- اے میرے عزیز! جب تمہاری ہمت ظاہری عبادت کی طرف مائل تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمھاری مدد کی۔اس لئے تم ظاہری عبادت پر قناعت کر بیٹھے۔اوراب معاملہ اس وجہ سے الٹا ہو گیا ہے۔کہ چونکہ اب تم نے اہل باطن سے موافقت کر لی ہے۔اس لئے اُن کی معرفت نے تمھارے اندر تمھاری ہمت کو باطنی مقامات کی طرف مائل کرنے کے لئے اثر پیدا کیا ہے۔اور جب تمھاری ہمت ظاہری مقامات سے پھر کر باطنی مقامات کی طرف مائل ہو گئی۔تو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمھاری مدد فرمائی۔اس لئے تم باطن کا یقین کرنے لگے۔جس طرح تم ظاہر کا یقین کرتے تھے۔

پس جو شخص اہل باطن کی صحبت اختیار کرتا ہے اور اس کی ہمت باطنی مقامات کی طرف پھر جاتی ہے۔یہانتک کہ اس کی عبادت باطنی حقیقی ہو جاتی ہے۔تو اس کے حق میں اوانی (ظاہر) لطیف ہو جاتے ہیں اور وہ باطن کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالیٰ نے اہل باطن کی صحبت کے سلسلہ میں جو احسان میرے اوپر فرمایا۔اس کے آثار میں سے یہ ہے۔جب میں اپنی بصیرت کی آنکھ سے ،اس کے عرش سے اس کے فرش تک مخلوق کی طرف نظر کرتا ہوں۔تو ساری مخلوق فنا اور نیست و نابود نظر آتی ہے۔اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں دکھائی دیتا۔

(وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ) ''اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔''

(تنبیہ) حضرت سیدی احمد بن یوسف ملیانی رضی اللہ عنہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوال کیا گیا:- کیا وہ معنوی ہے یا حسی؟ (باطنی ہے یا ظاہری) تو انھوں نے جواب دیا:- اس کی ذات ایسی ظاہری ہے جو سمجھی نہیں جا سکتی ہے۔

حضرت سیدی عبد اللہ الھبطی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا:- ان کا قول۔ معرفت میں اُن کے ثابت و قائم ہونے کی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں:- اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مقدس ذات ،موجود ہے،لطیف ہے۔آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتی ہے۔اور عقلیں اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی ہیں۔وہ باطنی اور حقیقی صفات سے

متصف ہے۔ اور اگر وہ مقدس ذات صفت یا حقیقت ہوتی۔ جیسا کہ اس کو عیسائیوں نے گمان کیا ہے۔ تو وہ باطنی اور حقیقی صفات سے متصف نہ ہوتی۔ اس لئے کہ صفت اور حقیقت بذات خود قائم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ لازمی ہے کہ وہ اپنے غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور صفت دوسری صفت سے متصف نہیں ہوتی ہے۔

لیکن بعض متاخرین کا قول:۔ '' باطن'' ظاہر کے بغیر سمجھی نہیں جاسکتی۔'' نیز اُن کا یہ قول:۔ '' ظاہر کی طرف نہ دیکھو۔ باطن کے سمندر میں گھسو۔'' نیز اُن کا یہ قول :۔ '' مخلوق '' حقیقتوں کو اٹھانے والے ظروف ہیں۔''

لہذا تم یہ جان لو:۔ یہ بیان پہلے گزر چکا ہے۔ کہ عارفین، ذات کے اسرار یعنی ازلی قدیم جوہر کو ، اس کی پوشیدگی اور لطافت کی بنا پر'' معانی '' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس وجہ سے معانی کے مشابہ ہو گیا ہے۔

تو حاصل یہ ہوا :۔ کہ باطن کے بغیر ظاہر قائم نہیں ہوسکتا ہے۔

اور باطن :۔ ذات کے اسرار کی حقیقتیں ہیں۔

پس تمام اشیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود نہیں ہے اور حضرت ابن فارض نے اسی کی طرف اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے :۔

وَ قَامَتْ بِهَا الْاَشْيَاءُ ثُمَّ لِحِكْمَةٍ بِهَا احْتَجَبَتْ عَنْ كُلِّ مَنْ لَا فَهْمَ لَهُ

'' تمام اشیاء اسی مقدس ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ پھر وہ حکمت کی بنا پر اس کے ساتھ ہر نا سمجھ سے پوشیدہ ہوگئی ہے۔''

یعنی تمام اشیاء اس ذات عالی کے ساتھ ، یعنی اس کے لطیف ازلی اسرار کے ساتھ قائم ہیں۔

نیز اس کا یہ قول:۔ ''ذات عین صفات ہے۔ اور صفات عین ذات ہے۔''

پس تم یہ جان لو :۔ چونکہ صفات کے انوار کے بغیر ذات ظاہر نہیں ہوسکتی ہے۔ اور ذات

کے بغیر صفات قائم نہیں ہوسکتی ہیں اور صفات موصوف سے جدانہیں ہوسکتی ہیں۔اس لئے ایسا ہوا کہ ،گویا یہ عین یہ ہے۔

لہذا اِن حضرات نے جمع کے خوف اور تفریق سے بچنے کے لئے اس عبارت میں کلام کیا ہے۔

اور یہ عارفین کی اصطلاح ہے:- جو کثیف ہوگئی اور حس کے سامنے ظاہر ہوئی اس کا نام انھوں نے ''صفات'' رکھا اور ربوبیت کے راز میں سے جو باطن (پوشیدہ) ہے۔اس کا نام انھوں نے ''ذات'' رکھا۔ یا معنی (حقیقت) ساتھ موسوم کیا۔اور صفات موصوف سے جدانہیں ہوسکتی ہے۔

جس طرح تم برف کو دیکھتے ہو۔اس کا ظاہر برف ہے اور اس کا باطن پانی ہے تو برف صفات ہے اور پانی ذات ہے۔برف محسوس ہے اور پانی حقیقت ہے۔اپنی لطافت اور پوشیدگی کی بنا پر گویا کہ وہ حقیقت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فرمایا ہے:-

(وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ)

'' جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔سب کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے تابع فرمان بنایا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا :- ہر شی میں اس کے اسماء حسنٰے میں سے ایک اسم ہے اور ہر شی کا نام اس کے نام سے اہے۔لہذا تم اس کے اسماء اور صفات اور افعال کے درمیان ہو۔اس حال میں کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ باطن (پوشیدہ) اور اپنی حکمت کے ساتھ ظاہر ہے۔ وہ اپنی صفات کے ساتھ ظاہرا ہے۔اور اپنی ذات کے ساتھ باطن ہے۔اس نے ذات کو صفات سے پوشیدہ کیا اور صفات کو افعال سے پوشیدہ کیا اور علم کو ارادے کے ساتھ اور ارادہ کو حرکتوں کے ساتھ ظاہر کیا اور صانع کو صنعت میں پوشیدہ کیا اور صنعت کو ذاتوں میں ظاہر کیا۔لہذا وہ اپنے غیب میں باطن ہے۔اور اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ ظاہر ہے

(لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ)

'' اس کے مثل کوئی شی نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''

بدایۃ السلوک کے شارح نے اس عبارت کو اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایئے۔

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:- ذات کو صفات سے پوشیدہ کیا:-

یعنی ذات کے اسرار کو صفات کے انوار سے پوشیدہ کیا۔ اور وہ اس کا نشان ہے۔ اور ان کا قول:- صفات کو افعال سے پوشیدہ کیا:- کیونکہ افعال، صفات کے لئے ظروف ہیں۔ کیونکہ وہ صفات کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ اور اُس کا مظہر ہے۔ اور اُن کا قول:- علم کو ارادہ کے ساتھ ظاہر کیا :- یعنی اس نے اس چیز کو جو اس کے علم میں پہلے سے یعنی ازل سے آ چکی ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کے مخصوص وقت پر، اپنے ارادہ سے ظاہر کیا۔

اور اُن کا قول:- ارادے کو حرکتوں کے ساتھ ظاہر کیا :- یعنی ازل میں جو ارادہ اس نے کیا۔ اُس کو ایسی حرکتوں کے ظہور کے ساتھ ظاہر کیا۔ جو اُس کے ارادے پر رہنمائی کرنے والی ہیں۔

اور اُن کا قول:- صنعت کو ذاتوں میں ظاہر کیا:- یعنی اپنی قدرت، اجرام اور تمام ذاتوں میں ظاہر کیا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں ذات وصفات کی تشریح اس طرح فرمائی ہے:- ہر وہ شی جو جلال ہے ، وہ ذات ہے اور ہر وہ شی جو جمال ہے، وہ صفات ہے۔ اور یہ صرف تشبیہ کے طور پر ہے۔ کیونکہ صفات کی سب تجلیاں جمال ہیں۔ اس لئے کہ وہ عارفین کے ارواح کی تفریح کا مقام ہے اور اسی کے ذریعے اہل دلیل رب العالمین کی معرفت تک ترقی کر کے پہنچتے ہیں۔

اور اسی کو حضرت شیخ ابن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں باغیچہ سے تشبیہ دی ہے۔

چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے :- ملکوت کے باغیچے صفات کے انوار ہیں ۔ نیز صفات :- وہ ہیں ۔ جن کا مشاہدہ ممکن ہو اور جن کی معرفت حاصل ہو سکے ۔ بخلاف ذات کی تجلی کے ۔ کیونکہ

ذات :- خالص جلال ہے ۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ایک ذرہ بھی اس کے اصلی نور سے بلاواسطہ ظاہر ہو جائے ۔ تو مخلوق بالکل جل جائے ۔

حدیث شریف میں وارد ہے :-

(حِجَابُهُ النَّارُ) وَفِيْ رِوَايَةٍ :- (اَلنُّورُ ، لَوْ كَشَفَ عَنْهَا لَاَ حْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَيْءٍ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ

''اس کا حجاب آگ ہے ۔ اور ایک روایت میں ہے :- اس کا حجاب نور ہے ۔ اگر اس کے چہرے سے حجاب اٹھ جائے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ، ان تمام اشیا کو جلا دیں گی ۔ جو اس کے سامنے ہوں گی ۔ (اور کل مخلوق اسی کے سامنے ہے)

لہذا صفات کی کل تجلیاں جمال ہیں اور ذات کی کل تجلیاں جلال ہیں ۔

اس لئے تشبیہ کے طور پر اس طرح کہا گیا ۔

ہر وہ شی جو نفس کے لئے دشوار ہوتی ہے ۔ وہ ذات ہے ۔ کیونکہ وہ ذات کی تجلی کی طرح جلال ہے اور ہر وہ شی جو نفس کے لئے آسان ہوتی ہے ۔ وہ صفات ہے ۔ کیونکہ وہ صفات کی تجلی کی طرح جمال ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور میں نے اس مسئلہ کی تشریح کے لئے ، اس وجہ سے مضمون کو طویل کیا ۔ کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا ۔ جس نے اس کی تشریح کی ہو ۔ اور سیر حاصل بحث کی ہو ۔

اور میں اس مسئلے میں مزید بحث کرتا ۔ لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس مسئلے میں میری تشفی کرتا ۔ اور یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے ۔ وہ ہے ، جو اس سلسلے میں میرے سامنے ظاہر ہوا ہے ۔ اور میری فکر کا نتیجہ ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔ و باللہ التوفیق

پھر مصنفؒ نے مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے پر اللہ تعالیٰ کے

اس قول سے استدلال کیا ہے۔

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ)

''وہی اول ،اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔''

چنانچہ ظاہر اور باطن کی تشریح کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:-

اَظْهَرَ كُلَّ شَيْءٍ بِاَنَّهُ الْبَاطِنُ ، وَ طَوٰى وُجُوْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِاَنَّهُ الظَّاهِرُ

'' اللہ تعالٰے نے ہر شی کو ظاہر کیا۔اس وجہ سے کہ وہ باطن ہے اور ہر شی کے وجود کو پوشیدہ کیا۔اس وجہ سے کہ وہ ظاہر ہے۔''

میں کہتا ہوں:-اس کا مفہوم یہ ہے:- اللہ تعالے کا اسم پاک ''باطن''

حِس کے حال میں اشیاء کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔تا کہ اس کے حِس کے ظاہر ہونے کے سبب وہ باطن (پوشیدہ) ہو جائے۔کیونکہ حِس باطن کے اسرار کی چادر ہے۔

اور اس کا اسم پاک ''ظاہر'' اشیاء کے چھپ جانے یعنی فنا ہو جانے کا تقاضا کرتا ہے تا کہ وہ اس شی کے ساتھ ظاہر ہو۔جو اس سے ظاہر ہوئی ہے۔

مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔'' اس نے ہر شی کو ظاہر کیا۔اس سبب سے کہ وہ باطن ہے تا کہ اس کی پوشیدگی اس کے ساتھ ثابت ہو جائے۔اور ہر شی کے وجود کو پوشیدہ کر دیا۔اس سبب سے کہ وہ ظاہر ہے۔تا کہ اس کے انفرادیت

(یکتائی) اس کے اندر ظاہر ہونے کے ساتھ ثابت ہو جائے۔

حاصل یہ ہے:- اللہ تعالٰے کے قول :- ''وہی ظاہر ہے'' میں حصر (محدود کرنا)

اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ظاہر نہیں ہے۔لہذا اشیاء کا وجود پوشیدہ اور فنا ہو گیا۔اور اس کے قول :- ''وہی باطن ہے'' میں حصر ،اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے سوا کوئی باطن (پوشیدہ) نہیں ہے۔لہذا تمام اشیاء اپنے ظاہر ہونے کے باوجود فنا ہو گئیں۔پس اللہ تعالٰے کا کلام اس بات پر دلیل ہے۔کہ وہ شی ،جس کے ساتھ وہ ظاہر ہے،وہی ہے، جس کے اندر وہ پوشیدہ ہے۔اور وہ سی ،جس کے اندر وہ پوشیدہ ہے۔وہی ہے ،جس کے ساتھ وہ ظاہر ہے۔ورنہ حصر

درست نہ ہوگا۔

تو اگر تمھارا یہ اعتراض ہو:- کہ دو مقابل چیزیں جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔ تو تم نے ان دونوں کو ایک ذات میں کس طرح جمع کر دیا؟

تو میرا جواب یہ ہے:- دونوں ایک مقام میں وارد نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں دو اعتبار سے ہیں۔ یعنی اس کا اسم پاک '' ظاہر '' جس کے اعتبار سے عالم حکمت میں ہے۔ اور اس کا اسم پاک ''باطن'' حقیقت کے اعتبار سے عالم قدرت میں ہے۔ لہذا حکمت ظاہر ہے اور قدرت باطن ہے۔

یا تم اس طرح کہو:- وہ ربوبیت کے مظہروں کے اعتبار سے ظاہر ہے۔ اور عبودیت کے جسموں کے اعتبار سے باطن ہے۔

یا اس طرح کہو:- وہ تعریف کے اعتبار سے ظاہر ہے۔ اور کیفیت کے اعتبار سے باطن ہے۔ لہذا ذات پاک ایک ہے اور اعتبارات بہت ہیں اور ایسا اکثر ہوتا ہے۔

تو حاصل یہ ہوا:- حق سبحانہ تعالیٰ اپنی پوشیدگی میں ظاہر ہے اور اپنے ظہور میں پوشیدہ ہے۔ جس کے ساتھ وہ ظاہر ہے ، وہ وہی ہے جس میں وہ پوشیدہ ہے۔ اور جس میں وہ پوشیدہ ہے ، وہ وہی ہے، جس میں وہ ظاہر ہے۔

یعنی جس میں وہ اپنی حکمت سے ظاہر ہے۔ اسی میں اپنی قدرت سے پوشیدہ ہے۔ اور جس میں وہ اپنی قدرت سے پوشیدہ ہے۔ اسی میں اپنی حکمت سے ظاہر ہے۔

اور وہ وہی ہے جس کو ایک عارف نے اپنے کلام میں مراد لیا ہے:-

لَقَدْ ظَهَرْتَ فَلَا تَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلٰى اَكْمَهٍ لَا يُبْصِرُ الْقَمَرَا

'' تو ایسا ظاہر ہے۔ کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ مگر ایسے اندھے پر جو چاند کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

لٰكِنْ بَطَنْتَ بِمَا اَظْهَرْتَ مُحْتَجِبًا وَ كَيْفَ يُعْرَفُ مَنْ بِالْعِزَّةِ اسْتَتَرَا

'' لیکن تو اسی کے ساتھ پوشیدہ ہوا، جس کو تو نے پوشیدگی کی حالت میں ظاہر کیا۔

اور وہ ذات پاک کس طرح پہچانی جا سکتی ہے۔ جو عزت کے ساتھ پوشیدہ ہے۔''

واللہ تعالےٰ اعلم

(تنبیہ) میں نے اپنے شیخ اور اُن کے شیخ سے ،ازلی جوہر کے بارے میں ،اس کے ظاہر ہونے سے پہلے کے متعلق سوال کیا تھا:- کیا اُس کا نام ظاہر اور باطن رکھا جاسکتا ہے۔یا اب اُس کی لطافت کی بنا پر اس کو صرف باطن کہا جاسکتا ہے؟

توانھوں نے مجھے جواب دیا:- جو ظاہر ہونے سے پہلے تھا۔وہ ظاہر ہونے کے بعد بھی وہی ہے۔اور جو ظاہر ہے۔وہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔جو ازل میں تھا۔

كَانَ اللّٰهُ وَ لَا شَيْيءَمَعَهٗ ، وَ هُوَ الْاٰنَ عَلٰى مَا عَلَيْهِ كَانَ

''اللہ تعالےٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی اور وہ اس وقت بھی اسی حال پر ہے۔جس حال پر پہلے تھا۔''

یعنی وہ ذات عالیہ ازل میں جس طرح اپنی صفات اور اپنے اسما سے متصف تھی۔اُسی طرح اب بھی ہے اور اسی طرح ہمیشہ باقی رہے گی۔لہذا وہ ازل میں بھی ظاہر و باطن تھی۔اور ظاہر ہونے کے بعد بھی ظاہر و باطن ہے۔اپنی ذات کے لئے ظاہر اور اپنی مخلوق سے باطن ہے۔اس نے ظاہر ہونے کی حالت میں جس کے ساتھ تجلی کی۔اسی میں وہ باطن (پوشیدہ) بھی ہے۔

حضرت قاشانی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن فارض کی تائیہ کی شرح فرمایا ہے اور اس کو انھوں نے کچھ کلام کے بعد واضح فرمایا ہے :- اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات اور صفات کے راز کو افعال کے مظہروں میں ظاہر فرمایا اور اس کے پہلے اُس کے اوپر اس کی پوشیدگی نہیں تھی۔

جیسا کہ انھوں نے جمع کی زبان میں محبوب حقیقی کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

مَظَاهِرُلِی فِيْهَا بَدَوْتُ وَ لَمْ اَكُنْ عَلَيَّ بِخَافٍ قَبْلُ مَوْطِنُ بَرْزَةٍ

'' میرے لئے مظاہر ہیں۔جن میں میں ظاہر ہوا۔اور میں اپنے اوپر پہلے بھی پوشیدہ نہیں تھا۔میرے لئے ظہور کا مقام تھا۔''

لیکن ایسا اس لئے ہے۔ تا کہ وہ اپنے اسم پاک ''ظاہر'' کے ساتھ آخر میں جلوہ گر ہو۔ جیسا کہ اپنے اسم پاک ''باطن'' کے ساتھ ابتدا میں جلوہ گر تھا۔

اور تعجب پر تعجب یہ ہے :- کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے مظہروں میں سے جس شی میں ظاہر ہوا۔ اسی میں پوشیدہ ہو گیا۔ جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے :-

بَدَتْ بِاِحْتِجَابٍ وَ اخْتَفَتْ بِمَظَاهِرٍ عَلٰی صِیَغِ الْاَکْوَانِ فِی کُلِّ بَرْزَةٍ

''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پوشیدہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے۔ اور مخلوقات کے مظاہر میں پورے ظہور کی حالت میں پوشیدہ ہے۔''

اور تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے :- اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے۔ ازل میں بھی اور ابد میں بھی۔ لیکن اس کے آثار کا ظہور ابد میں واقع ہوا۔ لہذا وہ اپنے اسم پاک ''ظاہر و باطن'' کے ساتھ ازم میں بھی متصف تھا۔ اور ابد میں دونوں اسماء کے آثار ظاہر ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر مصنف ؒ نے مخلوقات میں غور و فکر کرنے، اور اُن سے عبرت (نصیحت) حاصل کرنے کی کیفیت بیان کی۔ تا کہ تم اُن میں اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے کی پہچان سکو۔ چنانچہ فرمایا :-

اَبَاحَ لَکَ اَنْ تَنْظُرَ مَا فِی الْمُکَوَّنَاتِ ، وَ مَا اَذِنَ لَکَ اَنْ تَقِفَ مَعَ ذَوَاتِ الْمُکَوَّنَاتِ :- قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،
فَبِقَوْلِهٖ :- اُنْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ فَتَحَ لَکَ بَابَ الْاِفْهَامِ ، وَلَمْ یَقُلْ :- اُنْظُرُوْا السَّمٰوٰتِ لِئَلَّا یَدُلَّکَ عَلٰی وُجُوْدِ الْاَجْرَامِ

''اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی۔ کہ تم مخلوقات کے اندر جو ذات عالیہ جلوہ گر ہے، اس پر غور کرو اور اس نے تم کو یہ اجازت نہیں دی، کہ تم مخلوقات کی ذات کے ساتھ ٹھہر جاؤ۔ (یعنی مخلوقات میں مشغول ہو جاؤ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :- آپ لوگوں سے فرما دیجئے! تم آسمانوں اور زمین میں، جو ذات پاک موجود ہے، اس پر غور کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے ''تم لوگ آسمانوں اور

زمین میں جوذات موجود ہے۔اس پرغور کرو۔'' تمھارے لئے سمجھ کا دروازہ کھولا ہے اوراس نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ آسمانوں اور زمین میں غور کرو۔تاکہ وہ اجرام واجسام کی طرف تمھاری رہنمائی نہ کرے۔''

میں کہتا ہوں:- اللہ سبحانہ تعالےٰ نے ان مخلوقات اور جہانوں کو،اسی لئے ظاہر فرمایا ہے۔ تاکہ وہ ان کے ذریعے پہچانا جائے اور اس کا نوران میں ظاہر ہو۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:-

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِيْنَ مَا خَلَقْنَا هُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ

''اورہم نے آسمانوں اور زمین کواور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے۔ہم نے ان دونوں کو نہیں پیدا کیا۔مگر حق کے ساتھ۔'' اوراللہ تعالےٰ نے فرمایا:-

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا

''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھا ہے۔کہ ہم نے تم لوگوں کو بیکار پیدا کیا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:- یہ کائنات اس لئے نہیں قائم کی گئی ہے۔کہ تم اس کو دیکھو۔بلکہ یہ اس لئے بنائی گئی ہے۔کہ تم اس میں اس کے مولائے حقیقی اللہ تعالےٰ کو دیکھو۔پس تمھارے وجود سے اللہ تعالےٰ کا مقصد یہ ہے۔کہ تم کائنات کو اس شخص کی آنکھ سے دیکھو، جو کائنات کو نہیں دیکھتا ہے۔تم اس کو اس حیثیت سے دیکھو کہ اُس میں اللہ تعالےٰ کا ظہور ہے اوراس کو اس کے موجود ہونے کی حیثیت سے نہ دیکھو۔مصنف نے فرمایا ہے کہ اس حقیقت کے بارے میں ہمارے اشعار ہیں۔جو درج ذیل ہیں:-

مَا اَثْبَتَ لَكَ الْعَوَالِمُ اِلَّا لِتَرَاهَا بِعَيْنِ مَنْ لَّا يَرَاهَا

''اللہ تعالےٰ نے تمھارے لئے کل کائنات اس لئے قائم کی ہے۔کہ تم اس کو اس شخص کی آنکھ سے دیکھو۔جو کائنات کو نہیں دیکھتا ہے۔

فَارْقَ عَنْهَارُقِيَّ مَنْ لَّيْسَ يَرْضٰى حَالَةً دُوْنَ اَنْ يَّرٰى مَوْلَاهَا

''تو تم ترقی کرکے کائنات سے آگے بڑھ جاؤ۔اس شخص کی ترقی کی طرح، جو اللہ تعالےٰ کے دیدار

کے سوا کسی حالت کو پسند نہیں کرتا ہے۔''

تو اے انسان ! اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ اجازت دی ہے۔ کہ تم آسمانوں اور زمین میں اس لطیف نور کو دیکھو، جس کے ساتھ اشیاء قائم ہیں اور تم کو یہ اجازت نہیں دی ہے۔ کہ مخلوقات کی ذات میں مشغول ہو جاؤ۔ چھلکے میں مشغول ہو کر، مغز کی طرف سے غافل ہو جاؤ۔ اور مصنفؒ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔'' مخلوقات کا ظاہر دھوکا ہے۔ اور اُس کا باطن عبرت ہے۔'' تو جو شخص اُس کے ظاہر میں مشغول ہوا۔ وہ مجوب ہو گیا اور جو شخص اس کے باطن تک پہنچ گیا۔ وہ عارف محبوب ہو گیا۔ اور یہی راز ہے ،جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

(قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

'' آپ فرما دیجئے ! جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اُس میں نظر کرو'' یعنی جو اُن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی ذات کی حقیقتیں اور اُس کی قدرت اور ارادے کا کمال اور اُس کی تمام صفات ہیں۔ اُن میں نظر کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے سمجھ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تاکہ تم اُس کے ذریعے، چھلکے کے ظاہر سے مغز کے باطن میں پہنچ جاؤ۔ یہاںتک کہ تم ہر شی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانو۔ اور ہر شی میں تم اُس کی سمجھ حاصل کرو۔

اور اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا:۔ (قُلِ انْظُرُوْا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

تم لوگ آسمانوں اور زمین کو دیکھو۔''

وہ تمھاری رہنمائی اجرام اور اجسام کی طرف کرتا اور تمھارے اوپر سمجھ کا دروازہ بند کر دیتا۔

لیکن وہ اجرام و اجسام کی طرف تمھاری رہنمائی کیسے کرتا۔ جبکہ وہ غیر ہیں۔ اور غیر :۔ انوار الٰہی کے مشاہدہ میں پہنچنے سے روک دیتا ہے۔

اور آسانی سے سمجھنے کے لئے اس کی مثال:۔ یہ ہے

اگر کوئی شخص تم سے کہے:۔ اس برف کو دیکھو۔ تو اس نے برف کے ظاہری جسم کی طرف تمھاری رہنمائی کی۔

اور اگر وہ تم سے یہ کہے:۔ تم اُس کو دیکھو جو برف میں ہے۔ تو اُس نے تمھارے لئے برف کے

ظاہری جسم میں نہ مشغول ہو کر، برف میں موجود پانی کی طرف نظر کرنے کیلئے سمجھ کا دروازہ کھول دیا۔
اور تم یہ جان لو :- اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی ذات کی معرفت کی طرف دعوت دی۔ اور آہستہ آہستہ اُن کو اپنی معرفت کے قریب کیا۔ تو ان میں کچھ لوگ پیچھے رہ گئے اور ان میں سے کچھ لوگ پہنچ گئے۔

تو پہلے اُن کو افعال کی توحید کی طرف قریب کیا اور توحید افعالی:- یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-
(وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ) ''اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اختیار کرتا ہے۔'' (اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ) '' بیشک تمہارا رب جو ارادہ کرتا ہے۔ اس کو بخوبی کرتا ہے۔'' (وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔'' (وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اور انسان کے علاوہ چوپایہ جانور کے فعل کے بارے میں فرمایا:-
(مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا)
زمین پر چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے۔'' (یعنی اُس کا سر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہے۔

اور چڑیوں کی شان میں فرمایا:- (مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ) '' اُن کو فضا میں نہیں روک رکھتا ہے۔ مگر بڑا مہربان اللہ تعالیٰ۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-
(وَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ)
اور نہ زمین پر چلنے والا کوئی جانور، نہ چڑیا جو اپنے دونوں بازووں سے اڑتی ہے۔ مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں''
یعنی سب ہماری مٹھی کی گرفت میں ہیں۔ اُن کی موتیں، مقدر ہیں۔ اُن کی روزیاں،

مقسوم ہیں۔ (تقسیم ہو کر سب کے لئے حصہ مقرر ہو چکا ہے) اُن کے سانس لینےکی تعداد گنتی کر کے مقرر کی ہوئی ہے۔ان کے اجسام ، ایک مقررہ وقت تک محفوظ ہیں۔اُن کی جگہیں معلوم ہیں۔اُن کی شکلیں ظاہر ہیں اور اُن کے انوار پوشیدہ ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ نے توحید صفاتی کے بارے میں فرمایا:- بیشک اللہ تعالےٰ کے سوا، نہ کوئی سننے والا ہے، نہ کوئی دیکھنے والا، نہ کوئی قدرت رکھنے والا، نہ کوئی بات کرنے والا :-

(اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ) ”بیشک ،وہی اللہ تعالےٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔یعنی اپنے غیر کے سوا۔لہذا سننے اور دیکھنے کی طاقت ،اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا:-

(اِنَّہٗ ھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ) ”اللہ تعالےٰ ہی حکمت والا اور علم رکھنے والا ہے۔“

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا :- (وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ) ”اور تم نہیں چاہ سکتے ہو مگر وہی جو اللہ تعالےٰ چاہے۔“

اور اِن کے علاوہ بھی دوسری بہت سی آیات کریمہ ہیں۔جو توحید صفاتی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

اور توحید ذاتی کی شان میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا :-

(وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ) ”اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے (اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ” اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یہ اہل اشارہ یعنی اہل باطن کی تفسیر کے مطابق ہے۔“اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا (فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ) تم جس طرف بھی منہ کرو،اُسی طرف اللہ تعالےٰ کا منہ ہے۔ (وَاِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ) ”اور جب ہم نے تم سے کہا:- تمھارا رب آدمیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔“(اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ) جو لوگ آپ کے مقدس ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔تو حقیقت یہ ہے۔کہ وہ اللہ تعالےٰ سے بیعت کرتے ہیں۔“ اور واسطہ

(وسیلہ۔ذریعہ) ختم کرنے کے بارے میں فرمایا:-

(فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ) پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔
(اِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا)
"ہم نے پوری طرح پانی برسایا اور ہم نے اچھی طرح زمین کو پھاڑا۔" یعنی کھیتی سے پھاڑنا اور اس آیۂ کریمہ کے بارے میں یہ احتمال ہے۔ کہ واسطہ ختم کرنے کے سلسلے میں ہو، یا توحید افعالی میں سے ہو:-

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى) " جب آپ نے ایک مشت خاک پھینکی۔ تو وہ آپ نے نہیں پھینکی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔"
(وَلٰكِنَّ اللهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ) "لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت پیدا کی۔" اور کبھی اللہ تعالیٰ ایک ہی آیۂ میں توحید صفات کو بیان کرتا ہے۔ پھر توحید ذات تک پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔"
(سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ)
"اور عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے۔
یہاں تک کہ اُن کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔"
پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیۂ کریمہ کے ذریعے اُن کو شہود تک پہنچایا۔
اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ
" کیا یہ کافی نہیں ہے۔ کہ تمہارا رب ہر شئی کو دیکھنے والا ہے۔"
(اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ)
"ہوشیار رہو! وہ لوگ اپنے رب کے ملاقات سے شک میں ہیں۔ ہوشیار رہو!
بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-
(اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ)
"بیشک جو لوگ اپنے رب سے بغیر دیکھے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیہ کریمہ کے ذریعے ان کو غیب سے عالم شہادت کی طرف

پہنچایا :-

(وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ)

" اورتم لوگ اپنی بات کو چھپاؤ ، یااس کوظاہر کرو۔بیشک اللہ تعالیٰ دل کی باتوں اوربھیدوں کا جاننے والا ہے۔کیاوہ اپنی مخلوق کونہیں جانتا ہے۔حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔"

لہذا حاصل یہ ہوا :- کل اشیاءاللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔اس نے ان کواس لئے قائم کیا ہے۔تاکہ وہ ان کے ساتھ پہچانا جائے۔پھراس نے ان کواپنی وحدانیت سے مٹادیا۔جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:-

(اَلْاَكْوَانُ ثَابِتَةٌ بِاِثْبَاتِهٖ ، مُمَحَّوَةٌ بِاَحَدِيَّةِ ذَاتِهٖ)

" کائنات اللہ تعالے کے اثبات کے ساتھ ثابت وقائم ہیں۔اس کی ذات کی احدیت کے ساتھ نیست ونابود ہیں۔"

میں کہتا ہوں:- اکوان (کائنات):- وہ ہے جوعالم شہادت (ظاہری دنیا) میں ظاہر ہوئی۔

یا تم اس طرح کہو:- جوعالم خلق میں داخل ہے۔

اوروہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ موجود اس کے ساتھ قائم اوراسی کے ثابتکر نے سے ثابت ہے۔تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے ذریعے حاصل کی جائے اور کائنات اس کی احدیت کے سامنے نیست ونابود ہے۔تو جس شخص نے اس کواس کی ذات سے ثابت کیا۔اس نے اس میں جہالت کی۔اورجس شخص نے اسکواللہ کے ساتھ ثابت کیا۔اس نے اس میں اللہ تعالے کی معرفت حاصل کی اوراس میں اپنے مولائے حقیقی کا مشاہدہ کیا۔لہذا کائنات کا قیام عرضی امر ہے۔

(عرض :- وہ ہے۔جس کا وجوداور قیام دوسرے کے وجوداور قیام پرموقوف ہو)

یعنی اپنے وجوداور قیام کے لئے وہ دوسرے کا محتاج ہو) اوراللہ تعالیٰ لازم (واجب) ہے۔

اور وہ اللہ تعالیٰ کی احدیت کا وجود ہے۔

اور احدت :- وحدت میں مبالغہ ہے۔ اور احدیت اس وقت ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ وحدت اس انتہائی حیثیت (درجہ) میں ہو۔ کہ اس سے زیادہ مضبوط اور زیادہ کامل ہونا ثابت نہ ہو۔ پس اس کی حقیقت کا تقاضا ،کائنات کا مٹ جانا، اور باطل ہو جانا ہے۔

اس طریقے پر کہ وہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ موجود ہوگی۔ تو احدیت نہ ہوگی۔ پھر اس صورت میں اللہ دو یا کئی ایک ہو جائے گا۔

جیسا کہ کسی عارف شاعر نے کہا ہے:-

اَرَبٌّ وَ عَبْدٌ وَ نَفْیُ ضِدٍّ قُلْتُ لَهُ لَیْسَ ذَاكَ عِنْدِی

''کیا ربوبیت کی ضد کی (مقابل کی) نفی کے باوجود رب اور بندہ دونوں موجود ہو سکتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا:- میرے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

فَقَالَ مَا عِنْدَ كُمْ فَقُلْنَا وُجُوْدُ فَقْدٍ وَ فَقْدُ وُجْدٍ

'' تو اس نے کہا: تمھارے نزدیک کیا ہے۔ تو میں کہا:- نیستی کا وجود اور وجود کی نیستی ہے'' (نہ ہونے کا ہونا اور ہونے کا نہ ہونا ہے)

تَوْحِیْدُ حَقٍّ بِتَرْكِ حَقٍّ وَلَیْس حَقٌّ سِوَ ای وَحْدِ

''حق تعالیٰ کی توحید غیر کا حق ترک کرنے میں ہے۔ اور میرے تنہا کے سوا کوئی حق موجود نہیں ہے۔''

شاعر کے کلام کا مفہوم یہ ہے:- اس شخص کی بات کی تردید کر رہے ہیں۔ جس نے فرق کو ،اس طریقے پر ثابت کیا ہے۔ کہ اُس نے عبودیت کے لئے مستقل مقام قرار دیا ہے۔ جو ربوبیت کی حقیقتوں کے اسرار سے جدا ہے اور بذات خود قائم ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس فرق کی بنا پر عبودیت ، ربوبیت کا اوصاف کی ضد ہو جاتی ہے۔ اور تم حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں کہتے ہو۔ ''توحید کی کوئی ضد نہیں ہے'' پس تم نے اپنے قول کی خود تردید کر دی۔ اسی بنا پر شاعر نے فرمایا:- '' ضد کی نفی کیساتھ'' تو پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں ''واو'' معیت کے معنی میں

ہے۔ اور وہ انکار میں داخل ہے۔ یعنی ، کیا رب اور بندہ ، ربوبیت کی ضد کی نفی کے ساتھ ، مستقل طور پر موجود ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ عبودیت ، ربوبیت کے اوصاف کی ضد ہے؟

اور صحیح یہ ہے :- حق سبحانہ تعالیٰ فرق کے اجسام میں جمع کے مظاہر کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ اور عبودیت کے اجسام کے ظاہر کرنے میں ربوبیت کی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ پس اس کے ساتھ کوئی شی نہیں ہے۔

اور جواب میں شاعر کا یہ قول :- '' نیستی کا وجود '' یعنی ماسوائی کی نیستی کا وجود اور نفس کے وجود کا نیست ہونا ہے۔

اور شاعر کا یہ قول :- ''حق تعالے کی توحید کے ترک کرنے میں ہے۔''

یعنی حق تعالیٰ کی سچی توحید ، غیر اللہ کا حق ترک کرنے میں ہے۔ اور غیر اللہ موجود بھی نہیں ہے۔

اسی وجہ سے شاعر نے فرمایا :- تنہا میرے وجود کے سوا کوئی حق موجود نہیں ہے۔ شاعر نے فنا کی زبان میں یہ کلام فرمایا ہے۔ **واللہ تعالے اعلم**

اور دوسرے عارف شاعر نے فرمایا ہے :-

سِرٌّ سَرٰی مِنْ جَنَابِ الْقُدْسِ اَفْنَانِیْ

لٰکِنْ بِذَاکَ الْفَنٰی عَنِّیْ قَدْ اَھْیَانِیْ

''بارگاہ قدس کے ایک راز نے میرے اندر سرایت کر کے مجھ کو فنا کر دیا۔ لیکن میرے وجود کے اس فنا کے ذریعے مجھ کو زندہ کر دیا۔''

وَ رَدَّنِیْ لِلْبَقَاءِ حَتّٰی اُعَبِّرَ عَنْ جَمَالِ حَضْرَتِہٖ لِکُلِّ ھَیْمَانِ

'' اور اس نے مجھ کو بقا کی طرف پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ میں ہر محبت میں سرگرداں شخص سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا جمال بیان کرتا ہوں۔''

وَ صِرْتُ فِیْ مَلَکُوْتٍ مِنْ عَجَائِبِہٖ لَمْ اَلْفِ غَیْرَ وُجُوْدٍ مَالَہٗ ثَانِیْ

''اور میں اس کے عجائبات کے ملکوت میں پہنچ گیا۔ میں نے اس ذات کے سوا کچھ نہیں پایا جو وحدہ لاشریک ہے۔

اور مصنف رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اپنے برادرانِ طریقت میں سے ایک شخص کو جن کا نام حسن ہے۔ وصیت کرتے ہوئے فرمایا:۔

حَسَنٌ بِاَنْ تَدَعَ الْوُجُوْدَ بِاَسْرِهٖ حَسَنٌ فَلَا يُشْغِلُكَ عَنْهُ شَاغِلُ

"اے حسن! تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم وجود کو بالکل چھوڑ دو۔ اے حسن! کوئی مشغول کرنے والی شی تم کو اللہ تعالےٰ سے غافل نہ کرے۔

وَ لَئِنْ فَهِمْتَ لَتَعْلَمَنَّ بِاَنَّهٗ لَا تَرْكَ اِلَّا لِلَّذِیْ هُوَ حَاصِلُ

"اور اگر تم سمجھ چکے ہو۔ تو اچھی طرح جان لو کہ یہ وجود کا ترک کرنا اس ذات پاک کے لئے ہے، جو حاصل ہے۔" (یعنی مقصود ہے، یا موجود ہے۔)

وَ مَتٰى شَهِدْتَ سِوَاهُ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ مِنْ وَهْمِكَ الْاَدْنٰى وَ قَلْبُكَ ذَاهِلُ

"اور جب تم نے اللہ تعالےٰ کے ماسوا کو دیکھا۔ تو جان لو کہ یہ تمہارا حقیر وہم ہے۔ اور تمہارا قلب غافل ہے۔"

حَسْبُ الْاِلٰهِ شُهُوْدُهٗ لِوُجُوْدِهٖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا يَقُوْلُ الْقَائِلُ

"اللہ تعالےٰ کا اپنے وجود کو دیکھنا، اس کے لئے کافی ہے۔ اور کہنے والا جو کچھ کہتا ہے اللہ تعالےٰ کو اس کا علم ہے۔"

وَ لَقَدْ اَشَرْتُ اِلَى الصَّرِيْحِ مِنَ الْهُدٰى
دَلَّتْ عَلَيْهِ اِنْ فَهِمْتَ دَلَائِلُ

"اور البتہ میں نے واضح ہدایت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ تو دلائل نے اس کی طرف رہنمائی کر دی ہے۔"

حَدِيْثُ كَانَ وَ لَيْسَ شَيْءٌ دُوْنَهٗ يَقْضِیْ بِهِ الْاٰنَ اللَّبِيْبُ الْعَاقِلُ

"اس بات سے کہ اللہ تعالےٰ تھا اور اس کے سوا کوئی شی نہ تھی۔ صاحب بصیرت عقلمند فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس وقت اس کے ساتھ کوئی شی موجود ہے یا نہیں۔"

لَا غَرْوَ اِلَّا نِسْبَةٌ مَثْبُوْتَةٌ لِيُذَمَّ ذُوْ تَرْكٍ وَ يُحْمَدُ فَاعِلُ

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ثابت شدہ نسبت ہے تا کہ اس نسبت کو ترک کرنے والے کی مذمت کی جائے اور اس کو قائم رکھنے والے کی تعریف کی جائے۔

یہاں چودھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس کا حاصل:- یہ ہے۔ بندوں کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کرم واحسان اور انتہائی مہربانی اور بخشش کا ذکر کر کے بندوں کے دل میں اس کی محبت پیدا کرنا ہے۔

اور وہ احسان وکرم یہ ہے:- اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو طاعت اور عمل کی توفیق عطا کر کے ہمارے اوپر احسان کیا۔ پھر دوسری مرتبہ۔ باوجود اس کے کہ ہمارے عمل میں نقص اور خلل شامل تھا۔ اس کو قبول کر کے ہمارے اوپر فضل وکرم کیا۔

پھر جب ہم سے کوئی نافرمانی یا لغزش سرزد ہوتی ہے۔ تو اپنی پردہ پوشی اور مغفرت سے ہم کو ڈھانپ لیتا ہے

پھر جب ہم اس کی طرف حضور قلب کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں، تو معصیت اور ہمارے درمیاں پردہ ڈال کر ہماری حفاظت فرماتا ہے۔ تا کہ ہمارا مرتبہ بڑھائے اور ہمارا شکر ظاہر فرمائے۔

پھر ہم اس کو اپنا ساتھی بناتے ہیں اور اس کے غیر کو کنارہ کش ہو کر چھوڑ دیتے ہیں۔ تو اب ہمارے قلوب میں یقین کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ اور ہم بہت ہی کم وقت میں آخرت کی طرف سفر کرتے ہیں۔

پھر ہمارے اوپر احسان کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نور کے مشاہدے کے سبب کائنات کا دیکھنا ہمارے لئے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

تب اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کے سامنے ہماری خوبیاں ظاہر فرماتا ہے۔ تو وہ لوگ تعریف اور محبت اور دوستی کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حضرت مصنفؒ نے اس کو پندرھویں باب کی ابتدا میں بیان فرمایا ہے

پندرھواں باب

تعریف اور برائی میں مرید کے آداب کے بیان میں

لوگوں کی مدح وستائش سے دھوکہ نہ کھاؤ

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

اَلنَّاسُ يَمْدَحُوْنَكَ لِمَا يَظُنُّوْنَ فِيْكَ ، فَكُنْ اَنْتَ ذَامًّا لِنَفْسِكَ لِمَا تَعْلَمُهُ فِيْهَا۔ ''

لوگ تمہارے اندر حسن ظن رکھنے کی وجہ سے تمہاری تعریف کریں

تو تم اپنے نفس کی مذمت کرو۔ کیونکہ تم اس کی برائی کو جانتے ہو۔''

میں کہتا ہوں:- جب لوگ تمہاری تعریف کسی ایسی صفت کے ساتھ کریں ، جو تمہارے اندر موجود نہیں ہے۔ تو تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز دینے والے فرشتے تمہیں آواز دیتے ہیں۔ اور عمل کی زیادتی کے لئے تم کو مائل اور آمادہ کرتے ہیں۔ اور وہ تم سے کہتے ہیں:- نیکی تمہارے اس مقام سے آگے ہے۔ لہذا تم اس پر قناعت نہ کرو۔ اور کچھ اس مقام پر ہے، اسی پر مائل نہ رہو۔ بلکہ اپنے نفس کی ملامت اور مذمت کرو۔ اور لوگوں کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ وہ لوگ تمہاری ظاہری پاکدامنی اور برائی سے پرہیز کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اور تم اپنے نفس کے باطنی مغز یعنی پوشیدہ برائی کو جانتے ہو۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:- جو شخص لوگوں کی تعریف سے خوش ہوا۔ تو بلاشبہ اس نے شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل ہونے کا اختیار دے دیا۔

ایک عمدہ دعا

بعض عارفین یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ خَیْرًا مِّمَّا یَظُنُّوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ، وَاغْفِرْ لَنَا مَا لَا یَعْلَمُوْنَ)

"اے میرے اللہ! لوگ میرے بارے میں جو حسن ظن رکھتے ہیں۔ تو مجھے اس سے بہتر بنادے اور میرے متعلق لوگ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کر۔ اور میرے جن گناہوں کو لوگ نہیں جانتے ہیں۔ تو اُن کو بخش دے۔"

اور ہم نے لوگوں کی تعریفوں کو، اللہ تعالیٰ کے ہواتف (غیبی آواز دینے والے) اس لئے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وجود میں کوئی نہیں ہے۔ (یعنی اس کے سوا کسی کا وجود نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ

"اے ہمارے رب تو نے اس کائنات کو بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ رکھنے والے اس آواز کی طرف کان لگاتے ہیں۔ یعنی توجہ کے ساتھ سنتے ہیں) تو جب وہ اس سے کسی شی کے ساتھ اپنی تعریف سنتے ہیں۔ تو غور وفکر کرتے ہیں۔ اگر وہ شی ان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے شکر کے مقام پر قائم ہونے کے لئے تنبیہ ہے۔ اور اگر وہ اس شی کو اپنے اندر نہیں پاتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اُن کے لئے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے تنبیہ ہے۔ اسی لئے جب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں سے اس طرح اپنی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ کہ وہ تمام رات قیام کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف آدھی رات قیام کرتے تھے۔ تو وہ تمام رات قیام کرنے لگے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ جنھوں نے یہ پسند کیا۔ کہ ان کی تعریف ایسے عمل کے ساتھ کی جائے، جسے انھوں نے نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ

" اور وہ لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان تعریف ایسے اعمال کے ساتھ کی جائے
جوانہوں نے نہیں کیا تو تم ان لوگوں کو ہرگز عذاب سے نجات پانے کے مقام
پر نہ سمجھو"

غلط تعریف سے خوش ہونے والے کی مثال

حضرت محاسبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص غلط تعریف سے خوش ہوتا ہے
اس کی مثال :- اس شخص کی طرح ہے جس سے یہ کہا جائے :- تمہارے پیٹ سے جو پاخانہ نکلتا ہے اس میں مشک کی خوشبو ہوتی ہے اور وہ یہ سن کر خوش ہو۔ اور اپنے ساتھ اس مسخرہ پن کو پسند کرے۔

پھر جب مخلوق تمہاری طرف مدح وثنا کے ساتھ متوجہ ہو ،تو اپنے نفس کی مذمت کرنی، در حقیقت یہ تمہارا اپنے رب سے شرم کرنا ہے۔ اس طرح کہ اُس نے تمہارے عیوب کو چھپایا اور تمہاری خوبیوں کو ظاہر فرمایا۔

حضرت مصنف نے اسی پر اپنے اس قول میں تنبیہ فرمائی ہے:-

(اَلْمُؤْمِنُ اِذَا مُدِحَ اِسْتَحْیٰ مِنَ اللهِ اَنْ يُّثْنٰى عَلَيْهِ بِوَصْفٍ لَّا يَشْهَدُهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ)

"جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس بنا پر شرم کرتا ہے کہ اس کی تعریف ایسے وصف کے ساتھ کی جارہی ہے جس کو وہ اپنے اختیار سے نہیں دیکھتا ہے۔"

میں کہتا ہوں :- یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی سابق توفیق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور تمہارے لئے اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کہ تمہارے اندر عمل اور وصف اس نے پیدا کیا۔ اور اس کو تمہاری طرف منسوب کر دیا۔

تو جب کسی ایسی شی کے ساتھ تمہاری تعریف بیان کی جائے جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور تم صرف اس کے ظاہر ہونے کا مقام ہو۔ تو تم اس بات پر اللہ تعالےٰ سے شرم کرو۔ کہ ایسی شی کے

ساتھ تمہاری تعریف کی جارہی ہے۔جس کے متعلق تم بخوبی جانتے ہو۔کہ وہ تمہارے سوا دوسرے کا فعل ہے۔(یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ظاہر ہوئی ہے) یا اس میں سے کچھ تمہارے اوپر ظاہر نہیں ہوئی ہے۔لہٰذا اگر کسی ایسی وصف کے ساتھ تمہاری تعریف کی جائے جو اس سے زیادہ ہو جو تمہارے اندر ہے۔تو تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کی توفیق مانگو :-

(اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ)

" بیشک تمھارا رب جو ارادہ کرتا ہے اس کو پوری طرح کرتا ہے۔"

اور ایسے عمل کے ساتھ جسے تم کر رہے ہو تمھاری تعریف سے تم کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اگر تمہارے دل میں تعریف کی خواہش نہیں ہے۔

حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت نے فرمایا ہے:-

(اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُؤْمِنُ ؟ قَالُوْا :- اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ، قَالَ :- اَلَّذِیْ لَا یَمُوْتُ حَتّٰی یَمْلَأَ مَسَامِعَهٗ مِمَّا یُحِبُّ ، وَ لَو اَنَّ رَجُلًا عَمِلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ فِی جَوْفِ بَیْتٍ اِلٰی سَبْعِیْنَ بَیْتًا عَلٰی کُلِّ بَیْتٍ بَابٌ مِّنْ حَدِیْدٍ لَاَ لْبَسَهُ اللّٰهُ رِدَاءَ عَمَلِهٖ حَتّٰی یَتَحَدَّثَ النَّاسُ بِذٰلِكَ وَ یَزِیْدُوْنَ ،

قِیْلَ :- یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ یُرِیْدُوْنَ ؟ قَالَ :- اَلْمُؤْمِنُ یُحِبُّ مَازَادَ فِیْ عَمَلِهٖ)

اَلْحَدِیْثُ

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مومن کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کہا:- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔حضرت نے فرمایا:-

مومن وہ ہے:-جس کی موت اس وقت تک نہیں آتی ہے، جب تک اس کے کان اس چیز سے نہ بھر جائیں، جس کو وہ محبت کرتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر کے اندرونی حصے میں چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، جس میں ستر کمرے ہوں۔اور ہر کمرے میں لوہے کا دروازہ ہو۔(جس میں سے گزر کر کوئی شخص اس کی عبادت کو نہ دیکھ سکے) لیکن اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کی چادر اڑھا

دیتا ہے۔ یہانتک کہ لوگ اس کی عبادت کو بیان کرتے ہیں اور اس کو زیادہ کرتے ہیں (یعنی اس کو زیادہ عبادت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا:- یارسول اللہ! لوگ کیسے زیادہ کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا:- مومن اس چیز کو دوست رکھتا ہے، جو اس کے عمل میں زیادتی پیدا کرے۔''

اور دوسری حدیث میں وارد ہے :-

(قِيْلَ :- يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ خُفْيَةً ثُمَّ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِهٖ فَيَفْرَحُ ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ :- لَهُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ :- اَجْرُ الْعَمَلِ ، وَ اَجْرُ الْفَرَحِ)

حضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا:- یارسول اللہ! آدمی چھپ کر کوئی عمل کرتا ہے = پھر لوگ اس کو مشہور کرتے ہیں۔ تو وہ خوش ہوتا ہے۔ حضرت نبی کرم ﷺ نے فرمایا:- اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔ ایک :- عمل کا اجر۔ دوسرا:- خوش ہونے کا اجر۔

پس اگر کسی ایسے وصف اور عمل کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے جو اس کے اندر نہیں ہے اور وہ اس سے دھوکے میں مبتلا ہو جائے۔ تو وہ اپنے رب اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

(اَجْهَلُ النَّاسِ مَنْ تَرَكَ يَقِيْنَ مَا عِنْدَهٗ لِظَنِّ مَا عِنْدَ النَّاسِ)

''سب آدمیوں سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے۔ جو لوگوں کے حسن ظن کی بنا پر، اپنے پاس موجود چیز کے یقین کو ترک کر دے۔''

میں کہتا ہوں:- اپنے پاس موجود کا یقین:- وہ اپنی برائیوں اور اپنے پوشیدہ عیوب اور اپنی ان باطنی خامیوں اور خطاؤں پر، جو اس سے چھپی ہوئی ہیں، اس کا علم ہے۔

اور لوگوں کا حسن ظن:- وہ ہے جو وہ کمالات اور طاعتوں کے انوار اس کے ظاہر میں دیکھتے ہیں۔ اگرچہ ان طاعتوں میں باطنی خرابیاں اور نفسانی فوائد شامل ہیں۔ تو وہ مدح وثنا کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اگر اس نے اسی پر قناعت کر لیا اور اسی سے خوش ہو گیا۔ جو اس کے پاس ہے۔ تو وہ آدمیوں میں زیادہ جاہل اور احمق ہے۔ کیونکہ اس نے مخلوق کے علم پر قناعت

کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا خوف نہیں کیا اور فقیر کی ذات سے اس کے برعکس مطلوب ہے۔

مدح وذم دونوں برابر ہو جائیں

فقیر سے مطلوب:- یہ ہے۔ کہ تعریف سے اس کو ناگواری محسوس ہو۔ اور برائی سن کر وہ خوش ہو۔ یہاں تک کہ اس کے نزدیک مدح وثنا اور عیب جوئی وبدگوئی دونوں برابر ہوں۔

اور یہ اس وقت ہے۔ جبکہ تعریف کرنے والا دیندار اور پرہیزگار ہو لیکن اگر تعریف کرنے والا جاہل یا فاسق ہو۔ تو ان لوگوں کی تعریف کو پسند کرنے اور اس خوش ہونے سے بڑھ کر کوئی جہالت اور ناسمجھی نہیں ہے۔

حکیموں میں سے ایک حکیم کے متعلق یہ روایت کی گئی ہے:- عوام میں سے کسی نے ان کی تعریف کی۔ تو وہ رونے لگے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان سے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ اس نے تو آپ کی تعریف کی ہے؟ حکیم نے اس شاگرد سے فرمایا:- اس نے میری تعریف اس وجہ سے کی ہے۔ کہ میری کوئی عادت اس کی عادت سے موافق ہو گئی ہے۔ (یعنی اس کی کوئی بری عادت میرے اندر پیدا ہو گئی ہے) اسی لئے میں رو رہا ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- برے لوگوں کی تعریف تمھارے لئے ذلت ہے۔ اور تم سے ان کی محبت تمھارے لئے عیب ہے۔

کسی حکیم سے کہا گیا:- عوام تمھاری تعریف کرتے ہیں۔ تو حکیم نے اس سے نفرت ظاہر کی اور کہا:- شاید ان لوگوں نے میرے اندر کوئی ایسی صفت دیکھی ہے۔ جو ان کو پسند آئی ہے۔ اور اس صفت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ جو ان لوگوں کو پسند ہو اور مجھ کو برا بنا دے۔

لہذا فقیر کے لئے مناسب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی ان خوبیوں اور اعمال کو چھپائے جن سے اس کی تعریف کی جائے اور جائز اعمال میں سے ایسا عمل ظاہر کرے۔ جس کی وجہ سے وہ عوام کی نظروں سے گر جائے۔ جیسا کہ گمنامی کے باب میں گزر چکا ہے۔

طرف اندروں آشنا باش وز بیہ بیگانہ نشد

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولای عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

فقیر کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کی شہرت ، اس کے قدم (عمل) سے زیادہ نہ ہو۔

بلکہ اس کا عمل ، اس کی شہرت سے زیادہ اور اس کا مرتبہ اس کے دعوے سے بڑا ہونا چاہئے۔ پس فقیر کو ظاہر میں جلالی اور باطن میں جمالی ہونا چاہئے۔ لہذا جس قدر جلال تم اپنے ظاہر پر ظاہر کرو گے، اسی قدر جمال تمہارے باطن میں داخل ہوگا۔ اور جتنا جمال تم اپنے ظاہر پر ظاہر کرو گے، اتنا جلال تمہارے باطن میں داخل ہوگا۔ اس لئے ظاہر کا آراستہ کرنا باطن کو خراب کرتا ہے۔ اور ظاہر کی خرابی باطن کو آراسہ کرتی ہے۔ تو جتنا تم ظاہر کو خراب کرو گے، اتنا ہی باطن آراستہ ہوگا۔ اور جتنا تم ظاہر کو آراستہ کرو گے، اتنا ہی باطن خراب ہوگا۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالے جزائے خیر عطا فرمائے۔

انھوں نے جاہلوں کی شان میں بہت خوب فرمایا ہے:-

اِتَّفَقُوْ عَلَى الدِّيْنِ تَرَكُوْهُ تَعَانَدُوْا فِي الْمَالِ وَالْكَسَاوِىْ

" ان لوگوں نے دین کو متفق ہو کر چھوڑ دیا۔ لیکن مال اور لباسوں میں ایک دوسرے کی مخالفت کی۔

اَلثَّوْبُ مِنْ فَوْقِ غَسَلُوْهُ وَ خَلُّوا الْقَلْبَ خَاوِىْ

" انھوں نے کپڑے کو اوپر سے دھویا۔ اور قلب کو خالی چھوڑ دیا۔"

تو جب تم جلال کو ظاہر کرو اور جمال کو پوشیدہ کرو۔ پھر اللہ بزرگ و برتر تمہاری تعریف ایسے وصف کے ساتھ ظاہر فرمائے ، جس کے تم اہل نہیں ہو۔ تو تم اللہ تعالے کی حمد وثنا اس طریقے پر کرو۔ جس کا وہ مستحق ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:-

(اِذَا اَطْلَقَ الثَّنَاءَ عَلَيْكَ وَلَسْتَ بِاَهْلٍ فَاَثْنِ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ)

" جب اللہ تعالے تمہاری مدح وثنا جاری فرمائے اور تم اس کے اہل (مستحق) نہیں ہو۔ تو تم اس کی حمد وثنا اس شی کے ساتھ کرو جس کا وہ مستحق ہے۔"

میں کہتا ہوں:- جب اللہ تعالے اپنی مخلوق کی زبان پر تمہاری تعریف اس وصف کے ساتھ جاری فرمائے ، جس کو تم اپنے نفس (اختیار و قوت) سے نہیں سمجھتے ہو۔ اور تم اس کے اہل نہیں

ہو۔تم تم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس طریقے پر کرو۔جس کا وہ مستحق ہے۔یعنی اس تعظیم کے ساتھ جس کا وہ مستحق ہے۔تا کہ یہ تمھاری تعریف میں مخلوق کی زبان جاری کرنے کی نعمت کا شکر ہو جائے۔اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمھارے عیوب کو مخلوق سے چھپایا اور تمھاری خوبیاں ان کے سامنے ظاہر کیں۔اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کا ایک ذرہ بھی انکے سامنے ظاہر کر دیتا ہے۔تو وہ تم سے نفرت کرتے اور تمھارے دشمن ہو جاتے۔

پس بیشک بندہ نقائص (عیوب) کا مقام ہے۔اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کمالات کا مقام ہے۔

لہذا جو کمال بھی تمھارے اندر ظاہر ہوا ہے۔وہ اللہ تعالے ہی کے کمالات سے ٹپکا ہوا ہے۔

لہذا سب حمد وثنا فی الحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔تو جب وہ تمھارے اوپر واقع ہو (یعنی تمھاری تعریف ہونے لگے) تو تم اس کو اس کی اصل طرف واپس کر دو۔اور تعریف درحقیقت اپنی اصل ہی میں واقع ہوئی ہے۔لیکن چونکہ ارادہ مختلف ہو گیا۔لہذا حکم بھی مختلف ہو گیا۔

ایک سیدزادے کا اپنی تعریف پر خاموشی

سادات میں سے کسی کی تعریف کی گئی۔لیکن وہ خاموش تھے۔تو ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا۔تو انھوں نے جواب دیا:-اس تعریف میں سے میرے اندر کچھ نہیں ہے اور میں اپنے نفس کے بارے میں زیادہ سخت نہیں ہوں۔ بلکہ درمیانی حالت میں بھی نہیں ہوں۔اور جاری ہونے اور پیدا ہونے کا سبب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔یہ جمع کے مرتبہ والوں کی حالت ہے۔

اور بعض سادات فرق کو استعمال کرتے تھے۔جب وہ اپنی تعریف سنتے تھے۔تو اپنی خلوت میں اپنے سر پر مٹی ڈالتے تھے۔

مدح وثنا میں تین قسم کے افراد ہیں

پس تعریف اور برائی کی حالت کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں :-

پہلی قسم:- وہ لوگ ہیں جو تعریف سے خوش ہوتے ہیں۔اور برائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس ان کے اوپر غالب ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔کہ نفوس عزت اور بلندی

سے خوش ہوتے ہیں اور مذمت اور ذلت سے ناخوش ہوتے ہیں۔اور یہ لوگ غافل عوام ہیں۔

دوسری قسم:- وہ لوگ ہیں۔ جو مدح و ثنا کو ناپسند کرتے ہیں۔اور مذمت کو پسند کرتے ہیں۔کیونکہ وہ اپنے نفوس کے مجاہدہ میں مشغول ہیں۔اس لئے جو شئی بھی نفس کو تکلیف دیتی اور اس کو قتل کرتی ہے۔یہ لوگ اس کی طرف بڑھتے ہیں۔اور جو شئی نفس کو زندہ کرتی اور طاقت پہنچاتی ہے۔اس سے بھاگتے ہیں اور یہ لوگ عابدین اور زاہدین اور مریدین میں سے سائرین ہیں۔

تیسری قسم:- وہ لوگ ہیں۔ جو مدح و ثنا سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالےٰ کی طرف سے دیکھتے ہیں۔اور مذمت کو ناگوار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے دوست اللہ تعالےٰ کا جلال سمجھتے ہیں۔اور یہ لوگ عارفین ہیں۔

اور مصنفؒ نے اپنے اس قول میں دوسری اور تیسری قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا:-

(اَلزُّهَّادُ اِذَا مُدِحُوْا اِنْقَبَضُوْا لِشُهُوْدِهِمُ الثَّنَاءَ مِنَ الْخَلْقِ ، وَالْعَارِفُوْنَ اِذَا مُدِحُوْا اِنْبَسَطُوْا لِشُهُوْدِهِمْ ذَالِكَ مِنَ الْمَلِكِ الْحَقِّ)

”زاہدین :- جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ تعریف کو مخلوق کی طرف سے دیکھتے ہیں۔اور عارفین :- جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔تو وہ خوش ہوتے ہیں۔اس لئے کہ وہ تعریف کو بادشاہ حقیقی اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔“

میں کہتا ہوں:- عابدین و زاہدین:- چونکہ یہ لوگ مخلوق کے دیکھنے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ سے محجوب ہیں۔اس لئے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اس کو مخلوق کی طرف سے سمجھتے ہیں۔اور فرق کے سبب جمع کے مقام سے دور رہ گئے ہیں۔اس لئے وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔اور اپنے نفس کے لئے ڈرتے ہیں۔کہ وہ اس سے دھوکا نہ کھا جائے۔اور اسی میں مشغول نہ ہو جائے اور یہ لوگ ان طریقوں پر عمل کرتے ہیں جن کے ذریعے نفس مردہ ہو جائے اور قلب زندہ ہو جائے۔اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔کہ تعریف میں نفس کا زیادہ حصہ ہے۔اس وجہ سے اکثر اوقات وہ مدح و ثنا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔اور اپنے کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ سمجھ لیتا ہے۔پھر یہ اس کے لئے تکبر اور خود پسندی کا سبب بن جاتا ہے۔اور یہی دونوں تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔

لیکن مذمت، تونفس کے لئے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذمت میں اس کی موت ہے اور اس کی موت میں قلب کی زندگی ہے۔

پس اسی وجہ سے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔

اور مصنفؒ اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئے۔ گویا کہ اتنے ہی سے مفہوم حاصل ہو جائے گا۔

لیکن عارفین واصلین :- تو اس وجہ سے کہ وہ اپنے نفوس سے فنا ہو چکے ہیں۔ اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مخلوق سے غائب ہو گئے ہیں۔ جب ان کی مدح وثنا کی جاتی ہے۔ تو وہ مخلوق کی زبان کو اللہ تعالیٰ کا قلم سمجھتے ہیں۔ اور عین فرق میں جمع کو دیکھتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے مولائے حقیقی کی تعریف سے خوش ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں اپنے دوست کے نزدیک رہتے ہیں۔ پھر اس کی محبت اور شوق میں بڑھتے جاتے ہیں اور اس کی محبت اور عشق میں فنا ہو جاتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:-

(اِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ رَبَا الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِهٖ رَبْوَةً)

''جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو ایمان اس کے قلب میں پوری طرح ترقی کرتا ہے۔ اور جب عارفین کی مذمت کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی قہریت کے ماتحت سکون اور اس کے جلال کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے رنجیدہ ہوتے ہیں۔

اور یہ رنج، بدگوئی کی نسبت مخلوق کی طرف ہونے کی حیثیت سے اس کے ناپسند ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ گردش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ مذمت

(بدگوئی) کرنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس پر مہربانی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت سے دوستانہ سلوک کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے

کہا ہے:-

رُبَّ رَامٍ لِیْ بِاَحْجَارِ الْاَذٰی لَمْ اَجِدْ بُدًّا مِنَ الْعَطْفِ عَلَیْهِ

'' اکثر تکلیف کے پتھروں سے مجھ کو مارنے والے ایسے ہیں۔ کہ ان کے اوپر مہربانی کرنے کے سوا میرے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے۔

فَعَسٰی یَطَّلِعُ اللّٰهُ عَلٰی فَرَحِ الْقَوْمِ فَیُدْنِیْنِیْ اِلَیْهِ

''تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی خوشی سے آگاہ ہو کر مجھے اپنے قریب کر لے۔''

(میں اکثر اپنی بدگوئی کرنے والوں کے ساتھ مہربانی کرتا ہوں۔ تاکہ ممکن ہے کہ میری بدگوئی سے ان کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی خوشی سے آگاہ ہو کر اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے قریب کر لے)

تعریف و بدگوئی کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام

اور دوسری تشریح میں یہ ہے :- تعریف اور بدگوئی کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں :- پہلی قسم :- جاہل عوام۔ دوسری قسم :- عابدین وزاہدین۔
تیسری قسم :- مریدین سالکین۔ چوتھی قسم :- عارفین واصلین۔

پہلی قسم جاہل عوام :- ان کے نفوس ، ان کے اوپر غالب ہیں اور محسوس کا دائرہ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ ان کے پیش نظر مخلوق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طلب سے غافل ہیں۔ جب ان کی تعریف کی جاتی ہے اور مخلوق ان کی طرف بڑھتی ہے تو وہ اپنی مراد کے پانے اور اپنی غرض کے حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہوتے اور اتراتے ہیں۔ اور امیری و سرداری سے محبت نفس امارہ کی فطری (پیدائشی) خواہش ہے اور جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے اور مخلوق ان کی طرف سے منہ پھیر لیتی ہے۔ تو وہ اپنی امیدوں کے ناکام ہونے کی وجہ سے ناراض اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جن کے قلوب نور سے خالی ہیں۔

دوسری قسم :- عابدین وزاہدین :- تو وہ لوگ عبادت میں کوشش کرنے والے مخلوق سے دور رہنے والے ، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طلب گار ، لوگوں سے متنفر اور مایوس ہوتے ہیں۔ تو جب لوگ مدح و ثنا کے ساتھ ان کی طرف بڑھتے ہیں تو وہ پریشان اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ان کو اپنے میں مشغول کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل نہ کر

دیں۔ اور جب لوگ ان کی برائی بیان کرتے ہیں۔ اور مخلوق ان کی طرف سے منہ پھیر لیتی ہیں۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ عبادت کے لئے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور اس مجاہدہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ جس میں وہ مشغول ہے۔

تیسری قسم :- مریدین سالکین :- تو وہ لوگ اپنے نفوس کی موت اور اپنے قلوب کی زندگی کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اس لئے جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے اور مخلوق ان سے منہ پھیر لیتی ہے۔ تو وہ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ اس میں ان کے نفوس کی موت اور ان کے قلوب کی زندگی ہے۔ اور جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اپنے نفوس کے طاقتور ہونے اور اپنے قلوب کے کمزور ہونے کے خوف سے ناگواری محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ نفوس کی موت میں قلوب کی زندگی ہے اور نفوس کی زندگی میں قلوب کی موت ہے۔

چوتھی قسم :- عارفین :- تو وہ اپنے نفوس پر غالب ہو چکے ہیں۔ اور اپنے معبود کے شہود میں پہنچ چکے ہیں۔ لہذا وہ ہر شی سے انسیت (محبت) رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے۔ وہ ہر شی سے حصہ حاصل کرتے ہیں اور ہر شی میں اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھتے ہیں۔ اس لئے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تعریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف مشاہدہ کرتے ہیں اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف سے زیادہ محبوب کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اور جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے ساتھ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت کے خیال سے ناگواری محسوس کرتے ہیں:-

(مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ) ''جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی۔ تو میں نے اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔''

پس ان کا بسط (خوشی) بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور ان کا قبض (ناگواری) بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا سے بے نیاز ہیں۔

اور اس مفہوم یعنی نفوس کی فنا کی بنا پر اُن کی تعریف ان کی ذات کے لئے ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام کو ظاہر کرنے کے لئے درست ہے۔

جیسے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی اور حضرت شیخ اابو العباس مرسی اور حضرت شیخ زروق اور انھیں جیسے دوسرے حضرات رضی اللہ عنھم۔ اور ان اکابر عارفین کی طرف سے مدح وثنا نظم ونثر میں مشہور ہے۔

اور اسی بنا پر ان حضرات نے اس شخص کو تسلیم کیا، جس نے ان کی مدح وثنا بیان کی اور ان کے مدح وثنا بیان کرنے کے وقت خوشی ظاہر فرمائی۔

اور حضرت مصنفؒ کے اپنے شیخ ابو العباس کی تعریف میں قصیدے ہیں اور حضرت شیخ ان سے فرمایا کرتے تھے:۔ اللہ تعالیٰ روح القدس کے ساتھ تمھاری مدد فرمائے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت حسان بن ثابتؓ سے جبکہ وہ آپ ﷺ کی مدح وثنا بیان کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:۔ اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمھاری مدد فرمائے۔

اور شیوخ کرام کی تعریف:۔ بہت بڑی قربت اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے وسیلوں میں سب سے زیادہ قریب وسیلہ ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا دروازہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا وہ ہاتھ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داخل ہونے والوں کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بارگاہ تک لے جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے ان کی تعریف کی، اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف کی:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ)

”بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ صرف اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔

اور جس شخص نے ان کو برا کہا اس نے اللہ تعالیٰ کو برا کہا۔

نعتِ رسول کریم ﷺ بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کا مؤثر ترین ذریعہ

اسی طرح حضرت رسول کریم ﷺ کی مدح وثنا (نعت شریف)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کا بہت بڑا دروازہ ہے۔

پس اگر تمھارا اعتراض :- یہ ہو۔ کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی

حدیث:-

(اُحْثُوْا التُّرَابَ فِیْ اَوْ جُہِ الْمَادِ حِیْنَ)

" تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی (دھول) ڈال دو۔"

سب کے لئے عام ہے لہذا عارفین اور غیر عارفین سب کی تعریف پر

صادق ہوگا۔

تو میرا جواب:- یہ ہے کہ یہ حدیث ،حرص کے سبب جھوٹی تعریف پر محمول (چسپاں) ہو

گا۔ جیسا کہ عہدہ اور دولت کی حرص میں بادشاہوں اور دولت

مندوں کی تعریف کی جاتی ہے۔

یا یہ حدیث ان کے اوپر محمول ہوگا۔ جو اپنے نفس کے ساتھ باقی ہیں۔ اور اس پر غافل

ہونے کا خوف رکھتے ہیں۔ جیسے عابدین اور زاہدین۔

لہذا جب کوئی شخص ان کی تعریف کرے۔ تو انہیں چاہئے کہ اس کو روک دیں۔ اور اس

کے منہ میں دھول ڈال دیں۔ اور " دھول ڈالنا " حقیقتاً فرمایا گیا ہے۔ یا اس کی تعریف کو ناکامی

کے ساتھ رد کرنے اور روک دینے سے کنایہ کیا گیا ہے۔

لیکن عارفین محققین (حقیقت میں ثابت اور قائم ہو جانے والے) وہ ایسے لوگ ہیں۔

کہ انھوں نے ممدوح (جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ) کو پہچان لیا۔ اور وہ تعریف

کرنے والے اور تعریف کئے جانے والے کے درمیان واسطہ کے دیکھنے سے غائب ہو چکے

ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے ذکر سے ہم کو فائدہ پہنچائے اور اہم کو ان کے زمرے میں شامل کرے۔ آمین۔

پھر کمال کی علامت :- آٹھ خصلتوں میں یعنی تعریف اور بدگوئی ، عزت اور ذلت ،قبض اور بسط ،منع اور عطا ،(محرومی اور بخشش) میں اعتدال کو قائم رکھنا اور احوال کا برابر اور مضبوط رہنا ہے اور ان میں سے بعض خصلتوں کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

منع وعطا

اور مصنفؒ نے اپنے اس قول میں آخری دو خصلتوں ''منع اور عطا کی طرف'' اشارہ فرمایا ہے:-

(مَتٰى كُنْتَ اِذَا اُعْطِيْتَ بَسَطَكَ الْعَطَاءُ، وَاِذَا مُنِعْتَ قَبَضَكَ الْمَنْعُ، فَاسْتَدِلَّ بِذَالِكَ عَلٰى ثُبُوْتِ طُفُوْلِيَّتِكَ وَ عَدَمِ صِدْقِكَ فِي عُبُوْدِيَّتِكَ)

'' جب تمھارا یہ حال ہو، کہ جب تمھارے اوپر عطا کی جائے تو عطا (بخشش) تم کو بسط (خوشی) کی حالت میں کردے۔ اور جب تم کو محروم کردیا جائے۔تو محرومی تم کو قبض کی حالت میں کردے۔تو تم اس کو اپنی طفولیت کی دلیل سمجھو۔

میں کہتا ہوں:- طفولیت او تطفل :- کے معنی ہے۔'' ایسے لوگوں میں داخل ہونا جن میں سے شامل ہونے والا نہ ہو۔اور ان لوگوں میں شامل ہونے کی اجازت بھی نہ لی ہو۔اور طفیلی :- وہ ہے جو کھانے کی تقریب میں کھانا کھانے کے لئے بغیر دعوت کے شامل ہو جاتا ہے۔اور یہ لفظ کوفہ کے رہنے والے ایک شخص سے منسوب ہے۔اس کا نام طفیل الاعراس تھا۔بنی عبداللہ بن غطفان کے قبیلے سے تھا۔وہ کھانے کی محفلوں میں دعوت کے بغیر شامل ہوا کرتا تھا۔اسی لئے حضرت مصنفؒ نے اس سے اُس شخص کی مشابہت کی جو صوفیائے کرام کی جماعت میں شامل ہو جاتا تھا۔(یعنی صوفیائے کرام کی طرح شکل بنا کر صوفی ہونے کا دعوی کرنے لگتا ہے) حالانکہ وہ احوال کے اس اعتدال اور استوا (برابری اور مضبوطی) پر ثابت وقائم نہیں ہوا ہے۔ جس پر صوفیائے کرام ثابت وقائم ہیں

پس اے فقیر! اگر تمھاری یہ حالت ہو کہ جب تم کو تمھارے فوائد عطا کئے جاتے ہیں۔ اور تمھاری تمنائیں پوری کر دی جاتی ہیں اور تم اپنی عادات و خواہشات مثلاً دولتمندی اور عزت اور مرتبہ اور خوشحالی اور تندرستی اور آرام اور ان کے علاوہ دوسرے فوائد اور خواہشات کے پانے میں کامیاب ہو جاتے ہو۔ تو تم خوش ہوتے ہو۔ اور جب تم اپنے فوائد اور خواہشات سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھاری دولتمندی کو فقیری اور محتاجی سے اور عزت کو ذلت سے اور مرتبہ اور شہرت کو گمنامی سے اور خوشی کو رنج و غم سے اور تندرستی کو بیماری سے اور آرام کو مصیبت سے بدل دیتا ہے۔ تو تم رنجیدہ اور پریشان ہوتے ہو تو تم حضرت مصنفؒ کے کلام کے مطابق اس حالت کو اپنے طفیلی ہونے کی دلیل سمجھو۔ اور تم کو ان کے مقام سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور درحقیقت تم صرف عرسوں کے کھانے میں بغیر دعوت کے شامل ہونے والے طفیلی ہو۔ اور ہمیشہ خواب غفلت میں ہو۔ اور نیز اس حالت کو تم اپنی عبودیت میں سچائی نہ ہونے کی دلیل تصور کرو۔

عبودیت کی سچائی

کیونکہ عبودیت میں سچائی:۔ نعمت اور مصیبت میں، یکسانیت (برابری) چاہتی ہے۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا:۔

اَحِبَّایَ اَنْتُمْ اَحْسَنَ الدَّهْرُ اَمْ اَسَا فَكُوْنُوْا كَمَا شِئْتُمْ اَنَا ذَالِكَ الْخِلُّ

” تم لوگ ہر حال میں میرے دوست ہو۔ زمانہ خواہ اچھا ہو یا برا۔ لہٰذا تم جس طرح چاہو رہو۔ (یعنی تم لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کرو یا برا) میں ویسے ہی تمھارا دوست ہوں۔“

کمال کی نشانی

حضرت ابو عثمان حیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ کوئی آدمی کامل نہیں ہوتا ہے۔ جب تک اس کے دل میں چار چیزیں برابر نہ ہو جائیں۔ محرومی اور بخشش اور عزت اور ذلت“

طفیلی

تو اگر فقیر جلال کے وقت کمزور (بے قابو) ہو جائے اور بہادروں کے حملے کے وقت

شکست کھا جائے تو سمجھ لو کہ وہ کمزور حال والا ہے اور اللہ والوں کی شکل وصورت اور لباس میں طفیلی ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے :- اور درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور اپنے احسان سے ایسے فقیروں کو آزماتا ہے۔ جو اپنی پوشیدہ رغبت اور خواہش کے ظاہر کرنے میں سچے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کو اہل دنیا کے سامنے (اپنی ذات کو ان کے لئے استعمال کر کے) ذلیل کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ان سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں۔اُن کے مرغوبات (پسند) میں ان کی موافقت کرتے ہیں۔ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہیں۔

پس تم ان میں سے بعض ایسا شخص بھی دیکھو گے۔کہ وہ دلھن کے بناؤ سنگار کی طرح بناؤ سنگار کرتا ہے۔ وہ اپنے ظاہر کی درستی میں مشغول رہتا ہے اور اپنے باطن کی اصلاح سے غافل رہتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ ان کے اوپر کوئی نشان لگا کر،اس کے ذریعے ان کے عیوب کو کھول دیتا ہے اور ان کے خبروں کو ظاہر کر دیتا ہے۔پس اس کے بعد کہ اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچی ہوتی تو اس کو عبدالکبیر کہا جاتا لیکن چونکہ وہ اپنے سچا نہ ہونے کے سبب اس نسبت سے خارج ہو گیا۔اس لئے وہ ایسا ہو گیا۔اس کو شیخ الامیر (امیر کا شیخ) کہا جائے۔یہی لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگانے والے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اولیاء اللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں۔ کیونکہ عوام ان کا جو حال دیکھتے ہیں۔اس کو اس جماعت سے منسوب ہر شخص پر اُڑھا دیتے ہیں (چسپاں کر دیتے ہیں)خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔لہذا یہ لوگ اہل حقیقت کے پردے ہیں۔ اور اہل توفیق کے سورجوں کے چھپانے والے بادل ہیں۔اپنے طبلے بجاتے ہیں۔اور اپنے جھنڈے لہراتے ہیں۔اور اپنی زرہوں کو پہنتے ہیں۔ پھر جب حملہ ہو جاتا ہے۔تو اپنی ایڑیوں پر پھر کر بھاگتے ہیں۔ وہ صرف زبانی دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے قلوب تقویٰ (اللہ تعالیٰ کے خوف) سے خالی ہیں۔کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے :-

(لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ)

"تاکہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے۔"

کیا تم یہ سوچتے ہو؟ جب اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے گا۔ کیا وہ دعویٰ کرنے والوں کو بغیر سوال کے چھوڑ دے گا۔؟

کیا انھوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:-

(قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

"آپ فرد یجئے! کہ تم لوگ عمل کرو۔ پس عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین تمھارے عمل کو دیکھیں گے اور عنقریب تم لوگ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم لوگوں کو تمھارے ان اعمال کی خبر دے گا۔ جو تم لوگ دنیا میں کرتے تھے۔"

پس وہ سچے لوگوں کے لباس اور ان کی شکل کے ظاہر کرنے میں مشغول ہیں اور ان کا عمل غافلوں اور منہ پھیر لینے والوں کا عمل ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:-

اَمَّا الْخِيَامُ فَاِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ وَاَرٰى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

"خیمے تو بیشک انھیں کے خیموں کی طرح ہیں۔ لیکن قبیلے کی عورتیں، میں اُن کی عورتوں کے سوا دوسری دیکھتا ہوں۔"

لَا وَالَّذِىْ حَجَّتْ قُرَيْشٌ بَيْتَهٗ مُسْتَقْبِلِيْنَ الرُّكْنَ مِنْ بَطْحَائِهَا

"اس ذات پاک کی قسم! جس کے گھر کا اہل قریش حج کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ اس کے پتھریلے میدان سے رکن کا استقبال کرتے ہیں۔"

مَا اَبْصَرَتْ عَيْنِىْ خِيَامَ قَبِيْلَةٍ اِلَّا بَكَيْتُ اَحِبَّتِىْ بِفِنَائِهَا

"اے میرے دوستو! میں نے جس قبیلے کے خیموں کو دیکھا۔ اس کے سامنے کھڑا ہو کر میں رویا۔"

یہاں پندرواں باب ختم ہوا۔

تعریف و مذمت میں پانچ باتوں کا خیال چاہیئے

اس کا حاصل:- تعریف اور بدگوئی میں مرید کے آداب ہیں اور اس کا مرجع پانچ

آداب ہیں۔

اول :- نفس کی مذمت کرنا۔ جب اس کی تعریف ایسے وصف کے ساتھ کی جائے جو اس میں نہیں ہے۔

دوسرا :- اللہ تعالیٰ سے اس بات پر اس کا شرم کرنا۔ کہ اس کی تعریف ایسے وصف کے ساتھ کی جائے جس کو وہ اپنی ذات سے نہیں دیکھتا ہے۔

تیسرا :- اپنے اندر موجود عیوب کے یقین کی طرف رجوع کرے۔ پھر اس پر بھروسہ کرے اور اپنے بارے میں لوگوں کے حسن ظن سے دھوکا نہ کھائے اور اس پر اعتماد نہ کرے۔

چوتھا:- اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر کثرت سے کرے۔ کیونکہ اس نے اس کے عیوب کو پوشیدہ کیا۔ اور اس کی توفیق اور ہدایت کو ظاہر کیا۔

پانچواں :- احوال میں معتدل ہو اور اس کا قلب مطمئن ہو۔ برا کہنے سے رنجیدہ نہ ہو۔ تعریف سے خوش نہ ہو۔

من آنم کہ من دانم

بعض عارفین نے فرمایا:- جب تم کو کہا جائے:- تم اچھے آدمی ہو۔ تو یہ تم کو اس کہنے سے "تم برے آدمی ہو" زیادہ پسند ہو۔ تو خدا کی قسم! تم برے آدمی ہو۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولای عربی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور ان کے سامنے اُن کی تعریف کرنے لگا۔ حضرت شیخ نے اس سے کہا:- اس شخص تو اپنی تعریف سے مجھ کو دھوکا نہ دے۔ میں اپنے نفس کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ کب میں سب سے بہتر ہوتا ہوں۔ اور کب سب سے کمتر ہوتا ہوں؟ تو جس وقت میں اپنے رب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہوں۔ اس وقت سب سے بہتر ہوتا ہوں۔ اور جس وقت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ اس وقت سب سے کمتر ہوتا ہوں۔ یا ایسا کلام فرمایا۔ جس کا مفہوم یہی تھا۔ لیکن یہ پانچواں ادب ، احوال کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتا رہتا ہے۔

پس عابدین مدح وثنا پر مذمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور عارفین ، مذمت پر مدح وثنا کی

پسند کو ترجیح دیتے ہیں۔ یا دونوں میں اعتدال (برابری) اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ منع وعطا اور قبض وبسط اور ذلت وعزت اور فقیری ودولتمندی وغیرہ احوال کے اختلاف اور عادتوں کے تغیرات میں اعتدال اختیار کرتے ہیں۔ اور انھیں سب احوال میں سے خوف ورجا ہے اور اس میں ان کا اعتدال اس حیثیت سے ہے کہ جب ان سے کوئی طاعت صادر ہوتی ہے۔ تو ان کی امید میں زیادتی نہیں ہوتی ہے۔ اور جب ان سے کوئی لغزش واقع ہوتی ہے۔ تو ان کے خوف میں اضافہ نہیں ہوتا۔ نہ ان کی استقامت میں کمی ہوتی ہے۔

حضرت مصنف نے سولہویں باب کی ابتدا میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

سولہواں باب

سیر کرنے کی حالت میں سائر کے آداب کے بیان میں

گناہ رب سے مایوس نہ کرے

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

(اِذَا وَقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ فَلَا يَكُنْ سَبَبًا يُؤَيِّسُكَ مِنْ حُصُوْلِ الْاِسْتِقَامَةِ مَعَ رَبِّكَ فَقَدْ يَكُوْنُ ذَالِكَ اٰخِرَ ذَنْبٍ قُدِّرَ عَلَيْكَ)

''جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو، تو وہ تمھارے رب اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت کے حاصل ہونے سے تمھارے مایوس ہونے کا سبب نہ ہو جائے۔ کیونکہ کبھی یہ ان گناہوں کا آخری گناہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر مقدر کیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:- سچا سائر، یا حقیقت تک پہنچا ہوا واصل، تیز رفتار سوار کی طرح ہے۔ چلنے میں کوشش کرنے والا، اس قدر تیز رفتار، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُڑ رہا ہے۔ پھر اگر وہ پھسلتا ہے اور گر جاتا ہے۔ تو اپنے گھوڑے پر مضبوطی سے جم کر بیٹھتا ہے اور اپنے مقصود کے حاصل کرنے کے لئے برابر اس کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر جب اس طرح گرتا ہے۔ کہ مرغ کی طرح لوٹنے لگتا ہے۔ تو یہ اس کے کمزور ہونے اور اپنے مقصد کے حاصل نہ کرنے کی دلیل ہے۔

لہذا اے فقیر! اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو جدا کرنے کا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت سے تم کو مایوس کرنے کا سبب نہ ہو جائے۔ ورنہ تمھارے اوپر گناہ کا عذاب دوگنا ہو جائے گا۔ اور تمھارے حق میں مصیبت اور بلا بڑھ جائے گی۔ کیونکہ یہ معصیت

کبھی تمھارے لئے رحمت اور تمھاری عادتوں پر تمھارے لئے تنبیہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسے کہ غم اور کمزوری کا واقع ہونا۔

لہذا اگر تم گر پڑو۔ تو پھر اُٹھ جاؤ۔ اور جب اٹھ جاؤ تو کوشش کرنے لگ جاؤ۔ اور کبھی یہ ان گناہوں میں سے آخری گناہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالے نے تمھارے لئے ازل میں مقدر فرمایا ہے۔

اور ان واقعات میں غور کرو۔ جو بہت سے اکابر (بڑے بڑے) اولیائے کرام کو پیش آئے۔ پہلے وہ چور اور ڈاکو تھے۔ پھر وہ خواص ہو گئے۔ جیسے حضرت ابراہیم ابن ادہم اور حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابو یعزی رضی اللہ عنھم۔ اور ان کے علاوہ بے شمار حضرت اولیائے عظام۔ لہذا یہ حضرات، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے بارے میں، تمھارے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہونے چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

(قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ)

"آپ فرما دیجئے! اے میرے وہ بندو، جو اپنے اوپر زیادتی کر چکے ہو۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔" اور اللہ تعالے نے فرمایا:-

(وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ إِلَّا الضَّالُّوْنَ)

اور گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون نا امید ہوتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

(لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ)

"کافر قوم کے سوا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی نا امید نہیں ہوتا ہے۔"

بہترین خطا کار

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:-

(كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ خَطَّاءٌ، وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)

سب آدمی بہت بڑے خطا کار ہیں۔اور بہترین خطا کار، توبہ کرنے والے ہیں۔''

نیز حضرت رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

(اِنَّ اللهَ يُحِبُّ كُلَّ مُفْتَنٍ تَوَّابٍ يَعْنِىْ كَثِيْرَ الذَّنْبِ كَثِيْرَ التَّوْبَةِ)

''اللہ تعالیٰ ہر فتنہ انگیز توبہ کرنے والے، یعنی زیادہ گناہ کرنے والے، زیادہ توبہ کرنیوالے کو پسند کرتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

(اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ)

'' بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

پس یہ مذکورہ بالا آیات شریفہ :- بندوں کی رجا (امید) کو قوی کرتی ہیں اور اعتدال اور اصلاح کا سبب بنتی ہیں۔

اور پھر مصنفؒ نے امید اور خوف کی اصل (بنیاد) اور ان دونوں کا منشا

(سبب) بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا:-

اِذَا اَرَدْتَ اَنْ يَّنْفَتِحَ لَكَ بَابُ الرَّجَاءِ فَاشْهَدْ مَا مِنْهُ اِلَيْكَ ،
وَ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ يَّنْفَتِحَ لَكَ بَابُ الْخَوْفِ فَاشْهَدْ مَا مِنْكَ اِلَيْهِ)

''اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے اوپر امید کا دروازہ کھل جائے۔ تو تم ان نعمتوں کو دیکھو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہیں۔اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے اوپر خوف کا دروازہ کھل جائے۔ تو اُن گناہوں کو یاد کرو۔ جو تم نے اللہ تعالیٰ کے پاس روانہ کیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:- اے انسان! اگر تم یہ چاہتے ہو، کہ کریم و منان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمھاری امید قوی ہو۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے اُس احسان اور مہربانی اور بھلائی کو دیکھو، جو اُس سے تمھارے اوپر کیا ہے۔ تو کیا اس نے تم کو بھلائی کے سوا کسی چیز کا عادی بنایا؟ اور کیا اُس نے تمھاری طرف احسان کے سوا بھی کچھ روانہ کیا؟ تمھارے اوپر اپنے احسان کو پھیلا دیا اور تمھارے لئے اپنی جنت تیار کر دی۔ اُس نے دنیا میں تمھارے اوپر انتہائی نعمتوں کے ساتھ انعام کیا۔ اور اس نے

تمھارے لئے اسی پر قناعت نہیں کیا۔ بلکہ تمھارے لئے دارالسلام (سلامتی کا گھر) جنت تیار کی جو ہمیشہ ہمیشہ باقی اور قائم رہے گی۔ پھر اس نے اپنے سابق قدیم احسان کو پورا کرنے کے لئے، اپنے بزرگ و مقدس چہرہ کے دیدار کا تحفہ عطا فرمایا۔

اور اگر تم یہ چاہتے ہو، کہ تمھارے لئے غم اور خوف کا دروازہ کھل جائے۔ تو تم اپنی برائی اور عبادت میں کوتاہی اور خواہش کی موافقت اور غفلت کے ساتھ خوشی اور انسیت کو دیکھو۔ جو تم نے اس کی طرف روانہ کیا ہے۔ کیونکہ بیشک اگر تم ان کو دیکھو گے۔ تو تمھارا غم ہمیشہ رہے گا۔ اور تمھارا خوف مضبوط ہو جائے گا۔ لیکن اکثر اوقات یہ تمھارے رب کے ساتھ تمھاری بدظنی کا سبب ہو جائے گا۔

(فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا) " پھر قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔"

حدیث شریف میں ہے:-

(لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَ جَاءَ بِقَوْمٍ آخَرِيْنَ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)

"اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو لے جاتا۔ (فنا کر دیتا) اور ایک دوسری قوم کو لے آتا۔ (پیدا کرتا) وہ گناہ کرتے۔ پھر استغفار کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا۔ بے شک وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے:- کہ لطف و کرم کا دیکھنا، انتقام کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہے۔

دو خصلتیں ایسی ہیں، جن سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے:- پہلی:- اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن۔ دوسری:- اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن ظن ہے۔

اور دو خصلتیں ایسی ہیں، جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں ہے:-

پہلی:- اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی۔ دوسری:- اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بدظنی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

اور تیسرا مرتبہ:- جس کا بیان باقی رہ گیا ہے۔ وہ، اُس کے مشاہدہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ امید اور خوف سے غائب ہونا ہے۔ اور یہ اہل شہود کا مقام ہے۔ اسی وجہ سے اُن کا معاملہ تمام حالات میں یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ذکر خیر سے ہم کو فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

پھر چونکہ امید کا پھل اور نتیجہ بسط (خوشی اور اطمینان ہے۔ اور خوف کا پھل، اور نتیجہ قبض (غم اور بے قراری) ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے امید اور خوف کے بعد، بسط اور قبض کا بیان فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا:-

رُبَّمَا اَفَادَكَ فِيْ لَيْلِ الْقَبْضِ مَا لَمْ تَسْتَفِدْهُ فِي اِشْرَاقِ نَهَارِ الْبَسْطِ ، لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً)

''اکثر اوقات اللہ سبحانہ تعالیٰ تم کو قبض کی رات کی تاریکی میں وہ فائدہ عطا فرماتا ہے۔ جس کو تم بسط کے دن کی روشنی میں نہیں پا سکتے ہو۔ تم کو معلوم نہیں کہ دونوں (قبض اور بسط) میں کون تمہارے لئے زیادہ مفید ہے؟''

میں کہتا ہوں:- قبض اور بسط:- دو ایسی حالتیں، جو انسان پر یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں۔ جس طرح رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ پس رات سکون اور آرام کا وقت ہے۔ اور دن حرکت اور پریشانی (محنت اور کوشش) کا وقت ہے۔ قبض ، میں نفس کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اور بسط سے نفس اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز میں نفس کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ وہ سلامتی سے زیادہ قریب ہے۔ اور بہت زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے۔

تو قبض رات کی طرح اور رات ، مناجات اور مصافات کا اور احباب کی ملاقات اور پردے کے اُٹھنے کا وقت ہے۔ لہٰذا اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تم کو قبض کی رات میں نفس کے کمزور ہونے اور حس کے ختم ہونے اور محبت کے قائم ہونے کا ایسا فائدہ عطا فرماتا ہے۔ جو تم بسط کے دن میں نہیں حاصل کر سکتے ہو۔ اور بسط کے دن میں علوم وفنون کے حاصل کرنے اور نیک اور بزرگ حضرات کی صحبت اختیار کرنے کا وہ فائدہ تم کو پہنچاتا ہے۔ جو تم قبض کی رات میں نہیں حاصل کر سکتے

ہو۔

کوئی حال فائدے سے خالی نہیں

لہذا قبض میں بھی فوائد ہیں۔اور بسط میں بھی فوائد ہیں۔لیکن بندہ نہیں جانتا ہے۔کہ دونوں میں کون اس کے لئے زیادہ مفید ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ اس کے سامنے آئے۔اسی کے ساتھ ٹھہرنا لازم ہے۔اس لئے اس کو ادب اور تسلیم کے ساتھ قبول کرے۔

اور قبض اور بسط میں سے ہر ایک کے آداب اس سے پہلے مصنف کے اس قول کے ساتھ" اللہ تعالیٰ نے تم کو بسط کی حالت میں اس لئے کیا۔تا کہ تم کو قبض کی حالت میں نہ چھوڑ دے" بیان کئے جا چکے ہیں۔

لہذا تم بسط کی خواہش نہ کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمھارا سامنا قبض کے ساتھ کر دے اور قبض کی خواہش نہ کرو، اگر وہ تمھارا سامنا بسط کے ساتھ کر دے۔کیونکہ کبھی تم کو دونوں میں کسی ایک سے وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو دوسرے سے نہیں حاصل ہوتا ہے۔لہذا تم نہیں جانتے ہو، کہ دونوں میں سے کون زیادہ مفید ہے اور نہ تم کو یہ معلوم ہے کہ دونوں میں سے کون زیادہ نقصان دہ ہے۔اس لئے مصنفؒ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے جو بیٹے کی طرف سے باپ کے میراث کے سلسلے میں نازل ہوا۔توسط :- باپ کی طرح ہے کیونکہ وہ اس احسان وکرم کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر کیا ہے۔اور وہ اس اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔جس سے کل موجود عالم وجود میں آیا ہے اور وہی اصل ہے۔اور قبض بیٹے کی طرح ہے کیونکہ وہ اس گناہ کے دیکھنے (یاد کرنے) سے پیدا ہوتا ہے۔جو تم نے کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس روانہ کیا ہے۔اور یہ فرع (شاخ) ہے۔اس لئے کہ تمام افعال قدرت سے وجود میں آئے ہیں۔

لیکن حکمت :- تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ڈھانپ کر پوشیدہ کرنے کا نام ہے۔اور چونکہ بندہ قبض اور بسط دونوں کے فائدے سے اسی طرح ناواقف ہے۔جس طرح وہ اس سے ناواقف ہے کہ باپ اور بیٹے میں کون زیادہ مفید ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنا، اسی کے مراد کی پیروی کے ساتھ مقرر ہے۔اور تغیر اور تبدیلی اور منتقل ہونے اور جس حال میں وہ ہے اس

کے علاوہ کسی دوسرے حال میں ظاہر ہونے کے تصور اور عقیدے سے پاک ہونا لازمی ہے۔

اسی طریقے سے بندے کا قلب روشن ہوتا ہے۔ اس کا سرّ اور روح پاک ہوتی ہے۔ پھر اس کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اور انوار اور اسرار کے نازل ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

مَطَالِعُ الْاَنْوَارِ الْقُلُوْبُ وَالْاَسْرَارُ

''انوار کے طلوع ہونے کے مقامات قلوب، اور اسرار ہیں۔''

میں کہتا ہوں:- انوار سے مراد:- واردات اور کشوفات ہیں۔ (کشف کی جمع) جو حجابات کو کھول دیتی ہیں۔ اور کائنات کے مظہروں سے حفاظت کا چادر دور کر دیتی ہیں۔

اور یہ بیان پہلے گزر چکا ہے:- کہ نفس، اور عقل اور قلب اور روح اور سرّ اکثر صوفیائے کرام کے نزدیک، ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ صرف روح ہے۔ جو صفائی اور ترقی کے مطابق مختلف نام اور حالت اختیار کرتی ہے۔

تو جب تک وہ اپنے فوائد اور خواہشات میں مشغول رہتی ہے۔ تو وہ نفس ہے۔ اور اس کا نور گہن میں چھپا ہوا ہے۔ پھر جب وہ روک دی جاتی ہے اور شریعت کی رسی سے باندھ دی جاتی ہے۔ مگر وہ نافرمانیوں اور گناہوں کی طرف مائل ہوتی ہے۔ لہذا کبھی نافرمانی کرتی اور توبہ کرتی ہے۔ اور کبھی طاعت کرتی اور ثواب پاتی ہے۔ تو اس کا نام عقل رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا نور تھوڑا سا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کائنات کے قید خانے میں گرفتار ہے۔ دلیل و برہان کی بندش سے بندی ہوتی ہے۔ پھر جب وہ گناہوں سے باز آجاتی ہے۔ لیکن غفلت اور بیداری اور طاعت اور معصیت کے درمیان پھرتی رہتی ہے۔ تو اس کا نام قلب رکھا جاتا ہے۔ اور یہ انوار کا پہلا مطلع ہے۔ کیونکہ اس پر توجہ کے انوار روشن ہوتے ہیں پھر ہمیشہ واردات یعنی توجہ کے انوار متواتر اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سکون حاصل کرتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتی ہے۔ تو اب اس کا نام روح رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مواجہت کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر انھیں انوار سے حجاب دور ہوتا ہے۔ اور دروازہ کھلتا ہے اور وہ احباب کی بارگاہ میں داخل ہوتی ہے۔

پھر جب وہ حس (ظاہر) کی تاریکی سے صاف اور اغیار کی کدورتوں سے پاک ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کا نام سِرّ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مشاہدہ کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر جب وہ انوار کی آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقامات قرب میں قیام اور کرامات کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ تو اس کا نام سِرّ السر رکھا جاتا ہے۔ اور یہ معائنہ اور مکالمہ (دیکھنا اور بات کرنا) کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر اس کے بعد نہ کوئی حال ہے۔ نہ کوئی مقام ہے۔

(يَا اَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا)

''اے یثرب والوں تمھارے لئے کوئی مقام نہیں ہے۔ تو لوٹ جاؤ۔''

لیکن علوم و معارف میں ترقی، تو اس کی کبھی انتہا نہیں ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ جاری رہتی ہے

پس قلوب:- توجہ کے انوار کے مطلعین اور مشرقین (طلوع ہونے اور روشن ہونے کی جگہ) ہیں۔

اور اسرار:- مواجہہ اور مشاہدہ اور معائنہ کے مطلعین اور مشرقین ہیں۔ اور روح اور سر:- مرتبہ میں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ اسی لئے مصنفؒ نے ارواح کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ارواح، اسرار میں داخل ہیں۔

حاصل یہ ہے:- کہ نفسوں اور عقلوں پر ظلمت غالب ہے۔ اس وجہ سے کہ دونوں محسوس میں مشغول ہیں۔ اور تاریکی اور پیچھے ہٹنے میں فنا ہیں۔ اس لئے یہ دونوں کسی نور کے مطلع نہیں ہیں۔ کیونکہ دونوں کی توجہ کریم اور غفور اللہ تعالےٰ کی طرف نہیں ہے۔

لیکن قلب اور روح اور سر:- انوار کے مطالع، یعنی انوار کے طلوع ہونے اور روشن ہونے کے مقامات ہیں۔ مگر یہ کہ قلب:- توجہ کے انوار کا مطلع ہے۔

اور روح اور سر:- مواجہت کے انوار کا مطلع ہیں۔ اور دونوں کی تشریح، مصنفؒ کے اس قول:- ''سفر کرنے والے ہدایت پاتے ہیں'' کے ضمن میں پہلے گزر چکی ہے۔ اور مصنفؒ نے دونوں کو برابری کے درجے میں رکھا ہے۔ اور اُن کا مراد وہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر مصنفؒ نے اس نور کے ابتدائی مطلع کو بیان کیا اور وہ ابتدائی مطلع قلب ہے۔ پھر یہ

نور، روح کے اوپر روشن ہوتا ہے۔ پھر سر کے اوپر روشن ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

نُوْرٌ مُسْتَوْدَعٌ فِي الْقُلُوْبِ ، مَدَدُهُ النُّوْرُ الْوَارِدُ مِنْ خَزَائِنِ الْغُيُوْبِ

''جو نور قلوب میں امانت رکھا گیا ہے۔ اس کو اس نور سے مدد پہنچتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانے سے وارد ہوتا ہے۔''

انوار کی قسمیں

میں کہتا ہوں :- قلوب میں امانت رکھا ہوا نور، یقین کا نور ہے۔ اور وہ پہلے ستاروں کی روشنی کی طرح کمزور ہوتا ہے۔ اور وہ اسلام کا نور ہے۔ پھر وہ برابر طاقتور ہوتا رہتا ہے۔ اور غیبی خزانوں سے وارد ہونے والے نور سے مدد حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ وہ چاند کی روشنی کی طرح طاقتور ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایمان کا نور ہے۔

پھر وہ نور طاعت اور ذکر اور اولیائے کرام کی صحبت سے ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سورج کی روشنی کی طرح بہت طاقتور ہو جاتا ہے اور وہ احسان کا نور ہے اور غیبی خزانے :- صفات کے انوار اور ذات کے اسرار ہیں۔ اور انھیں سے اسلام اور ایمان کے انوار مدد حاصل کرتے ہیں۔ پھر احسان کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ پھر کائنات کا وجود چھپ جاتا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے:-

جب وہم کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ تو مخلوق کے وجود کے گم ہونے کی بنا پر عیاں (مشاہدہ) حاصل ہوتا ہے۔ اور یقین کا نور روشن ہوتا ہے۔ تو کائنات کا وجود چھپ جاتا ہے۔

اور تم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرات صوفیائے کرام رضی اللہ عنھم کی اصطلاح میں ترتیب اس طریقے پر ہے:- پہلے اسلام۔ پھر ایمان۔ پھر احسان۔ اس کی وجہ یہ ہے:-

بندہ جب تک ظاہری محسوس عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ اس مقام کا نام ''مقام اسلام'' رکھا جاتا ہے۔

پھر جب عمل قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور وہ بشری عیوب سے پاک ہونے اور معرفت سے آراستہ ہونے اور اخلاص کے ثابت و قائم ہونے کے ساتھ قلب کی صفائی میں بندے کا

مشغول ہوتا ہے۔ تو اس کا نام ''مقام ایمان'' رکھا جاتا ہے۔

پھر جب عمل روح اور سر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور وہ فکر و نظر ہے۔ تو اس کا نام ''مقام احسان'' رکھا جاتا ہے۔

فقہائے کرام کے خلاف:- کیونکہ وہ حضرات ایمان کو اسلام پر مقدم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:- ایمان کے بغیر کچھ درست نہیں ہے۔ اور اصطلاح میں کچھ مخالفت نہیں ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

''سب لوگوں نے اپنے پانی پینے کے گھاٹ کو پہچان لیا۔''

بعض محققین نے فرمایا ہے:- تم جان لو! کہ عالم ملک یعنی عالم شہادت کے لئے ظاہری انوار ہیں۔ اور عالم ملکوت یعنی عالم غیب کے لئے باطنی انوار ہیں۔

اور عالم ملک میں زیادہ مشہور تین انوار ہیں:-

ایک:- سورج کا نور۔ دوسرا:- چاند کا نور۔ تیسرا:- ستاروں کا نور۔ اور ان تینوں کے مقابل، عالم ملکوت میں تین انوار ہیں:- ایک:- معرفت کا نور۔ دوسرا:- سمجھ کا نور۔ تیسرا:- علم کا نور۔

پس جہالت کی رات میں علم کے ستارے کے طلوع ہونے سے آخرت اور غیبی امور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور توحید کے افق میں سمجھ کے چاند کے طلوع ہونے سے، اللہ تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور تفرید کے افق میں معرفت کے سورج کے طلوع ہونے سے یقین مضبوط ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ روشن ہوتا ہے۔

اور پہلا نور، جو سینہ میں داخل ہوتا ہے۔ اسلام کا نور ہے۔ تو جب اس سے قلب کھل جاتا ہے۔ تو اس میں ایمان کا نور داخل ہوتا ہے اور جب وہ قلب میں مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو وہ شہود ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- اسی نور کی بنا پر قلب، اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت کو سما لیتا ہے اور اسی کی طرف حدیث قدسی میں اشارہ فرمایا ہے:-

(لَنْ يَّسَعَنِي اَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَوَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ

''ہرگز نہ مجھ کو میری زمین سما سکتی ہے، نہ میرا آسمان اور میرے مؤمن بندے کا قلب مجھ کو سما لیتا ہے۔

''(یعنی مومن کے قلب میں میری گنجائش ہے۔ میں اسی میں رہتا ہوں۔

لہٰذا تم اس قلب پر غور کرو۔ جو اللہ رب العزت سبحانہ تعالیٰ کو اپنے اندر سما لیتا ہے۔ وہ کتنا بڑا اور وسیع ہے۔ اس لئے اے میرے بھائی! تم ایسے قلب والوں سے جو اللہ علام الغیوب کو اپنے اندر بسائے ہوئے ہیں، محبت کرو۔ تا کہ وہ تم کو اسی غیوب کے علم تک پہنچا دیں۔ جس کے پاس وہ خود پہنچے ہوئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پھر مصنف ؒ نے اس نور کے حاصل ہونے کا نتیجہ بیان فرمایا اور وہ نتیجہ :- اشیاء کی حقیقتوں کا ظاہر ہونا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

نُوْرٌ یَکْشِفُ لَکَ بِہٖ عَنْ اٰثَارِہٖ ، وَ نُوْرٌ یَکْشِفُ لَکَ بِہٖ عَنْ اَوْصَافِہٖ

''ایک نور ہے، جس کے ذریعے تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایک نور ہے جس کے ذریعے تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کے اوصاف ظاہر ہوتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں :- نور کی حقیقت، اس حیثیت سے کہ وہ کشف ہے۔ تو ظاہری محسوس نور، محسوسات کو ظاہر کرتا ہے اور باطنی نور مفہومات کو ظاہر کرتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو :- ظاہری نور، اوانی (حقیقت کا ظرف) کو ظاہر کرتا ہے اور باطنی نور، حقیقتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اوانی کے دیکھنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جبکہ وہ حقیقتوں سے خالی ہوں۔

اور باطنی نور، اپنی طاقت اور کمزوری کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کی گئی ہے۔

پہلی قسم :- اسلام کا نور :- وہ ستاروں کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمھارے سامنے اپنے آثار کے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ تا کہ تم ان آثار (مخلوق) کے ذریعے ان کے بنانے والے (خالق) پر استدلال کرو۔ (اس کی طرف رہنمائی حاصل کرو)

دوسری قسم :- ایمان کا نور :- وہ چاند کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمھارے سامنے اپنے اوصاف کے ثبوت کو ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شی حرکت کرتی ہے یا ٹھہرتی ہے۔ تو تم اس کی حرکت اور سکون کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اس کے علم اور اس کی حیات اور

اس کی دوسری صفات کے ساتھ دیکھتے ہو۔

تیسری قسم:۔احسان کا نور:۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمھارے سامنے اپنی ذات کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔لہذا تم کسی شی کو نہیں دیکھتے ہو۔مگر اس کے اندر اس کے خالق کو اس کی تجلیوں کے واسطہ سے دیکھتے ہو۔اور یہ نور سورج کی طرح ہے:۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

پس پہلے نور کے ظاہر ہونے کا انجام، افعال میں فنا ہونا ہے۔اور دوسرے نور کے ظاہر ہونے کا انجام، صفات میں فنا ہونا ہے۔اور تیسرے نور کے ظاہر ہونے کا انجام فنا فی الذات میں ثابت اور قائم ہونا ہے۔

اور مصنفؒ نے دوسرے نور کے بیان کو کافی سمجھا اور تیسرے نور کے بیان کو ضروری نہیں سمجھا۔اس لئے اس کو بیان نہیں کیا۔کیونکہ فنا فی الصفات ،فنا فی الذات کے قریب ہے۔اس لئے کہ صفات اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتی ہیں۔لہذا جو شخص اپنے سننے اور اپنے دیکھنے اور اپنی حرکت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے۔وہ اپنے وجود کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے۔اسی لئے بعض عارفین نے فنا فی الذات کے بیان کے ساتھ فنا فی الصفات کا بیان ضروری نہیں سمجھا ہے۔کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔اس لئے جب دونوں میں سے کوئی ایک بھی ثابت ہو گیا۔تو دوسرا بھی ثابت ہو گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اور احتمال یہ ہے:۔ کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول سے ''ایک نور ہے۔جس کے ذریعے تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کے آثار (مخلوقات ظاہر ہوتے ہے) وہ ظاہری نور مراد لیا ہو، جو ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔

اور اس قول سے ''ایک نور ہے۔جس کے ذریعے تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کے اوصاف ظاہر ہوتے ہیں'' بصیرت کا باطنی نور مراد لیا ہو۔

اور حضرت شیخ ابن عباد رضی اللہ عنہ نے اسی کو کافی سمجھا ہے۔

لیکن ظاہری آنکھ کا نور، اثر میں مؤثر کو (مخلوق میں خالق کو) مستقل طریقے پر نہیں دیکھ سکتا ہے۔ جب تک باطنی عقلی انوار اس کی مدد نہ کرے۔ تو یہ صرف باطنی انوار پر منحصر ہے۔

لیکن ظاہری انوار:۔ تو وہ ہر شخص کو نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جانور بھی ان کو دیکھتے ہیں۔ لہذا اس کے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق

اور بندے سے مطلوب، اثر کے دیکھنے والے نور سے، صفات کے مشاہدہ کرنیوالے نور کی طرف اور پھر ذات کے مشاہدہ کرنے والے نور کی طرف ترقی کرنی ہے۔ اور کبھی بعض قلوب پہلے ہی نور میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ دوسرے نور سے محجوب رہ جاتے ہیں اور کبھی دوسرے نور کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ تو تیسرے نور سے محجوب رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

رُبَّمَا وَقَفَتِ الْقُلُوْبُ مَعَ الْاَنْوَارِ ، كَمَا حَجَبَتِ النُّفُوْسُ بِكَثَائِفِ الْاَغْيَارِ

''اکثر اوقات، قلوب انوار کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ جیسا کہ نفوس اغیار کی کثافتوں کے ساتھ محجوب ہو جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ بعض قلوب مقامات کے انوار کے ساتھ ٹھیر جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ابھی انتہا تک نہیں پہنچے ہیں۔ (یعنی انتہا تک پہنچنے کے بغیر انوار میں مشغول ہو کر آگے بڑھنے سے رک جاتے ہیں) لہٰذا وہ پہنچنے سے محجوب ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ نفوس محسوسات کی کثافتوں کے سبب، معانی و مفہوم (حقیقتوں اور مقصود) کی باریکیوں کے سمجھنے سے محجوب ہوتے ہیں۔

اور ایسا، یا تو شیخ تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا پھر، ترقی کرنے سے ہمت کی کمزوری کی بناء پر ہوتا ہے۔

تو کبھی بعض قلوب پر توحید افعالی کا سر ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ عمل میں فنا ہو جاتے ہیں اور اس کی شیرینی چکھتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کے غیبی آواز دینے والے فرشتے ان کو پکارتے ہیں کہ اس جگہ نہ ٹھہرو۔ تم جس کو چاہتے ہو۔ وہ ابھی اور آگے ہے۔

اور کبھی بعض قلوب پر توحید صفاتی کا سرّ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اُن کے سامنے مقامات کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ مثلاً زہد اور ورع اور توکل کا صحیح ہونا اور رضا و تسلیم اور محبت اور شوق کی شیرینی اور ان کے علاوہ دوسرے مقامات کی حقیقتیں تو وہ انھیں پر قناعت کر لیتے ہیں۔ اور اسی مقام پر ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ مقصود، توحید ذاتی کے اسرار اور صفات کے انوار کا ظاہر ہونا ہے۔

وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى

''بے شک آخری ٹھکانہ تمھارے رب کے پاس ہے۔ پس نور اس لذت اور قوت کو کہتے ہیں۔ جسکو مرید ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی بنا پر اپنے باطن میں پاتا ہے۔

لہٰذا خدمت کی لذت فنا فی الافعال والوں کے لئے ہے۔

اور زبانی یا قلبی محسوس ذکر کی لذت، حجاب کے ساتھ فنا فی الصفات والوں کے لئے ہے۔

اور فکر و نظر کی لذت، فنا فی الذات والوں کے لئے ہے۔

اگر تم چاہو تو اس طرح کہو:۔ اکثر اوقات قلوب، احوال کے انوار کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ اس لئے وہ اللہ والوں کے مقامات سے محجوب ہو جاتے ہیں۔

یا اس طرح کہو:۔ مقامات کے انوار کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ اس لئے ذات کی معرفت سے محجوب ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے حضرت شیخ ابن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد (خلیفہ) حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔ میں اللہ تعالےٰ سے رضا و تسلیم کی سردی کی شکایت کرتا ہوں۔ جس طرح تم تدبیر و اختیار کی گرمی کی شکایت کرتے ہو۔

حضرت رضی اللہ عنہ اس بات سے ڈرے:۔ کہ رضا و تسلیم کی لذت کی بنا پر، ذات کے شہود سے محجوب نہ ہو جائیں۔

اور تم جان لو۔ کہ احوال اور مقامات کے ساتھ ٹھہر جانا، صرف شیخ کامل تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

لیکن جو شخص کامل کی صحبت میں رہتا ہے۔ یا اکثر اس کے پاس پہنچتا رہتا ہے۔ تو یہ

ضروری ہے۔ کہ وہ اس کو سیر کرا کے مقصور تک پہنچادے۔ مگر اس صورت میں کہ شیخ یہ دیکھے کہ اس کی ہمت کمزور ہے۔ شہود کے انور کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو وہ اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ہمت معبود حقیقی کے شہود کے لئے طاقتور ہو کر بلند ہو جائے۔

اور حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے، انوار کے ساتھ قلوب کے محجوب ہونے کو، اغیار کے ساتھ نفوس کے محجوب ہونے، سے اس لئے مشابہت کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونے میں دونوں مشترک ہیں۔

لیکن نفس کا اغیار کے ساتھ محجوب ہونا زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ اغیار، ظلمت ہیں۔ اور ظلمت نور سے زیادہ سخت (مضبوط) حجاب ہے۔

اور چونکہ قلوب نورانی ہیں۔ اس لئے نور کے ساتھ محجوب ہوتے ہیں اور نفوس ظلمانی ہیں۔ اس وجہ سے ظلمت کے ساتھ محجوب ہوتے ہیں۔

اور اغیار کی کثافتیں:۔ وہ دنیا کی وہ رونق اور نمائشی زینت اور مکروفریب اور حسن و جمال ہے۔ جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیۂ کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

'' آخر آیۃ تک ۔'' عورتوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیروں ، وغیرہ کی خواہشات کی محبت لوگوں کے لئے مرغوب بنادی گئی ہے۔''

اور انھیں اغیار میں، مرتبہ اور سرداری کی خواہش اور تعریف اور تعظیم کی آرزو اور ان کے علاوہ وہ تمام خواہشات وعادات جو نفس کے موافق اور اسکی پسندیدہ ہیں، داخل ہیں اور یہی وہ اغیار ہیں۔ جنہوں نے اکثر لوگوں کو مقصود تک پہنچنے سے روک دیا ہے اور اُن کو ناکامی اور محتاجی تک پہنچایا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسان اور کرم کے طفیل۔ ان اغیار سے حفاظت کی دعا کرتے

ہیں۔ آمین

اور عقلی اور زبانی علوم بھی اغیار میں داخل ہیں۔ لہذا ان علوم میں مشغول ہونا اور ان کی لذت کے ساتھ ٹھہرنا، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے، یعنی خاص معرفت کے لئے سب سے زیادہ سخت حجاب (حجاب اکبر) ہے۔

اور ظاہری کرامات، جیسے ہوا میں اُڑنا اور پانی پر چلنا بھی اغیار میں شامل ہیں۔ لہذا اس کے ساتھ ٹھہرنا بھی سخت ترین حجاب ہے۔

اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے:- اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونے میں زیادہ سخت علما ہیں، پھر عابدین ہیں، پھر زاہدین ہیں۔

پس پاک ہے وہ ذات، جس نے علما کو اُن کے علم کے سبب ان کے معلوم (اللہ تعالیٰ) سے اور عابدین کو اُن کی عبادت کے سبب اُن کے معبود حقیقی سے، اور صالحین کو اُن کی صلاحیت کے سبب اُن کے مصلح سے محجوب کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے بالاتر اور آگے ہے۔ اور اسی کے بارے میں حضرت ششتری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:-

تَقَيَّدْتَ بِالْاَوْهَامِ لَمَّا تَدَاخَلَتْ عَلَيْكَ وَ نُوْرُ الْعَقْلِ اَوْرَثَكَ السِّجْنَا

”تم وہموں کے ساتھ پھنس گئے۔ جب وہ تمہارے اندر داخل ہوئے۔ اور عقل کے نور نے تم کو مقید کر دیا۔

وَهِمْتَ بِاَنْوَارٍ فَهِمْنَا اُصُوْلَهَا وَ مَنْبَعُهَا مِنْ اَيْنَ كَانَ فَمَا هِمْنَا

”اور تم انوار کے عاشق ہو گئے۔ لیکن ہم نے ان کے اصول اور سرچشمے کو سمجھ لیا ہے۔ کہ وہ کہاں سے آتے ہیں۔ اس لئے ہم ان پر عاشق نہیں ہوئے۔

وَقَدْ تَحْجُبُ الْاَنْوَارُ لِلْعَبْدِ مِثْلَ مَا تُبْعِدُ مِنْ اَظْلَامِ نَفْسٍ حَوَتْ ضِغْنَا

”انوار بھی بندے کو اسی طرح روک دیتے ہیں۔ جس طرح وہ نفس کی تاریکی کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے۔ جو کینہ اور دوسرے برے اوصاف کو شامل ہے۔“

اور ان ظاہری [illegible] اغیار کے وجود کی چمک سے باطنی اسرار کو ڈھانپنا اور چھپانا

ہے۔جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:۔

(سَتَرَ اَنْوَارَ السَّرَائِرِ لِكَثَائِفِ الظَّوَاهِرِ ، اِجْلَالاً لَهَا اَنْ تَبْتَذِلَ بِوُجُوْدِ الْاِظْهَارِ ، وَ اَنْ يُّنَادٰى عَلَيْهَا بِلِسَانِ الْاِشْتِهَارِ

”اللہ تعالیٰ نے سرائر (باطن) کے انوار کو، ظاہر کی کثافتوں سے، اس کی عزت و تعظیم قائم رکھنے کے لئے پوشیدہ کیا۔تا کہ ظاہر کر کے ان کو ذلیل اور حقیر نہ کیا جائے۔اور شہرت کر کے ان کا اعلان نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں:۔ سرائر کے انوار:۔لدنی علم اور ربانی معارف ہیں۔اور ان کو ربوبیت کا وہ علم جمع کرتا ہے، جس کا چھپانا اس کے نااہل سے واجب ہے اور جس شخص نے اس کے ظاہر کرنے کو مباح (جائز) کیا۔اس کا خون مباح کر دیا گیا۔(اس کو قتل کر دیا گیا) اور انھیں سرائر کو ظاہر کرنے کے سبب حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ قتل کئے گئے۔

اور ظاہر کی کثافتیں:۔ ظاہری بشریت ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ سرائر کے انوار:۔باطنی آزادی ہے۔اور ظاہر کی کثافتیں:۔ ظاہری بندگی ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ سرائر کے انوار:۔باطنی قدرت کا علم ہے۔اور ظاہر کی کثافتیں:۔ ظاہری حکمت کا علم ہے

پس سرائر کے انوار:۔لطیف، باریک حقیقتیں ہیں۔اُن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری کثافتوں سے پوشیدہ فرما دیا ہے۔اسی لئے سرائر کے انوار والوں کا ظاہر دیکھنے والے لوگوں نے ہمیشہ انکار کیا۔خواہ وہ پرانے زمانہ کے لوگ ہوں، یا نئے زمانے کے لوگ ہوں۔

یہاں تک کہ کافروں نے کہا:۔

(مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ)

”یہ کیسا رسول ہے۔کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔“

(وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ)

اور کافروں نے کہا:- یہ نہیں ہے۔ مگر ہماری طرح بشر ہے۔

اور اولیاء اللہ کا انکار کرنا۔ پرانی سنت ہے اور اس کی حکمت، ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا ہے اور اس سے ان کو محفوظ کرنا ہے کہ وہ ظاہر کر کے حقیر کر دیئے جائیں۔ اور ان کو مشہور کر دیا جائے۔ پھر نہ ان کا رزا باقی رہے نہ عزت قائم رہے۔

اسی لئے اولیائے کرام نے گمنامی اور خراب (لوگوں کی نظروں سے گرانے وے لے طریقے) اور تلبیس (احوال کو چھپانے والے طریقے) کو پسند فرمایا ہے:-

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

اِذَا رَاَیْتَ الْوُجُوْدَ قَدْ لَاحَ فِیْ ذَاتِكَ

''جب تم وجود کو دیکھو۔ کہ تمھاری ذآت میں ظاہر ہوا ہے۔''

هَوْدِسْ وَ لَازِمِ الْجُحُوْ دَ ذَاتَكَ وَ صِفَاتَكَ

''تم بے وقوف بن جاؤ۔ اور اپنی ذات اور صفات کا انکار کر دو۔''

وَ ا ضْرِبْ بِتُرْسِكَ الْعُقُوْدَ وَاَلْقِ عَصَاتَكَ

''اور اپنے تلوار سے تعلقات کو کاٹ دو۔ اور اپنا بھروسہ (سہارا) ختم کرو۔

ترس:- کے معنی ہیں ڈھال۔ یہاں تلوار مجازا لیا گیا ہے۔ اور عقود سے مراد، تعلقات اور شواغل (مانعات، روکنے والی چیزیں) یعنی اپنے عزم کی تلوار سے تعلقات اور مانعات کو ختم کر دو۔

اور القاء العصا:- لاٹھی ڈال دینا:- سہارا ختم، کنایہ ہے، ان تمام اشیاء کے ختم کرنے سے جن پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ جیسے اصحاب (ساتھی) یا احباب (دوست) یا اسباب (ذریعے اور وسیلے)، یا اختیار، یا طاقت، یا ان کے سوا ہر وہ شی جن کی طرف انسان مائل ہوتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے:- کہ مصنف ؒ نے، سرائر کے انوار سے، صفات کی حقیقتیں مراد لی ہو، جو ذات میں سرایت کی ہوئی ہیں۔ اور ظاہر کی کثافتوں سے ظاہری محسوسات مراد لی ہو۔ تو صفات، محسوس ذاتوں کے بغیر ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ اور محسوس ذاتیں، صفات کے بغیر قائم نہیں ہوتی ہیں۔

لہذا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ازلی لطیف صفات کو بشریت کی کثیف ذاتوں کے ظہور

میں پوشیدہ کیا۔ تا کہ ربوبیت کا رزا ظاہر ہو کر حقیر نہ ہو۔ یا مشہور ہو کر راز ظاہر نہ ہو جائے۔ بلکہ ربوبیت کا راز، راز کی حیثیت سے محفوظ رہے۔ حاصل یہ ہے کہ کل اشیاء ذات اور صفات کے درمیان ظاہر اور باطن کے درمیان قدرت اور حکمت کے درمیان قائم ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے لطیف ذات کے اسرار کی حقیقتوں کو کثیف ذاتوں کے ظہور میں پوشیدہ کر دیا اور لطیف حقیقت کو کثیف محسوس میں پوشیدہ کر دیا اور قدرت کو حکمت میں پوشیدہ کر دیا۔

اور لطیف حقیقت کو کثیف محسوس میں پوشیدہ کر دیا۔ اور قدرت کو حکمت میں پوشیدہ کر دیا۔

اور سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی شی موجود نہیں ہے۔ اور یہ ظاہری کثافتیں :- لطیف حقیقتوں کی چادریں اور قمیصیں ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:- یہ ظاہری کثافتیں :- حفاظت کی چادر ہیں۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے کائنات پر اُڑھا دیا ہے۔

لہٰذا جب چادر چاک ہوتی یا دور ہو جاتی ہے۔ تو مسلم حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ پس تصرفات قہر یہ صرف چادروں اور پردوں کو کھینچتے ہیں۔ نہ کہ حقیقتوں اور نور کو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ کہ اس کو وہ شے لاحق ہو، جو بندوں کو لاحق ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو زیادتی کی طلب سے باز رہنا چاہئے۔

اور ادراک سے عاجز ہونا ہی بندوں کا وصف ہے۔

اور عارفین نے لطیف حقیقتوں کے کثیف اجسام میں پوشیدہ ہونے کی مثال، اُن خشک دانوں اور پھلوں سے دی ہے۔ جو تر د تازہ شاخوں میں لگتے ہیں۔ تو وہ پھل اسی شاخ میں پوشدہ ہیں۔ تو جب بارش ہوتی ہے۔ درخت سرسبز ہو جاتے ہیں۔ اور ان پھلوں کو ظاہر کر دیتے ہین۔ جو ان کے اندر چھپے ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابن بناء نے اپنے مباحث اصلیہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

وَ هِيَ مِنَ النُّفُوْسِ فِي كُمُوْنٍ ۔۔۔ كَمَا يَكُوْنُ الْحَبُّ فِي الْغُصُوْنِ

''اور لطیف حقیقتیں نفوس میں اس طرح چھپی ہوئی ہیں۔ جس طرح دانہ یا پھل شاخوں کے اندر چھپے

ہوتے ہیں۔

حَتّٰی اِذَا اَرْعَدَتِ الرُّعُوْدُ وَانْسَکَبَ الْمَاءُ وَ لَانَ الْعُوْدُ

یہاں تک کہ جب بادل گرجتا ہے اور پانی برستا ہے اور شاخیں نرم ہوتی ہیں۔

وَجَالَ فِی اَغْصَانِھَا الرِّیَاحُ فَعِنْدَھَا یُرْتَقَبُ لُقَاحُ

''اوران کی شاخوں کے اندر ہوا گزرتی ہے، تو اس وقت پھل کا انتظار کیا جاتا ہے۔

یہاں سولھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اوراس کا حاصل :- سیر کرنے کی حالت میں سائر کے آداب ہیں۔ اس طرح کہ کسی نافرمانی کے ساتھ نہ ٹھہرے۔ اور نہ کسی طاعت کی طرف جھکے۔ (یعنی کسی نافرمانیمیں مشغول نہ رہ جائے اور کسی طاعت پر اعتماد نہ کر بیٹھے) نہ اس کے اوپر خوف غالب ہو، نہ رجا۔ نہ قبض غالب ہو نہ بسط۔ بلکہ اس پر نظر رکھے جو غیب سے ظاہر ہو۔ پھر اسکو معرفت اور کشادہ دلی کے ساتھ قبول کرے۔

لہذا جب وہ ایسا کرے گا۔ تو اس کے اوپر انوار روشن ہوں گے۔ اور اس کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کردینگے۔ یہاں تک کہ اس کو بادشاہ قہار اللہ تعالیٰ کے شہود تک پہنچادیں گے۔ لیکن حسینوں کے لئے نقاب اوسورج کے لئے بادل اور یاقوتوں کے لئے حفاظت ضروری ہے۔ اس لئے انوار، اغیار کی کثافتوں سے پوشیدہ ہو گئے۔ تاکہ ظاہر اور مشہور ہونے سے محفوظ رہ کر ان کی قدرو منزلت قائم رہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو اپنی مخلوق میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ لہذا وہ ان سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا ہے۔ مگر اس شخص کو جس کو وہ اپنے راز سے خاص کرنا چاہتا ہے۔ جس راز سے اولیائے کرام کو خاص کیا ہے۔

مصنفؒ نے اس کو سترھویں باب کی ابتدا میں بیان کیا ہے۔

سترہواں باب

اللہ تعالےٰ کی معرفت اور اولیاء اللہ کی معرفت دونوں کے لازم ملزوم ہونے، ولایت کے اسرار کی تشریح، عارف میں شہود حق تعالےٰ، ہر شی سے فنا ہونے اور ہر شی سے اللہ تعالےٰ کی محبت زیادہ ہونے کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ الدَّلِیْلَ عَلٰی اَوْلِیَائِہٖ اِلَّا مِنْ حَیْثُ الدَّلِیْلِ عَلَیْہِ ، وَ لَمْ یُوْصِلْ اِلَیْھِمْ اِلَّا مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّوْصِلَہٗ اِلَیْہِ-

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیا تک پہنچنا، اپنی ذات تک پہنچنے کی دلیل بنائی۔ (یعنی اولیاء اللہ کی معرفت کو اپنی ذات کی معرفت کے لئے لازمی قرار دیا۔ اور وہ جس شخص کو اپنی ذات تک پہنچانا چاہتا ہے، اسی کو اپنے اولیا تک پہنچاتا ہے۔''

اہل اللہ کی بارگاہ تک رسائی وصول الی اللہ کا دیباچہ ہے

میں کہتا ہوں:- دلیل وہ ہے:- جو مقصود تک پہنچا دے۔ پس جب اللہ تعالےٰ تم کو کسی عارف باللہ ولی تک پہنچائے اور اس کی طرف تمہاری رہنمائی کرے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تم کو اپنی معرفت تک پہنچانا اور اپنی ذات کی طرف تمہاری رہنمائی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے جب اُس نے تمہاری رہنمائی اپنے کسی ولی کی طرف کی اور تم کو اس کے راز سے آگاہ کیا۔ تو یقینی طور پر وہ تم کو اپنی معرفت کی طرف رہنمائی کریگا اور تم کو اپنی بارگاہ میں جلد پہنچائے گا۔ لہذا اللہ تعالےٰ نے اولیاء اللہ کی طرف رہنمائی اور اُن کے پاس پہنچنا، اپنی معرفت کی دلیل بنائی۔ اور جس کو اپنی معرفت تک پہنچانا

چاہتا ہے۔اسی کواولیاءاللہ کے پاس پہنچاتا ہے۔اسی لئے دونوں کے ایک دوسرے سے لازم ہونے اور جدانہ ہونے کی بناء پر حضرت مصنفؒ نے تعجب کا اظہار کیا۔

اور ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے مصنف رضی اللہ عنہ کے اس قول کے سلسلے میں فرمایا ہے:-

تمھارا اللہ تعالےٰ تک پہنچنا تمھارا اس کے علم تک پہنچنا ہے۔

نیز فرمایا:- تمھارا اللہ تعالےٰ تک پہنچنا ، کسی عارف باللہ تک پہنچنا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالےٰ نے تم کو کسی عارف باللہ تک پہنچا دیا اور اس سے تم کو آگاہ کر دیا۔ تو اس نے تم کو اپنی معرفت تک پہنچا دیا۔ اور جب تم کو عارفین سے محجوب کر دیا۔ تو تم کو اپنی معرفت سے محجوب کر دیا۔ لہذا اولیاء اللہ کی معرفت کے راستے کے سوا، حق تعالیٰ کی معرفت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور اولیاء اللہ کی دلیل کے سوا اللہ تعالےٰ کی یعنی اس کی خاص عینی معرفتکی کوئی دلیل نہیں ہے اور جس طرح اللہ سبحانہ تعالےٰ نے اپنی مقدس ذات کو اپنی عزت اور قہریت سے پوشیدہ کیا ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے اولیاء عظام کو ان کے اوپر اوصاف بشریت ظاہر کر کے پوشیدہ فرمایا۔ لہذا ان کو وہی شخص پہچانتا ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالےٰ کی خاص عنایت سبقت کر چکی ہے۔ کیونکہ خواص کو صرف خواص ہی پہچانتے ہیں۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:- اہل اللہ، وجود کی دلہنیں ہیں۔ دلہنیں مجرموں سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ لہذا وہ پردے ہی میں رہنے کے لائق ہیں۔

حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

ولی کا پہچاننا، اللہ تعالےٰ کے پہچاننے سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے جلال اور جمال کے کمال سے پہچانا جاتا ہے۔ اور وہ مشہور ہے۔ لیکن ایسی مخلوق کو تم کس طرح پہچان سکتے ہو، جو تمھاری ہی طرح کھاتی اور پیتی ہے۔

نیز فرمایا:- جب اللہ تعالےٰ اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کو تمھیں پہچوانا چاہتا ہے۔ تو اس کی بشریت کو تمھاری نگاہ سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔ اور اس کی خصوصیات تمھارے اوپر ظاہر کر دیتا ہے۔

نیز فرمایا:- ولی ظاہری صورت سے نہیں پہچانا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ صرف باطنی حقیقتوں

سے پہچانا جاتا ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہری صورت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِی طِمْرِیْنَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللهِ لَاَبَرَّهٗ فِی قَسَمِهٖ

''بہت سے بکھرے بال والے (پریشان حال) گرد آلود (میلے کچیلے) گدڑی پوش (پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے) ایسے ہیں۔ کہ اگر وہ کسی کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کرے گا۔''

لہٰذا جو شخص ولی اللہ کو صورت سے پہچاننا چاہتا ہے۔ تو وہ اس کو نہیں پہچان سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو صرف بشر دیکھتا ہے۔ جو کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے اور آنکھ صرف کثیف اجسام کو دیکھتی ہے۔ جن پر وہی حالت طاری ہوتی ہے، جو اہل حجاب پر طاری ہوتی ہے اور ان لطیف حقائق اور پاکیزہ اسرار کو نہیں دیکھ سکتی ہے، جو صورت میں پوشیدہ کر دی گئی ہے۔

نیک بختی کی علامت اعتقاد و تصدیق

لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نیک بخت بنانا چاہتا ہے۔ پہلے اس کو اعتقاد اور تصدیق عطا فرماتا ہے، پھر اس کے بعد ہدایت اور توفیق مرحمت کرتا ہے۔ لہٰذا ولایت کے اسرار کی تصدیق پہلی معرفت ہے۔

اسی لئے حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ہماری طریقت کی تصدیق ہی ولایت ہے۔

اہل اللہ کی اقسام

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ کچھ اللہ والے ایسے ہیں۔ جن کو صرف خاص لوگ پہچانتے ہیں۔

اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں، جن کو خاص و عام سبھی لوگ پہچانتے ہیں۔ اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں۔ جن کو نہ خاص لوگ پہچانتے ہیں۔ نہ عام لوگ۔ اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں، جن کو اللہ

تعالےٰ ابتدا میں ظاہر کرتا ہے۔ اور انتہا میں چھپا دیتا ہے۔

اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں، جن کو ابتدا میں چھپاتا ہے۔ اور انتہا میں ظاہر کرتا ہے۔ اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالے کے سوا کوئی نہیں پہچانتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے اور اُن کے درمیان کے معاملے سے ان بزرگ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہوتا ہے۔ جن کو سرائر کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔

اور کچھ اللہ والے ایسے ہیں، جن کو صرف اللہ تعالےٰ پہچانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان کی حقیقت سے محافظ فرشتے بھی واقف نہیں ہوتے ہیں۔ جب تک اُن کو القا نہ کیا جائے۔

لہٰذا یہ لوگ ملکوت اعلیٰ کا مشاہدہ کرنے والے مقربین بارگاہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی روحیں اللہ تعالےٰ اپنے ہاتھ سے قبض کرتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے اجسام ان کی ارواح کی پاکیزگی سے پاکیزہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کے مقدس اجسام کی طرف مٹی نہیں بڑھے گی۔ (مٹی ان کے اجسام کو نہیں کھائے گی)۔ یہاں تک کہ وہ اس حال میں اٹھائے جائیں گے، کہ وہ اُس بقا کے انوار سے روشن ہوں گے۔ جو اللہ تعالےٰ باقی احد کی ابدی بقا کے ساتھ، ان کو ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہ لوگ انسیت کے حجاب کے نیچے بے قرار، محبت اور قدس کے سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو اس کے غیر کے ساتھ قرار و سکون نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ ان کو اپنی خبر ہوتی ہے۔ ان کے حالت کا کفیل اللہ تعالےٰ ہے۔ (جس طرح چلائے چلتے ہیں، جو کھلائے کھاتے ہیں۔ جس طرح رکھے رہتے ہیں۔ ہر حال میں راضی بہ رضا ہیں)

(وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ)

''اور جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کو دوست رکھتا ہے۔ بیشک اللہ تعالےٰ کی جماعت ہی غالب ہے۔''

حضرت ششطیی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ یہ اسرار جن کو اولیاء اللہ کے اسرار اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔ اور جو عوام سے پوشیدہ ہیں۔ یہ ملکوت کے وہ غیبی اسرار ہیں۔ جن کی طرف مصنف ؒ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

رُبَّمَا اَطْلَعَكَ عَلٰى غَيْبِ مَلَكُوْتِهٖ ، وَ حَجَبَ عَنْكَ الْاِسْتِشْرَافَ عَلٰى اَسْرَارِ الْعِبَادِ

''اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تم کو اپنے ملکوت کے غیب سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن بندوں کے رازوں سے تم کو آگاہ نہیں کرتا ہے۔''

اصطلاح صوفیاء میں عالم تین ہیں

میں کہتا ہوں:۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں عالم تین ہیں:۔

پہلا:۔ ملک۔ دوسرا:۔ ملکوت۔ تیسرا:۔ جبروت

پہلا:۔ عالم ملک:۔ وہ عالم۔ جو حس اور وہم سے معلوم کیا جاتا ہے۔

دوسرا:۔ عالم ملکوت:۔ وہ عالم ہے۔ جو علم اور سمجھ سے معلوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا:۔ عالم جبروت:۔ وہ عالم ہے۔ جو بصیرت اور معرفت سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اور ان تینوں عالموں کا مقام ایک ہے۔ اور وہ اصلی اور فرعی وجود ہے اور صرف فکر ونظر کے اختلاف سے مختلف نام رکھا گیا ہے۔ اور معرفت میں ترقی کے اختلاف سے فکر ونظر میں اختلاف واقع ہوا۔

وجود کی دو قسمیں

لہذا عارفین محققین کے نزدیک وجود کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک قسم:۔ لطیف غیبی وجود ہے۔ جو عالم تکوین میں داخل نہیں ہے۔

دوسری قسم:۔ کثیف وجود ہے۔ جو عالم تکوین میں داخل ہے۔

پہلی قسم، کا نام عالم غیب ہے اور دوسری قسم کا نام عالم شہادت ہے۔

اور جو شئی عالم غیب میں پوشیدہ تھی۔ عالم شہادت میں ظاہر ہوئی۔ تو جس شخص نے اشیاء کے ظاہری حسن کی طرف دیکھا اس نے اس کا نام عالم ملک رکھا اور اس کا دوسرا نام، عالم حکمت اور عالم اجسام ہے۔

اور جس شخص نے اُن حقیقتوں کے اسرار کی طرف نظر کی جو اوانی کے ساتھ قائم ہیں۔ اور وہ ذات کے وہ اسرار ہیں۔ جو صفات کے انوار کے ساتھ قائم ہیں۔ اُس نے اُس کا نام عالم ملکوت رکھا۔

اور جس شخص نے ان ازلی اسرار کی طرف نظر کی ، جو پوشیدہ خزانے کی حالت میں ہیں۔اور عالم تکوین میں داخل نہیں ہیں۔اس نے اس کا نام عالم جبروت رکھا۔

یاتم اس طرح کہو:۔ جس نے اس کثیف کی طرف دیکھا۔جو عالم تکوین میں داخل ہے۔ اوراس کواس کے نفس کیساتھ مشغول اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ قائم دیکھا۔اس نے اس کا نام عالم ملک رکھا۔اور یہ اہل فرق میں سے اہل حجاب کا مقام ہے۔

اور جس نے اس نور کی طرف دیکھا۔جو لطیف نور سے جاری ہونے والا اوراس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔مگر یہ کہ وہ قدرت سے کثیف ہو گیا۔اور حکمت سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔اس نے اس کا نام عالم ملکوت رکھا۔

اوراس نے اس لطیف کا نام عالم جبروت رکھا۔جو اپنی اصل پر باقی ہے۔عالم تکوین میں داخل نہیں ہے۔جو ہر شی کا اول ہے۔اور ہر شی کا آخر ہے۔اور ہر شی کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے۔تو اگر فرع اپنی اصل سے اور کثیف لطیف سے ملا دیا جائے۔تو سب کا نام عالم جبروت رکھا گیا ہے۔

اوران حقیقتوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔مگر وہ جو اہل ذوق کی صحبت میں رہ کر اہل ذوق ہو چکا ہے۔

اور جو شخص اس مقام میں نہیں پہنچا ہے۔اس کے لئے تسلیم کرنا ہی کافی ہے۔ورنہ وہ اولیاء اللہ کے انکار میں مبتلا ہو کر بے جا اعتراض کرے گا۔

اب ہم حضرت مصنفؒ کے کلام کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں۔

حجاب سے احباب تک

اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر سے حجاب دور کر دیتا ہے۔اور تم ترقی کر کے احباب میں داخل ہو جاتے ہو۔پھر تم کو مخلوق کے دیکھنے کے قید خانے سے نکال کر خالق کے شہود تک اور عالم اجسام سے نکال کر عالم ارواح تک پہنچاتا ہے۔پھر تم کو اپنے ملکوت کے غیب سے آگاہ کرتا ہے۔تو تم کل کائنات کو ایسا نور دیکھتے ہو، جو جبروت کے سمندر سے جاری ہے۔پھر تم اس کو اس کی اصل سے ملا دیتے ہو۔اور تم اس ملکوت کے شہود میں جس کا نام عالم جمع ہے، مشغول ہو کر، اس ملک کے شہود

سے جس کا نام عالم فرق ہے، فنا ہو جاتے ہو۔ اس حقیقت کے بارے میں حضرت ابن بناء نے فرمایا ہے:۔

مَهْمَا تَعَدَّيْتَ عَنِ الْاَجْسَامِ　　　اَبْصَرْتَ نُوْرَ الْحَقِّ ذَا ابْتِسَامِ

''جب تم اجسام سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گئے۔ تو تم نے اللہ تعالیٰ کے نور کو مسکراتے دیکھا۔''

اور تمھارے اوپر رحمت کی بنا پر اپنے بندوں کے پوشیدہ راز تم سے چھپا دیتا ہے۔ اس لئے کہ تم بندوں کے رازوں سے آگاہی کے سبب ملکوت کے شہود سے محجوب ہو جاتے ہو۔

لہٰذا محققین کے نزدیک بندوں کے رازوں کے مکاشفہ (آگاہ ہونا) کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ یہ کبھی آگاہ ہونے والے کے حق میں مصیبت بن جاتی ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

اور بندوں کے رازوں سے آگاہی، ایسے لوگوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جن کو عبادت سے بالکل تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جیسے کاہن اور جادوگر وغیرہ

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ملکوت کا مشاہدہ کرنے والے، بندوں کے رازوں کی آگاہی سے محجوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس حالت میں مشغول ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی اور بہت مفید ہے۔

اور یہ مکاشفات (بندوں کے رازوں سے آگاہی) صرف عابدین، زاہدین، اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور عارفین کے لئے بھی مکاشفات کے حاصل ہونے سے انکار نہیں ہے۔ کبھی ان کو مکاشفہ اور کشف دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی بندوں کے رازوں کا مکاشفہ اور قلب سے حجاب کا کشف۔ لیکن اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ روح ملکوت کے شہود میں مستغرق رہتی ہے۔ نہ یہ کہ بندوں کے رازوں سے آگاہ ہونے کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ اس کا تعلق عالم ملک سے ہے۔

حضرت شیخ ابو یعزی رضی اللہ عنہ لوگوں کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ اور اُن کو رسوا کرتے تھے۔ تو ان کے شیخ حضرت ابوشعیب ایوب رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس اس

سے پرہیز کرنے اور مسلمانوں کی پردہ دری سے روکنے کے لئے خط لکھا۔ تو حضرت شیخ ابویعزی نے اس کے جواب میں ان کو یہ تحریر کیا:- کسی بشر کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے۔ کہ بندوں کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہو سکے۔ اور ان کے عیوب کو عالم غیب سے نکال کر عالم شہادت میں لائے۔ لیکن میں جو کر رہا ہوں۔ یہ درحقیقت میری طرف القا کیا جاتا ہے۔ اور مجھ کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ کہو:- اور خطاب کو سنو:- تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو۔ اور تمھاری ذات سے مقصور یہ ہے کہ مخلوق تمھارے ہاتھ پر توبہ کرے۔ لہذا میرے اوپر ایسے حال کا غلبہ ہوتا ہے۔ جس کا اختیار میرے اوپر اتنا غالب ہو جاتا ہے۔ کہ اس حال کے ہوتے ہوئے میں ان باتوں کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتا ہوں۔

اور حضرت شیخ ابوعبداللہ تاودی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:- جس راستے کو شیخ ابویعزی نے سولہ سال میں طے کیا ہے۔ میں نے اس کو چالیس روز میں طے کیا ہے اور انھوں نے ہماری اس طریقت کا غبار بھی نہیں سونگھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور سب کے سب اولیاء اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذکر سے ہم کو فائدہ پہنچائے۔ اور مذکور بیان سے ہمارا مقصد اولیائے کرام میں سے کسی کی تنقیص (درجہ گھٹانا) نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ مکاشفہ کا طریقہ، انتہا نہیں ہے۔ بلکہ بعض عارفین نے فرمایا ہے:- وہ ابتدا ہے۔ وباللہ التوفیق

مکاشفہ مبتدی کیلئے وبال ہے

اور مکاشفہ:- مرید کے حق میں وبال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:-

مَنِ اطَّلَعَ عَلٰى اَسْرَارِ الْعِبَادِ وَ لَمْ يَتَخَلَّقْ بِالرَّحْمَةِ الْاِلٰهِيَّةِ ، كَانَ اِطِّلَاعُهٗ فِتْنَةً عَلَيْهِ وَ سَبَبًا لِجَرِّ الْوَبَالِ عَلَيْهِ

"جو شخص بندوں کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ لیکن رحمت الٰہی سے موصوف نہیں ہوتا ہے۔ تو اس کا واقف ہونا اس کے لئے فتنہ اور اس پر مصیبت لانے کا سبب بن جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں :- شہود میں ثابت و قائم ہونے اور بادشاہ معبود اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہونے سے پہلے، بندوں کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہونا، ایک بڑا فتنہ اور بلا و مصیبت ہے۔

اور یہ اس وجہ سے ہے۔ کہ معرفت میں قائم ہونے سے آگاہی کی حالت حاصل ہو جانے سے مرید کا قلب اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کا خیال اور اخلاص پریشان ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کو شہود سے روک دیتا ہے اور بادشاہ ودود اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مضبوط ہونے سے باز رکھتا ہے۔

نیز یہ کہ جب تک نفس زندہ رہتا ہے۔ اور اس سے فنا نہیں ہوتا ہے۔ تو وہ اس آگاہی کی وجہ سے لوگوں سے اپنے افضل ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔ اس لئے اس کے اندر تکبر اور عجب (خود پسندی) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونوں تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ لہذا ایسی حالت میں بندوں کے رازوں سے اس کی آگاہی، اس کی طرف مصیبت یعنی عذاب کے لانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اور وہ عذاب :- تکبر اور لوگوں سے اپنے کو افضل سمجھنا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

بخلاف اس کے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صفات اور اسماء کی حقیقتوں میں ثابت ہو جاتا ہے۔ تو وہ رحمٰن کے وصف سے موصوف ہوتا ہے۔ اس لئے جب بندوں کے گناہوں اور ان کے عیوب سے آگاہ ہوتا ہے۔ تو وہ ان کے اوپر رحم کرتا ہے۔ اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور ان کی نافرمانیوں کو برداشت کرتا ہے۔

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ ، وَ اَقْرَبُكُمْ اِلَى اللهِ اَرْحَمُكُمْ لِعِيَالِهٖ

”مخلوق اللہ تعالیٰ کا اہل و عیال ہے اور تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے قریب وہ ہے۔ جو اس کے اہل و عیال کے ساتھ زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

رحم کرو! تم اہل زمین پر

نیز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ ، اِرْحَمُوْا اَھْلَ الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

''رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے۔ تم لوگ زمین والوں رحم کرو۔ تمھارے اوپر آسمان والا (اللہ تعالیٰ) رحم کرے گا۔''

اور اشارات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے:- جب میں نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا۔ تو میں نے رحمانیت کا ایک حصہ تم کو دیا لہٰذا تم لوگوں پر زیادہ مہربان ہو گئے۔

روایت بیان کی گئی ہے:- حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا:- میں مخلوق میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں:- تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بلندی پر اٹھایا اور زمین والوں کے حالات ان کے سامنے ظاہر کر دیا۔

جب انھوں نے لوگوں کے اعمال و افعال کو دیکھا۔ تو انھوں نے کہا:- اے میرے رب! تو ان لوگوں کو تباہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا:- اے ابراھیم! میں اپنے بندوں پر تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ (میں اُن کو اس لئے تباہ نہیں کرتا ہوں) کہ ممکن ہے۔ یہ لوگ توبہ کر لیں۔ اور میری طرف رجوع کر لیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مرتکب کبیرہ کیلئے بددعا اور حق تعالیٰ کی گرفت

بعض تفسیر کی کتابوں میں یہ روایت ہے:- حضرت ابراھیم علیہ السلام ہر رات آسمان پر جانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ لہذا ایک رات وہ آسمان پر لے جائیگئے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''اور اسی طرح ہم نے ابراھیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کا ملکوت دکھایا۔''

تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ایک شخص کو کبیرہ گناہ کرتے دیکھا تو حضرت نے بددعا

فرمائی:-

اَللّٰھُمَّ اَھْلِکْہُ یَاْکُلُ رِزْقَکَ وَ یَمْشِیْ عَلٰی اَرْضِکَ وَ یُخَالِفُ اَمْرَکَ

''اے اللہ اس کو ہلاک کر دے۔ یہ تیری دی ہوئی روزی کھاتا ہے۔اور تیری زمین پر چلتا ہے اور تیری حکم کے خلاف عمل کرتا ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا پھر انھوں نے دوسرے شخص کو بھی ایسا ہی گناہ کرتے دیکھا۔اس کے لئے بھی یہی دعا فرمائی:-

اے اللہ اس کو ہلاک کر دے۔تو غیب سے یہ آواز آئی:-

میرے بندوں کو چھوڑ دو۔ میں نے برابر ان کو گناہ کرتے دیکھا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:-اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی:-

اے ابراھیم ! مخلوق کے لئے تمھاری رحمت کہاں ہے؟ میں اپنے بندوں پر تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ یا تو یہ لوگ توبہ کریں گے۔تو میں ان کے توبہ کو قبول کر کے ان کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا اور یا تو ان کے پشت سے ایسے لوگوں کو پیدا کروں گا۔ جو میری تسبیح و تقدیس بیان کریں گے۔اور یا تو وہ میری مشیت کے مطابق اٹھا لئے جائیں گے۔پھر مجھے اختیار ہے۔کہ میں انھیں معاف کر دوں، یا سزا دوں۔

اے ابراھیم ! تم اپنی بددعا کے سلسلے میں اپنے گناہ کا کفارہ خون کی قربانی دے کر ادا کرو۔ لہذا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ایک اونٹ کی قربانی کی۔ پھر دوسری رات میں غیب سے آواز آئی:-اپنے گناہ کا کفارہ خون کی قربانی سے ادا کرو۔لہذا انھوں نے ایک گائے ذبح کی۔پھر تیسری رات میں یہی آواز آئی:- تم اپنے گناہ کے کفارے میں قربانی کرو۔لہذا انھوں نے ایک بکری ذبح کی۔پھر چوتھی رات میں بھی یہی کہا گیا:- قربانی کرو۔لہذا جتنے جانور ان کے پاس باقی بچے تھے۔ سب کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کر دیا:- پھر پانچویں رات میں بھی ان سے یہی کہا گیا:- قربانی کرو۔تو حضرت ابراھیم نے کہا:-اے میرے رب ! اب تو میرے پاس کچھ نہیں باقی رہا۔تو کہا گیا:-اپنے بیٹے کو ذبح کر کے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرو۔ کیونکہ تم نے گناہ گاروں کے لئے بددعا کی۔تو وہ ہلاک ہو گئے۔پھر جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار

ہوئے۔ اور اپنے ہاتھ میں چھری لی:- تو کہا، اے میرے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے اور یہ میرا لخت جگر ہے اور یہ سب لوگوں سے زیادہ مجھ کو پیارا ہے۔ تو حضرت ابراھیم نے غیبی آواز سنی:- کیا تم کو وہ رات یاد نہیں ہے۔ جس رات میں تم نے میرے بندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی؟

یا کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے۔ کہ میں اپنے بندوں کے لئے ویسے ہی رحیم ہوں۔ جیسے تم اپنے بیٹے کے لئے شفیق ہو۔ تو جس طرح تم نے میرے بندوں کے ہلاک کرنے کے لئے دعا کی۔ اسی طرح میں نے تمھارے بیٹے کے ذبح کرنے کے لئے تم کو حکم دیا۔ خون کا بدلہ خون ہے۔ اور ابتدا کرنے والا، بڑا ظالم ہے۔

اور چونکہ بندوں کی پوشیدہ باتوں پر آگاہی، طاعت اور ریاضت کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے نفس طاعت کرنے میں اس حقیر فائدے کی نیت کرتا ہے اور یہ پوشیدہ بیماری ہے۔ مصنف نے اس پر اپنے قول میں تنبیہ فرمائی ہے:-

حَظُّ النَّفْسِ فِي الْمَعْصِيَةِ ظَاهِرٌ جَلِيٌّ ، وَ حَظُّهَا فِي الطَّاعَةِ بَاطِنٌ خَفِيٌّ ، وَ مُدَاوَاةُ مَا خَفِيَ صَعْبَ عِلَاجُهُ

نافرمانی میں نفس کا فائدہ بخوبی ظاہر ہے۔ اور طاعت میں اس کا فائدہ بالکل پوشیدہ ہے اور جو بیماری چھپی ہوتی ہے۔ اس کا علاج دشوار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- نافرمانی میں نفس کا فائدہ:- ظاہری بشریت کے فوائد ہیں۔ جیسا کہ کھانے اور پینے اور نکاح اور گانے کی لذت اور ان کے علاوہ وہ تمام محسوس لذت کی چیزیں جو حرام ہیں۔

اور طاعت میں نفس کا فائدہ:- کرامات اور خرق عادات اور غیبی امور سے آگاہ ہونے کی خواہش ہے۔ اور جیسے کہ لوگوں کے نزدیک خصوصیت اور قدر و منزلت چاہتا ہے۔ اور اس پوشیدہ بیماری کا علاج پہلی ظاہری بیماری کے علاج سے زیادہ دشوار ہے۔ کیونکہ محسوس پوشیدہ بیماری کا علاج، ظاہر بیماری کے علاج سے زیادہ مشکل ہے۔

اور ایسے ہی حقیقی باطنی بیماری کا حال ہے جو بیماری ظاہر ہے نفس سے تعلق رکھتی ہے۔

اس کا علاج، اس بیماری سے جو پوشیدہ ہے۔ روح سے تعلق رکھتی ہے۔ زیادہ آسان ہے۔

پس پہلی بیماری یعنی جو ظاہر ہے اور نفس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا علاج، گوشہ نشینی اور برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور طاعت اور اذکار کی کثرت سے ممکن ہے۔

بخلاف دوسرے کے، جو پوشیدہ ہے اور روح سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ طاعت اس بیماری کو بڑھاتی اور طاقتور کرتی ہے۔ اس لئے طاعت ہی سے نفس اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ لہذا طاعت سے اس کا علاج نہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا علاج ہلا دینے والا خوف، یا بے قرار کرنے والا شوق ہے۔ یا عارف محقق ولی اللہ کی صحبت ہے۔ جو محبت اور تصدیق کے ساتھ اختیار کی جائے۔

پیش مردِ کامل پامال شو!

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جس شخص کے اوپر اس کا نفس دشوار یعنی غالب ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ اپنے نفس کو شیخ تربیت کے حوالے کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی

''اور اگر تم لوگ ایک دوسرے کے لئے دشوار ہو جاؤ۔ تو بچے کو دوسری عورت دودھ پلائے۔''

لہٰذا اگر تمہارے اوپر تمہارا نفس دشوار ہو جائے۔ تو اس کو دوسرا نفس دودھ پلائے (علاج کرے) یہاں تک کہ اس کے دودھ پلانے (علاج کرنے) کی مدت پوری ہو جائے۔

اور اگر ان علاجوں میں سے کوئی ایک بھی حاصل نہیں ہے۔ تو بیماری ہی کی حالت میں مر جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے قلب سلیم کے ساتھ ملاقات نہ کرے گا۔

لہذا بندے پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو مجرم قرار دے۔ اور اپنے قلب کی حفاظت کرے۔ تو اگر نفس طاعتوں سے کچھ لذت حاصل کرے اور اس سے مانوس ہو جائے۔ تو نفس کو اس سے جدا کر کے کسی دوسری شے میں مشغول کر دے۔ اگرچہ وہ شے بظاہر فضول ہو۔

اور عنقریب اس معاملے پر مصنفؒ کی بحث آئے گی۔ جب تمہارے سامنے دو مشابہ امور پیش ہوں۔ تو تم یہ غور کرو کہ اُن میں سے کون نفس پر زیادہ گراں ہے۔ کیونکہ نفس پر وہی شے گراں

ہوتی ہے۔ جو حق ہوتی ہے۔

حضرت ابو محمد مرتعش نے فرمایا ہے:- میں نے تجرید کی حالت میں (یعنی دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر) متعدد حج کئے۔ بعد میں مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ سب کے سب نفس کے فوائد سے مخلوط تھے۔

اور یہ بات مجھ کو اس طرح معلوم ہوئی۔ کہ ایک روز میری والدہ محترمہ نے مجھ سے فرمایا:- میرے لئے ایک گھڑا پانی لا دو۔ تو یہ میرے اوپر گراں گزرا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ جان لیا۔ کہ حج کرنے میں میرے نفس کی موافقت کسی فائدہ اور آمیزش کے لئے تھی۔ کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو گیا ہوتا۔ تو اس کے اوپر وہ شی گراں نہ گزرتی جو شریعت میں حق ہے۔ (یعنی والدہ کے حکم کی اطاعت)

حضرت شیخ احمد بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- مجھ کو میرے نفس نے جہاد میں جانے کے لئے کہا۔ تو میں نے کہا:- سبحان اللہ (تعجب ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

''نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔''

اور یہ مجھ کو بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنا چاہتا ہے تا کہ ان سے مل کر سکون و آرام حاصل کرے اور اپنی جہاد کی تیاری لوگوں کو سنانا چاہتا ہے تا کہ لوگ تعظیم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ لہٰذا میں نے اس سے کہا:- میں آبادی میں نہیں جاؤں گا۔ اور پہچاننے والوں کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا۔ اس پر بھی اس نے لبیک کہا اور راضی ہو گیا۔ تو میں اس سے اور زیادہ بدظن ہو گیا۔ اور کہا :- اللہ تعالیٰ کا قول زیادہ سچا ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا:- میں دشمن سے بغیر ہتھیار اور ڈھال کے صرف نیزے سے جنگ کروں گا۔ لہٰذا تو پہلے ہی قتل ہو جائے گا۔ نفس نے اس کو بھی قبول کیا۔ میں نے اور بھی بہت سی چیزیں اس کو شمار کرائی۔ اس نے ان سب کو قبول کر لیا۔ تو میں نے کہا :- اے میرے رب تو ہی مجھے نفس کی حالت سے آگاہ فرما۔ بیشک میں اپنے نفس کو مجرم قرار دیتا ہوں۔ اور تیرے قول کی تصدیق کرتا ہوں۔ تب مجھ کو الہام کیا گیا۔ گویا کہ نفس کہتا ہے تم ہر روز کئی مرتبہ میری مخالفت کر کے

اور میری خواہشات کو روک کر مجھ کو قتل کرتے ہو۔ اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے۔ لہذا اگر تم جہاد کرو گے اور قتل کر دیئے جاؤ گے۔ تو یہ صرف ایک مرتبہ قتل ہو گا۔ اور میں تم سے نجات پا جاؤں گا۔ اور لوگ سنیں گے۔ تو کہیں گے۔ احمد شہید ہو گئے۔ تو اس سے لوگوں میں میری عزت اور شہرت ہو گی۔ اس لئے میں بیٹھ گیا اور میں اس سال جہاد کے لئے نہیں گیا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ ایک رات میرے نفس نے مجھ کو اتنا تنگ کیا کہ میرے اندر صبر کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ پھر میں اپنے سامنے کی طرف روانہ ہوا۔ تو میں ایک ایسے شخص کے پاس پہنچا۔ جو قبرستان میں سر چھپائے پڑا تھا۔ جب اس نے میری آہٹ محسوس کی تو اس نے کہا:۔ کون، ابو القاسم؟

میں نے کہا:۔ ہاں۔ اس نے دریافت کیا:۔ نفس کی بیماری کب اس کے لئے دوا بن جاتی ہے؟ میں نے جواب دیا:۔ جب تم نفس کی خواہش کی مخالفت کرتے ہو۔ تو اس کی بیماری اس کے لئے دوا بن جاتی ہے۔ پھر اس نے اپنے نفس سے کہا:۔ تو اس کو سن لے۔ میں نے بہت مرتبہ تجھ کو یہ جواب دیا ہے۔ لیکن تو کہتا رہا:۔ جب تک میں یہ بات جنید سے نہ سنوں گا، نہ مانوں گا۔ تو اب تو نے جنیدؒ سے بھی سن لیا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں:۔ پھر میں واپس آیا اور میں نے اس شخص کو نہیں پہچانا۔

پھر مصنفؒ نے اس دوا کی تشریح کی جو طاعت کے اندر اپنی بعض جزئیات کے ساتھ پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ بہت بڑی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

رُبَّمَا دَخَلَ الرِّيَاءُ عَلَيْكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَنْظُرُ الْخَلْقُ اِلَيْكَ

''اکثر اوقات 'ریا' تمہارے اندر اس حال میں بھی داخل ہوتی ہے کہ مخلوق تمہاری طرف نہیں دیکھتی ہے۔''

ریا کی تعریف

میں کہتا ہوں:۔ ریا:۔ لوگوں کے نزدیک قدر و منزلت کی خواہش اور کسی نیک عمل کے ذریعے اس کے ارادہ کرنے کا نام ہے۔ خواہ وہ عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا

ہے۔خواہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہو۔کیونکہ ریا، پوشیدہ عمل میں بھی ہوتا ہے۔لہٰذا ریا، تمھارے اندر اس حال میں بھی داخل ہوتا ہے۔کہ کوئی شخص تمھارے عمل کو نہ دیکھے۔اور یہ پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے۔کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

بعض عارفین فرماتے تھے:- میں نے اپنے قلب سے ہر طریقے پر ریا کو دور کرنیکی کوشش کی۔لیکن جب میں نے اس کو ایک طریقے سے دور کیا۔تو وہ دوسرے طریقے سے پیدا ہو گیا۔جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:- بڑی ریاؤں میں سے یہ ہے:- کہ دینے اور روکنے اور نقصان اور فائدہ کو مخلوق کی طرف سے سمجھے۔

ریا کی تین اقسام اور تینوں مخرب دین ہیں

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:-ریا کی تین قسمیں ہیں۔اور تینوں دین کی خرابی کا سبب ہیں۔

پہلی قسم:-اور یہ سب سے بڑی ہے۔یہ اس طرح ہے کہ اپنے عمل سے مخلوق کا ارادہ کرے۔اور اگر مخلوق موجود نہ ہو،تو وہ عمل نہ کرے۔

دوسری قسم:-یہ ہے کہ مدح وثنا کے لئے عمل کرے۔

تیسری قسم:-یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرے۔لیکن اس عمل سے ثواب حاصل کرنے یا عذاب دور ہونے کی امید کرے۔اور یہ تیسری قسم:-ایک طریقے سے بہتر ہے اور ایک طریقے سے بری ہے۔عارفین کے نزدیک یہ ریا ہے۔اور عام مسلمانوں کے نزدیک یہ اخلاص ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ

"اور عمل صالح کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے۔

اور عمل صالح:-وہ ہے جو ظاہری اور باطنی ریا سے اس طرح محفوظ ہو، کہ اس عمل کا کرنے والا دنیا اور آخرت کے کسی فائدے کا ارادہ نہ کرے۔

علاماتِ ریا

اور ریا کار کی بہت سی علامات ہیں۔ جو پوشیدہ نہیں ہیں:۔

ان علامات میں سے:۔ لوگوں کے سامنے اس کا خوشی اور سرگرمی سے عمل کرنا، اور تنہائی میں، اس کا عمل میں کاہلی اور سستی کرنا ہے۔ یعنی جب لوگ اس کو دیکھتے ہوں، تو پوری مستعدی سے عمل کرنا، اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو تو کاہلی اور سستی سے عمل کرنا ہے۔

اور ریا کی علامات میں سے:۔ اس کا اپنے دل میں لوگوں سے اپنی عزت اور تعظیم کی خواہش رکھنا ہے اور اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں، لوگوں کے ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لینے کا طلبگار ہونا ہے۔ اور جب کوئی شخص اس کے اس حق میں کوتاہی کرے، جس کا وہ اپنے نزدیک اپنے کو مستحق سمجھتا ہے۔ تو وہ اس سے دور رہے۔ اور اس کو برا سمجھے۔

نیز یہ کہ وہ اپنی عزت اور اپنے غیر کی عزت اور اپنی توہین اور اپنے غیر کی توہین میں اپنے ساتھیوں کے سلوک میں فرق محسوس کرے۔ یہانتک کہ اکثر اوقات بعض کم عقل اور کم ظرف لوگ اس کو اپنی زبان سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر جو لوگ ان کے حق کے معاملے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے جلد سزا دینے کی دھمکی دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ کہ ان کی مدد کرے۔ اور ان کا بدلہ لے۔

لہٰذا اگر فقیر اپنے اندر ان علامات کو پائے۔ تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے عمل میں ریاکاری کر رہا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے عمل کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فقیروں سے فرمائے گا۔ کیا تم لوگ اپنا بھاؤ سستا نہیں کرتے تھے؟ کیا تم لوگ سلام کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے؟ کیا تم اپنی حاجتوں کو پورا نہیں کرتے تھے؟ (یعنی اپنی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے اہل دنیا کے پاس نہیں جاتے تھے) حدیث شریف میں ہے:۔

لَا اَجْرَ لَکُمْ قَدِاسْتَوْ فَیْتُمْ اُجُوْرَکُمْ

''تمھارے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ تم اپنا اجر پورا پورا پا چکے ہو۔''

اہل اللہ کی خود احتسابی

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:- ایک عابد نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:- ہم نے صرف سرکشی کے خوف سے مال اور اولاد سے جدائی اختیار کی۔ لیکن اب ہم کو یہ خوف ہے۔ کہ ہمارے اندر ہمارے اس معاملے میں، اس سے زیادہ سرکشی نہ داخل ہو جائے۔ جو مالداروں کے اندر ان کے مالوں کے سلسلے میں داخل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہم میں سے کوئی شخص جب کسی سے ملتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی دینداری کی وجہ سے اس کی عزت کی جائے اور جب وہ کوئی حاجت طلب کرتا ہے۔ تو وہ چاہتا ہے کہ اس کی دیانتداری کے سبب اس کی حاجت پوری کر دی جائے۔ اور اگر وہ کوئی چیز خریدتا ہے۔ تو وہ چاہتا ہے کہ اس کی دینداری کے سبب اس کی قیمت اس سے کم لی جائے۔ یہ خبر ان کے بادشاہ کو پہنچی تو وہ سوار ہو کر فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ تو میدان اور پہاڑ لوگوں سے بھر گیا۔ عابد نے دریافت کیا:- یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا:- بادشاہ آپ سے ملاقات کے لئے آیا ہے تو انھوں نے لڑکے سے کہا:- تم میرے پاس کھانا لاؤ۔ تو وہ ان کے پاس کچھ ساگ اور زیتون کا تیل اور درخت کا گودا لایا۔ تو وہ منہ میں کھانا بھرے ہوئے اور جلدی جلدی کھاتے ہوئے اس کے سامنے آئے۔ بادشاہ نے دریافت کیا :- تمھارا ساتھی شیخ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا:- یہی ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا:- آپ کیسے ہیں؟ عابد نے جواب دیا:- آدمیوں کی طرح اور دوسری حدیث میں ''خیر'' کے لفظ کے ساتھ یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا:- اس کے پاس کوئی بھلائی نہیں ہے۔ پھر واپس ہو گیا تو عابد نے کہا:- سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے تم کو میرے پاس سے اس حال میں واپس کیا۔ کہ تم میری مذمت کر رہے تھے۔

اور ریا کی اسی قسم سے اکابر اولیائے نے خوف محسوس کیا اور انھوں نے اپنے کو برے لوگوں میں شمار کیا۔

جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا:- جو شخص کسی

ریا کار کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ وہ فضیل بن عیاض کو دیکھے۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے ایک عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا:- اے میرے ریا کار! تو حضرت مالک نے فرمایا:- اے عورت! تم نے میرا وہ نام معلوم کر لیا ہے جو بصرہ والے بھول گئے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات ہیں۔ جو اکابر اولیائے کرام سے اس سلسلے میں منقول ہیں۔

اور ظاہری اور باطنی ریا سے موحدین عارفین کے سوا کوئی شخص محفوظ نہیں رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موحدین عارفین کو شرک کی باریکیوں سے پاک کر دیا ہے۔ اور مخلوق کا دیکھنا، ان کی نظر سے غائب کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے قلوب میں یقین اور معرفت کے انوار روشن ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ مخلوق سے کسی فائدے کی امید نہیں رکھتے ہیں۔ نہ اس سے کسی نقصان کا خوف کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال خالص ہوتے ہیں۔ اگر چہ وہ لوگوں کے سامنے عمل کریں اور جو شخص اس مقام میں نہیں پہنچا ہوتا ہے۔ اور وہ مخلوق کو دیکھتا ہے اور ان سے فوائد کے حاصل ہونے اور نقصانات کے دور ہونے کی امید رکھتا ہے۔ وہ اپنے عمل میں ریا کاری کر رہا ہے۔ اگر چہ وہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہو۔ جہاں کسی کی نظر اس پر نہ پڑتی ہو۔ یہ حضرت شیخ ابن عباد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

باطنی ریا کی نشانی

اور باطنی ریا کی علامات میں سے :- بندے کی یہ خواہش اور تمنا ہے، کہ لوگ اس کی خصوصیت سے واقف و آگاہ ہوں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:-

اِسْتِشْرَافُكَ اَنْ يَّعْلَمَ الْخَلْقُ بِخُصُوْصِيَّتِكَ دَلِيْلٌ عَلٰى عَدَمِ صِدْقِكَ فِيْ عُبُوْدِيَّتِكَ

''تمھاری یہ خواہش کہ مخلوق تمھاری خصوصیت سے آگاہ ہو۔ اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنی عبودیت میں سچے نہیں ہو۔''

میں کہتا ہوں:- اے فقیر! جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی خصوصیت میں سے کسی خصوصیت کے ساتھ تم کو خاص کرے (یعنی کوئی خصوصیت تم کو عطا کرے) جیسے زہد، یا ورع، یا توکل، یا رضا، یا تسلیم، یا محبت، یا قلبی یقین، یا معرفت یا تمھارے ہاتھ سے کوئی ظاہری یا باطنی کرامت ظاہر کرے۔ یا تمھاری فکر کسبی یا لدنی حکمتیں یا بخششیں حاصل کرے۔ پھر تمھاری خواہش یہ ہو کہ لوگ تمھاری اس خصوصیت سے آگاہ ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے۔ تو یہ تمھارے باطن میں پوشیدہ ریا کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور اپنی عبودیت میں تمھارے سچا نہ ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ تم اپنی عبودیت میں جھوٹے ہو۔ اس لئے اگر تم اپنی عبودیت میں سچے ہوتے، تو تم اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھتے اور اپنے لئے اس کی حفاظت اور نگرانی پر قناعت کرتے اور اس کے مشاہدے میں اس کے ماسوا کے مشاہدے سے بے نیاز ہوتے۔

اخفاء راز لازم ہے

لہٰذا فقیر کے اوپر واجب ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ کسی خصوصیت سے مخصوص کرے۔ تو وہ اس کو چھپائے اور اپنے اندر اس کے موجود ہونے سے انکار کرے اور اس کو اپنے شیخ کے سوا کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو ظاہر کرے گا۔ تو وہ خطرے میں مبتلا ہوگا۔ اس لئے کہ ظاہر کرنا، کبھی بیان کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی فخر اور بڑائی کے طور پر ہوتا ہے۔ اور چھپانے ہی میں سلامتی ہے۔

وہ جاہل ہے

اور حضرت مصنفؒ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:- ”جس شخص کو تم ہر سوال کا جواب دینے والا اور اپنے ہر مشاہدے کا ظاہر کرنے والا اور اپنی ہر معلوم کا بیان کرنے والا، دیکھو۔ تو سمجھ لو، کہ وہ جاہل ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے اسی مفہوم کے بارے میں یہ اشعار فرمایا ہے:-

اِحْفِظْ لِسِرِّكَ وَدُكَّهٗ فِی الْاَرْضِ سَبْعِیْنَ قَامًا

''تم اپنے راز کو زمین میں ستر گز گہرا گڑھا کھود کر دفن کرو۔''

وَ خَلِّ الْخَلَائِقَ یَشْکُوْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَا

''اور مخلوقات کو چھوڑ دو۔ وہ قیامت تک شکایت کرتے رہیں۔''

اور ہمارے برادران طریقت میں بعض ایسے تھے۔ کہ جب ان سے دریافت کیا جاتا تھا:-

آپ لوگوں نے اس طریقت کے راستے میں کیا پایا اور کیا مزہ چکھا؟

تو وہ فرمایا کرتے تھے:- ہم نے اس میں سردی اور فاقہ پایا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ اس جواب کو پسند فرماتے تھے۔ اور ان کی تعریف کرتے تھے۔ کیونکہ یہ جواب ان کے اخلاص کی صداقت کی دلیل ہے۔

اور ہمارے اور ان لوگوں کے شیوخ رضی اللہ عنھم اپنے باطنی حالت کی حفاظت کے لئے ، ہمیشہ اپنے ظاہر میں خراب کا استعمال کیا کرتے۔

اور اسی وجہ سے پوشیدہ عمل کو ظاہری عمل پر ستر درجہ زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

نیک اعمال کو کس طرح چھپائے

اور حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

جس روز تم میں سے کسی شخص نے روزہ رکھا ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ اپنی ڈاڑھی میں تیل لگائے۔ اور ہونٹوں پر بھی لگا دے۔ تاکہ جب وہ لوگوں کے سامنے جائے تو لوگ اسے دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ روزہ دار نہیں ہے اور جب کسی شخص کو کچھ دے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح دینا چاہئے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے۔ تو اس کو چاہئے۔ کہ اپنے دروازے کو بند کر دے۔ کیونکہ مدح وثنا بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح تقسیم کرتا ہے۔ جس طرح روزی تقسیم کرتا ہے۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ قرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- جو شخص اپنے افعال و اقوال میں اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے پر قناعت نہیں کرتا۔ اس کے اندر ریا کا داخل ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے :- بندہ ہرگز مخلص نہیں ہوسکتا ہے۔ جب تک وہ غیر معروف غار میں رہنا پسند نہ کرے۔

اسی بنا پر طریقت کے راستے میں اپنی قدر و منزلت کو گھٹانا شرط ہے۔

لیکن اگر بندہ، معرفت اور وحدانیت کے مشاہدے میں ثابت اور قائم ہو جائے۔ تو اس کے لئے، اپنے اعمال سے واحدانیت کی خبر دینا، اور اپنے احوال کی خوبیوں کو ظاہر کرنا غیر اللہ کی نفی کرنے اور شکر کے واجب کو ادا کرنے کی بنا پر جائز ہے۔

بعض عارفین سلف (پہلے زمانے والے) کا معمول تھا:- جب صبح ہوتی تو وہ بیان کرتے تھے۔ میں نے اتنی رکعتیں نماز پڑھی ہے اور اتنی سورتیں قرآن مجید تلاوت کی ہے۔ جب ان سے یہ کہا جاتا:- کیا آپ ریا سے نہیں ڈرتے ہیں؟ تو وہ فرماتے تھے:- تمھارے حال پر افسوس ہے۔ یا یہ کہ:- تم نے بہت خوب کہا۔ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو غیر اللہ کے فعل کے ساتھ ریا کرتا ہے۔

حاصل یہ ہے:- جو شخص اپنے نفس سے فنا ہو گیا اور اپنے رب کے شہود میں ثابت اور قائم ہو گیا۔ اس کے متعلق کچھ کلام نہیں ہے۔

صرف اللہ کے بندے بنو!

اور عارفین نے فرمایا ہے:- جو شخص گمنامی کو پسند کرتا ہے۔ وہ گمنامی کا بندہ ہے۔ اور جو شخص مشہور ہونا پسند کرتا ہے۔ وہ شہرت کا بندہ ہے۔ اور جو شخص وہی چاہتا ہے۔ جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔

پھر مصنفؒ نے تم کو مخلوق سے خواہش کو ترک کرنے کے لئے دوا بتائی اور وہ دوا:- اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو کافی سمجھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

غَيِّبْ نَظَرَ الْخَلْقِ اِلَيْكَ بِنَظَرِ اللّٰهِ اِلَيْكَ ، وَغِبْ عَنْ اِقْبَالِهِمْ عَلَيْكَ بِشُهُوْدِ اِقْبَالِهٖ عَلَيْكَ

”تم اپنی طرف مخلوق کے دیکھنے کو، اپنی طرف اللہ تعالیٰ کے دیکھنے میں غائب (فنا) کر دو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے اپنے سامنے ہونے اور اپنی طرف متوجہ ہونے کے شہود میں، مخلوق کے اپنی

طرف عزت و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہونے کے دیکھنے سے غائب ہو جاؤ۔''

ماسوی اللہ خیالی وغبار ہے

میں کہتا ہوں: مخلوق، درحقیقت عدم ہے۔ اور صرف اللہ واحد، احد ہی وجود ہے۔ لہٰذا ماسوی کا وجود، ہوا میں خیالی غبار کی طرح، یا لوگوں کے سایوں کی طرح ہے۔ اگر تم اس کو تلاش کرو، تو اس کو کچھ نہ پاؤ گے۔

لہٰذا اے فقیر! تم اللہ تعالیٰ کے اپنی طرف دیکھنے کو کافی سمجھ کر، مخلوق کے اپنی طرف دیکھنے کو اپنے دل سے مٹا دو۔ کیونکہ ماسوی کو دیکھنے کی قوت نہیں ہے اور بزرگ بادشاہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے اور متوجہ ہونے کے مشاہدے میں مشغول ہو کر، مخلوق کے عزت و تعظیم کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہونے کے شہود سے، تم غائب ہو جاؤ۔ یعنی تم علم کے ثابت ہونے کے ساتھ وہم سے دور ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تمہارا مخلوق کی طرف متوجہ ہونا، اللہ تعالے سے منہ پھیر لینا ہے۔ اور مخلوق سے منہ پھیر لینا، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اور دونوں یعنی منہ پھیر لینا اور متوجہ ہونا، ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی ہے:-

اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ ، اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَ اعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ ، وَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ ، جَفَّتِ الْاَقْلَامُ وَ طُوِيَتِ الصُّحُفُ

''اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق اور احکام کی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے موجود پاؤ گے۔ جب تم کچھ مانگو، تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اور جب تم مدد چاہو، تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔ اور تم یہ جان لو:- بیشک اگر امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تم کو کچھ فائدہ پہنچائیں۔ تو تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہیں مگر اتنا ہی، جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب اس بات پر متفق ہو جائیں، کہ تم کو کچھ نقصان پہنچائیں۔ تو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ مگر اتنا ہی، جتنا ہی، جتنا اللہ تعالیٰ نے

تمھارے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم خشک ہو گیا اور صحیفے لپیٹ دیئے گئے۔

حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

میں اپنے نفس کے لئے اپنے فائدے سے ناامید ہو گیا ہوں۔ تو میں اپنے غیر کے فائدے سے جو اس کے نفس کے لئے ہوں کیسے ناامید نہ رہوں۔ اور جب میں اپنے غیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید کروں گا۔ تو اپنے لئے کیوں نہ کروں گا۔

حضرت مصنفؒ نے اپنے کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:- ولی کی بنیاد:- اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھنا۔ اس کے علم پر قناعت کرنا اور اس کے شہود کا ارادہ کرنا ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

و من یتو کل علی اللہ فھو حسبہ

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَلَیْس اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی

''کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَ لَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ

''کیا تمھارا رب اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ ہر شی کو دیکھ رہا ہے۔

طریق صوفیاء کرامؒ

پس صوفیائے کرام کا طریقہ:- ابتدا میں، مخلوق سے دور رہنا اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا اور اعمال کو چھپانا اور احوال کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ تاکہ ان کی فنا قائم اور ان کا زہد ثابت اور ان قلب سلیم ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب یقین مضبوط ہو جائے۔ اور وہ مضبوطی اور ثابت قدمی کی تائید حاصل کر لیں۔ اور فنا میں ثابت ہو جائیں۔ اور بقا میں پہنچ جائیں۔

تو اس وقت اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تو ان کو، اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے، ہادی بنا کر ظاہر

کرے۔ اور اگر چاہے تو ان کو چھپائے اور ہر شی سے ان کو جدا کر کے اپنی طرف متوجہ رکھے۔

طریقت کا حصول دو وصفوں پر موقوف ہے

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

بندہ اس طریقت کی کسی حقیقت کو نہیں پا سکتا ہے۔ جب تک وہ دو وصفوں میں سے کسی ایک وصف سے موصوف نہ ہو جائے۔

پہلا وصف:۔ لوگ اس کی نگاہ سے گر جائیں۔ اس طرح کہ دنیا و آخرت میں اپنے اور اپنے خالق کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ کیونکہ کوئی شخص نہ اس کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے نہ فائدہ پہنچانے کی۔

دوسرا وصف:۔ یہ ہے۔ کہ نفس اس کے قلب سے گر جائے۔ اس طرح کہ اس کو اس کی پرواہ نہ رہ جائے۔ کہ لوگ اس کو کس حال میں دیکھتے ہیں۔ کسی عارف شاعر نے کیا خوف فرمایا ہے:۔

فَلَيْتَكَ تَحْلُوْ وَالْحَيَاةُ مَرِيْرَةٌ وَلَيْتَكَ تَرْضٰى وَالْاَنَامُ غِضَابُ

''اے کاش کہ تم میٹھے ہوتے اور زندگی تو کڑوی ہی ہے۔ اور اے کاش کہ تم راضی ہوتے۔ حالانکہ مخلوق غضب ناک ہے۔

وَلَيْتَ الَّذِىْ بَيْنِىْ وَ بَيْنَكَ عَامِرٌ وَ بَيْنِىْ وَ بَيْنَ الْعَالَمِيْنَ خَرَابُ

''اور اے کاش جو میرے اور تمھارے درمیان ہے وہ آباد ہوتا۔

اور میرے اور تمام عالم کے درمیان اجاڑ ہے۔''

وَلَيْتَ شَرَابِىْ مِنْ وِدَادِكَ صَافِيًا وَ شُرْبِىْ مِنْ مَّاءِ الْمَعِيْنِ سَرَابُ

''اے کاش کہ تمھاری محبت سے میری شراب خالص ہو جاتی اور جاری پانی سے آسودہ ہونا سراب (بے حقیقت) ہے۔

اِذَاصَحَّ مِنْكَ الْوُدُّ فَالْكُلُّ هَيِّنٌ وَ كُلُّ الَّذِىْ فَوْقَ التُّرَابِ تُرَابُ

''اگر تمھاری طرف سے محبت درست ہو جائے تو ہر شی آسان ہے اور جو کچھ مٹی پر ہے وہ مٹی ہے۔

لقمان کی حکایت

اور جان لو کہ مخلوق کی رضامندی، ایسا مقصد ہے۔ جو حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے اور لقمان

اوران کے بیٹے کے قصے پر غور کرو اور وہ قصہ مشہور ہے۔اس قصے سے تمھارے اوپر یہ واضح ہو جائے گا کہ مخلوق کا راضی ہونا محال، یا دشوار ہے اور سب لوگوں سے بڑا جاہل وہ شخص ہے جو ایسی چیز طلب کرتا ہے، جو حاصل نہیں کی جا سکتی ہے لقمان کا قصہ یہ ہے:- وہ سفر پر جا رہے تھے۔ان کے ساتھ ان کا لڑکا اور ایک گدھا تھا۔ وہ لڑکے کو گدھے پر سوار کر کے خود پیدل چل رہے تھے۔ تھوڑی دور چلے تھے۔ کہ کچھ لوگ ملے وہ لوگ کہنے لگے:- یہ لڑکا بڑا بد تمیز ہے۔ خود تو گدھے پر سوار ہے اور ضعیف باپ پیدل چل رہا ہے۔ یہ سن کر لقمان نے لڑکے کو گدھے سے اتار دیا۔ اور خود سوار ہو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ پھر کچھ لوگ ملے کہنے لگے:- یہ باپ کتنا سخت دل ہے کہ خود گدھے پر سوار ہے اور لڑکا پیدل چل رہا ہے۔ یہ سن کر لقمان نے لڑکے کو بھی گدھے پر سوار کر لیا۔ اس حال میں کچھ دور چلے کہ پھر کچھ لوگ ملے اور کہنے لگے:- یہ دونوں بڑے بے رحم ہیں۔ کہ ایک بے زبان جانور پر دو آدمی سوار ہو کر چل رہے ہیں۔ ان کو تو یہ چاہئے کہ ایسے کمزور گدھے کو یہ دونوں اپنے کندھے پر اٹھا کر لے جاتے۔ یہ سن کر لقمان نے ایک بانس لیا اور گدھے کا پاؤں رسی سے بانس میں باندھا۔ اور دونوں باپ بیٹے، دو طرف سے بانس کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے۔ کہ کچھ مرد اور عورت کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ ان کی نظر گدھے پر پڑی تو وہ لوگ قہقہہ لگا کر ہنسنے اور پاگل دیوانہ کا شور مچانے اور تالیاں بجانے لگے۔ اُس وقت یہ دونوں ایک نہر کے پل کے اوپر گزر رہے تھے۔ شور سن کر گدھا بدکا اور بانس ان کے کندھوں سے گرا اور گدھا نہر میں گر گیا۔

ایک عارف کا قول

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- میرا لوگوں سے کیا تعلق ہے؟ میں اپنی ماں کے شکم میں تنہا تھا اور میں دنیا میں تنہا آیا اور میں تنہا مروں گا۔ اور میں قبر میں تنہا جاؤں گا۔ اور مجھ سے قبر میں تنہا سوال کیا جائے گا۔ اور میں اپنے قبر سے تنہا اٹھوں گا۔ اور ہم سے تنہا حساب لیا جائے گا۔ پھر اگر میں جنت میں جاؤں گا۔ تو تنہا جاؤں گا۔ اور اگر میں دوزخ میں جاؤں گا۔ تو تنہا جاؤں گا۔ تو جب ان سب جگہوں میں کوئی شخص نہ میرا ساتھ دے سکتا ہے۔ نہ میرے کچھ کام آ سکتا ہے۔ تو مجھے لوگوں سے کیا تعلق ہے اور میں ان کی فکر میں کیوں پڑوں۔

بیان کیا گیا ہے:- سچے ولی کی مخلوق کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ ان کے نزدیک مخلوق کی کچھ قدر و منزلت ہوتی ہے۔ لہذا جتنا ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتا

جاتا ہے۔ اتنا ان کا مرتبہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتا جاتا ہے۔

اور اللہ کے دیکھنے کو کافی سمجھ کر مخلوق کے دیکھنے سے غائب ہونا، صرف ہر شی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت، ہر شی میں اس کے مشاہدہ کرنے سے ثابت اور قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:-

مَنْ عَرَفَ الْحَقَّ شَهِدَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ ، وَ مَنْ فَنَا بِهِ غَابَ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ ، وَ مَنْ اَحَبَّهُ لَمْ يُؤْثِرْ عَلَيْهِ شَيْئًا

'' جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ہر شی میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے وہ ہر شی سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ کسی شی کو اس کے اوپر ترجیح نہیں دیتا۔

اللہ کی معرفت

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالیٰ کی معرفت:- اس کی عبودیت کے مظاہر میں اس کی ربوبیت کا مشاہدہ کرنا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:- احدیت کے مشاہدے میں غیریت سے غائب ہونا ہے۔

یا اس طرح کو:- وہ عالم اجسام کے مشاہدہ سے، عالم ارواح کے مشاہدہ کی طرف ترقی کرنا ہے۔ لہذا تمھارا جسم اجسام کے ساتھ ہوتا ہے اور تمھاری روح ارواح کے ساتھ ہوتی ہے۔ مباحث میں فرمایا ہے:-

وَاسْتَشْعَرُوْا شَيْئًا سِوَى الْاَبْدَانِ يَدْعُوْنَهُ بِالْعَالَمِ الرُّوْحَانِيِّ

''انھوں نے اجسام کے سوا ایک شی کو پہچانا ہے۔ جس کو وہ عالم روحانی کہتے ہیں۔''

ثُمَّ اَقَامَ الْعَالِمُ الْمَعْقُوْلُ مَعَارِفَ تُلْغَزُ بِالْمَنْقُوْلِ

''پھر عالم معقول نے ایسے معارف قائم کیا۔ جو منقول کے ساتھ بطور معما کے کہے جاتے ہیں۔''

فنا فی اللہ؟

اور اللہ تعالیٰ میں فنا:- یہ ہے کہ تمھارے سامنے اس کی عظمت اس طرح ظاہر ہو کہ تم کو ہر شی بھلا دے اور اس اللہ واحد کے سوا، جس کے مثل کوئی شی نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی شی ہے،

ہر شی سے تم کو غائب کر دے۔

یا تم اس طرح کہو:۔وہ بغیر مخلوق کے مشاہدے کے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے۔

بقا باللہ؟

جیسا کہ بقا:۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کا مشاہدہ کرنا ہے۔

محبت

اور محبت:۔یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے محبت کریں، اس کے قلب کو اس طرح اپنے قبضے میں لے لے، کہ اس کو اپنی ذات کی خبر نہ ہو۔ اور نہ اس کو اپنے محبوب کے سوا کسی کے ساتھ قرار و سکون ہو اور اس تعریف کے علاوہ دوسری تعریف بھی بیان کی گئی ہے۔

لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ہر شی میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی شی کو نہیں دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی بصیرت عالمِ اجسام کے مشاہدے سے عالمِ ارواح کے مشاہدے کی طرف اور عالمِ ملک کے مشاہدے سے فضائے ملکوت کے مشاہدے کی طرف ترقی کر جاتی ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے اور اس کی بارگاہ کی طرف جذب ہو جاتا ہے (کھنچ جاتا ہے)۔ وہ اس کے نور کے مشاہدہ میں ہر شی سے غائب ہو جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شی کو ثابت نہیں کرتا ہے۔

عارف باللہ اور فنا فی اللہ میں فرق؟

اور فانی فی اللہ اور عارف باللہ کے درمیان یہ فرق ہے:۔عارف باللہ، اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ اور فانی فی اللہ، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کو ثابت نہیں کرتا ہے۔

عارف، قدرت اور حکمت کو ثابت کرتا ہے اور فانی، قدرت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔

عارف، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض عارفین کا قول ہے:۔

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللهَ فِیْهِ

”میں نے کسی شی کو نہیں دیکھا مگر اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور فانی، اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللهَ قَبْلَهٗ

''میں نے کسی شی کو نہیں دیکھا۔ مگر اس کے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

عارف، بقا کے مقام میں ہے۔ اور فانی، فنا کے مقام میں مجذوب ہے۔

فانی سائر (سیر کرنے والا) ہے۔ عارف، متمکن ،واصل (اللہ تعالیٰ تک پہنچا ہوا) ہوتا ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کے اوپر اپنے فوائد اور اپنے نفس کی خواہش سے کسی شی کو ترجیح نہیں دیتا۔ اگر چہ اس میں اس کی موت واقع ہو جائے۔

جیسا کہ ایک شاعر نے فرمایا ہے:۔

قَالَتْ وَ قَدْ سَاَلْتُ عَنْ حَالِ عَاشِقِهَا بِاللّٰهِ صِفْهُ وَ لَا تَنْقُصْ وَ لَا تَزِدِ

''اس نے کہا اور اپنے عاشق کا حال پوچھا۔ تم اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ موصوف کرو اور نہ کم کرو نہ زیادہ۔''

فَقُلْتُ لَوْ كَانَ رَهْنَ الْمَوْتِ مِنْ ظَمَاٍ وَ قُلْتِ قِفْ عَنْ وُرُوْدِ الْمَاءِ لَمْ يَرِدِ

''پس میں کہتا ہوں کہ اگر وہ پیاس سے موت کے ہاتھ میں گرو ہو جائے۔ لیکن اگر تم کہو:- پانی کے پاس نہ جاؤ۔ تو وہ نہ جائے۔''

اور محبت کی تشریح بہت لمبی ہے۔ مصنفؒ نے اس کی تعریف اپنی کتاب لطائف المنن میں بہترین جملوں کے ساتھ فرمائی ہے۔ اور مصنفؒ کا کلام نزول کے مقام میں ہے۔

لہٰذا معرفت: تمام مقامات سے اعلیٰ درجے کا مقام ہے اور اس کے پہلے فنا کا مقام ہے اور فنا کو محبت بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی معرفت کی ابتدا۔

تو اپنے جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے لئے منتخب کرنا اور اپنی معرفت اس کو عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلے اس کے قلب میں اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ پھر بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ اور اپنے جسم کے اعضا کو اس کی خدمت میں تکلیف دیتا ہے اور اس کی معرفت کا پیاسا ہوتا ہے۔ پھر وہ برابر نوافل عبادتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو اس کے نفس سے فنا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس کی حس سے غائب کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا کان اور اس کی آنکھ اور اس کا ہاتھ اور اس کا سب (جسم و روح) ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو اس کی طرف لوٹاتا ہے۔ اور اس کو اپنے ساتھ باقی رکھتا ہے۔ پھر وہ ہر شی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔ اور اس کو ہر شی

کے ساتھ قائم اور ہر شئی میں ظاہر دیکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مصنفؒ نے جو علامات بیان فرمائی ہیں۔ وہ انھیں مقامات کے ثابت ہونے کی دلیل ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے اندر یہ علامات پائے۔ اس کا دعویٰ ان مقامات کے لئے یا اس کے بعض کے لئے درست ہے اور جو شخص یہ علامات اپنے اندر نہ پائے اس کا ان مقامات کے حاصل ہونے کا دعوی کرنا جھوٹ ہے اور اس کی رسوائی کا سبب ہے۔ اس کو اپنا مقام پہچاننا اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

اور چونکہ معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شئی میں ظاہر ہونا اس طرح ہو کہ تم اس کو ہر شئی میں ظاہر دیکھو۔ اس لئے مصنفؒ نے اس کے پوشیدہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

اِنَّمَا حَجَبَ الْحَقَّ عَنْكَ شِدَّةُ قُرْبِهٖ مِنْكَ ، وَ اِنَّمَا احْتَجَبَ لِشِدَّةِ ظُهُوْرِهٖ وَ خَفِيَ عَنِ الْاَبْصَارِ لِعَظِيْمِ نُوْرِهٖ

”تم سے اللہ تعالیٰ کی انتہائی قربت نے، تم سے اللہ تعالیٰ کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ظہور کی زیادتی کی وجہ سے تم سے پوشیدہ ہے۔ اور اپنے نور کی عظمت اور بڑائی کے سبب آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔“

شدت ظہور کے باوجود خفا کی حکمتیں

میں کہتا ہوں:- مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ کے شدت سے ظاہر ہونے کے باوجود اس کے پوشیدہ ہونے میں تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں:-

پہلی حکمت:- بہت زیادہ قریب ہونا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بہت زیادہ قریب ہونا پوشیدہ ہونے کا لازمی سبب ہوتا ہے۔ جیسے کہ انسان کے آنکھ کی سیاہی۔ کیونکہ انسان اپنی آنکھ کی سیاہی کو صرف اس وجہ سے نہیں دیکھتا ہے۔ کہ وہ اس سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر شئی سے زیادہ تم سے قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

”اور البتہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ان کو جانتے ہیں۔ اور ہم انسان کے، اس کی گردن کی رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

لہذا اللہ تعالیٰ کا تم سے بہت زیادہ قریب ہونا۔ تمھاری انتہائی کمزوری کا سبب ہے۔

مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ قربت ہی نے قربت کے مشاہدہ کو تم سے غائب کر دیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

قربت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تم بہت زیادہ قربت کی وجہ سے، قربت سے قربت میں غائب ہو جاؤ۔ اس شخص کی طرح جو مشک کی خوشبو کو سونگھتا ہے۔ پھر وہ برابر اس کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اور جتنا اسکے قریب ہوتا ہے۔ اس کی خوشبو زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ پھر جب وہ اس گھر میں پہنچ جاتا ہے۔ جس میں مُشک بھرا ہوا ہے۔ تو مشک کی خوشبو کا احساس اس سے ختم ہو جاتا ہے۔

بعض عارفینؒ کا کلام ہے:۔

كَمْ ذَا تُمَوَّهُ بِالشَّعْبَيْنِ وَ الْعَلَمِ وَالْاَمْرُ اَوْضَحُ مِنْ نَّارٍ عَلٰى عَلَمِ

''تم غاروں اور پہاڑ میں کتنا پانی بھرو گے (کتنی محنت کرو گے) حالانکہ یہ معاملہ پہاڑ کی آگ سے زیادہ واضح ہے۔''

اَرَاكَ تَسْاَلُ عَنْ نَجْدٍ وَ اَنْتَ بِهَا وَ عَنْ تِهَامَةَ هٰذَا فِعْلُ مُتَّهَمِ

''میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نجد اور تہامہ کے متعلق پوچھتے ہو۔ حالانکہ تم اس میں موجود ہو۔ یہ شک اور وہم میں مبتلا شخص کا کام ہے۔''

دوسری حکمت:۔ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ ہونے میں دوسری حکمت اس کا بہت زیادہ ظاہر ہونا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ بہت زیادہ ظاہر ہونا پوشیدہ ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ھمزیہ کے مصنفؒ نے فرمایا ہے۔

وَ مِنْ شِدَّةِ الظُّهُوْرِ الْخِفَاءُ

''ظہور کی شدت کی وجہ سے ہی پوشیدگی ہے۔''

شدتِ ظہور ہی پوشیدگی کی نشانی ہے اس کی حسی مثال

اور صوفیائے کرامؒ نے اس کی مثال:۔

سورج کے گولے سے دی ہے۔ جب اس کی شعاع تیز ہو جاتی ہے۔ اور وہ پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ تو اس کے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے کمزور آنکھیں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔

لہذا بہت زیادہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونے کا سبب ہے۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے:-

وَ مَا احْتَجَبَتْ اِلَّا بِرَفْعِ حِجَابِهَا وَ مِنْ عَجَبٍ اَنَّ الظُّهُوْرَ تَسَتُّرٌ

''وہ پردہ اٹھانے کے سبب پوشیدہ ہوا۔ اور تعجب یہ ہے کہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونا ہے''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کمزور آنکھوں سے بغیر کسی حجاب کے پوشیدہ ہے۔

تیسری حکمت:- نور کی شدت ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ نور کی شدت (تیزی) دکھائی نہ دینے کا سبب ہے۔ کیونکہ آنکھ بہت تیز روشنی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں معراج کے قصہ میں ہے:-

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ ؟ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ؟

استفہام کے لفظ کے ساتھ:- ہم لوگوں نے کہا:- یا رسول اللہ ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا وہ نور ہے اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفہام کے لفظ کے ساتھ فرمایا:- یعنی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا نور غالب ہو گیا۔ تو میں اس کو کس طرح دیکھتا۔

اور دوسری روایت میں ہے:-

رَاَيْتُ نُوْرًا

''میں نے نور دیکھا۔''

لہٰذا احتمال یہ ہے:- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ نور دیکھا۔ پھر بصیرت سے اس کا مشاہدہ ثابت رہنے کے باوجود، آنکھ سے اس کے مشاہدہ کی طاقت نہیں رہی۔

نیز آنکھ، چمکنے اور چکا چوندھ کر دینے والی بجلی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

اس کے بارے میں عارفین کے حسب ذیل اشعار ہیں:-

بِالنُّوْرِ يَظْهَرُ مَا تَرٰى مِنْ صُوْرَةٍ وَ بِهٖ وُجُوْدُ الْكَائِنَاتِ بِلَا امْتِرَا

''جو صورت تم دیکھتے ہو، وہ اسی نور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور بلاشبہ کائنات کا وجود اسی سے ہے۔''

لٰكِنَّهٗ يَخْفٰى لِفَرْطِ ظُهُوْرِهٖ حِسًّا وَّ يُدْرِكُهُ الْبَصِيْرُ مِنَ الْوَرٰى

''لیکن وہ نور اپنے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے حس (محسوس کرنے والی قوت) سے پوشیدہ ہے۔ اور دیکھنے والا اس کو مخلوق میں دیکھتا ہے۔''

فَاِذَا نَظَرْتَ بِعَيْنِ عَقْلِكَ لَمْ تَجِدْ   شَيْئًا سِوَاهُ عَلَى الذَّوَاتِ مُصَوَّرًا

''تو جب تم اپنے عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہو۔ تو اس کے سوا کسی شی کو مخلوق کی ذاتوں میں ظاہر نہیں پاتے ہو۔

وَاِذَا طَلَبْتَ حَقِيْقَةً مِنْ غَيْرِهٖ   فَبِذَيْلِ جَهْلِكَ لَا تَزَالُ مُعَثَّرَا

''اور اگر تم اس کے غیر سے کوئی حقیقت طلب کرتے ہو تو ہمیشہ اپنی جہالت میں بھٹکتے رہو۔

اور یہ نور جس کا ہم بیان کر رہے ہیں، یہ محسوس نور نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ ایسا نور ہے۔ جو صفات اور اسماء کی حقیقتوں سے ظاہر ہوتا ہے اور جہالت کی تاریکی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت تک پہنچاتا ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں:- یہ وہ اصلی نور ہے، جو جبروت کے سمندر سے جاری ہوتا ہے۔ مگر حکمت اور عزت اور قہریت سے پوشیدہ ہے۔

حضرت ابوالقاسم نصرابادی سے ان کے اس شعر کا مفہوم دریافت کیا گیا ہے:-

وَيُظْهِرُ فِي الْهَوٰى عِزَّ الْمَوَالِيْ   فَيَلْزَمُنِيْ لَهٗ ذُلُّ الْعَبِيْدِ؟

''اور وہ محبت میں آقائی اور مولائی کی عزت ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے سامنے غلاموں کی ذلت اور عاجزی اختیار کرنی میرے اوپر لازم ہے۔''

تو انھوں نے جواب دیا:- آقائی کی عزت حجاب ہے۔ کیونکہ اگر وہ حجاب کو دور کر دے تو عقلیں زائل ہو جائیں۔

یہاں سترھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس باب کا حاصل:- تین امور ہیں:-

پہلا امر:- یہ ہے:- اولیاء اللہ کی طرف رہنمائی اور اولیاء اللہ کے پاس پہنچنا، اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے لازم ہے۔ اس طرح کہ ایک دوسرے سے اکثر جدا نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا امر:- ولایت کے اسرار کی تشریح ہے۔ اور وہ ملکوت کے غیب کے اسرار سے آگاہ ہوتا ہے اس شرط کے بغیر، کہ وہ بندوں کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہو۔

(یعنی لوگوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہونا اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔) کیونکہ بندوں کے رازوں سے آگاہی، کبھی اس کے لئے فتنہ اوراس کی سزا کا سبب بن جاتی ہے۔ جبکہ اس کے اندر نفس کے فوائد موجود ہونے کی بناء پر، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ثابت اور قائم نہ ہو اس حال میں اکثر وہ اپنی عبادت میں بندوں کے پوشیدہ رازوں سے آگاہی کی نیت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اس کے حق میں ریا ہو جاتا ہے۔

اور ریا:۔ اُن باطنی امراض میں سے ہے جن کا علاج بہت مشکل ہے۔ جیسے کہ اس کی یہ خواہش کہ لوگ اس کی خصوصیت سے آگاہ ہوں۔

اور اس ریا کا علاج:۔ لوگوں سے دور رہنا اور غیر اللہ کے دیکھنے سے پرہیز کر کے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو کافی سمجھنا ہے۔

تیسرا امر:۔ عارف کے اندر ان اسرار کے موجود ہونے کی علامت ہے۔

اور وہ علامت:۔ ہر شی میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا اور ہر شی سے اس کا فنا ہونا اور ہر شی پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دینا (مقدم رکھنا) ہے۔

پس اگر تمہارا اعتراض:۔ یہ ہو:۔ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ حالانکہ وہ غیب (پوشیدہ) ہے؟۔

تو میرا جواب یہ ہے:۔ بلکہ وہ ہر شی میں ظاہر ہے۔ اور اس کا پوشیدہ ہونا:۔ حقیقتاً اس کے قرب کی زیادتی اور اس کے ظہور کی شدت اور اس کے نور کی عظمت (بڑائی اور تیزی) کے سبب ہے۔

اور جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ قریب ہے اور وہ تمہاری روح اور تمہارے قلب سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہے تو تم اس کے دیکھنے کو کافی سمجھو اور اس کے علم کو کافی سمجھ کر، اس سے دعا کرنے سے بے نیاز ہو جاؤ۔ لیکن اگر دعا کرو۔ اور دعا کرنا۔ شرعاً ضروری ہے تو دعا صرف عبودیت (بندگی)، مناجات (سرگوشی) اور خوشامد اور عاجزی کی نیت سے ہونی چاہئے۔ نہ کہ عطا (بخشش) کا سبب ہونے کی نیت سے۔

اور حضرت مصنفؒ نے اٹھارہویں باب کی ابتدا میں دعا کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

ایقاظ الھِمَم
فی
شرح الحِکَم

جلداول

مصنف

احمد بن محمد عجیبۃ الحسنی رحمہ اللہ

مترجم

حضرت مولانا محی الدین نظامی رحمہ اللہ

بانضمام

حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہم

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں ضلع میانوالی

فون: 0300-6092045